سلسلۂ دار المصنفین

نمبر (۸۶)

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ

کی

ایک ایک جھلک

جس میں

تیموری عہد سے پہلے کے ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے دور کی سیاسی، تمدنی اور
معاشرتی کہانی ہندو اور مسلمان مورخین کی زبانی بیان کی گئی ہے،

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے

باہتمام

مولانا مسعود علی صاحب ندوی

معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپی

سنہ ۱۹۵۵ عیسوی

قیمت: [illegible]

انتساب

مولانا ابوالکلام آزاد

کے نام

جو دارالمصنفین کے بڑے قدردان تھے، اور جن کی نظرِ توجہ اور

علم دوستی سے اس کو بڑا فائدہ پہونچا

ارکانِ دارالمصنفینؒ

فہرست

فہرست حواشی

پیش لفظ

از

جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب مدظلہ، سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار، و وزیر امورِ خارجہ حکومتِ ہند دہلی

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب دار المصنفین شبلی اکیڈمی کے ایک اہم رکن ہیں، ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ اُن کا وسیع ہے، یہ کتاب انہی کی تالیف ہے، جو دار المصنفین کی طرف سے شائع ہو رہی ہے، اس میں ملک کے بڑے بڑے ہندو و مسلم مورخین کی مشہور کتابوں کے ایسے اقتباسات دیئے گئے ہیں جن سے ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ کے مفید معاشرتی و تمدنی حالات ظاہر ہوتے ہیں،

اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ مسلمان جنوبی ہند مین تاجر کی حیثیت سے آئے، اور انھوں نے ملک میں اپنے اخلاق و کیریکٹر کا گہرا اثر ڈالا اسی لئے جنوبی ہند کے راجاؤں نے اُن کو مذہبی معاشرتی مراعاتیں دیں، ان کے رہن سہن، دین، طور و طریقہ، معاملات کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی اور سچائی کے اثر سے یہاں کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہوگئی جو روز بڑھتی رہی، مختلف جگہون پر مسجدین تعمیر ہوئین، اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی آواز پنج وقتہ فضا میں گونجنے لگی، یہ مسلمان اپنے اپنے راجاؤں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیتے رہے، اور یہ ہندو حکمراں بھی اُن پر نہایت درجہ مہربان رہے، جو حضرات اپنا زورِ قلم اس بات کو ثابت کرنے میں صرف کرتے ہیں کہ شمالی ہند مین اسلام محمود غزنوی اور اورنگ زیب جیسے بادشاہون کی طاقت و تلوار کا نتیجہ ہے، وہ جنوبی ہند مین اسلام پھیلنے کی کیا وجہ بتلائین گے؟ اور نہ صرف جنوبی ہند مین بلکہ ملایا، چین، انڈو چائنا اور انڈونیشیا میں کبھی کوئی اسلامی فوج نہین پہونچی، وہان آخر اسلام کیسے پھیلا، اور ان ملکوں میں اسلامی تمدن کیسے اثر انداز ہوا، شمالی ہند مین مسلمان پہلے تلوارون کے سایے

میں ضرور آئے، اور اُن کے جنگ وجدل سے ہندوؤں کے دلوں میں اُن کے خلاف جو جذبات پیدا ہوئے وہ اُن کے دماغوں میں بھی منقوش ہو گئے لیکن شمالی ہند میں محمد بن قاسم آ گیا ہوتا، تو شاید ہندوؤں کے جذبات اور ہوتے، سندھ میں وہ صرف ساڑھے تین برس رہا لیکن اس عرصہ میں ہندوؤں اور بودھوں کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا رہا کہ ایک عرصہ تک وہاں کے لوگ اس کا بت بنا کر پوجتے رہے، اگر ترکوں اور پٹھانوں کی جگہ اس ملک میں عرب آئے ہوتے، تو اس ملک کا نقشہ دوسرا ہوتا، پھر بھی ترک و پٹھان سلاطین نے تین سو تین سو برس کے عرصہ میں ہندوستان کی بہت بڑی خدمت انجام دی گو ان میں کیقباد جیسا عیش پرست حکمران بھی گذرا ہے، اور ایک دو سخت گیر فرماں روا بھی، لیکن مجموعی حیثیت سے ترکوں کی خدمات نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہیں،

شروع میں باہر کے آنے والوں اور ملک کے باشندوں میں اجنبیت وغیریت ضرور رہی لیکن رفتہ رفتہ یہ مٹتی گئی، اور کچھ عرصہ کے بعد دیسی بدیسی میں بہت کم فرق رہ گیا، ایک دوسرے کے رسم ورواج بود وباش کے طریقے اور زبان کا اثر پڑتا گیا، بسنت، شیوراتری، دیوالی، جنم اشٹمی، ہولی کے میلوں میں مسلمان کثرت سے شریک ہونے لگے، مسلمان دھوم دھام سے بسنت مناتے اور عوتوں میں بڑی بڑی رقمیں صرف کرتے، شیوراتری میں گائیں سج دھج کر بادشاہوں کے یہاں لائی جاتیں، اور لانے والے انعام پاتے، ہندو مسلمان امرا آپس میں ہولی کھیلتے، محرم میں ہندو پائک بنتے، اور اس میں کثرت سے شریک ہوتے، ہندو مرد درگاہوں پر بکثرت جاتے اور ہندو عورتیں وہاں جا کر منتیں مانگتیں، ایک دوسرے کے میلوں ٹھیلوں میں شرکت کرنے اور پورا حصہ لینے کا نتیجہ یہ ہوا، کہ آج کی طرح ہندو مسلم بلوہ فساد کبھی نہ ہوتا، مسلمان بادشاہوں کے چھ سو برس کے لمبے دورِ حکومت میں فرقہ وارانہ فساد کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے، اور یہ دونوں فرخ سیر کے عہد میں احمد آباد اور کشمیر میں ہوئے، دونوں جگہوں میں جس کا قصور ثابت ہوا اس کو سزا ملی، فنِ تعمیر و موسیقی میں تو ایک دوسرے کا اثر اس درجہ مل جل گیا ہے کہ آج اُن کو علیٰحدہ کرنا مشکل

ہوگیا ہی لباس اور کھانے پینے میں ایک دوسرے کے اثرات ہر جگہ نمایان ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بتائی جاتی ہی کہ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کی طرف سے مجھے ٹھنڈی ہوائین آتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان ایک متمدن ملک ہی، حضرت علیؓ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ ہندوستان علم و فضل کا گہوارہ ہے، کہا جاتا ہی کہ حضرت عمرؓ نے عرب تاجرون سے ہندوستان کے حالات دریافت کئے اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے باشندے ایک خدا پر یقین رکھتے ہین (لایکو دوئی ناستی) تو آپ نے ہندوستان پر حملہ کرنے کی ممانعت کر دی مسلمانون کے اعتقاد کے مطابق حضرت آدم بہشت سے سب سے پہلے ہندوستان ہی میں آئے، اور یہ بھی مشہور ہے کہ ہندوستان ہی کی مٹی سے حضرت آدم بنائے گئے، یہ روایتیں کہان تک صحیح ہیں ان پر بحث کرنے کی یہان گنجایش نہیں لیکن ان سے کم از کم یہ تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ اوائل ہی سے مسلمانون کو ہندوستان سے گہری دلچسپی تھی، اور یہ برابر قائم رہی، امیر خسرو نے اپنی مثنوی نہ سپہر مین ہندوستان کی تعریف کے پل باندھ دیئے ہین، ہندوستان کے حسن، یہان کے پھل پھول، یہان کی آب و ہوا، غرضیکہ یہان کی ہر چیز کو تمام دنیا پر دلائل کے ساتھ فضیلت دی ہے، بیدل نے رام چندر کی تعریف میں تو ایک پوری منظوم کتاب لکھ دی ہی ہندو مذہب کی کتابین فارسی میں بڑے اہتمام سے ترجمہ ہوتی رہین،

کچھ مورخین مسلمان سلاطین کو خواہ مخواہ بُرا کہنے کے عادی ہو گئے ہیں، مثلاً ہندو زمینداروں پر علاء الدین خلجی کے ظلم و ستم کی داستانین بڑھا چڑھا کر بیان کیجاتی ہیں لیکن مورخین اس کی نوعیت کو جیسا کہ مورلینڈ نے لکھا ہی نظر انداز کر جاتے ہین، علاء الدین نے صرف ان بڑے بڑے زمیندارون کا استیصال کیا، جو چھوٹے کاشتکارون پر بیجد ظلم توڑتے تھے، اور اس زمانے میں تمام بڑے زمیندار ہندو ہی تھے اسلئے وہی زد میں آئے لیکن علاء الدین بڑے بڑے مسلمان امراء کو بھی سخت سزائین دینے مین مطلق تامل نہ کرتا آج کنٹرول کامیابی سے نہین چل رہا ہے اور گورنمنٹ کو اس ناکامیابی کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے

لیکن یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے، کہ علاءالدین نے کنٹرول نہایت کامیابی سے چلایا، محمد تغلق نے جو ریفارم جاری کئے، اس کے مفید اور اچھے ہونے میں آج کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن وہ وقت سے بہت پہلے تھا، اسلئے اس میں اس کی کامیابی نہیں ہوئی، ترک سلاطین کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان کو منگول حملوں سے بچالیا، ورنہ جو حشر بغداد اور خوارزم شاہی سلطنت کا ہوا، اس سے بدتر ہندوستان کا حال ہوتا، انھوں نے اپنی دانشمندی اور فوجی قوت سے منگول حملہ آوروں کا رُخ ہندوستان سے ہٹاکر دوسری طرف پھیر دیا جس سے ایشیا کی دوسری سلطنتیں تو تباہ ہوگئیں لیکن ہندوستان غارت گری سے محفوظ رہا،

ناظرین اسی قسم کی بہت سی مفید سیاسی، تمدنی اور معاشرتی باتوں کا مطالعہ زیر نظر کتاب مین کریں گے، اس کتاب کو ترتیب دیکر سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے وقت کی ایک بڑی ضرورت پوری کی ہے، اور قرون وسطیٰ کی کلچرل تاریخ کا بہت کافی مواد شرح و بسط کے ساتھ جمع کر دیا ہے، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کے قرون وسطیٰ کی تاریخ لکھنے والوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی، اور ملک میں بڑی دلچسپی سے پڑھی جائیگی، بہتر ہوتا اگر اس مفید کتاب کا ترجمہ ہندی میں شائع ہوتا، دوسرے اڈیشن میں اس کی زبان اور بھی زیادہ آسان کرنے کی کوشش کی جائے تو مناسب ہے،

مغلوں کے کلچرل میل جول کی تاریخ غالبًا اس کتاب کی دوسری جلد ہوگی، مغلوں نے تو ہندوستان کو واقعی جنت نشان بنا دیا، اور انھوں نے دو مختلف لوگوں کو کلچرل اور معاشرتی حیثیت سے اس درجہ ایک کر دیا کہ ان مین بہت کم فرق باقی رہ گیا، مسلمانوں نے ہندوؤں کے اخلاق اور کیرکٹر کو کمزور نہیں کیا، جیسا کہ باہر کے حکمرانوں کا دستور ہوا کرتا ہے، انھوں نے ہندوؤں کے غرور اور غیرت کے احساس کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کے ساتھ عزیزانہ اور دوستانہ برتاؤ کر کے اس کو ترقی دی، اگر انھوں نے ایسا کیا ہوتا تو آج ہندو انگریزوں سے اس قدر جلد سلطنت چھین لینے کی اہلیت اپنے مین نہ پاتے، مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت مین پوری کوشش کی، کہ ہندوؤں میں کمتری یا غلامی کا احساس نہ پیدا ہونے پائے، اکبر جب شاہزادہ سلیم کی بارات لیکر راجہ بھگوان

گیا اور جب دولھن کا ڈولہ باہر نکلا تو راجہ بھگوان داس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا،

مار چیری تہار گھر کی باندی   ہم باند غلام رہے

یہ سُن کر اکبر بے تابانہ کھڑا ہو گیا، اور راجہ بھگوان داس کو گلے لگا کر کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہے،
بلکہ یوں ہے: :-

تہار چیری مار گھر کی رانی   تم صاحب سردار رہے

یہ کہکر دولھن کے ڈولے مین خود کاندھا لگا دیا، پھر کیا تھا، تمام شہزادے اور امرا نے بھی ایسا ہی کیا، "
کچھ دور ڈولہ اٹھا کر لے گئے، مسلمانون نے اردو جیسی ڈھلی ہوئی رسیلی اور میٹھی زبان اور تاج محل جیسی حسین
اور پاکیزہ عمارت اپنی یادگار چھوڑی ہے جن سے اُن کے دل کی صفائی، ان کی پاکیزگی، اور اُن کے پریم "
محبت کا پتہ چلتا ہے لیکن افسوس

ہمیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ اورنگ زیب ہند کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

آخر میں پھر جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کو اس مفید اور پر از معلومات کتاب لکھنے
پر مبارکباد دیتا ہون، اگر اسی قسم کی تاریخ لکھ کر ملک مین پیش ہوتی رہے، تو ہماری بہت سی ذہنی اور سیاسی
بیماریوں کا مکمل علاج ہو جائے۔

سید محمود

۲۲ رمئی ۱۹۵۸ء

۷۸۶

یہ کتاب عاجز مرتب کی ذاتی تحقیق و تدقیق کا کوئی اعلیٰ نمونہ نہیں لیکن ایک مدت سے زیر نظر عہد پر جتنی مستند تاریخی تحقیقات ہوئی ہیں، اُن کا نچوڑ ضرور ہے، سر ہنری الیٹ کی مشہور و معروف کتاب ہسٹری آف انڈیا ایک اہم تالیف سمجھی جاتی ہے، اس کی ترتیب میں مختلف تاریخوں کے اقتباسات اس طرح دیئے گئے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے، جس وسیع پیمانے پر یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے، ویسی کوئی اور کتاب مرتب کرنا آسان نہیں، لیکن اسی طرز پر راقم نے ان تمام اقتباسات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جو ہندوستان کے اسلامی عہد پر موجودہ دور کے مورخوں کی تحقیقات تصانیف اور مقالات میں جابجا ملتے گئے، سر ہنری الیٹ نے اپنی ضخیم تاریخ کی مختلف جلدوں میں زیادہ تر ایسے ہی اقتباسات جمع کئے ہیں، جو مسلمان فرمانرواؤں کی تاریخ کے تاریک پہلو تھے، الیٹ اور اسی کے مکتبۂ خیال کے اور مورخوں کی تاریخی تحقیقات کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عہد کی ایسی ہولناک، اور خونریز تاریخ پیش کریں کہ ہندوستان کے باشندوں کو برطانوی حکومت ایک نعمت اور رحمت معلوم ہوا، اس مقصد کی تکمیل کی خاطر انھوں نے خود ایسے مسلمان مورخوں ہی کے لکھے ہوئے واقعات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جنھوں نے ایرانی طرز نگارش سے متاثر ہوکر جنگ و جدل کی تفصیلات قلمبند کرنے میں ضرورت سے زیادہ جوش و خروش کا اظہار کیا ہے، اور پھر یہ دور سپہگری کا عہد بھی تھا، اس لئے جو اہل قلم اہل سیف نہیں بنے، ان کا قلم فوج کشی اور معرکہ آرائی کی تفصیل لکھنے میں بالکل بے قابو

ہو جاتا، اور اب جب کہ ہر جگہ تمدن و ثقافت کی تاریخ لکھی جا رہی ہے، ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ کے مسلمان مورخون کی کتابون میں جنگ و جدل کی تفصیلات پڑھ کر سطحی رائے آسانی سے قائم کر لی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ محض خونیں داستان رہی، اس سے ایلیٹ نے پورا فائدہ اٹھایا، اور اس دور کی خونریزی کو نمایان کر کے ہندو مسلمانون میں منافرت پیدا کرنے کی پوری کوشش کی، ایلیٹ نے التزاماً ایسے تمام اقتباسات حذف کر دیے ہیں جن سے مسلمانون کی تاریخ روشن اور تابناک نظر آ سکتی تھی، اس کو مسلمان حکمرانون کے عہد مین کوئی چیز اچھی نہین دکھائی دی، اگر کسی مورخ نے اس عہد کے کسی پہلو کی تعریف کی ہے تو اس کو حقارت سے نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس نے صرف ایسے ہی تمام واقعات جمع کر دیے ہین جن سے ہندو مسلمانون کے تعلقات بد سے بدتر ہونے کا امکان تھا، ایلیٹ اور اس کے ہم نوا مورخون کی اس بد دیانتی کا احساس کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے حکومت ہند کی شائع کردہ کتاب "۱۸۵۷ء" کے دیباچہ مین لکھا تھا کہ

> "ٹاڈ کی تاریخ راجستھان اور ایلیٹ کی تاریخ ہندوستان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقصد ہندو مسلمانون کے اختلافات کو بڑھانا تھا، یہ دونون ایسٹ انڈیا کمپنی کے اعلیٰ عہدیدار تھے، اور وہ ایسے تمام ہندو مورخون کا ذکر حقارت سے کرتے ہین جو مسلمان بادشاہون کی تعریف کرتے ہین، ان کو تعجب ہوتا ہے کہ ہندو مورخین مسلمانون کی عدل پروری اور انصاف پسندی کے مداح ہیں، ٹاڈ کی تاریخ مین ایسی بہت سی باتین ہیں جو ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ مین محض رنگ آمیزی ہے، اور یہ ہندو مسلمان کے تعلقات خراب کرنے میں معاون ہوئی ہیں، جہان کہیں ایک واقعہ کے متعلق دو بیانات پائے گئے ہیں، یہ مورخین ایسے ہی بیان کو ترجیح دیتے ہیں جن سے ہندو مسلمانون کے تعلقات خراب ہوتے ہون"

ایلیٹ نے جو زہر پھیلایا ہے اس کا تریاق اسی انداز مین مسلمانون کے عہد کی پوری تاریخ،

قلمبند کر کے پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ الیٹ کی طرح آٹھ ضخیم جلدون کی تیاری مین غیر معمولی محنت اور سرمایہ کی ضرورت ہے، پھر بھی راقم نے الیٹ ہی کے طرز پر جو مواد جمع کئے ہین، اُن کا ایک حصہ اس وقت ہدیۂ ناظرین ہے، یہ جلد عہد مغلیہ سے پہلے کے مسلمان سلاطین کے دور پر مشتمل ہے، اسی انداز سے آیندہ جلدون مین مغلون کی تاریخ ہوگی،

اس کتاب کے اقتباسات مین مسلمانون کے دور کے صرف روشن پہلو ہی نظر آئین گے، یہ تاریخ نویسی کے اصول کے خلاف ضرور ہے لیکن یہ ردِّ عمل الیٹ کی تاریخ کے مطالعہ سے ہوا ہے جس مین صرف تاریک پہلو ہی پیش کئے گئے ہین، اقتباسات لیتے وقت جہان کہین کچھ ایسے فقرے یا جملے یا ٹکڑے نظر آئے جن سے ہندو مسلمانون کے تعلقات پر بُرا اثر پڑنے کا احتمال تھا، اُن کو قصداً حذف اسی طرح کر دیا گیا ہے جس طرح الیٹ نے اپنی تاریخ مین اقتباسات لیتے وقت ایسے تمام حصون کو محض اس لئے نظر انداز کر دیا ہے کہ ان سے ہندوستان کے مختلف باشندون مین خوشگوار تعلقات پیدا ہونے کے امکانات تھے، اس لحاظ سے اگر الیٹ موردِ الزام ہے تو یہ راقم بھی الزام سے بری نہین ہو سکتا، ہے لیکن اس کتاب کی تدوین میں صرف تاریخ نویسی کے فرائض ہی کی انجام دہی سامنے نہ تھی، بلکہ ہندوستان مین مسلمانون کے عہد کی جو دیدہ و دانستہ غلط قسم کی تاریخ لکھ کر پیش کی گئی ہے، اور اس سے جو بُرے اثرات پیدا ہوئے ہین، اُن کو زائل کرنا بھی مقصود تھا، اسی لئے ہندو اور مسلمان اہلِ قلم نے ایک دوسرے کی جن چیزون کو سراہا ہے، اُن کی تحریرین کے زیادہ سے زیادہ اقتباسات اس کتاب مین جمع کر دیئے گئے ہیں، مثلاً اس کے پہلے صفحہ ہی پر نظر آئے گا کہ اگر متن مین اسلام اور عربون کی تعریف ہے، تو اس کے نیچے حاشیہ مین ہندوستان کے متعلق مسلمانون کی مدح و ستایش ہے، اسی طرح آیندہ صفحات مین بھی اس کا حتی الامکان اہتمام رکھا گیا ہے، متن مین ہندوون کی تحریرین ہیں، تو حاشیے مین زیادہ تر مسلمانون کی تحریرین ہین، البتہ انیسوین اور بیسوین جھلک میں حاشیے نہین دیئے گیے ہین، کیونکہ اُن کے اقتباسات لمبے لمبے تھے، اس لئے ہندو مسلمان دونوں کی تحریرین متن مین ملین گی،

اس طرح ہندو مسلمان دونوں مورخوں کی مدد سے ایک ایسی تاریخ قلمبند کرکے پیش کی جارہی ہے جس کے مطالعہ کے بعد یقیناً بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، اور ممکن ہے کہ ہندو مسلمان دونوں کے ذہن پر کچھ ایسے خوشگوار اثرات مترتب ہوں جو ایک دوسرے کو قریب تر کرنے میں معاون ہوں، اس لحاظ سے اگر میری یہ علمی کاوش تھوڑی سی بھی مفید ثابت ہوئی تو یہی میری تمام محنت و ریاضت کا صلہ ہوگا،

اس کا احساس ہے کہ اس کتاب میں بہت سی باتیں تشنہ رہ گئی ہیں جن پابندیوں کے ساتھ اس کی ترتیب ہوئی ہے وہ ظاہر ہے، راقم کو دوسرے اہلِ قلم کا محتاج ہو کر اس کتاب کو مرتب کرنا پڑا ہے، اس لئے وہ اپنی طرف سے کسی بات کو پھیلا کر لکھنے سے بالکل قاصر تھا، جنگ و جدل کے واقعات کو قصداً نظر انداز کردیا گیا ہے تاکہ تمدنی، اقتصادی، اور معاشرتی حالات زیادہ سے زیادہ سامنے آجائیں، اسی لئے یہ کوئی مسلسل اور مربوط تاریخ نہیں، بلکہ اس عہد کی محض ایک ایک جھلک ہے، اور یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ اگر پوری محنت وکاوش سے اسی انداز کی تاریخ لکھی گئی ہوتی تو ہندو مسلمانوں کے جذبات ایک دوسرے کی طرف سے کچھ اور ہوتے، غلط قسم کی تاریخ پڑھانے کے جو ہولناک نتائج اس ملک میں پیدا ہوئے، ان پر یہاں بحث کرنے کی گنجائش نہیں، اس کتاب میں ہندوستان سے مراد ۱۹۴۷ء سے پہلے کا ہندوستان ہے،

اقتباسات میں اصلی ماخذوں کا حوالہ دینا ممکن نہ ہوسکا، اس کے لئے مصنفوں کی کتابوں، اور مضمون نگاروں کے مضامین ہی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوگی، اقتباسات کے لفظی ترجمے نہیں کئے گئے ہیں، کہیں آزاد ترجمہ ہے کہیں صرف تلخیص ہے لیکن کہیں اصلی مطلب میں فرق نہیں آنے پایا ہے، .... کہیں کہیں وضاحت کی خاطر اصل ماخذ سے عبارتیں لیکر اضافے بھی کردیا گیا ہے، امیر خسرو کے باب میں اس قسم کی وضاحت زیادہ کی گئی ہے، اقتباسات مختلف اہلِ قلم کے ہیں، اس لئے کہیں کہیں ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہوگئی ہے جس پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے، ناظرین خود ہی رائے قائم کرلیں، مختلف اقتباسات میں جو باتیں ہیں ان میں سے ہر ایک سے راقم کا متفق ہونا ضروری نہیں، مگر

اُن پر قصداً کوئی اختلافی بحث نہیں کی گئی ہے، مختلف اہلِ قلم کے اقتباسات مین طرزِ نگارش بھی مختلف ہو، اس لئے اس کا اعتراف ہو کہ اُن کو اردو مین منتقل کرنے مین یکسانی اور روانی اور ہمواری باقی نہیں رہ سکی ہوگی ان ہوکہ بعض ہندی اور سنسکرت الفاظ و اسماء، اسی طرح موسیقی اور دوسری غیر مانوس اصطلاحات کے ہجے صحیح نہین لکھے گئے ہوں گے، جو میری عدم واقفیت کی دلیل ہو،

یہ سطور لکھتے وقت مولانا ابوالکلام آزادؒ کو اپنی نظروں میں جلوہ افروز پارہا ہوں، دارالمصنفین کو تاریخ ہند کی مختلف جلدوں کی تدوین و ترتیب مین انھوں نے اپنی رائے عالی سے مستفید فرمایا تھا، یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو افسوس کہ اُن کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی، اور اب ان ہی کے نام نامی سے معنون کی جارہی ہے،

راقم جناب ڈاکٹر سید محمود مدظلہ کا ممنون ہو کہ انھوں نے قابلِ قدر پیش لفظ لکھ کر اس کتاب کو وقیع بنادیا،

مین پروفیسر سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر تاراچند، پروفیسر ایشوری پرشاد اور ڈاکٹر محمد اشرف کا شکر گذار ہوں کہ انھون نے بڑی فراخدلی اور خوشی سے اقتباسات لینے کی اجازت دی، جو اہل قلم وفات پاچکے ہین اُن کے وارثوں کا پتہ نہ چل سکا، اور بعض کے پتے معلوم نہ ہوسکے اس لئے ان سے اجازت نہ لیجاسکی، اور بعض نے میرے خطوط کا جواب دینے کی بھی زحمت گوارا نہین کی لیکن جس مفید مقصد کو سامنے رکھکر یہ کتاب لکھی گئی ہو، اس کا سہارا لیتے ہوئے مجھ کو یقین ہو کہ اقتباسات لینے میں اگر کسی مصنف یا مضمون نگار کو اعتراض بھی ہوگا تو وہ میرے حسنِ نیت کی خاطر اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی اجازت دینے میں تامل نہ فرمائین گے،

مین محبی پروفیسر ظفرالہدیٰ ڈھاکہ یونیورسٹی کا بھی شکر گذار ہون کہ انھون نے مفید اقتباسات فراہم کرنے میں مدد کی،

آخر مین غلط نامہ لگادیا گیا ہے پھر بھی کچھ غلطیان ایسی رہ گئی ہین جن کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی ہے، ناظرین خود ہی تصحیح فرمالین،

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ)

۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی جھلک

ہندوستان میں عربوں اور غزنویوں کی آمد

از

راؤ صاحب سی۔ ایس۔ سری نواس اچاری پروفیسر تاریخ و سیاسیات، انام ملائی یونیورسٹی

اسلام کے پیغمبرؐ نے جب ایک حکمراں کی حیثیت اختیار کی تو بھی آپ کی زندگی پہلے ہی کی طرح سادہ رہی۔ آپ مصلح بھی تھے اور فاتح بھی، آپ نے لوگوں کے اخلاق کو بلند کیا، انتقام لینے کی ممانعت کی اور آزمائش و تحقیقات کے بغیر خون ریزی سے روکا، منتشر قبیلوں کو ایک قوم بنا دیا۔ اور پھر اس قوم کو

۱؎ اس باب کا اقتباس راؤ صاحب سی۔ ایس۔ سری نواس اچاری کی "ہسٹری آف انڈیا" سے لیا جا رہا ہے، جس کی ترتیب میں، ایم۔ ایس۔ رام سوامی آینگر، پروفیسر تاریخ و معاشیات مہاراجہ کالج وزیانگرم بھی شریک تھے، یہ کتاب مدراس سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

سبحۃ المرجان میں آزاد بلگرامی (متوفی [illegible]) حضرت آدم کے زمانے کے ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب آدم سب سے پہلے ہندوستان میں اترے اور یہاں پر وحی آئی تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چونکہ نور محمدی حضرت آدم کی پیشانی میں امانت تھا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہوا، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے۔ اسی سبحۃ المرجان میں ہے کہ علامہ سیوطی، ابن جریر، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ اور خوشبودار مقام

ایک نئے مذہب کی مرکزیت عطا فرمائی، اور ایک ایسا رشتہ دیا جو خاندانی رشتہ سے زیادہ مستحکم تھا۔ آپ نے اسی نئے مذہب پر ایک سلطنت قائم کی اور اس کا دار السلطنت ایک مذہبی پایہ تخت بن گیا، آپ نے لوگون کو پست، اور ادنی قسم کی عصبیت مین غرق پایا، لیکن ان کو صداقت کا پیام دے کر بلند کردیا انکو باہمی خانہ جنگی مین پراگندہ اور منتشر پایا، مگر اخوت اور ہمدردی مین منسلک کردیا، آپ ایک فرشتۂ رحمت بنکر دنیا مین تشریف لائے، ایک مغربی اہل علم نے ٹھیک کہا ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی دور مین تو دنیا ایک خواب سے جاگی، اور الحاد سے برسرپیکار ہوئی، لیکن اس کے بعد اسلام ہی نے اس قسم کی روحانیت کو بیدار کیا، اس کے پیرؤون نے بڑی بڑی قربانیان کین اور ضمیر کی خاطر مال ومتاع کے برباد کرنے مین خوشی کا اظہار کیا، بت پرستی کا خاتمہ کردیا گیا، اور راضی برضا ہونے کی تعلیم دی گئی، اس نئے مذہب مین داخل ہونے کی پہلی شرط یہ تھی کہ اللہ تعالی کی مرضی ہی سب کچھ ہے، گو اس مذہب نے تعدد ازدواج، طلاق اور غلامی کو برقرار رکھا، اور خیالات کی آزادی کی حوصلہ افزائی نہین کی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱) ہندوستان ہے، کیونکہ یہان حضرت آدم اترے اور یہان کے درختون مین جنت کی خوشبو کا اثر ہے، پھر شیخ علی رومی کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ ہندوستان وہ مقام ہے جہان سب سے پہلے حکمت کے سرچشمے ابلے، ان روایتون کی سند پر چاہے کتنی جرح وقدح کی جائے، لیکن ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہند کی عظمت قدماء کی نظرون مین کس قدر زیادہ تھی، پروفیسر ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) نے رسالہ انڈو ایشین کلچر جنوری ۱۹۵۲ء مین لکھا ہے کہ "شروع ہی سے عربونکو ہندستان سے بڑا لگاؤ تھا، اور وہ اسلام سے بہت پہلے اپنی لڑکیون اور معشوقہ کا نام ہندہ رکھتے تھے، اور بہت سی ہندوستانی چیزون کے نام مثلاً، ہندی تلوار، صندل، اور عود کا ذکر ایام جاہلیت کے شعراء کے کلام مین پایا جاتا ہے"، استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہین کہ قرآن پاک مین جنت کی تعریف مین اس جنت نشان ملک کی تین خوشبوؤن کا ذکر ہے، یعنی مسک (مشک)

عربون اور اسلام کی قوت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی سنہ ۶۴۴ء
مین حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت عربون نے پورا ایران ہرات تک تسخیر کر لیا تھا، اور سنہ ۶۵۰ء
مین وہ کوہ ہندوکش تک پہونچ گئے تھے۔ مغرب مین وہ شام کو فتح کرنے کے بعد مصر، شمالی افریقہ
اور بحر اوقیانوس تک بڑھ گئے تھے،

اور پیغمبرؐ اسلام کی رحلت کے ایک صدی کے بعد عربون کی فتوحات کا دائرہ مشرق اور مغرب مین
بڑھتا گیا، بازنطینی اور عجمی حکمرانون کی سلطنتین ان کے زیرنگین آگئین اور اوقیانوس کے ساحل
بھی اللہ اکبر کے نعرون سے گونجنے لگے۔

عرب سلطنت کی شمالی سرحد بہت جلد جیحون اور ہندوکش کے پار تک پہنچ گئی، سلیمان اور
مکران کے پہاڑی علاقون مین افغان اور بلوچی آباد تھے، ان پر بھی عربون کا حملہ ہوا، اور سنہ ۶۶۳ء مین
وہ کابل مین داخل ہوئے، یہان اس وقت غالباً کسی ایرانی حکمران کی حکومت تھی، یہان سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱)
زنجبیل (سونٹھ یا ادرک) اور کافور (کپور) ۔ بزرگ بن شہریار اپنی تصنیف عجائب الہند (سنہ ۹۵۳ء)
مین لکھتا ہے کہ سراندیپ اور اس کے آس پاس والون کو پیغمبر اسلام کی بعثت کا حال جب معلوم
ہوا تو انھون نے اپنے مین سے ایک سمجھ دار آدمی کو تحقیق حال کے لئے عرب روانہ کیا، وہ رکتے رکاتے
جب مدینہ پہونچا تو رسول اللہ صلعم کے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت بھی ختم ہو چکی تھی اور
حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا، وہ ان سے ملا اور رسالت آب صلعم کے حالات دریافت کئے، حضرت عمرؓ نے
تفصیل سے بیان کئے، جب وہ واپس ہوا تو مکران (بلوچستان کے پاس) پہونچ کر مر گیا، اس کے
ساتھ اس کا ایک ہندو نوکر تھا، وہ صحیح سلامت سراندیپ پہونچ گیا اور اس نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سارا حال بیان کیا، اور ان کے فقیرانہ اور
درویشانہ طور، طریق کا ذکر کیا اور بتایا کہ وہ کیسے متواضع اور خاکسار ہین، اور پیوند لگے ہوے

عرب وقتاً فوقتاً ہندوستان کے علاقون لاہور اور ملتان تک حملے کرتے رہے لیکن محمد بن قاسم نے جب سندھ تسخیر کیا تو ہندوستانی علاقے پر ان کا مستقل قبضہ ہو گیا ساتوین صدی کے آخرین بحری راستے سے بہت سے عرب ہندوستان آتے رہے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین (۶۳۶ء) بمبئی کے پاس تھانہ اور بھروچ پر عربون کے بحری حملے ہوئے تھے، لیکن اس ابتدا کی انتہا محمد بن قاسم کی فتح پر ہوئی اس وقت سندھ مین ایک ہندو راجہ داہر کی حکومت تھی، اس کا پایہ تخت بھکر کے پاس الور تھا اور اس کی سلطنت ملتان تک پھیلی ہوئی تھی،

سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ ایران کے جنوبی سمت سے ہوا، اس نے پہلے دیبل کو لیا، پھر اندرونی علاقون مین بڑھ کر نیرون اور سیہوان وغیرہ شہرون پر قبضہ کیا، اُلور کے پاس داہر کو شکست دی، ملتان مین اس کی کوئی مخالفت نہین ہوئی۔ اس طرح راجہ داہر کی پوری سلطنت اس کے ہاتھ آگئی، مسلمان مورخون کا بیان ہے کہ وہ قنوج کی طرف بڑھنے کا تہیہ کر رہا تھا کہ خلیفہ کے حکم سے اسکو موت کی سزا دیدی گئی جس کے بعد عربون کی فتوحات رک گئین۔

محمد بن قاسم کے ایک جانشین نے جینی اور دوسرے مقامات پر حملے کئے، عرب مورخون نے گجرات پر بھی حملے کا ذکر کیا ہے۔ دکھنی پر ان کے کئی حملے ہوئے، لیکن ان کی کامیابیان محدود پیمانہ پر ہوئین، نوین صدی ہجری مین قنوج کے گرجر اپرا تیہار، راجپوت ان کے حملون کو برابر روکتے رہے، اور وہ عربون کے بڑے مخالف سمجھے جاتے تھے۔ لیکن دکن کے راشٹر کوٹ راجپوت جن کو مسلمان مورخین بلہرا لکھتے ہین، عربون کے دوست بن کر ان سے تجارت اور نوآبادی کے تعلقات بڑھاتے رہے،[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۲) کپڑے پہنتے ہین اور مسجد مین سوتے ہین، اب یہ لوگ مسلمانون کے ساتھ جو اس قدر محبت اور میلان رکھتے ہین وہ اسی سبب سے ہے، (ص ۱۵۵-۱۵۷) [1] ۲۳۷ھ مطابق ۸۵۱ء مین ایک عرب سیاح سلیمان تاجر اپنی سلسلۃ التواریخ مین لکھتا ہے:-

ایک صدی تک سندھ عرب کے خلفاء کی حکومت کا حصہ رہا، لیکن یہان کے گورنرون کے پاس امداد کم ہو پہنچتی رہی، نوین صدی کے آغاز مین کچھ ان کے قبضہ سے جاتا رہا۔ انھون نے ملتان اور منصورہ مین اپنی خاندانی حکومت قائم کرلی۔ اور مکران کے آس پاس بھی چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم ہوگئین، عرب راشٹر کوتا کے تعاون سے بمبئی کے ساحلی علاقون کے بندرگاہون مین خاطر خواہ تجارت کرتے رہے اس اثنا مین عربون اور ہندوستانیون کی نسل کی آمیزش سے سندھ مین ایک فرقہ قرامطہ پیدا ہوا، ان کے مذہبی عقائد ملحدانہ تھے، انھون نے ۹۸۵ء مین ملتان اور منصورہ کی ریاستون کا خاتمہ کردیا، مگر ۱۰۰۵ء مین سلطان محمود نے اس علاقہ سے ان کا بالکل استیصال کردیا۔

عربون نے مفتوحہ علاقون مین تندخوئی اور اعتدال دونون کے مظاہرے کئے، جن شہرون نے ان کا مقابلہ کیا ان کو تو انھون نے بری طرح نقصان پہونچایا، لیکن شہر کے سوداگرون اور پیشہ ورون کو اذیت نہین دی اور جب شہر کے باشندے خراج دینے کے لئے راضی ہو جاتے تو ان کو مذہبی

---

(۱) سلیمان کا بیان: اہل ہند اور اہل چین کا متفقہ بیان ہے کہ دنیا مین صرف چار بادشاہ ہین، سب سے اول عرب کا بادشاہ، یہ شہنشاہ اور تمام بادشاہون کا بادشاہ سب سے دولت مند ہے، اور ایک بڑے مذہب کا بادشاہ ہے۔ پھر چین کے بادشاہ کا نمبر ہے۔ پھر روم کے بادشاہ کا، پھر ہندوستان کے راجہ بلہرا (مراد ولبھ رائے گجرات کا راجہ) کا۔۔۔۔ یہ سب راجاؤن کا راجہ ہے اس کے فوجی دلیفون کا نظام عربون کی طرح ہے، اس کے سکے بھی ہین، اس پر راجہ کا سنہ راجہ کی مسند نشینی سے شروع ہوتا ہے، ہندوستان کے سب راجاؤن سے زیادہ یہان کے راجہ عربون سے محبت رکھتے ہین، ان کا اعتقاد ہے کہ اسی لئے ان کے راجاؤن کی عمرین بڑی ہوتی ہین، پچاس پچاس برس تک وہ راج کرتے ہین، ان کے ملک کا نام کمکم (مراد کوکن ہے) جو سمندر کے کنارے ہے۔ آس پاس کے راجاؤن سے اس کی لڑائیان رہا کرتی ہین۔۔۔۔۔ جزر کے راجہ (یعنی گجرات کے گوجر راجہ)

آزادی اور تمام پہلی رعایتیں حاصل ہو جاتیں، البتہ عرب سپاہیوں نے زمینوں پر ضرور قبضہ کر لیا تھا ورنہ یہان کا نظم یہان کے باشندون ہی کے ذریعہ ہا اس کی وجہ خواہ عربون کی کاہلی ہو، یا ان کا پندار یا ملاقون کی عدم واقفیت، آمدنی زیادہ تر زمین کے خراج یا جزیہ سے ہوتی۔ جزیہ کی وصولی سختی اور پابندی سے کی جاتی لیکن رواداری بھی رہی، گو کبھی کبھی شہرون مین تعصب اور بے رحمی کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۵) کے پاس فوجین بہت ہین، اس کے پاس جیسے گھوڑے ہین اویسے کسی راجہ کے پاس نہین لیکن یہ عربون کا سخت دشمن ہے، اس کا ملک بھی سمندر کے دہانے پر ہے، اس کے پاس مویشی جانور بہت ہین، ہندوستان کے تمام ملکون مین سب سے زیادہ یہ ملک چوری سے محفوظ ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد طاقن (مراد دکن) کا بادشاہ ہے۔ اس کا ملک بہت تھوڑا ہے۔ یہان کی عورتین بہت خوبصورت ہین، یہان کا راجہ سب سے صلح رکھتا ہے۔ اور عربون سے محبت رکھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد رہمی کا راجہ ہے (غالباً ڈھاکہ کے قریب کسی رامانام راجہ کی حکومت تھی) اس کے پاس راجہ بلہرا اور دوسرے راجاؤن سے زیادہ فوج ہے۔ اس کی فوج کے ساتھ پچاس ہزار ہاتھی ہوتے ہین اس کے ملک مین ایسے سوتی کپڑے ہوتے ہین۔ جو کہین اور جگہ نہین ہوتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہان (یعنی ہندوستان مین) جب ایک دوسرے پر کوئی دعویٰ کرتا ہے۔ تو ملزم کے سامنے لوہا گرم کر کے رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ پر پان کے سات پتے رکھ کر لوہا رکھ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس کو لیکر آگے پیچھے چلتا ہے۔ پھر وہ اس لوہے کو گرا دیتا ہے، اور اس کے ہاتھ کو کھال کی ایک تھیلی مین رکھ کر بادشاہی مہر اس پر کر دی جاتی ہے۔ تین دن کے بعد دھان لاکر اس کو دیے جاتے ہین کہ وہ ان کو چھیل کر چاول نکالے، اگر اس کے ہاتھ پر اثر نہین ہوتا تو وہ سچا سمجھا جاتا ہے، اور مدعی پر جرمانہ کر کے خزانہ شاہی مین داخل کیا جاتا ہے۔ کبھی گرم لوہے کے بجائے لوہے یا تانبے کے برتن مین پانی گرم کیا جاتا ہے، اور اس مین ایک لوہے کی انگوٹھی چھوڑ دی جاتی ہے اور

صنعت اور دستکاری پر بہت سی ٹیکس اور محصول لئے جاتے، سیاسی جرائم مین ہندو اور مسلمان کی تخصیص نہین کی جاتی۔ ہندوؤن کو اپنے ذاتی معاملات مثلاً قرض، وراثت، زنا وغیرہ کے جھگڑے پنچایت ہی مین فیصلہ کرنے کی آزادی تھی۔ سندھ کے عرب فاتحون مین بڑا اختلاف رہا،

(بقیہ حاشیہ ص ۶) اس کو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ ڈال کر انگوٹھی اس مین سے نکال لے، مین نے بعض لوگون کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ بالکل صحیح وسالم نکل آئے ..... یہان مردے جلائے جاتے ہین، صندل، کافور اور زعفران اس مین ڈالتے ہین، یہان یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب راجہ مرجاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی سب رانیان بھی جل کرستی ہوجاتی ہین۔ لیکن یہ صرف خواہش پر موقوف ہے۔ کوئی جبر نہین ہے۔ .... تمام ہند مین بدکاری کی سزا دونون ملزمون کا قتل ہے، اسی طرح چوری کی سزا بھی قتل ہے۔ چور کو ایک نکیلی مخروطی لکڑی پر بٹھاتے ہین، اور وہ لکڑی نیچے سے حلق تک چلی آتی ہے، ..... یہان مین نے تین تین ہاتھ کی داڑھیان دیکھین، جب کوئی مرتا ہے تو اس کے عزیز داڑھی اور مونچھ کا بھدر کراتے ہین جب کوئی قید کیا جاتا ہے تو سات دن تک اس کو کھانا پانی نہین دیتے، یہان ہندو جج بیٹھ کر مقدمات فیصل کرتے ہین، ڈاکو کی سزا بھی قتل ہے۔ جانور کو ذبح کر کے نہین بلکہ اس کو کسی چیز سے مار کر کھاتے ہین، وہ ہر کھانے سے پہلے نہاتے ہین، مسواک کرتے ہین، بے مسواک کئے نہین کھاتے ..... یہان چھوہارے کا درخت نہین اور سب پھل ہین، اور ایک پھل ایسا ان کے پاس ہے، جو ہمارے یہان نہین (اشارہ آم کی طرف ہے) یہان انگور بھی نہین، زمین پر فرش بچھانے کا رواج بھی نہین، بیوی رکھنے کی تعداد بھی یہان مقرر نہین، جتنی چاہے رکھے، ان کی غذا چاول ہے، چین کے مذہب کی اصل ہندوستان ہی سے ہے، بودھون کے مجسمون کو پوجتے ہین، طب نجوم اور فلسفہ ہندوستان مین ہے۔ جانورون مین یہان گھوڑے کم ہین۔ لباس بہ کم

اسی لئے وہ ہندوون کے خلاف موثر اقدام نہ کر سکے۔ اور جب وہ شیعون اور مکران کے ملحدون سے برسرپیکار ہوئے تو ان کی قوت اور بھی کمزور ہو گئی۔ عرب زیادہ تر شہرون اور فوجی کیمپون ہی مین آباد رہے۔ بلوچی ان ہی کی نسل سے ہین۔ مگر عام طور پر عربون کی حکومت کا اثر ہندوستان کی سرزمین۔ یہان کی زبان۔ صنعت، رسم و رواج پر کم پڑا۔ لیکن ان کی وجہ سے ہندوستان کی تجارت کو بڑا فروغ ہوا، تجارتی حیثیت سے سندھ کے تعلقات تمام اسلامی ممالک سے پیدا ہو گئے تھے[1]

بقیہ حاشیہ ص ۷) ایک کپڑا کمر سے باندھتے ہین۔ اور دوسرا اوپر ڈالتے ہین۔ مرد اور عورت سب سونے اور جواہرات کے زیور پہنتے ہین۔ [1] ابوزید سیرافی (۲۶۴ھ م ۸۷۸ء) لکھتا ہے کہ ہندو سیراف (عراق کی بندرگاہ) آتے ہین، اور کوئی عرب تاجر ان کی دعوت کرتا ہے تو وہ کبھی سو اور کبھی سو سے زیادہ ہوتے ہین، مگر ان کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہر ایک کے سامنے ایک علٰحدہ طبق رکھا جائے جس مین کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ مسعودی کا بیان ہے کہ نارنگی اور لیمون ہندوستان کی خاص چیزین ہین۔ یہ عرب مین تیسری صدی ہجری مین ہندوستان سے لائے گئے، اور پہلے عمان مین پھر وہان سے عراق و شام تک پہونچے۔ یہان تک کہ وہ شام کے ساحلی شہرون اور مصر مین گھر گھر پھیل گئے، مگر ان مین وہ ہندوستان کا مزہ نہین (مروج الذہب جلد دوم ص ۴۳۹) ابن خردادبہ (۲۵۰ھ) جو نوین صدی عیسوی کے کچھ بعد تھا۔ ہندوستان کی ان پیداوارون اور بیوپار کی چیزون کی جو عرب اور عراق جاتی تھین، یہ فہرست دیتا ہے خوشبودار لکڑیان، صندل، کافور، لونگ، جائے پھل، کباب چینی، ناریل اور سن کے کپڑے اور روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی اور سراندیپ سے ہر قسم کے یاقوت، موتی، بلور اور سنباذج جس سے جواہرات درست کئے جاتے ہیں، اور ملیبار سے سیاہ مرچ اور گجرات سے سیسہ اور دکھن سے بکم اور داڑی اور سندھ سے کٹ (ایک دوا) اور بانس اور بید (کتاب المسالک والممالک ص ۱۰، لیڈن)

قندھار اور خراسان میں یہاں کی تجارت خاص طور پر بڑھ گئی تھی، عرب سے گھوڑے کی تجارت ہوتی ملیبار سے کشتیوں کے لئے لکڑی منگوائی جاتی اور سندھ کے ساحلی علاقوں میں اور بہت سی بندرگاہیں تھیں۔

ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں سندھ پر عربوں کا قبضہ محض ایک تاریخی واقعہ بن کر رہ گیا، یہ فتح کسی نتیجہ کے بغیر عمل میں آئی، یہ سرزمین بنجر اور بڑی غیر مہمان نواز تھی[1] اس کے بعد کے

---

[1] لیکن ایک عرب ہندوستانی کے وطنی گیت میں ہندوستان کی طرف سے بڑی محبت کا اظہار ہے۔ اس کے عربی اشعار کا یہ ترجمہ ہے:

(۱) میرے دوستوں نے انکار کیا۔ اور یہ بہتر نہیں، جب ہندوستان کی اور ہندوستان کے تیر کی معرکہ میں تعریف کی جا رہی تھی۔

(۲) میری جان کی قسم! یہ وہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی برستا ہے۔ تو وہ موتی اور یاقوت اس سے اُگتے ہیں، ان کے لئے جو آرایش سے خالی ہیں۔

(۳) اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبو ان کے لئے جو میلے ہوں۔

(۴) اور قسم قسم کے عطریات اور جائے پھل اور سنبل اور ہاتھی دانت اور ساگون کی لکڑی اور خوشبودار لکڑی اور صندل۔

(۵) اور اس میں توتیا سب سے بڑے پہاڑ کی طرح ہے۔ اور یہاں شیر ببر اور چیتے اور ہاتھی اور ہاتھی کے بچے ہوتے ہیں۔

(۶) اور یہاں پرندوں میں کلنگ اور طوطے اور مور اور کبوتر ہیں، اور درختوں میں یہاں ناریل اور آبنوس اور سیاہ مرچوں کے درخت ہیں۔

جو علاقے تھے، ان پر راجپوتوں کا قبضہ تھا جن کی قوت ابھی تک مجتمع تھی، عرب سیاسی حیثیت سے تو ناکام رہے۔ لیکن انھون نے یہان آکر اسلامی ممالک سے تجارت بڑھائی اور پھر ان ہی کے ذریعہ ہندوستانی کلچر عربون تک پہونچا، عربون نے ہندوون سے حکمرانی کے سلسلہ مین بہت سی باتین سیکھین[1]۔ کیونکہ مالی نظام ہمیشہ ہندوون ہی کے اختیار مین رہا۔ نوین صدی مین عربون نے اعشاریہ کا طریقہ ہندوؤن ہی سے لیا[2]۔ عربون کے لٹریچر اور سائنس کی ترقی سنہ ۷۵۰ء اور سنہ ۸۵۰ء کے

بقیہ حاشیہ ص ۹ (۷) اور ہتھیارون مین تلوارین ہین جنکو کبھی صیقل کی حاجت نہین اور ایسے نیزے ہین کہ جب وہ ہلین تو فوج کی فوج ان سے ہل جائے۔

(۸) تو کیا بیوقوف کے سوا کوئی اور بھی ہندوستان کی ان خوبیون کا انکار کر سکتا ہے، ان اشعار کے کہنے والے کا نام ابو ضلع سندھی ہے۔ جو غالباً تیسری یا چوتھی صدی ہجری کا تھا،

[1] فن سیاست اور فن جنگ مین سنسکرت یا پالی سے عربی مین دو ہندو فاضلون کی کتابین عربی ترجمہ ہوئین۔ ان مین ایک کا نام عرب شاناق بتلاتے ہین۔ اور دوسرے کا یا کھریا جھر شاید پہلا نام چانک ہو اور دوسرا ویاگھر،

[2] استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندوی عرب و ہند کے تعلقات[3] مین فرماتے ہین۔

سنسکرت سے عربی مین حسب ذیل علوم کی کتابین نقل کی گئین، حساب، نجوم، طب، ہیئت، اخلاق، افسانے اور کہانیان، سیاست اور صنعت کھیل اور تماشے۔ اہل عرب کا صریحی بیان ہے کہ انھون نے ا سے ۹ تک کے حسابی رقم (ہندسہ) لکھنے کا طریقہ ہندوون سے سیکھا، اسی لئے اہل عرب اس کو حساب ہندی یا ارقام ہندیہ کہتے ہین۔ عربون سے یورپ کی قومون نے سیکھا، اسی لئے ان کی زبانون مین اس کا نام "ارقام یا اعداد عربیۃ، (عربک فیگرز) ہے ٹھیک وہ زمانہ نہین معلوم جس مین عربون نے یہ طریقہ ہندوون سے سیکھا

درمیان بہت ہوئی، اور اس زمانہ میں مختلف علوم وفنون پر فارسی اور سنسکرت سے بہت سی کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ عربوں نے ہندوؤں کے اعداد اپنے یہاں رائج کئے۔ انھوں نے ہیئت کی بہت سی چیزیں ہندوستان سے سیکھی ہیں۔ چرک اور پنچا تنتر کے قصے عربی میں ترجمے کئے گئے، مشہور عربی منجم اور ہیئت دان ابو معشر نے بنارس میں دس سال قیام کرکے یہاں کے علم ہیئت کا

بقیہ حاشیہ ص ۱۰) مگر خیال یہی ہے کہ ۱۵۱ھ میں سندھ سے جو پنڈت سدھانت لے کر منصور کے دربار میں بغداد آیا تھا۔ اسی نے عربوں کو یہ طریقہ سکھایا۔ اور میرے خیال میں صحیح یہ ہے کہ سدھانت جس کا ترجمہ ہوا تھا۔ اس کے تیرہویں اور چودھویں باب میں خود حساب اور رقم ہے، اسی کے ذریعہ سے یہ طریقہ عربوں میں رائج ہوا، عربی میں پہلے لفظوں میں عدد لکھتے تھے، یا یہودیوں اور یونانیوں کی طرح حروف ابجد میں رقم لکھتے تھے۔ جیسا کہ اب بھی عربی ہیئت میں اختصار اور صحت کے خیال سے یہ طریقہ رائج ہے، اور جس پر مشرق میں ابجد ہوز کے قاعدہ سے مادہ تاریخ نکالنے کا رواج ہے، بہرحال پہلے محمد بن موسیٰ خوارزمی نے اس ہندی حساب کو عربی قالب میں ڈھالا۔

لہ مشہور عربی سیاح اور مورخ یعقوبی لکھتا ہے:-

"ہندوستان کے لوگ عقل اور غور والے ہیں اور وہ اس حیثیت سے سب قوموں سے بڑھ کر ہیں، جوتش اور نجوم میں ان کی باتیں سب سے زیادہ درست نکلتی ہیں، سدھانت ان ہی کی ذہانت کا نتیجہ ہے، جس سے یونانیوں اور ایرانیوں تک نے فائدہ اٹھایا، طب میں ان کا فیصلہ سب سے آگے ہے، اس فن میں ان کی کتاب چرک اور ندان ہے،۔۔۔ اور بھی طب میں ان کی کئی کتابیں ہیں، منطق اور فلسفہ میں بھی ان کی تصنیفات ہیں، (تاریخ ابن واضح یعقوبی جلد ص ۱۰۵ لیڈن۔)

مطالعہ کیا۔ بغداد کے خلفاء نے ہندوستانی اہل علم کی بڑی سرپرستی کی، منصور کے عہد میں ۱۵۴ھ ۷۷۱ء
عرب کے فضلا ہندوستان سے بغداد گئے تو اپنے ساتھ برہم گپت کی برہما سدھانت اور
کھنڈ اکھنڈیک دو کتابیں ساتھ لے گئے۔ اور ان کا عربی میں ترجمہ ہوا، ان ہی کے ذریعہ عربوں نے

لہ ابومعشر نوین صدی عیسوی کا مصنف ہے۔ وہ لکھتا ہے، کہ ہندوستانی بڑی ترقی یافتہ قوم ہے، ان کی تعداد بڑی ہے۔ اور ان کا ملک بھی شریف ہے۔ تمام پرانی قوموں نے ان کی ہوشمندی اور مختلف علوم میں مہارت کی تعریف کی ہے۔ چین کے حکمران ہندوستان کے راجاؤں کو عقل و دانشمندی کا راجہ کہتے ہیں، کیونکہ یہ علوم میں دلچسپی لیتے ہیں، ہندوستان ہر زمانہ میں عقل کی کان، عدل و انصاف اور نظام حکومت کا سرچشمہ رہا ہے۔ لیکن ہمارے ملک سے ان کا ملک دور ہے۔ اس لئے ان کی علمی چیزیں بہت کم ہم تک پہونچتی ہیں، اس لئے ان کے فضلاء کے بارے میں ہم کو کم واقفیت حاصل ہو سکی ہے۔ علم نجوم میں ان کے تین مکتب خیال ہیں (۱) سدھانت (۲) ارج بھر (آریہ بھٹ) (۳) ارکنڈ (کھنڈ کھنڈیک) لیکن ہم کو صرف سدھانت حاصل ہو سکا، اور اسی پر مسلمانوں نے اپنے زیچ کی بنیاد رکھی ہے، ..... (انڈو ایشین کلچر جنوری ۵۸ء)

لہ استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی کی "عرب و ہند کے تعلقات" میں ہے

۱۵۴ھ مطابق ۷۷۱ء میں سندھ کے ایک وفد کے ساتھ ہیئت اور ریاضیات کا ایک فاضل پنڈت سنسکرت کی سدھانت لے کر بغداد پہونچا، اور خلیفہ منصور کے حکم سے دربار کے ایک ریاضی دان ابراہیم فزاری کی مدد سے اس نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا۔ یہ پہلا دن ہو کہ عربوں کو ہندوستان کی قابلیت اور دماغ داری کا اندازہ ہوا، پھر ہارون نے اپنے علاج کیلئے یہاں سے وید بلوائے۔ جنھوں نے عربوں میں ہندستان کی علمی عظمت

علم نجوم کی ابتدائی اصولوں کی واقفیت حاصل کی۔ ہارون رشید کے عہد خلافت (۷۸۶ تا ۸۰۹ء) میں برامکہ
کے حسن وساطت سے بغداد میں ہندوستانی علوم کی بڑی سرپرستی ہوئی۔ عربوں نے ہندوستان سے
حاصل کئے ہوئے علوم میں غیر مذہبی رنگ پیدا کیا۔ اور ان کو نئے روپ میں یورپ والوں کے
سامنے پیش کیا۔ عربوں نے ہندوستان سے کچھ اور چیزیں بھی سیکھیں اور اسلام کی تلوار اور عربوں کی
ملک گیری کے جذبہ کی بدولت مشرق کے علوم مغرب میں پھیلے[۵]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲) اور بڑائی کی دھاک بٹھا دی۔ اس کے بعد برامکہ کی سرپرستی میں طب، نجوم،
ہیئت اور ادب، اخلاق کی کتابوں کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں ہوا۔ اس نے ہندوستان کی
شہرت اور نیک نامی کو اور چار چاند لگا دیئے (ص ۱۲۵)

سدھانت کے عربی ترجمہ السندہند اور کھنڈ اکھڈیک کا عربی ترجمہ ارکندیا اہرقن کے نام سے
موسوم ہوا۔

[۵] جاحظ عرب کا مشہور انشاپرداز، فلسفی اور متکلم تھا۔ اس نے ۲۵۵ھ (مطابق ۸۶۹ء) میں
وفات پائی، وہ لکھتا ہے:-

ہندوستان کے باشندے جوتش (نجوم) اور حساب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کا ایک
خاص ہندی خط ہے، اور طب میں بھی وہ آگے ہیں۔ اور طب کے بعض عجیب بھید ان کو
معلوم ہیں، اور سخت بیماریوں کی دوائیں خاص طور سے ان کے پاس ہیں، پھر مجسموں، بتوں کا بنانا،
رنگوں سے تصویر پیدا کرنا، اور تعمیر وغیرہ میں ان کو کمال ہے۔ پھر شطرنج کے وہ موجد ہیں،
جو ذہانت اور سوجھ بوجھ کا بہترین کھیل ہے۔ تلواریں عمدہ بناتے ہیں۔ اور ان کے چلانے کے
سب کرتب جانتے ہیں۔ زہر اتارنے اور درد دور کرنے کے منتر جانتے ہیں۔ ان کی موسیقی
بھی دل پسند ہے...... ان کے ہاں مختلف قسم کے خط ہیں۔ شاعری کا ذخیرہ بھی ہے،

دسوین صدی مین خلفا کی حکومت کمزور ہو گئی، اور بہت سے علاقون کے حکام آزاد ہو گئے،
مصر اور اسپین مین دو حریف خلفا کی حکومتین قائم ہو گئین، عراق - ایران - ترکستان مین بھی
چھوٹی چھوٹی ریاستین بن گئین۔ بنو امیہ کے زمانہ مین عرب کی سلطنت عربون کے اعلیٰ
طبقہ ہی کے لئے وقف تھی۔ عباسیون کے عہد مین ایرانیون کو سیاسی اور ثقافتی فوقیت حاصل
ہوئی جنھون نے عربون کے بجائے، صحیح معنون مین مسلمانون کی حکومت قائم کی اور تمام
نسلون کے مساویانہ حقوق تسلیم کئے گئے۔ رفتہ رفتہ ترک غالب ہو گئے جن مین تاتاری، ترکمانی،
منگولی، چینی وغیرہ سب ہی شامل تھے۔ اسلامی ممالک مین حکومت کے نظم و نسق، آرٹ
اور لٹریچر مین تو ایرانی ہی چھائے رہے۔ کیونکہ ترک ذہنی طور پر ان چیزون کی طرف مائل
نہین ہوئے۔ لیکن سپہگری مین وہی نمایان رہے۔ اسپین، شمالی افریقہ، مصر اور شام خلافت کے
اقتدار سے آزاد ہوتے گئے۔ اور خود ایران کی سرحد پر آزاد ریاستین قائم ہو گئین، خلفاء کے
ترک فوجی عہدیدار برائے نام ان کے اطاعت گذار رہ گئے۔

خراسان اور بحر کیسپین مین جو ترک خاندان ابھرے، ان مین سامانی بھی تھے۔ جن کی
حکومت خراسان اور ماوراء النہر مین تھی اس کے بعد ترکون اور تاتاریون کے قبائلی
سردارون کی حکومت تھی، سامانیون ہی مین سے غزنویون کا خاندان قائم ہوا۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۳) اور تقریرون کا حصہ بھی ہے۔ طب، فلسفہ، اور ادب واخلاق کے علوم بھی
ان کے پاس ہین ان ہی کے ہان سے کلیلہ دمنہ کتاب ہمارے پاس آئی، ان مین رائے
اور بہادری ہے اور جو بعض خوبیان ان مین ہین۔ چینیون مین بھی نہین ...... ان ہی کے ملک سے
بادشاہون کے پاس وہ عود آتی ہے۔ جس کی نظیر نہین، اور فکر کا علم ان ہی کے پاس سے آیا ہے...
نجوم کے حساب کے وہی موجد ہین....عراق مین جتنے صراف ہین سب کے ہان خزانچی خاص سندھی ہوگا

اسکا بانی الپتگین خراسان کا حاکم تھا، اس نے سامانیوں کے دورِ حکومت میں ترقی کر کے بڑا عروج
حاصل کیا، غزنہ کا آزاد حکمران بن گیا اور آٹھ سال خوش حال حکومت کے بعد ۹۶۳ء میں وفات
پائی۔ اس کا جانشین امیر سبکتگین ہوا، جو اس حکومت کا سب سے ممتاز اور نمایاں فرمانروا تھا

بقیہ حاشیہ ص ۱۴) یا کسی سندھی کا لڑکا ہوگا کیونکہ انکو حساب و کتاب اور صرافی کے کاموں سے فطری
مناسبت ہے، پھر یہ ایمان دار اور وفادار ملازم بھی ہوتے ہیں (رسالہ فخر السودان علی البیضان جاحظ ص ۸۱)
سلہ محمد عوفی کی جوامع الحکایات والروایات میں ہے کہ الپتگین جب سامانیوں کو چھوڑ کر ترقی
کے ارادے سے غزنین کی طرف روانہ ہوا تو اہل غزنین نے قلعہ کو مضبوط کر کے مقابلے کی ٹھان لی،
چنانچہ جب الپتگین غزنین کے دروازے پر پہونچا تو شہر اس کے حوالہ نہیں کیا گیا اور وہ شہر سے
باہر پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہوگیا۔ پڑاؤ کی حالت میں اس نے آس پاس کے علاقوں پر اپنی حکومت
قائم اور اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے بہت کچھ ہر دل عزیزی حاصل کر لی، ایک دن
مقبوضہ علاقہ میں گھوم رہا تھا کہ اسے اپنے چند غلام نظر آئے جو گاؤں سے آرہے تھے۔
اور ان کی فتراک میں بہت سے مرغ بندھے ہوئے تھے۔ الپتگین نے ان سے پوچھا، یہ
یہ مرغ کہاں سے لائے ہو" جواب ملا، فلاں گاؤں سے خریدے ہیں۔ الپتگین نے انکو
وہیں ٹھہرا لیا، اور ایک سوار بھیج کر گاؤں کے نمبردار کو بلوایا جب وہ آچکا تو اس نے دریافت
کیا، میرے غلاموں نے یہ مرغ تمہارے گاؤں سے خریدے ہیں یا جبراً چھین کر لائے ہیں۔
نمبردار غلاموں کے ڈر سے سچ کہتے ہوئے ٹھٹکا ٹال مٹول کرنے لگا، یہ دیکھ کر الپتگین نے
اسے ڈانٹا کہ سچ سچ بتادے ورنہ سزا ملیگی. گاؤں کے مکھیا نے جواب دیا، حضور! ترک گاؤں میں
آتے ہیں، تو مرغ خریدتے نہیں، بلکہ نذرانے کے طور پر حاصل کیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر الپتگین نے
حکم دیا کہ ان سواروں کو قتل کر دیا جائے بعض لوگوں نے سفارش کی کہ اتنے سے قصور کی اتنی بڑی سزا

وہ ایک غلام تھا۔ لیکن اس کی شادی الپ تگین کی لڑکی سے ہوئی تھی، یہ اصول اسی زمانہ سے کارفرما تھا کہ حکومت کا طاقتور ترین فرد ہی تخت نشین ہو سکتا ہے۔ اور غلام کو بھی اپنے آقا کا جانشین ہونے کا حق حاصل ہے۔ اور اس طرح بڑے بڑے افراد کے پیدا ہونے کے مواقع فراہم ہوتے رہے، اور جب ایک جلیل القدر بادشاہ کا لڑکا حکومت کرنے کا نااہل ثابت ہوتا تو اسی گھر کے غلام اپنی اہلیت کا ثبوت دے کر اپنے آقا کے برابر ہو جاتے، اچھے بادشاہ کے لڑکے عموماً اچھے نہیں ہوتے۔ یا تو وہ وراثت میں باپ کی صلاحیتیں نہیں پاتے، یا باپ کی بہتر سی بہتر حکومت کے زمانے میں ان میں راحت پسندی آجاتی اور وہ محنت و ریاضت کے عادی نہ رہ جاتے لیکن غلاموں میں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل کرنے کی حریفانہ کوشش جاری رہتی، اور وہ اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر اپنی غیر معمولی صلاحیت و محنت اور خدمت کا ثبوت دیتے رہتے، اگر ان میں کسی چیز کی کمی ہوتی تو وہ اپنی تقدیر پر صابر ہو کر خاموش ہو بیٹھتے، ان کی غلامی اور نسبی خرابی ان کے لئے کوئی ذلت نہ ہوتی۔ ان کے آقا ان کو اپنے لڑکوں سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵) مناسب نہیں۔ کوئی ہلکی سزا تجویز فرمائی جائے۔ اس پر الپ تگین نے حکم دیا اچھا ان کے کانوں میں چھید کر کے دھاگے ڈال کر ان دھاگوں سے مرغوں کی ٹانگیں باندھ دی جائیں، حکم کی تعمیل کی گئی تو مرغوں نے ان سواروں کے سر اور منھ پر چونچیں مارنی شروع کیں، ادھر کانوں کے چھیدوں سے خون بہ رہا تھا، ادھر مرغ سر اور منھ کی تواضع کر رہے تھے اس حالت میں ان کو تمام لشکر گاہ کے چاروں طرف پھرایا گیا، اس منصفانہ کارروائی کی شہرت بجلی کی سی تیزی سے چاروں طرف پھیل گئی، شہر والوں نے یہ خبر سنی تو سوچا ہمیں ایسا عادل اور منصف حاکم کہاں ملیگا۔ اسی رات شہر کا دروازہ کھول کر حاضر ہوئے اور غزنین کی کنجیاں الپ تگین کی خدمت میں پیش کر دیں۔

زیادہ عزیز رکھتے، اور وہ اپنے کو ہر طرح باعزت اور باوقار سمجھتے۔ اور جب ان کو شاہانہ اقتدار حاصل ہو جاتا، تو اپنے خاندان میں اپنے آقا ہی کی شاہانہ شوکت و سطوت پیدا کر لیتے۔ اس کی مثالیں ہندوستان میں محمد غوری کے غلاموں میں پائی جاتی ہیں۔ جب سبکتگین[1] غزنہ میں حکومت کر رہا تھا تو

---

[1] تاریخ دولت ناصری میں لکھا ہے۔ کہ ابتدائی زمانے میں سبکتگین ایک غلام تھا اور نیشاپور میں اس کا قیام تھا، دنیوی مال و اسباب میں لے دے کر صرف ایک گھوڑا تھا، جس پر سوار ہو کر وہ نیشاپور کے جنگلوں میں نکل جاتا اور شکار کی تلاش میں گھوما کرتا تھا۔ ایک دن اسی طرح وہ شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ کہ دور سے ایک ہرنی نظر آئی، جو اپنے ننھے سے بچے کو ساتھ لیے چرنے میں مشغول تھی۔ اسے دیکھ کر سبکتگین نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرنی کا شکار کرنا چاہا۔ ہرنی تو شکاری کو آتا دیکھ کر ہوا ہو گئی، مگر بچہ چھوٹا تھا، ماں کا ساتھ نہ دے سکا اور آسانی سے ہاتھ آ گیا، سبکتگین نے اس کے پاؤں باندھ کر گھوڑے پر اپنے آگے رکھ لیا۔ اور شہر کی طرف چل پڑا۔ شہر کے قریب پہونچ کر اس نے جنگل کی طرف مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا، بے چاری مامتا کی ماری ہرنی، اپنے بچے کے خیال سے اس کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی، اسے اس طرح آتا دیکھ کر سبکتگین کو بڑا ترس آیا، سوچا کہ میرا تو اتنے سے بچے کے گوشت سے گزارا نہ ہوگا۔ اور اس کی ماں اس کے صدمے سے نڈھال ہو جائے گی، اس سے یہی بہتر ہے کہ بچے کو چھوڑ دوں، چنانچہ اس نے بچے کے پاؤں کھول کر اسے زمین پر چھوڑ دیا۔ بچہ اچھلتا کودتا اور کلیلیں کرتا ہوا اپنی ماں کے پاس چلا گیا اور دونوں مل کر جنگل کی طرف لوٹ گئے، لوٹتے ہوئے ہرنی مڑ مڑ کر سبکتگین کی طرف دیکھتی جاتی اور آنکھوں آنکھوں میں رحم دل شکاری کا شکریہ ادا کرتی جاتی تھی، اس رات سبکتگین نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں، سبکتگین اس کم زور ہرنی پہ تو نے رحم کر کے ہمارا دل خوش کیا، تو ایک دن بہت بڑا بادشاہ بنے گا۔ جب بادشا

لمغان اور پشاور سے چناب تک کے علاقے او ہند (وے ہند) کے شاہیہ خاندان کے راجہ جے پال کے زیر نگین تھے، امیر سبکتگین تخت نشینی کے فوراً ہی بعد ہندوستان کی سرحد کی طرف اپنی فوج لے کر بڑھا، افغانستان کے باشندے زیادہ تر سیتھی تھے۔ اور آٹھوین صدی تک بودھ مذہب کے پیرو رہے لیکن کابل کی وادی مین بالآخر اسلام پھیل گیا۔ اور جب امیر سبکتگین کا مقابلہ راجہ جے پال سے ہوا تو دو لڑائیاں ہوئین، دوسری جنگ مین جے پال نے بہت سے راجپوت راجاؤن کو جمع کر لیا تھا۔ لیکن سبکتگین نے لمغان اور پشاور پر قبضہ کر ہی لیا، اور ان علاقون مین اسلام کی اشاعت بھی ہوئی اور امیر سبکتگین یہان کے خلجیون اور افغانون کو اپنے لشکر مین بھرتی بھی کرتا رہا، اس نے ۹۹۷ء مین بلخ مین وفات پائی، جب کہ وہ خراسان کو اپنی سلطنت کا حصہ بنا چکا تھا، اس نے بیس سال تک حکومت کی، اس کے دور مین خوش حالی اور فارغ البالی رہی، اس کے بعد اس کا لڑکا سلطان محمود تخت پر بیٹھا جسکی سلطنت کے حدود بحر کیسپین سے پنجاب اور ترکستان سے گجرات تک پھیلے ہوئے تھے، ۔ مسلمان ہندوستان آئے تو ایرانی کلچر سے متاثر تھے۔ ان کو ترکون کی سپہگری اور جانبازی بھی حاصل تھی، اور غلامون کی حکومت کا ایسا نظام تھا جو مفید اور موثر ثابت ہوا

بقیہ حاشیہ ص ۱۷) سے تو خدا کے بندون پر ایسی ہی شفقت کرنا تاکہ تیری سلطنت کو قیام و دوام حاصل ہو۔ اس دن کے بعد سبکتگین اس خواب کو سچ کر دکھانے کی کوشش کرتے لگا اور آخر ایک دن بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ (بحوالہ جوامع الحکایات ولوامع الروایات از محمد عوفی، اردو ترجمہ ص ۱۴۸)

محمود نے اپنی ولی عہدی کے زمانے مین غزنین مین ایک بڑا شاندار اور خوبصورت باغ بنوایا، جب وہ بن کر تیار ہو چکا تو محمود نے اپنے باپ امیر سبکتگین کی پرتکلف دعوت اس باغ مین کی، سبکتگین نے یہ باغ دیکھا تو بیٹے کی عالی ہمتی پر تعجب کیا۔ اور بہت تعریف کرنے کے بعد اس سے کہا کہ بیٹا یون تو جو عمارت بھی تو بناتا ہے، اور جو درخت بھی لگاتا ہے، جلد پھل دینے لگتا ہے

سپہگری، اور معرکہ آرائی مین بھی وہ ہندوستان کے باشندون پر فوقیت رکھتے تھے، یہ ساری چیزین ان کی قوت کو مستحکم بنانے مین معاون ہوئین۔

دسوین صدی عیسوی کے خاتمہ تک تو شمالی ہند کے راجپوت راجا اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرتے رہے، ان کو بیرونی ممالک سے کوئی خطرہ نہین رہا۔ عرب سندھ آئے تو راجپوت راجے بہت زیادہ پریشان نہیں ہوئے اور آٹھوین صدی مین اسلام کابل مین پھیلا تو بھی وہ زیادہ فکرمند نہین رہے۔ لیکن جب سبکتگین اور محمود سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی، تو وہ پریشان خاطر نظر آنے لگے، یہ دونون نسلی، تمدنی اور مذہبی حیثیت سے ان سے مختلف تھے۔ ان کا طریقہ جنگ بھی ان سے بالکل علٰحدہ تھا، اس لئے وہ پنجاب تک بڑھتے چلے آئے، ۹۹۱ء مین جے پال نے [illegible] راجاؤن مثلاً قنوج کے راج پال اور بندیلکھنڈ کے چندیل راجا کو جمع تو کر لیا تھا، لیکن ان کی مدافعت کارگر نہین ہو سکی، اور پشاور مسلمانون کے قبضہ مین چلا گیا۔ لیکن اس شکست کے بعد بھی راجپوت راجاؤن مین اتحاد پیدا نہ ہو سکا، ان کی باہمی رقابت قائم رہی، بنگال کے پال خاندان کے حکمران دوری کی وجہ سے بالکل بےخبر تھے، کشمیر اور قنوج کی سلطنت وہان کے راجاؤن کے ظلم و ستم کی وجہ سے زوال پذیر تھی، ان راجپوتون کا جب افغانون اور ہندوکش کے علاقون کے مضبوط پہاڑیون سے مقابلہ ہوا تو وہ ان کے قوی جسم اور دیوہیکل قد کے سامنے جم نہ سکے۔ یہ لوگ بڑے سبک رو اور چالاک شہسوار بھی تھے، ہندوستان کی دولت مین بھی ان کو بڑی کشش تھی، جنگ کے موقعہ پر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸) لیکن اب سے بعد نیکی کے باغ مین نیک نامی کے پودے لگا۔ یعنی ارباب ہنر کی تربیت کر، ان کی امیدون کی جوئبار کو اپنے احسان کے پانی سے سیراب کرتا کہ وہ سایہ دار اور میوے دار ہو جائین اور ان سے عام ہندوؤن اور مسلمانون کو فائدہ پہونچے، اور اس خاندان کی برکتون سے حکومت تیرے خاندان مین باقی رہے (جوامع الحکایات و لوامع الروایات از محمد عوفی اردو ترجمہ ص ۹۶)

ان کو جو مال غنیمت ملتا اس کی وجہ سے ہر دفعہ بڑی تعداد میں تازہ بہ تازہ لشکری جنگ میں شریک ہوتے۔ اور لڑائی کے میدان میں سوار بڑی سرعت اور تیز گامی سے اپنے گھوڑوں کو بڑھاتے اور جس طرف چاہتے موڑ دیتے۔ شروع میں ان کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدکے اور بھڑکے، لیکن رفتہ رفتہ ان کو ہاتھیوں کا عادی بنا لیا گیا۔ ہندو راجا زیادہ تر ہاتھیوں ہی پر بھروسہ کرتے رہے۔ ان کے اسلحہ بھی دقیانوسی تھے۔ پھر لشکری صرف ایک خاص طبقہ سے بھرتی کئے جاتے، عوام کی ایک بڑی تعداد کو سپہگری کے لائق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی لئے عوام بھی سیاسی انقلابات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، اور ان کی دلچسپی کے اس فقدان نے ہندوستان کی سوسائٹی کی بنیاد ہلا دی۔ راجپوتوں میں سپہگری اور جوانمردی تھی، لیکن ان میں باہمی اتحاد و تعاون نہ تھا۔ وہ اپنے غرور اور تعصب کی بنا پر کسی کو ایک مشترکہ لیڈر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اہم مواقع پر جب یکجہتی اور یگانگت کی ضرورت ہوتی تو بھی وہ علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں بٹے رہتے۔ اس لئے وہ اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے سے قاصر ہو جاتے۔ مسلمان پہاڑی علاقوں کے سرد مقامات کے رہنے والے تھے، اس لئے میدان جنگ میں زیادہ محنت اور سرگرمی دکھا سکتے تھے۔ ان میں تنظیم تھی، وہ قواعد و قوانین کے پابند تھے، ایک لیڈر کی اطاعت کرکے اپنی یکجہتی کا ثبوت دیتے تھے۔ اور فوجی سرداروں کی اطاعت کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ لیکن ہندوؤں کو اپنی ذات اور فرقہ ہی کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ ان کے سامنے اتحاد مقصد نہ تھا، ان میں وہ لگن نہیں تھی جو کسی مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ اسی لئے اپنی جانبازی اور قربانی میں وہ جوش و خروش کا اظہار نہ کر سکے، جس کی ضرورت تھی۔ ان کا طریقۂ جنگ بھی فرسودہ تھا۔ وہ ہاتھیوں پر زیادہ بھروسہ کرتے، حالانکہ سکندر کے خلاف پورس کو ان ہاتھیوں سے بڑی ہزیمت حاصل ہو چکی تھی۔ ان کے مقابلہ میں ایران اور ترکستان کے تربیت یافتہ

سوار اپنی چستی اور چالاکی سے نمایاں رہتے۔ پھر مسلمانون کو لشکری بھرتی کرنے مین کبھی کوئی دقت نہین ہوتی، مال غنیمت حاصل کرنے اور اسلام کی اشاعت کا شوق کچھ ایسا تھا کہ لشکری جوق کے جوق فوج مین شریک ہوتے رہتے۔ اور جب یہ اپنے گھوڑون پر اپنی بے مثل پامردی اور سبک روی کا ثبوت دیتے، تو ہندو اپنے ہاتھیون کے جھنڈ کے ساتھ اپنی پہلی جنگی قطار کی محافظت مین کھڑے رہتے، وہ زیادہ تر مدافعانہ جنگ لڑتے۔ اور لین پول نے بہت صحیح لکھا ہے کہ "قلعہ کے اندر کے علاوہ مدافعانہ لڑائی ہمیشہ ایک کمزور پہلو ہے"۔ مسلمان لشکریون کی قیادت بیدار مغز اور عالی دماغ لیڈر اور فوجی سردار کرتے رہے، اسی لئے جب کوئی اہم موقع ہوتا تو وہ اپنی عالی دماغی سے اس سے فوراً فائدہ اٹھا لیتے۔

دوسری جھلک
ہندوستان مسلمانوں کی آمد کے موقع پر

ازپروفیسر سیتا رام کوہلی

ہرش[1] شمالی ہند کے راجاؤں کا سب سے آخری بڑا راجہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اسکی سلطنت اسکے بعد قائم نہین رہ سکی، اس کی وفات (۶۴۸ء) کے بعد یہ مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستون مین تقسیم ہوتی چلی گئی اور تقریباً دوسو سال تک انتشار واختلال رہا، ایک تنہا حکمران کی غیر معمولی کوششون نے

---

[1] یہ اقتباس پروفیسر سیتا رام کوہلی کی "تاریخ ہند" سے لیا گیا ہے جو ۱۹۳۸ء مین پروفیسر آج۔ ال۔ اوُ۔ گیرٹ کے ساتھ مل کر لکھی گئی تھی۔ یہ دونون اس وقت گورنمنٹ کالج، لاہور مین تھے، اسی اقتباس کے ساتھ ہم ذیل مین علامہ عبد اللہ یوسف علی کی کتاب "ہندوستان کے معاشرتی حالات" سے ساتوین صدی عیسوی مین ہندوستان کے کچھ معاشرتی واقتصادی کوائف بھی پیش کرتے جاتے ہین،

"مشہور شاعر بان بھٹ کے قصیدہ کا ممدوح مہاراجہ ہرش ہے، اور سارے قصیدے مین اس کے خلاف اس کے سوا کوئی بات نہین ملتی کہ ہم عصر بادشاہون اور حلیفون کے ساتھ اس کا طرز عمل کسی قدر تحکمانہ ہوتا تھا۔ لیکن اس کے زبردست اور مضبوط کیرکٹر، مختلف مذاہب سے روا داری، بہن سے غایت درجہ کی محبت وعقیدت اور علم، ادب، موسیقی اور

کوئی سلطنت مٹتی ہے تو اس کے بگڑنے کے بعد یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اسی زوال کے زمانہ مین راجپوت مغرب اور جنوب مین اوبھرے، نمایان ہوئے۔ اور پرانی سلطنت کو ختم کر کے چھوٹی چھوٹی ریاستین بنالین۔ اور تقریباً چار سو سال یعنی سنہ ۸۰۰ھ سے ۱۲۰۶ تک ہندوستان

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲) فنون لطیفہ سے شفقت کی تصدیق چینی سیاح نے بھی کی ہے۔ ہرش کو ہم حقیقت مین ایک غیر معمولی انسان اور حکمران تصور کر سکتے ہین، لیکن ہرش کے ناٹکون مین عام بادشاہون کی جو تصویر کھینچی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ کی کئی کئی رانیان ہوتی تھین جو اس کے انتقال پر اسکے ساتھ ستی ہو جاتی تھین اُن کے علاوہ اس کے حرم مین بہت سی کنیزین بھی داخل ہوتی تھین، حرم سرا کی حفاظت کبڑے، بونے اور عمر رسیدہ آدمی کرتے تھے۔ بڑی رانی عموماً زمانہ کی نوجوان اور خوبصورت عورتون سے بے حد حسد کیا کرتی تھی۔ لیکن جب ان مین سے کوئی اعلیٰ اور شریف گھرانے کی ثابت ہو جاتی تو بڑی رانی راجہ کو اس سے شادی کر لینے کی رضامندی دیدیتی تھی، اور اسے اپنی سوکن سے مساوات کا برتاؤ کرنا پڑتا تھا، اعلیٰ طبقہ کی عورتون مین پردہ کا تھوڑا بہت رواج تھا۔ بعض جگہ رانی کے نقاب کا بھی ذکر آتا ہے۔ ہرش سے منسوب رتناولی ڈراما سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب راجہ نے اپنی رانی کو جادوگر کے کرتب دیکھنے کے لیے بلایا تو پہلے سب لوگون کو کمرے سے باہر چلے جانے کا حکم دیدیا، رانی کی ایک فقیہ کا ذکر بھی علامہ خاتون کی حیثیت سے آتا ہے جو کسی اعلیٰ طبقہ کی عمر رسیدہ عورت تھی اور شاہی خاندان کے دل بہلانے کے لیے چھوٹے چھوٹے ناٹک یا ایک آدھ نظارہ (سین) تصنیف کر کے انھین دکھانے کا اہتمام کیا کرتی تھی۔ اونچے گھرانون کی دوشیزہ لڑکیون کو موسیقی، رقص اور سازندگی کے ہنر سکھائے جاتے تھے...... شاہی ایوان کی دیوارین سفید ریشمی پردے لٹکا کر آراستہ کی جاتی تھین، فرش پر صندل کے عرق کا چھڑکاؤ کیا جاتا تھا، کمرے مین

ہر ریاست ایک علحدہ راجپوت خاندان کے ماتحت تھی، اور یہ راجپوتون کے عروج کا دور کہلاتا ہے۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ گجرات اور کاٹھیاوار مین چالوک حکمران تھے، جن کا پایہ تخت پٹن یا انہلواڑہ تھا۔ راجپوتانہ سندھ اور پنجاب مین چھوٹے چھوٹے راجپوت راجے اور سردار تھے، ان مین چوہان نمایان تھے۔ ان کی راجدھانی اجمیر تھی، تومر حصار اور دہلی مین حکومت کر رہے تھے، اس خاندان کے راجہ اننگ پال نے لال کوٹ کے نام سے ایک قلعہ بنایا تھا۔ وسط ہند مین

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳) مین ایک حجرہ سا بنا کر اسمین سفید پلنگ اور جڑاؤ پائیدان رکھا ہوتا تھا۔ یہان راجہ صاحب ورزش اور دوپہر کے اشنان کے بعد آرام فرماتے تھے۔ اس وقت ایک دوشیزہ اپنی تازہ کنول کی پتی ایسی ہتھیلی سے آہستہ آہستہ ان کے پاؤن سہلایا کرتی تھی۔ وہ دوسرے ملکون کے راجاؤن اور وزیرون سے یہین ملاقات کیا کرتے تھے اور ان دوستون کو بھی یہین شرف باریابی نصیب ہوتا تھا۔ جو اپنے رتبہ کے لحاظ سے مقابلتہً تنہائی مین ملاقات کرنے کے مستحق تھے، ایوان کے متعلق کمرون کی دیوارین نقش و نگار سے آراستہ ہوتی تھین۔ ان کمرون کو چترشالا کہتے تھے۔ ہر باکمال فرمانروا عموماً سحر و ساحری کے فنون سے واقف اور زہرون کے تریاق کا ماہر ہوتا تھا، ..... ہرش کا دارالحکومت ہین ایک بارونق اور خوش و خرم شہر تھا۔ جو اپنی مرکزی حیثیت کی وجہ سے جنوبی اور مغربی ہندوستان کی دولت پر حاوی تھا۔ اس کے گرد ایک گہری خندق تھی، اور حفاظت کے لئے مضبوط فصیل بنی ہوئی تھی۔ جو چونا مٹی سے سفید نظر آتی تھی، متعدد مقامات پر ٹیلے، آسمان پر باتین کرتے ہوے اونچے اونچے برجون کا تصور بھی بان کے بیان کی بندہ سکتا ہے۔ بازار تجارتی مال سے بھرے ہوئے تھے۔ موتی، مرجان، اور زمرد کی خرید و فروخت عام تھی۔ شہر کی تصویر گاہون کی دیوارین دلفریب نظارون کے نقش و نگار سے مزین تھین، ان تصویرون کے نفس مضمون کا اندازہ ان تصاویر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ جو اجنتا اور

راجپوتون کی سب سے مضبوط حکومت مالوہ مین تھی، جو نوین صدی کے آخر مین راجہ بھوج کے زمانہ مین
بہت مشہور ہوئی۔ اس سلطنت کے دو شہر دھار اور اجین کو بڑی شہرت حاصل تھی، شمالی ہند کی
ریاستون مین قنوج اور بندیلکھنڈ کو اہمیت تھی، قنوج پہلے فو مر پھر گہروار راجپوتون کے
ماتحت ہو گیا، بندیلکھنڈ مین مہوبا اور کالنجر شامل تھے، جہان چندیل راجپوتون کی حکومت تھی،
ہمسایہ ریاستون کے راجاؤن اور سردارون مین اقتدار کی بڑی رقابت رہتی، ہمالیہ کی ریاستین
پہاڑی علاقہ مین ہونے کی وجہ سے قدرتی طور سے محفوظ تھین، اور ان مین سیاسی استحکام تھا، یہان

بقیہ حاشیہ ص ۲۴) باغ کے غارون مین اب تک موجود ہین، دیوارون پر تصویرین دو قسم کی بنائی جاتی
تھین، ایک وہ جن مین پانی کے رنگ تیل کے بغیر پلستر سوکھنے سے پہلے بھرے جاتے تھے اور جن کو
اطالوی زبان مین فریسکو کہتے ہین، دوسری وہ جو رنگون کے ساتھ تیل کے بجائے کوئی اور مرغن شئے
مثلاً انڈے کی زردی ملا کر پلستر پر لگائی جاتی تھی، اس ترکیب کو اطالوی مین ٹمپرا کہتے ہین،
مضامین اور نظارے دیوتاؤن راکششون، ناگون اور دوسری پرانک ہستیون کے ہوتے تھے
مگر روزمرہ زندگی کے نقوش خال خال ہی نظر آتے تھے۔ ہرش کے زمانے مین زیادہ تر شیو جی
کی پوجا ہوتی تھی، جنھین اس زمانے کے ناٹکون اور افسانون مین نمایان حیثیت حاصل ہے۔
پورا بھون پر مندر تھے، جن پر سفید جھنڈے لہراتے نظر آتے تھے۔ عشق کے دیوتا کامدیو کی بھی
پرستش ہوتی تھی۔ اس کے جھنڈے پر مچھلی کی تصویر بنائی جاتی تھی، بہار اور خزان کے موسم مین
لوگون کے خاص تہوار منانے کا بھی ذکر ناٹکون مین آتا ہے، ان تہوارون مین عوام کافی
آزادی سے کام لیتے تھے، اور خوب شور و شغب ہوتا تھا۔ جو موجودہ زمانے مین ہولی کے
تہوار سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ گھنٹون کی خوشگوار ٹن ٹن سنائی دیا کرتی تھی، مقدس کتابون
کے منترون کے جاپ کی پیاری اور سریلی آواز اکثر کانون مین پہونچتی تھی، اجین کے باشندے

کشمیر، نیپال، اور آسام کی تین عام ریاستیں تھیں۔ مشرق میں بہار اور بنگال کی دو ریاستیں قائم تھیں، بہار میں پال خاندان حکمران تھا۔ جس کا دارالسلطنت مونگیر تھا۔ بنگال میں سین خاندان کی حکومت تھی، اڑیسہ میں یاتی کیسری نے ایک علٰحدہ حکومت قائم کر کے بھونیشور کو اپنا صدر مقام بنالیا تھا۔ اس کا خاندان گیارھویں صدی تک قائم رہا، جس کے بعد وہ میسور کے گنگا راجاؤں سے مغلوب ہو گیا۔ اڑیسہ کے مغربی علاقہ میں چیدی کی سلطنت تھی جو موجودہ برار تک پھیلی ہوئی تھی، دکن میں بھی کئی ریاستیں تھیں، کلیان کے مغربی چالوک راجاؤں کے ماتحت مہاراشٹر کا علاقہ تھا، اور مشرقی چالوک کے زیر نگین گوداوری اور کرشنا دریاؤں کے زیریں علاقے تھے۔ چالوک خاندان کی ان دونوں شاخوں کو پلاکیشن دوم نے قائم کیا، یہ ہرش وردھن کا ہم عصر تھا۔ ان کے علاوہ ہوئے سلا دوار سمندر اور یادیو دیوگری میں

بقیہ حاشیہ ص ۳۵) نہایت زندہ دل اور خوش باش تھے، انھیں اپنے تعمیرات عامہ کے نمونوں پر بڑا ناز تھا، دھارمک دو یار تھیوں کے لئے دارالاقامہ اور عوام کے لئے جلسہ گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں، یہاں بھٹ کے عجیب و غریب الفاظ میں یہ لوگ اگرچہ بہادر تھے لیکن بے حد خلیق اور زبان کے میٹھے تھے۔ لیکن راست گوئی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے، حسین و جمیل تھے۔ لیکن گناہ کی آلائش سے پاک، مہمان نواز تھے لیکن مہمانوں سے تحفہ تحایف کی خواہش نہ رکھتے تھے اگرچہ دولت اور محبت کے پوجاری تھے۔ لیکن حد درجہ کے انصاف پسند، انھیں فنون لطیفہ سے از حد شغف تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس زمانے کی سنگ تراشی اور نقاشی سے بھی بعض باتیں واضح ہوتی ہیں، مثلاً اجنٹا کے غاریں (جس کی تاریخ چھٹی سے ساتویں صدی عیسوی تک شمار کر سکتے ہیں) کھدائی کا نہایت دلکش کام موجود ہے۔ جو ستونوں کے بالائی حصوں کی تختیوں پر کیا ہوا ہے، یہ کام اس قدر بلندی پر ہے کہ اس کی شکلوں پر عام سیاحوں کی نظر

حکومت کر رہے تھے، جنوبی ہند مین پانڈو، چیرا اور چول کی تین علحدہ ریاستین تھین، اس طرح آٹھ بڑے بڑے سیاسی حلقے تھے اور ہر حلقہ مین ایک سے زیادہ آزاد حکومت تھی جن مین باہمی جھگڑے برابر چلتے رہتے اسی لئے وہ متحد ہو کر بیرونی حملہ آورون کی مدافعت نہ کر سکے۔

چار سو سال تک کوئی سیاسی وحدت نہین رہی۔ اسی لئے معاشرتی اور مذہبی انتشار بھی رہا، اس زمانے کے ایک عرب سیاح نے لکھا تھا کہ ہندوستان مین چالیس مذاہب ہین۔ چالیس تو نہین لیکن متعدد ضرور تھے۔ بودھمت ختم ہو چکا تھا، اور ہندوازم وہ نہین رہا تھا۔ جو ویدک عہد مین برہمنزم کی شکل مین تھا، طرح طرح کے عقائد تھے، عبادت کے طریقے بھی مختلف تھے، ویدنے بھگوان کی پرستش کی تعلیم پر زور دیا تھا، لیکن ہندوازم نے اس کو تین حصون مین تقسیم کر کے برہما، وشنو اور شیو کی پوجا شروع کرادی۔ وشنو اور شیو کی پوجا کی مقبولیت بڑھتی گئی، اس لئے شیو اور وشنو کے فرقے قائم ہو تے گئے۔ برہمنون نے قومی ہیرون مثلاً رام اور کرشن کو دیوتا بنادیا، اور گوتم بودھ کو بھی دیوتاؤن کی فہرست مین شامل کر لیا۔ رام اور کرشن کے قصے ملک مین اس طرح پھیلے کہ سیدھے سادے ہندو ان کی پوجا دیوتا ہی کی طرح کرنے لگے، اور مختلف عقائد کے لوگ اپنے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶) بہت کم پڑتی ہے۔ نسوانی شکلون کے خط و خال اور قد و قامت قریب یونانی ہین، بعض دوسرے غارون مین اکثر چہرون کی شکل و شباہت اور سر کا لباس ایرانی بھی ہے، مہاتما بدھ یا بودھی دستو اور ہاتھ مین پھول لئے ہوئے اندر دیوتا کی تصویرون کے ہلکے اور نفیس خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے مین مصوری کا فن نفاست کے اعتبار سے کس عروج پر پہونچ چکا تھا، مدھوبن ضلع اعظم گڈھ کے عطیہ کا جو پٹہ تانبہ کی تختی پر کندہ ہے۔ اس سے پانچ قسم کے محاصل کا پتہ چلتا ہے جو دیہات مین زمینون کے قابضون کو ادا کرنے پڑتے تھے، یعنی (۱) ملامایا، (۲) پیداوار کا ایک مقررہ حصہ (۳) نقد رقم (۴) ذاتی

دیوتاؤن کی پوجا کے لئے بکثرت مندر بنانے لگے، اور پورا ملک مندروں سے بھر گیا، اور مختلف دیوتاؤن کی پوجا کے لئے مختلف عقائد رکھنے والے فرقون نے طرح طرح کے رسمی قوانین بنائے، اور متعدد پران بھی مرتب ہوئے، جن مین علیحدہ علیحدہ فرقون نے اپنے اپنے دیوتاؤن اور رسوم کی فضیلت بتائی، اس طرح باہمی تنازعے پیدا ہوگئے، اور اس مین ایسی شدت بڑھ گئی کہ کسی فرقہ کا مندر منہدم کیا جاتا تو دوسرا فرقہ خوش ہوتا۔ اس مذہبی انتشار کے ساتھ معاشرت کا بھی سکون جاتا رہا تھا۔ برہمنون کے تخیل کے مطابق توسوسائٹی چار ذات پر مشتمل تھی، برہمن، چھتری، ویش اور شودر، برہمنون کو سب پر فوقیت حاصل تھی، اور وہ روحانیات کے محافظ سمجھے جاتے تھے، برہمن ہی کے ذریعہ نجات حاصل ہو سکتی تھی، بودھ مذہب اس کا مخالف تھا۔ اس کی تعلیم تھی کہ انسان اپنی ذاتی کوشش سے روحانی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اس مین معاشرتی زندگی مین مساوات پر بھی زور دیا گیا تھا، برہمنون نے معاشرتی مساوات اور عام اخوت کو تسلیم نہین کیا۔ اور بودھون کی تعلیم کے خلاف ذات پات کی بندشون کو اور بھی مضبوط کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذات کے اندر ذات پیدا ہوتی گئی، برہمنون مین بھی جگہ کی نسبت سے قنوجی، گوری، تیلنگو اور کوکنی وغیرہ ہوگئے۔ اسی طرح چھتری اور ویش بھی کئی ذات مین تقسیم ہوگئے، اور رفتہ رفتہ پیشہ وروں کی بھی علیحدہ ذاتین ہوگئیں مثلاً سونار، بڑھی، گوالے، لوہار، ان فرقون مین بھی

بقیہ حاشیہ ص ۲۷) خدمات اور (۵) دیگر محاصل، بتلانا یا تلائی سے مٹی جلتی کوئی رسم ہوگی جو آج تک پرانی روش کی دیہاتی ہنڈیون مین رائج ہے، ہمارے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ پیداوار کا حصہ، نقد روپیہ اور ذاتی خدمات تینون کی تینون پر قابض اراضی کو بیک وقت ادا کرنی پڑتی تھین یا مختلف قسم کی زمینون سے قسم وار تینون مین سے کوئی جزو وصول کی جاتی تھی، اغلب یہی ہے کہ کسی خاص حیثیت اراضی پر ان مین سے کوئی نہ کوئی قابل ادا ہوگی، . . . . .

اپنی اپنی برادری کا تعصب پیدا ہو گیا۔ اس طرح سیاست اور معاشرت مین بڑی تنگ نظری آ گئی۔ ہندو مذہب نے بودھ مت پر فتح تو حاصل کر لی تھی، لیکن اس کو خود بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ اس کشمکش مین پرانا سیاسی، معاشرتی اور مذہبی نظام درہم برہم ہو گیا، اور جو نیا نظام قائم ہوا اس کی بنیاد کمزور تھی، نئی نئی قوتین مختلف شعبہ ہائے زندگی مین ابھرین تو وہ یکجہتی کے بجائے علیحدگی اور پراگندگی کی طرف مائل ہوتی گئین، اور ہندو مذہب ابھی بودھ مت پر فتح پا کر مطمئن بھی نہین ہوا تھا کہ اس کا سابقہ اسلام سے پڑ گیا۔ حضرت محمدؐ نے عرب کے جانبازون کو اپنے گرد جمع کیا، اور ایک خدا کے ایک بلند مذہب کے زیر سایہ سب کو متحد کیا، اور آپ کی رحلت کے ایک سو سال بعد ہی آپ کے جانشینون نے مصر، شام، شمالی افریقہ اور اندلس کو اپنے زیر نگین کر لیا۔

بقیہ حاشیہ ص ۲۸) یوان چوانگ لکھتا ہے۔ کہ ہندوستان پر محاصل کا بوجھ چین کی نسبت ہلکا تھا اور حکومت بھی سخت اور جابرانہ تھی، شاہی مقبوضات چار حصون مین منقسم ہوتے تھے۔ ایک حکومت پر معمولی اخراجات اور حکومت کی طرف سے جو پوجا پاٹ کا اہتمام ہوتا تھا، اس کے لیے ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ دارون کی جاگیرون کیلئے، ایک اعلیٰ دماغی قابلیت پر انعام و اکرام کیلئے اور ایک مختلف فرقون کے تحفہ تحائف کیلئے، شاہی کاشتکارون سے پیداوار کا چھٹا حصہ لگان کے طور پر لیا جاتا تھا، ازراضی عطیات کا بہت رواج تھا، اور سرکاری عہدہ دارون کو تنخواہ کے بجائے عموماً جاگیرین دی جاتی تھین۔ کھیتون مین دھان اور گیہون کثرت سے پیدا ہوتے تھے، ان کے علاوہ سرسون، خربوزہ اور کدو کی بھی کاشت ہوتی تھی، لوگون کی عام خوراک دودھ، گھی، شکر، چپاتی، اور بھنے ہوئے اناج پر مشتمل تھی، اور سرسون کا تیل بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ بھیڑ اور ہرن کا گوشت بھی لذیذ کھانون کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

تیسری جھلک

محمود غزنوی اور اسکے جانشین

از سی، دی، ویدیہ، بمبئی یونیورسٹی

مورخین[1] محمود کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے مین رطب اللسان ہیں، ان میں گبن بھی شامل ہے،
وہ کہتا ہے کہ "تاریخ جنگ کی خونریزی کی داستان سے بھری پڑی ہے، محمود کی تاریخ مین بھی یہ چیز ملیگی،
اس سے قطع نظر کرکے اگر ہم اس کے اچھے اوصاف کا مطالعہ کرین تو وہ دنیا کے جلیل القدر بادشاہون
مین شمار کئے جانے کے لائق ہے، اس کا نام مشرق مین اب تک عزت سے لیا جاتا ہے۔ اس کی
رعایا کو خوشحالی اور امن حاصل تھا، اس کے عدل و انصاف اور بلند حوصلگی کے بہت سے واقعات
درج ہین۔ اس کے کردار کا داغ اس کی حرص ہے جو اس طرح پوری ہوئی کہ اس کی مثال کم

---

[1] یہ اقتباس سی۔ دی۔ ویدیہ (آنریری فیلو بمبئی یونیورسٹی اور مصنف "مہا بھارت پر ایک تنقیدی نظر" وغیرہ) کی "ہسٹری آف مڈیول ہندو انڈیا" جلد سوم سے لیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ذیل مین ہم پروفیسر ایشوری پرشاد، الہ آباد یونیورسٹی کی "مڈیول انڈیا" سے بھی کچھ اقتباسات پیش کرتے ہین

محمود ایک جلیل القدر بادشاہ تھا، اس نے محض اپنی قوت بازو سے ایک چھوٹے سے پہاڑی
علاقہ کو ایک وسیع اور خوشحال سلطنت مین تبدیل کر دیا، یہ کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا، یہ صحیح ہے کہ
اس کے اس عروج و اقبال کے لئے حالات بھی سازگار ہوئے، شمال مین اس کی ہمسایہ سلطنتون مین
کچھ ایسے عجیب وغریب حالات پیدا ہو گئے تھے کہ ان کے حکمران اپنی حکومت قائم و برقرار

ٹنگی اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحات مین اپنی ساری دولت کو اپنی نگاہون کے سامنے رکھوایا۔ جس کو اس نے بڑی مشقت اور بڑے خطرات مول لیکر حاصل کیا تھا۔ اور جس سے وہ اپنے کو اس وقت محروم ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اس نے اپنے لشکر کو بھی دیکھا جس مین ایک لاکھ پیدل سپاہی، پچپن ہزار سوار اور تیرہ ہزار جنگی ہاتھی تھے۔"

اس کی تعریف تمام مورخون نے کی ہے کہ محمود ایک بہت بڑا سپاہی اور بہت بڑا فوجی رہنما تھا، لین پول نے لکھا ہے کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھا، اور بے انتہا ہمت رکھتا تھا، جس کے جسم اور دماغ مین انتھک سرگرمیون کی کوئی حد نہ تھی، لین پول نے اس کی عمدہ حکومت اور عدل وانصاف کی بھی تعریف کی ہے۔ اور ایک سلجوقی وزیر کی رائے نقل کی ہے کہ "وہ ایک عادل حکمران

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰) رکھنے سے بالکل معذور ہو رہے تھے۔ اسی لئے محمود کو اپنے سیاسی اور سپاہیانہ کمالات کے دکھانے کے مواقع ملتے گئے۔ سامانیون کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان مین ہندو حکمرانون مین باہم کچھ ایسا نفاق اور کچھ ایسی رقابت تھی کہ وہ اپنے کسی مشترکہ دشمن کے خلاف علیحدہ محاذ قائم نہین کر سکتے تھے، ایران کی حکومت زوال پذیر تھی، ان حالات کے مقابلہ مین نومسلم ترک، غیر معمولی جوش وخروش سے بھرے ہوئے تھے، جس سے محمود کو قدم قدم پر کامیابیان حاصل ہوتی گئین۔ وہ جہان بھی حملہ آور ہوا فتح وکامرانی نے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا، ہندوستان کو مستقل طور پر تسخیر کرنا ممکن نہ تھا، اور یہ محمود کی دلی آرزو بھی نہ تھی، ترک افغانستان کے سبزہ زارون اور وہان کی پہاڑی چراگاہون کو زیادہ پسند کرتے تھے، ہندوستان کی آب وہوا ان کے موافق بھی نہ تھی، محمود ہندوستان آکر یہان کی دولت زیادہ سے زیادہ سمیٹ کر اپنے وطن کو واپس چلا جاتا، اور پھر مستقل فتح وتسخیر سے بے نیاز ہو جاتا۔ لیکن یہ خود ایک عظیم الشان کام تھا، ہندوستان آنے مین قدرتی مشکلات کے علاوہ یہان کے باشندون کی طرف سے

علوم وفنون کا مربی، فیاض اور راسخ العقیدہ شخص تھا"۔ اس کا ثبوت کہ وہ اہل علم کا سرپرست تھا، اس سے ملتا ہے کہ اس کے دربار مین علما وفضلا بکثرت تھے، البیرونی جیسا ماہر ہئیت، فارابی جیسا فلسفی، عتبی جیسا مورخ، بیہقی جیسا سخن ساز، عنصری، فرخی، عسجدی جیسے شعرا اس کے دربار مین تھے۔ ان ہی مین فردوسی بھی تھا جو فارسی زبان کا ہومر ہے، وہ اس کی سرپرستی سے فیضیاب ہوتا رہا۔ لین پول نے محمود کی عظمت کی تو تعریف کی ہے۔ لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کوئی مدبر نہ تھا، اس نے کوئی جدید ادارہ اور نئی طرز حکومت قائم نہین کی، اس نے جو کچھ حاصل کیا اس کی بنیاد کو مضبوط نہ کر سکا، اسی لئے جب اس کی وفات ہوئی تو اس کی غیر منظم سلطنت ختم ہو گئی۔

گبن اور لین پول نے محمود کے بارہ مین جو بعض سخت رائین دی ہین ان پر تنقید کرنے سے پہلے ہم خود اس کو ایک بڑے سپاہی ایک پختہ کار سپہ سالار، ایک عادل حکمران اور ناظم سلطنت کی حیثیت سے خراج عقیدت پیش کرنا چاہتے ہین، ہمارا خیال ہے کہ محمود ان افراد

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱) جو رکاوٹین حائل ہوتی رہین، ان پر قابو پانا انسانی قوت سے باہر تھا۔ لیکن محمود کے جسم مین وہی روح تھی جو شہدا کے جسم مین ہوا کرتی ہے۔ وہ جسمانی راحت و آسائش کی کمی کی مطلق پروا نہ کرتا تھا۔ راجپوتانہ کے ریگستانی میدانون کو عبور کر کے گجرات کے دور دراز علاقہ سومنات مین وہ جس طرح طرح کی رکاوٹون کے ساتھ پہونچا ہے۔ وہ اس کے غیر معمولی نکتہ رس ذہن اور حیرت انگیز جرات و دلیری کی دلیل ہے۔ اس نے ہندوستان کے پہلے حملہ مین ہندوؤن کے سیاسی نظام کی کمزوریون کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، نپولین اعظم کہا کرتا تھا کہ جنگ مین انسان دماغ ہی دماغ بن کر رہ جاتا ہے۔ محمود کی تمام سپاہیانہ زندگی شروع سے اخیر تک اسی مقولہ کا عملی نمونہ ہے۔

محمود کو وسط ایشیا کی طرف سے اپنی سلطنت پر حملہ کا خطرہ برابر رہا، لیکن اس شمالی

مین سے ہے جو قدرت کی طرف سے ایک عرصہ کے بعد پیدا ہوا کرتے ہین، اور جن مین غیر معمولی قسم کی خوبیان اور عدیم المثال صلاحیتین ہوتی ہین، اور جو دنیا کی تاریخ اور قومون کی قسمت بدل دیتے ہین، ایک انسان کی حیثیت سے وہ ایک سخت ضبط و تنظم اور اعلیٰ کردار کا حامل تھا، اس کے حملون مین اس کی مثالین تو ملتی ہین کہ شہر لوٹے گئے، مندر منہدم ہوئے، خونریزی ہوئی قیدی غلام بنا لئے گئے، لیکن عورتون کی عصمت ریزی یا ان کے قتل و خون کی کوئی مثال نہین ملتی، وہ عدل پسند تھا، اس لئے ظلم سے اتنی نفرت کرتا تھا کہ اگر اس کا لڑکا بھی زنا کا مرتکب ہوجاتا تو اس کو قتل کر دینے کے لئے تیار ہو جاتا، وہ ایک اچھا حکمران بھی تھا۔ اور اچھا ناظم سلطنت بھی اور عوام کو خوشحال بنانے کی کوشش مین برابر لگا رہا۔ اس نے قزاقون کی سرکوبی کرکے تجارت کو فروغ دیا۔ اور اپنے دور دراز علاقون کی شاہراہون کو ہر طرح کے خطرے سے پاک کر دیا، لاہور اور خراسان کے درمیان تجارتی قافلے آزادی سے آتے جاتے رہتے، اس نے صوبون مین اچھے حاکم مقرر کئے، اور ان پر نگرانی رکھتا کہ وہ لوگون پر ظلم نہ کرنے پائین، عتبی نے

بقیہ حاشیہ ص ۴۲) سرحد کے تحفظ و مدافعت مین اس نے کسی تکر و تردد کا اظہار نہین کیا۔ پھر بھی اس سمت مین اس کی قوت قائم رہی، اور وہ اپنے کو ایسے دشمنون سے لڑنے کے لئے برابر تیار رکھتا جو اس کے اقتدار اعلیٰ مین خلل انداز ہونا چاہتے تھے، وہ پیدائشی سپہ سالار تھا، لڑائی سے کبھی گریز نہین کرتا بلکہ جنگ کرنے مین اس کو لذت محسوس ہوتی تھی اس کی سرگرمیون مین اس خیال سے اور بھی اضافہ ہوجاتا تھا کہ وہ جو کام انجام دیتا تھا، اس سے اسلام کی شان و شوکت بڑھتی ہے۔

محمود نے جب ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ کو وفات پائی تو اس نے نہ صرف کثیر دولت چھوڑی، بلکہ اس کی سلطنت بخارا و سمرقند سے گجرات و قنوج تک پھیلی ہوئی تھی، جس مین

لکھا ہے کہ اس کا بھائی ناصر خراسان کا حاکم نیشاپور مین مقرر ہوا تو اس کا نظم سلطنت بہت ہی عمدہ ثابت ہوا، اور وہ لوگون سے ایسے لطف و کرم سے پیش آتا کہ کسی کو کوئی سخت بات نہ کہتا، اور نہ کوئی نقصان پہونچاتا۔ عتبی نے یہ محض خوشامد مین نہین لکھا ہے کہ "محمود غربا کا بڑا ہی مربی تھا۔ اور ایک ادنی بیوہ اور ایک ممتاز امیر کے ساتھ برابر کا انصاف کرتا۔ اور اس طرح ظلم و ستم کا دروازہ بالکل ہی بند ہو گیا تھا۔" اس نے بازار کے نرخ اور ناپ تول پر سخت نگرانی کے لئے ایک محتسب مقرر کر رکھا تھا۔ جانورون اور اونٹون کے آنے جانے کے لئے سڑکین بہت صاف ستھری کر رکھی تھین۔ بازار کی سڑکین پہلے مسقف نہ تھین، اس لئے لوگون کو گرد و غبار اور بارش سے بڑی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ محمود نے بازارون کو مسقف کرنے کا حکم دیدیا۔ اور دو مہینے مین شہر کی تمام سڑکون پر چھتین پڑ گئین، اور ان چھتون مین جابجا روشن دان بھی بنا دئے گئے، تاکہ روشنی آتی رہے"۔ وہ سالانہ ایک لاکھ دینار عدل و انصاف، عوام کی مرفہ الحالی اور خیرات و مبرات مین خرچ کیا کرتا تھا"۔ اور یہ تمام باتین اس بات کا

بقیہ حاشیہ ص ۳۳) افغانستان، ماوراء النہر، خراسان، طبرستان، سیستان، کشمیر اور شمال مغربی ہند کے بہت سے علاقے بھی شامل تھے۔

محمود ایک بڑا فاتح ضرور تھا۔ لیکن اس مین بربریت نہ تھی، وہ آرٹ کا دلدادہ اور اہل علم کا بڑا مربی تھا۔ وہ شعراء کے کلام اور علماء کی گفتگو کو بڑے شوق سے سنتا اور اس کی سرپرستی کی وجہ سے مشہور شاعرون اور ادیبون کا ایک بڑا حلقہ اس کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا۔ ایشیا کے ہر حصہ سے اہل علم اس کے دربار مین کھنچے چلے آتے تھے۔ شعرا اس کی مدح مین قصائد کہتے، اس کو بھی شعر و شاعری کچھ ایسا ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ بڑی سی بڑی مہم مین بھی وہ تھوڑا سا وقت اچھی غزل اور اچھی رباعیات سننے کے لئے ضرور بچا لیتا تھا۔ اس زمانہ کے جتنے جید اور ممتاز اہل علم تھے، سب اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ان مین البیرونی جیسا مشہور ریاضی دان، ماہر ہیئت اور سنسکرت کا عالم بھی تھا،

ثبوت ہین کہ وہ شہرون اور صوبون مین عوام کی فلاح وبہبود کی خاطران تمام فرائض کو انجام دیتا' جوایک حکمران کو دینا چاہیے ۔

محمود ایک پرجوش مسلمان بھی تھا۔ اور اپنے مذہب پر پورا عقیدہ رکھتا تھا۔ وہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے نمازین پڑھتا، اور سخت آزمایش کے موقع پر بھی اس پر اعتماد کلی رکھتا کہ قرآن پاک مین مومنون کی فتح وکامرانی کی بشارت ہے۔ اور اس مین یہ اعتماد محض رسمانہین بلکہ عقیدۃً پیدا ہوگیا تھا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ محمود نے تاریخ کے اور دوسرے فاتحون کی طرح ظلم وستم کو روانہین رکھا، دوصدیون کے بعد چنگیز اور تیمور نے معصومون اور بے قصورون کو جسطرح بےدردانہ قتل کی ویسی مثال محمود کے حملون مین نہین ملتی، اس نے ملحدون کو ضرور سزائین دین۔ لیکن ان کو بھی سزا دینے مین محض اپنے شک وشبہہ کو راہ نہین دیا، بلکہ قاضیون اور مفتیون سے باضابطہ فتاوے حاصل کیئے ۔ عتبی نے ایسی مذہبی مجلسون کا ذکر کیا ہے، جن مین مناظرے ہوا کرتے تھے محمود ان کی صدارت کرتا تھا۔ اور اس کی موجودگی سے مناظرانہ مباحث مین اعتدال رہتا، اس لئے

بقیہ حاشیہ ص ۳۴) عتبی اور بیہقی جیسے مورخ بھی تھے، اور فارابی جیسا فلسفی بھی تھا۔ یہ شعروشاعری کا زمانہ تھا۔ اور محمود کے دربار کے شعرا کی شہرت تمام ایشیا مین پھیلی ہوئی تھی، ان شعرا مین غضاری کو محمود نے ایک چھوٹے سے قصیدہ کے صلہ مین چودہ ہزار درہم دیئے تھے۔ عنصری اس عہد کا سب سے باکمال شاعر تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ چارسو شعرا اور اہل علم اور ان کے ساتھ غزنین کے جامعہ کے سارے طلبہ عنصری کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔ اسدی طوسی، عسجدی اور فرخی بھی محمود کی فیاضیون سے سیراب ہوتے رہے۔ ان شعرا مین فردوسی نے غیرمعمولی شہرت حاصل کی جس نے شاہنامہ لکھ کر محمود کو تاریخ مین غیرفانی بنادیا ہے۔ سلطان محمود عدل وانصاف مین بڑا ہی سخت تھا، اور اپنی رعایا کی جان ومال کی

اپنے مذہبی تعصب مین بھی کوئی غیر انسانی اور ظالمانہ حرکت نہین کی، طبقات ناصری کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے دلیری، شجاعت، عقل، تدبر اور عمدہ رائے کی بدولت مشرقی ممالک اسلامیہ کو فتح کیا اور خراسان، خوارزم، طبرستان، عراق، نیمروز، پارس، جبال غور اور طخارستان پر قبضہ کیا۔ شاہان ترکستان نے اس کی اطاعت قبول کی، اس نے دریائے جیحون پر پل باندھا۔ اور اپنی فوج کو توران لے گیا اور ترکستان کے خاقان نے بھی اس سے اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ ان کی درخواست پر سلجوق کے بیٹے اور اس کے متعلقین کو جیحون سے پار خراسان بھیجا، مگر اس امر کو اس زمانے کے عقلانے محمود کی غلطی پر محمول کیا۔ اس لئے کہ یہ بات اس کی اولاد کی سلطنت کے لئے ایک خطرہ پیدا کرنے والی تھی۔

محمود پر یہ الزام ہے کہ وہ حریص تھا لیکن اس مین مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس نے واقعی بڑی دولت جمع کی، جو کوئی اور نہ کر سکا تھا۔ اسی لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بڑا لالچی تھا کہا جاتا ہو کہ وہ موت کے وقت اپنی بے شمار دولت کو دیکھ کر رویا کہ وہ اب اس سے علیحدہ ہو رہا ہے، لیکن

بقیہ حاشیہ ص ۳۰) حفاظت کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا، ایک مرتبہ ایک شخص نے سلطان محمود سے شکایت کی کہ سلطان کے بھتیجے نے اس کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کر رکھے ہین۔ اور بہت کہنے سننے سے بھی وہ کسی طرح باز نہین آتا، محمود نے اس شخص کو حکم دیا کہ اس کا بھتیجا جب اس کے مکان پر آئے تو وہ آکر اسکو خبر کرے۔ اس شخص نے اس حکم کی تعمیل کی، سلطان ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ پہن کر اس کے ساتھ اس کے گھر پر آگیا اور گھر پہونچکر چراغ گل کرا دیا تاکہ بھتیجے کو دیکھ کر رحم و محبت کا جذبہ پیدا نہ ہو جائے، اور وہ ایک فرض انجام دینے مین قاصر نہ رہے، اس کے بعد مجرم بھتیجے کا سر اس کے جسم سے علیحدہ تھا، ایک بار شہزادہ مسعود کے خلاف غزنی کے کسی تاجر نے کچھ رقم کی عدم ادائگی کی شکایت کی تو

یہ روایت محض اس کو بدنام کرنے کی خاطر اختراع کی گئی ہے محمود ایک مذہبی آدمی تھا۔ وہ انسانی زندگی کے
انجام سے واقف تھا۔ وہ اپنی اولاد کو اپنا وارث چھوڑ رہا تھا۔ اور اولاد ہی کیلئے ہر آدمی اپنا ترکہ چھوڑتا ہے
پھر اس کو رونے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ضرور ہے کہ وہ اور بادشاہون کی طرح فضول خرچ نہ تھا، خصوصاً
جب کہ اس کو بہت بڑی دولت حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن اس مین کسی کو بھی شبہ نہین ہے۔ کہ وہ بڑا
فیاض بھی تھا۔ سلجوق کے وزیر نے اس کی فیاضی اور سخاوت کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ شہادت بڑی
معتبر ہے، وہ ہر سال علوم وفنون کی سرپرستی اور ترقی مین کثیر رقمین خرچ کرتا۔ اس نے تعلیمی ادارے
قائم کئے جہان کے اساتذہ کی تنخواہین خود دیتا۔ اور طلبہ کے طعام کا انتظام اس کی حکومت کرتی،
اس کے بارہ مین یہ قصہ مشہور ہے کہ اس نے فردوسی کو شاہنامہ لکھنے کو کہا اور ہر شعر پر ایک اشرفی
دینے کا وعدہ کیا، لیکن جب فردوسی نے ساٹھ ہزار اشعار کا شاہنامہ لکھ کر پیش کیا تو محمود نے
سونے کے دینار کے بجائے ساٹھ ہزار چاندی کے سکے دیے اور اسی قصہ سے اس کے حرص
کی شہرت ہوئی ہے۔ لیکن موجودہ ارباب تحقیق نے اس قصہ کو بے بنیاد اور فرضی بتایا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶) شہزادہ کو قاضی کی عدالت مین حاضر ہو کر رقم ادا کرنی پڑی۔ اور یہ حکایت
تو بہت مشہور ہے کہ ایک بڑھیا نے محمود کو یہ کہہ کر ڈانٹا کہ جب وہ دور دراز علاقے مین عدل و
انصاف کی حکومت قائم نہین کر سکتا ہے۔ تو پھر ان کو تسخیر ہی کیون کرتا ہے۔

محمود پر الزام یہ ہے کہ وہ دولت کا بڑا حریص تھا۔ مورخین لکھتے ہین کہ جب وہ مر رہا تھا تو
اس نے ساری جمع شدہ دولت کو اپنی نظرون کے سامنے لانے کا حکم دیا۔ اس کو اپنی وفات کے
وقت اتنی بڑی دولت سے علیحدہ ہونے کا بڑا غم تھا۔ اس مین شک نہین کہ محمود کو دولت کی
حرص ضرور تھی اور اسی لئے اس نے دور دراز علاقون مین جاکر جنگ کی۔ لیکن اس مین بھی
کلام نہین کہ اگر اس نے دولت جمع کی تو بڑی فیاضی کے ساتھ اس کو خرچ بھی کیا۔ اس نے

مگر اس قصہ سے کم سے کم یہ تو ظاہر ہو ہی جاتا ہے کہ محمود علم و فضل کا بڑا قدردان تھا، وہ ایک سنی اور متعصب مسلمان تھا، لیکن فارسی علم و ادب کی سرپرستی عربی کو نظر انداز کر کے کی، وہ تو علوم کا قدردان محض علوم کی خاطر رہا۔ اور اس لحاظ سے اس کو اکبر پر فوقیت حاصل ہے، اکبر سنسکرت کا بڑا مربی تھا، لیکن وہ کوئی راسخ العقیدہ مسلمان نہ تھا۔ سامانیون نے ایران کی فرضی داستانون پر مشتمل ایک تاریخ لکھوانی شروع کی تھی۔ محمود نے اس کو جاری رکھا، اور یہ کام فردوسی کے سپرد اس لئے کیا کہ اس مین غیر معمولی شاعرانہ صلاحیت تھی، اور وہ ایرانیون کے قدیم روایتی قصون سے اچھی طرح واقف تھا۔ محمود نے البیرونی کی جس طرح سرپرستی کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو سنسکرت زبان کے ادب، فلسفہ اور سائنس کے مطالعہ پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا، اس کے دربار مین غیر معمولی استعداد و لیاقت کے شعراء، فضلاء اور حکما جمع ہو گئے تھے، جن سے اس کے دربار کی زینت بڑھ گئی تھی، اور اس لحاظ سے وہ اکبر اور بکرماجیت ہی کی طرح مشہور ہے اور ان اسباب کی بنا پر اس پر حرص کا جو الزام رکھا جاتا ہے ہم اس کو کوئی اہمیت نہین دینا چاہتے

بقیہ حاشیہ ص ۳۷) علوم و فنون کو فروغ دینے کے لئے غزنی مین بڑی ایک یونیورسٹی قائم کی، جہان ایک کتب خانہ اور ایک ایسا میوزیم بھی تھا جس کو اس نے جنگ کے مال غنیمت سے آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا، اس کی فیاضی ہی کی وجہ سے غزنی مین بڑی حسین عمارتین تعمیر ہوئین جن کی وجہ سے اس زمانہ مین غزنی کا شمار مشرق کے خوبصورت ترین شہرون مین ہوتا ہے،

محمود مین حکمرانی کی کمالات بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ اپنی رعایا پر عدل و انصاف کے سخت اصولون کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ تجارت کی ترقی کے لئے اپنی وسیع سلطنت مین ایسا امن و امان قائم کر رکھا تھا۔ کہ تجارتی قافلے خراسان اور لاہور کے درمیان کسی خوف و خطر کے بغیر برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ صوبون کے حکام و عمال کو اپنے قابو مین رکھتا تھا کہ وہ لوگون پر

اسی طرح ہم لین پول کی اس رائے کو بھی صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ محمود مدبر نہ تھا۔ اس کی سلطنت اس کے بعد ضرور ختم ہو گئی لیکن اس کے اسباب کچھ اور ہیں محمود کے دربار میں اکبری دربار کی طرح کوئی ابوالفضل نہ تھا۔ جو اس کے نظام سلطنت کی پوری تفصیل لکھتا، لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس کی حکومت بہت منظم تھی، اور اچھی طرح چلتی رہی۔ عتبی کا بیان ہے کہ غزنی میں محمود کے حملوں اور لڑائیوں کی پوری تفصیل قلمبند کر کے محفوظ رکھی جاتی، اور وہ بابر ہی کی طرح معرکہ آرائیوں میں بھی یادداشت کے طور پر ساری باتیں لکھ کر غزنی بھیجا کرتا تھا، عتبی نے اس کی یادداشت میں سے ایک اقتباس دیا ہے کہ جب وہ متھرا میں جنگ کر رہا تھا۔ تو گھمسان لڑائی کے بیچ میں درمیان مندروں کے تعمیری حسن اور دل آویزی سے بھی متاثر ہوا، اور ان تاثرات کو لکھ کر غزنی بھیجا، تمام صوبوں کے محاصل و اخراجات کی تفصیل باضابطہ رکھی جاتی اور صوبوں کے تمام حاکموں کی نگرانی ایک وزیر کرتا۔ جو بڑی پابندی سے دیوان میں

بقیہ حاشیہ ص ۳۸ ظلم کرنے نہ پائیں۔ اس کا بھائی نصر نیشاپور کا والی تھا۔ وہ بھی بڑا ہی لائق اور سرگرم حاکم ثابت ہوا، عتبی کا بیان ہے کہ نصر ایسا شریف، رحمدل اور مہربان تھا کہ اس کی زبان سے کبھی سخت کلمہ ہی نہیں نکلا اور نہ اس نے کسی کو کوئی دکھ پہونچایا،

محمود بازاروں پر کڑی نگاہ رکھا کرتا تھا۔ اور محتسب مقرر کر رکھے تھے، تاکہ کوئی تاجر ناپ تول میں بے ایمانی کرنے نہ پائے، اور وہ رعایا کی خوشحالی کے لئے بڑی فیاضیاں بھی کرتا، عتبی کا بیان ہے کہ اس نے عدل و انصاف اور رعایا کی خوشنودی کے لئے ایک ہزار سرخ دینار خرچ کئے، اسی طرح اسکی فیاضیوں کی اور بھی مثالیں ہیں۔

محمود نے تاریخ میں جو جگہ بنائی ہے اس کا تعین کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے، اپنے عہد کے مسلمانوں کی نظر میں تو وہ ایک غازی اور مذہب اسلام کا علمبردار تھا،

آیا کرتا۔ اس کی فوجون کا نظام بھی بڑا مرتب تھا۔ اسی لیے اس کو ہر جگہ کامیابی ہوتی، اور
دور دور از علاقون مثلاً قنوج اور سومنات تک دریا پہاڑ اور صحرا کو پار کرکے پہونچ جایا کرتا تھا
اسکے جلو مین پانچ ہزار محافظ برابر رہتے، اور یہ ترکون کے بہترین منتخب سپاہی ہوتے۔ جو ضرورت
کے وقت میدان جنگ مین لڑائی کا رخ بھی بدل دیتے تھے۔ یہ بات بھی قابل تسلیم نہین کہ محمود نے نئے ادارے
قائم نہین کیے، اور اپنے صوبون کی تنظیم نہین کی، بلکہ شواہد ایسے ہین کہ یہ کہنے مین تامل نہین کہ
اس کا ملکی اور فوجی نظام بہت ہی مرتب اور مضبوط تھا۔ اس کے جانشین لائق نہ تھے، وہ سپہگری
اور نظم سلطنت دونون مین ناکام رہے، اور یہ نقص ہر استبدادی حکومت مین رہا ہے۔ ہندستان
کے مغل بادشاہون کی مثال مستثنیٰ ہے کہ بابر سے لے کر اورنگ زیب تک سب جسمانی اور دماغی
دونون حیثیتون سے بڑے جلیل القدر حکمران گزرے۔ محمود کی سلطنت اس کے بعد اس لیے
نہین ختم ہوئی کہ اس کے نظام سلطنت مین نقص تھا۔ بلکہ اس لیے کہ اس کے لائق جانشینون

بقیہ حاشیہ ص ۳۹) جس نے کفر کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ ہندوون کی نظر مین آج بھی ایک سنگدل اور
ظالم لیٹرا ہے جس نے ان کی مقدس عبادت گاہون کو ملیامیٹ کرکے ان کے مذہبی احساسات
کو صدمہ پہونچایا لیکن ایک غیر متعصب محقق اور مورخ اس زمانہ کی صورت حال کو پیش نظر
رکھ کر کچھ اور ہی فیصلہ دینے پر مجبور ہوگا۔ محمود بلاشبہ اپنے ساتھیون کا ایک جلیل القدر
رہنما تھا۔ ایک انصاف پسند اور دیانتدار حکمران تھا، ایک باکمال اور پرجوش سپاہی تھا،
عدل و انصاف کا شیدائی تھا۔ علوم و فنون کا مربی تھا۔ اور وہ بلاشک وشبہ دنیا کے
بہترین اور عظیم ترین حکمرانون مین شمار کیے جانے کے لائق ہے۔

اور سی۔ وی۔ ویدیہ اور پروفیسر ایشوری پرشاد نے محمود غزنوی کے متعلق جو
کچھ لکھا ہے، اس کی تصدیق حسب ذیل روایتون اور حکایتون سے ہوتی ہے۔ جن کو ہم

اور صوبوں کے وفادار حاکموں کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا، اس زمانہ میں قومیت کا صحیح جذبہ بھی پیدا نہ ہو سکا تھا کہ عوام صوبوں کے حاکموں کو غداری کرنے سے باز رکھتے۔

مختصر یہ کہ گبن نے صحیح کہا ہے کہ محمود دنیا کے جلیل القدر بادشاہوں میں سے ایک ہے، وہ ایک بہادر سپاہی تھا، ایک تجربہ کار کمانڈر تھا۔ عدل و انصاف کا علمبردار تھا، علما و فضلا کا مربی تھا، اور ایک ایسا حکمران تھا جس نے امن اور خوشحالی کی کوشش کی اور تعلیم و تجارت کو فروغ دیا، وہ ایک انسان کی حیثیت سے قواعد و ضوابط کا پابند رہا اور فطری طور پر نہ ظالم تھا نہ لالچی بلکہ اعتدال پسند اور فیاض تھا۔ وہ بڑا مذہبی بھی تھا، اور اپنے عقائد میں سخت تھا، اگر ہم اپنے نقطۂ نظر سے اس کے کردار میں کوئی داغ دیکھ سکتے ہیں تو یہ کہ اس نے مذہبی تعصب میں ہندوؤں کو مسلمان بنایا، اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو اس مسلمان بادشاہ کا کردار بہت ہی اونچا ہے۔

محمود کے دو لڑکے مسعود اور محمد ایک ہی روز دو ماؤں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، مسعود کی شہ زوری مشہور تھی، اس کا گرز اتنا وزنی تھا کہ محمود بھی اس کو اٹھا نہیں سکتا تھا، لیکن وہ تند خو اور سخت مزاج تھا، اس کے برخلاف محمد ایک شریف اور ہونہار شہزادہ تھا، اس لئے باپ اس کو محبوب رکھتا تھا۔ محمود کا خیال تھا کہ مسعود عوام اور فوج کے ساتھ سخت برتاؤ رکھے گا، اس لئے اپنا جانشین محمد کو بنایا...... لیکن محمود کی وفات کے بعد مسعود محمد پر غالب آیا...

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰) اس لئے یہاں پر نقل کرتے ہیں کہ رزم سے ہٹ کر بزم کی داستانوں سے بھی محمود کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرنا چاہیئے، جو اب تک نہیں کیا گیا ہے۔

خواجہ بزرگ محمد بن عبد الحمید کی زبانی بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں تگین آباد سے کوئی حاجب دار الخلافت کی جانب آرہا تھا، خسرو آباد پہونچ کر اس کو ایک خچر کی ضرورت پڑی، ملازم ایک فقیر کا خچر بیگار میں پکڑ لائے اور بوجھ لاد کر دوسری منزل تک لے گئے،

مسعود کی تخت نشینی پر اور اس کی حکومت کی جو تفصیل بیہقی نے لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وزرا کن روایتی رسوم کے ساتھ اپنے عہدون پر مامور کئے جاتے، پھر سلطان ان سے ہر معاملے مین مشورہ کرتا۔ اور پھر دونون مین دبیرون کے ذریعہ مراسلات ہوتے، اور پھر باضابطہ تحریری حکم نامے صادر کئے جاتے، اور یہ سارا انتظام محمود ہی کا قائم کیا ہوا تھا۔ ہندوستان کے صوبہ کی نگرانی کے لئے ایک قاضی اور ایک سپہ سالار (یعنی کمانڈر ان چیف) مقرر تھا، یہ دونون لاہور مین مقیم تھے، قاضی نظم ونسق دیکھتا، محاصل وصول کرتا، اور عدل وانصاف کا ذمہ دار ہوتا۔ سپہ سالار لشکریون کا سردار ہوتا۔ اور بغاوتین فرو کرتا، جب احمد ینالتگین ہندوستان کا سپہ سالار مقرر ہوا تو اس کو ایک خلعت دیا گیا، پھر زبانی حکم سنایا گیا، اور ایک سند دی گئی، اس سے حلف اٹھایا گیا، اور پھر اس نے ایک تحریری معاہدہ پر دستخط کیا، جس مین یہ لکھا تھا۔ کہ وہ وفادار بنکر اپنے فرائض انجام دیتا رہیگا۔ اور جب یہ معاہدہ سلطان نے دیکھ لیا تو پھر دوات دار کے پاس اس کو بحفاظت تمام رکھدیا گیا۔ احمد ینالتگین نے ہندوستان مین بنارس تک یلغار کیا، جہان تک جیسا کہ بیہقی کا بیان ہے محمود بھی نہین پہونچ سکا تھا۔ اس کامیابی نے ینالتگین کے دماغ مین فتور پیدا کردیا اور اس نے ایک آزاد سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا، لیکن قاضی نے اس کی اطلاع مسعود کو دی، تو اس نے ایک ہندو فوجی سردار اس کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کیا، اور بالآخر

بقیہ حاشیہ ص ۴۱) محمود کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوا، کچھ روز بعد وہ حاجب دربار مین آیا تو حاجبون کے سردار کو بلا کر کہا اس حاجب سے کہو کہ تیری یہ مجال ہوئی کہ میری رعایا کے جانور کو بیگار مین پکڑے" پھر حکم دیا کہ اسی وقت سپاہیون سے کہو کہ اس حاجب کو پکڑ کر حصر بازار مین لے جائین، اور وہان کے لوگون مین اس کے جرم کا اعلان کر دین۔ پھر اسی کی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دین تاکہ دوسرون کو عبرت ہو اور بیگار لینے سے توبہ کرین۔ خواجہ محمد بن عبدالحمید کہتا ہے

ینالتگین پسپا ہوا، اور جاٹون کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہندو فوجی سردارون اور سپاہیون پر نازک موقع پر بھی پورا اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور ہندو غزنی کے سلطان حکمرانون کے عہد مین بڑے ذمہ دار عہدون پر مامور تھے۔ محمود ہی نے اپنے دور مین ان کا تقرر کرنا شروع کر دیا تھا، جےپال کی طرف سے دو ہزار ہندو سپاہی غزنین مین تعینات تھے۔ مسعود کی جانشینی کی جنگ مین سوندرائے اس کی حمایت مین لڑا تھا۔ بجے رائے محمود اور مسعود دونون کے دور مین ایک فوجی سردار رہا۔ جاٹون نے ینالتگین کو تہ تیغ کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی خدمت وفاداری سے انجام دیتے تھے

بیہقی کا بیان ہے کہ ایک سال غزنی مین زبردست سیلاب آیا۔ پورا شہر غرقاب ہوگیا، اور اسکا پل بھی بہ گیا، بڑی تباہی آئی غزنی کا قلعہ جسکو یعقوب لیث اور اس کے بھائی نے بنایا تھا، محفوظ رہا۔ مسعود ریاضیات کا بہت بڑا ماہر تھا، اس نے خود ہی ایک عظیم الشان نئے پل کی تعمیر کی۔ وہ مہندس بھی تھا اس لئے بڑے بڑے محل بنوائے اور شاندار باغ بھی لگوائے، اس مین بہت سے اوصاف تھے، وہ بڑا بہادر اور شجاع تھا۔ علوم کا سرپرست اور رعایا کا نگہبان تھا، لیکن وہ بدقسمت واقع ہوا تھا۔ اس لئے اپنی سلطنت کا بڑا حصہ اپنی زندگی ہی مین کھو دیا، بیہقی نے لکھا ہے کہ

بقیہ حاشیہ ص ۴۲) کہ مین نے اپنی آنکھون سے اس حاجب کی لاش کو خسرو آباد مین پڑا دیکھا

(جوامع الحکایات و لوامع الروایات - اردو ترجمہ ص ۲۲)

ایک رات سلطان محمود غزنوی سو رہا تھا کہ یکایک اسکی ایک آنکھ کھل گئی، پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے، مگر نیند کوسون دور نکل چکی تھی۔ بستر پر تڑپتا اور کروٹین بدلتا رہا، جب کوشش کے باوجود کسی طرح آنکھ نہ لگی تو خدا ترس بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم فریاد لایا ہے۔ یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہے۔ اسی لئے میری نیند اچٹ گئی ہے۔ غلام کو حکم دیا

اس کے پاس عہدیداروں امیروں شمشیر بازوں، اور خزانہ کی کمی نہ تھی، لیکن اس کی قسمت میں تکلیف اور رنج لکھا ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ خراسان، خوارزم، رے اور جبال اس کے ہاتھوں سے جاتے رہیں۔ اس نے ہر قسم کی مشقت و محنت کی، لشکر جمع کئے، جاگ جاگ کر راتیں گزاریں، لیکن اس کے معاملات نہیں سدھرے، اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کے سامنے کسی کے مشورہ کو قبول نہ کرتا، سارا فتنہ خراسان سے شروع ہوا، جہاں محمود نے کچھ ترکوں کو آباد کیا تھا، مسعود کا بڑا لڑکا مودود خراسان اور رنج کی ایالت کے لئے بھیجا گیا تو سلجوقی ترکوں نے بغاوت کی، اور غزنین کے لشکر کو شکست ہوئی۔ مسعود کے وزراء نے اسکو ترکوں کے خلاف فوج کشی کا مشورہ دیا تو ان کے خلاف معرکہ آرائی کرنے کے بجائے ہندوستان کی طرف یلغار کے لئے بڑھا اور ستلج کے پار ہانسی کے قلعہ کو فتح کیا۔ یہ حملہ ۱۰۳۷ء میں ہوا۔ مسعود یہاں اپنی فوج متعین کر کے پھر غزنین واپس آیا، لیکن یہاں دشمنوں نے پر اس کو اندازہ ہوا کہ اس نے ہندوستان پر لشکر کشی کر کے ایک غلطی کی، جنوب مشرق میں اپنی سلطنت کا

بقیہ حاشیہ ص ۴۳) باہر جا کر دیکھو کون ہے"، غلام نے باہر جا کر دیکھا تو کوئی نہ تھا، واپس آکر کہا جہاں پناہ! کوئی شخص نہیں۔ محمود نے پھر چاہا کہ سو رہے مگر نیند نہ آئی تھی نہ آئی، وہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی، غلاموں کو دوبارہ کہا "اچھی طرح دیکھ کر آؤ، کون، دادخواہ آیا ہے"، غلام دوڑے ہوئے گئے، اور ادھر ادھر دیکھ بھال کر کے واپس آکر بولے "حضور کوئی نہیں ہے"، سلطان کو شبہہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چراتے ہیں، غصے میں خود اٹھ کھڑا ہوا، اور تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے باہر آگیا، بہت تلاش کی مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، قریب ہی ایک مسجد تھی، اس کے دروازے میں آکر اندر کی طرف جھانکا، تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی، قریب پہونچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا، اس کا منہ زمین سے لگا ہوا تھا،

دائرہ بڑھانے کی کوشش مین شمالی مغرب مین خراسان جیسے اہم صوبہ کو کھو بیٹھا۔ یہ محمود ہی تھا جو اپنے تدبر سے مشرق اور مغرب دونون پر نگاہ رکھکر ان کو اپنے قابو مین رکھتا۔ مسعود ہندوستان کی مہم مین مشغول تھا کہ سلجوقی ترکون نے خراسان پر قبضہ کر لیا۔ اور جب وہ غزنی پر یورش کرنے کے لئے تیاری کرنے لگے تو مسعود پراگندہ خاطر ہوگیا۔ اور اپنے اہل وعیال اور خزانے کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے امیرون اور فوجی سردارون نے اس کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکا۔

مسعود کے بعد محمد تخت پر بیٹھایا گیا۔ لیکن چھ مہینے کے بعد ہی مسعود کا لڑکا مودود تخت نشین ہوا۔ اس نے نو سال تک سلطنت کی۔ لیکن اس کے لڑکے نااہل ثابت ہوئے۔ اس لئے امرا نے اس کے لڑکون مین ایک یعنی محمود اول اور اس کے چچا علی کو ایک ساتھ تخت پر بیٹھایا۔ لیکن دونون نالائق نکلے، اس لئے سلطنت مین بڑا انتشار پیدا ہو گیا۔ ان کو معزول کرنے کے بعد محمود کے

بقیہ حاشیہ ص ۴۴) آنکھون سے آنسو جاری تھے، آہین بھر رہا تھا اور چپکے چپکے کہہ رہا تھا۔

اے کہ ازغم ندیدۂ خواری ازغم ما کجا خبر داری

خفتہ ماندی چو بخت ما ہمہ شب تو چہ دانی ز رنج بیداری

"سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا سبحان کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، اگر محمود دولی سو رہا ہے، تو کوئی حرج نہین، محمود ازلی تو جاگ رہا ہے۔" محمود یہ سن کر اس کے بالکل قریب پہونچ کر بولا محمود کی شکایت کیون کرتا ہے؟ وہ تو ساری رات تیری تلاش مین بے چین رہا ہے۔ بتا تجھے کیا تکلیف ہے؟ کس نے ستایا ہے؟ کہان سے آیا اور کس غرض سے آیا ہے؟ یہ سن کر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا، اور پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا بولا حضور کے ایک درباری کے ہاتھون ستایا ہوا آیا ہون، مگر اسکا نام نہین جانتا اس نے میری عزت خاک مین ملا دی ہے۔ آدھی رات کو مستی کے عالم مین میرے

ایک لڑکے عبدالرشید کو تخت پر بیٹھایا گیا، لیکن اس کا فوجی سردار طغرل اسکو قتل کر کے خود سلطنت کا مالک بن بیٹھا مگر چالیس روز کے بعد وہ بھی مارا گیا، اس کے بعد فرخ زاد اور ابراہیم تخت پر یکے بعد دیگرے بیٹھے، ان دونوں نے عدل وانصاف کے ساتھ اچھی حکومت کی ابراہیم بڑا مذہبی آدمی تھا، اس نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی مین کیا۔ اس نے بیالیس سال یعنی ۱۰۹۹ء تک حکومت کی، اور اس کا عہد پر امن اور خوشحال رہا۔ اس کے لڑکے مسعود نے اور زیادہ متصف اور معتدل مزاج ہوکر حکومت کی، اس نے تمام محمودی سلطنت اور بلستان کے عائدکردہ ضرورت سے زیادہ سخت ٹیکس کو ختم کر دیا، چنگی اور محصول بھی لینا روک دیا۔ اس کا جانشین بہرام ہوا، لیکن اس کے چھوٹے بھائی بہرام نے اپنے ماموں سلطان سنجر کی مدد سے اس کو معزول کیا۔ اور اکتالیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی حکومت طویل ضرور تھی۔ لیکن ناخوشگوار واقعات سے پر رہی، اس کے ہندوستان کے گورنروں نے اس کے خلاف دو مرتبہ بغاوت کی، اور اس کو

بقیہ حاشیہ ص ۴۵) گھر آتا ہے اور میری شریک زندگی کی عصمت کو داغدار کر جاتا ہے۔ اگر آپ نے اپنی اس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا۔ اور آپ کا گریبان۔ یہ سن کر محمود کو مذہبی غیرت اور شاہی حمیت کے جوش سے پسینہ آگیا۔ غصے سے کانپتی ہوئی آواز مین بولا، بتا کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہین ہوگا؟ اس شخص نے جواب دیا "اب تو بہت رات گزری ہے، شاید چلا گیا ہو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کل پرسون پھر آئیگا" سلطان نے کہا "اچھا اس وقت تو جاؤ، کل پرسون جس وقت وہ آئے، مجھے فوراً اطلاع کرو" اس شخص نے سلطان کو دعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سلطان نے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور پہرے دارون سے کہا "دیکھو یہ صاحب جس وقت بھی آئین، خواہ مین سوتا ہون، یا جاگتا ہون، فوراً ان کو مجھ تک پہنچاؤ" اتنا کہہ کر محمود اندر اور وہ شخص اپنے گھر

ایک بار ملتان اور دوسری بار سوالک کی پہاڑیوں میں جاکر فوج کشی کرنی پڑی، غوریوں نے اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاکر غزنین پر حملہ کرکے اس کو جلاکر خاک سیاہ کردیا۔ اس کا لڑکا خسرو ۱۱۵۹ء میں اس کا جانشین ہوا، اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر غز ترکوں نے غزنین کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ لیکن بارہ سال کے بعد غیاث الدین غوری نے ان کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ خسرو نے لاہور میں سات سال تک حکومت کی، اور بالآخر غوریوں کے ہاتھوں یہ خاندان ۱۲۰۶ء میں ختم ہوگیا۔

الپ تگین، سبکتگین، اسمٰعیل اور محمود کے جو سکے ملتے ہیں ان پر سامانی بادشاہ منصور یا نوح کا نام کھدا ہوا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چاروں سلاطین سامانیوں کے ماتحت رہے۔ لیکن جب محمود نے ۳۸۹ھ/۱۰۰۰ء میں اپنی آزادی کا اعلان کردیا تو پھر سامانی بادشاہ کا نام بھی سکے پر سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے پہلے سکہ میں سیف الدولہ کا خطاب ہے جو اسکو ۳۸۵ھ/۹۹۵ء میں نوح کی طرف سے ملا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶) چلا گیا، تیسری رات وہ شخص شاہی محل سرا کے دروازہ پر پہونچا۔ پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچادیا۔ سلطان جاگ رہا تھا۔ تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا چلو! راتوں کو اس تنگ کرنے والی لونڈی تک مجھے لے چلو" یہ سن کر وہ شخص آگے ہولیا اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا گھر پہونچ کر اس شخص نے سلطان کو وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم شخص خزانے کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا۔ سلطان نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھل گیا۔ اس کے بعد سلطان مڑا، اور مظلوم صاحب خانہ کو بلاکر فرمایا" اب تو، تو محمود سے خوش ہوا؟ یہ کہہ کر محمود نے مصلی منگوایا اور ایک طرف بچھاکر دو رکعت نماز شکرانے کی پڑھی، پھر اس شخص کو مخاطب کرکے پوچھا" گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ" اس شخص نے جواب دیا" ایک چیونٹی سلیمان کی کیا خاطر کرسکتی ہے"

پھر بعد کے سکون مین "الامیر یمین الدولہ و امین الملت" کا خطاب ہے۔ جو خلیفہ کی طرف سے اس کو عطا ہوا، لیکن آخری سکون مین صرف محمود کا نام ہے، یہ اس وقت کا ہے جب وہ خود اتنا جلیل القدر ہو چکا تھا کہ اس کو کسی خطاب کی ضرورت باقی نہین رہی تھی، اس کے کسی سکہ مین سلطان یا غازی کا لقب نہین، سلطان کا لقب پہلی دفعہ ابراہیم کے سکون (۴۶۵ھ ۱۰۷۱ء) مین ملتا ہے۔ محمود کے جو سکے ہندوستان مین رائج تھے۔ ان مین دو نمایان ہین۔ اس کے بعد بعض سکون مین دیوناگری رسم الخط مین "ادیکت ایکم محمد اوتار ترپت محمود" منقوش ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود کے دربار مین پنڈت بھی تھے۔ انھون نے محمود کو محمد کا اوتار بنا دیا تھا۔ اور پیغمبر اسلام کی ادیکت (ایشور) سے مماثلت دے رکھی تھی بعض سکون پر سادہ طریقہ پر "ایم ٹنک محمود سمت ۴۱۲" لکھا ہوا ہے یہ سکے لاہور مین بنائے جاتے اور اکثر لاہور، غزنین نیشاپور، اور مغرب مین تین چار اور جگہون مین تھے، کابل مین کوئی دار الضرب نہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷) غریب خانے مین حضور کے لائق کوئی چیز نہین ہے۔ جو کچھ ہے۔ حاضر کرتا ہون یہ کہہ کر وہ دستر خوان ڈھونڈ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لئے ہوئے آیا۔ اور سلطان کے سامنے رکھ دیئے سلطان نے اس درجہ شوق اور رغبت سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر مین کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی۔ کھانے سے فارغ ہو کر سلطان نے اس شخص سے کہا "معاف کرنا کہ مین نے تمھین کھانے کے لئے تکلیف دی لیکن سنو! بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور تم نے مجھے اپنا دکھڑا سنایا۔ اس وقت مین نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اس خبیث کے سر کو اسکے شانے سے جدا کر کے تمھارے گھر کو پاک نہ کر دونگا، رزق کو حرام سمجھونگا۔ میری شکرانے کی دو رکعت نماز پر تم کچھ حیران ہو رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹون مین کوئی ہوگا۔ مین اپنے دل مین کہتا تھا۔ کہ میرے درباریون اور

کابل کے ۔۔۔ ہندو شاہی خاندان کے سکون کی طرح غزنویون کے سکون مین بھی نندی (شیوجی کی سواری کا بیل) کا نشان ہے، محمود اور مسعود کے سکون مین تو ایک طرف سوار کی تصویر ہے۔ لیکن مودود اور ابراہیم کے سکون (۴۳۲ تا ۴۴۱ھ) پر بیل کی تصویر ہے۔ سبکتگین اور محمود کے سکون کا وزن کابل کے ہندو راجاؤن کے سکون کے برابر تھا۔ شاہی برہمن راجاؤن کے سکے چاندی کے تھے۔ جو درہم کہلاتے مگر غزنی اور نیشاپور کے سکے سونے کے تھے، جو دینار کہے جاتے تھے۔ چاندی اور تانبے کے چھوٹے سکے ہندو راجاؤن اور مسلمان بادشاہون دونون کے عہد مین تھے۔

بقیہ حاشیہ ص ۴۸) مصاحبون کو اتنی جرات نہین ہو سکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کرین۔ چنانچہ مین جس قدر زیادہ سوچتا گیا اسی قدر میرا یقین بڑھتا گیا کہ اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہون کی اولاد کو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ عام طور پر غرور کے نشہ سے مست رہتے ہین۔ چنانچہ مین تمھارے ساتھ یہان اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ لیکن قتل کرنے کے بعد جب مین نے اس کی صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہین، بلکہ کوئی غیر شخص ہے۔ اس لئے مین نے خدا کا شکر ادا کیا۔ (جوامع الحکایات حصہ اول ص ۴۲-۴۸)

سلطان محمود کا چہیتا بھائی امیر نصر جو خراسان کا امیر تھا۔ سلطان کے پاس ٹھہرا ہوا تھا ایک مرتبہ زین خانے سے ایک جڑاؤ لگام چوری گئی، چوری پکڑی گئی۔ تو چور ایک رکابدار نکلا جو ہندو تھا۔ امیر نصر نے حکم دیا کہ اس کو باندھ کر بیس کوڑے لگائے جائین۔ پرچہ نویسون نے سلطان کی خدمت مین پرچہ لگایا۔ سلطان نے پڑھا تو اس کو بہت رنج ہوا۔ رنج نے غصے کی صورت اختیار کر لی۔ اسی عالم مین نقارچیون کو بلوا کر حکم دیا کہ امیر نصر کے دروا

سی۔ وی۔ ویدیہ نے اپنی کتاب "مڈیول ہندو انڈیا" کی تیسری جلد کے انیسویں باب میں غزنویوں کے ہاتھوں پنجاب والوں کی شکست کے اسباب بھی لکھے ہیں جن کو مختصر طریقہ پر اس طرح بیان کی جاسکتا ہے کہ ترکوں کی فوقیت کی وجہ یہ تھی کہ محمود جیسی شخصیت کا جنرل ان کا قائد تھا، محمود کے مخالفین میں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی جنرل ایسا نہ تھا۔ جس میں تنظیمی صلاحیت ہو۔ جے پال نے اس کا مقابلہ بہادری

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹) پر جاکر نوبت بجائیں۔ کیونکہ اس کو امارت کا دعویٰ ہے۔ نقارچیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور امیر نصر کے دروازے پر جاکر نوبت بجانے لگے، قاعدہ ہے کہ نوبت صرف بادشاہ وقت کے دروازہ پر بجائی جاتی ہے۔ امیر نصر نے اپنے دروازے پر یہ رنگ دیکھا تو بہت حیران ہوا اور نقارچیوں کو روکا، پھر بھاگا ہوا سلطان کی خدمت میں پہونچا، اور زمین پر سر جھکا کر ادب سے بولا ہرچند کہ رشتے کے لحاظ سے بھائی ہوں لیکن بندگی کے اعتبار سے دوسرے غلاموں سے کم تر ہوں، اپنی ناراضگی اور میری خطا سے مجھے مطلع فرمایا جائے۔ سلطان نے جواب دیا اگر تم اپنی جاگیر میں ہوتے اور کسی شخص کو ایک چھڑی سے بھی چھو لیتے تو بھی ہمارا دل رنجیدہ ہوتا۔ چہ جائیکہ ہماری موجودگی میں غلاموں کو تازیانوں سے پٹواتے ہو اور ہماری ناراضگی کی پروا نہیں کرتے، معلوم ہوا کہ تمہیں بادشاہی کا دعویٰ ہے اور وہ بھی قولاً نہیں بلکہ فعلاً۔ لہذا اگر تمہیں بادشاہی کا دعویٰ ہے تو نوبت کو تمہارے ہی دروازے پر بجنا چاہئے۔ یہ بات سن کر امیر نصر بہت شرمندہ ہوا، عرض کی مجھ سے گناہ ہوا، آئندہ ایسا نہ ہوگا؟ معافی مانگنے کے باوجود امیر نصر کو ایک ماہ تک حاضری کی اجازت نہ ملی، اور شاید یہ سلسلہ ابھی جاری رہتا مگر سلطان کا وزیر خواجہ احمد بن حسن میمندی سفارش کر کے بادشاہ کا غصہ دور نہ کرتا (جوامع الحکایات جلد اول ص ۸۶-۸۴)

جس زمانے میں سلطان محمود بست میں مقیم تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت خیمے میں تنہا بیٹھا تھا۔ اتنے میں دھوپ اور گرمی کے مارے ہانپتا کانپتا ایک مظلوم شخص آیا،

اور پورے وقار کے ساتھ ضرور کیا۔ لیکن جب وہ محمود کے حملون کے خطرات سے واقف ہو چکا تھا،
تو اس کو ایک طاقتور لشکر کی تنظیم کرنی چاہئے تھی، لیکن نہ جانے کیون نہ کرسکا، اس کو تو شروع
ہی سے ان خطرات کے سدباب کے لئے ایک بڑی مستحکم فوج رکھنی چاہئے تھی۔ ہر حکمران اور

بقیہ حاشیہ ص ۵۰) اور فریاد کرنے لگا۔ محمود نے پوچھا "تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے"؟ اس شخص نے
جواب دیا "آپ نے، بات یہ ہے کہ آپکے فیل بان نے میرے کھجور کے درخت سے ہاتھی باندھ رکھا ہے
اور خود کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجورین توڑ توڑ کر نیچے پھینک رہا ہے۔ مین ایک غریب
بال بچون والا آدمی ہون اور میرے بچون کا ان ہی کھجورون پر گزارا ہے۔ سلطان
اٹھ کھڑا ہوا، اور خیمے کے دروازے سے جھانک کر دیکھا، مگر کوئی ملازم نظر نہ آیا، گرمی کی وجہ سے
سب اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے تھے۔ باہر نکل کر خود کوتل گھوڑے پر سوار ہوا اور
اور صرف ایک سائیس کے ساتھ موقع پر جا پہونچا۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ اس مظلوم نے کہا تھا سچ
کہا تھا۔ سائیس کو حکم دیا کہ فیل بان کی گردن مین رسی باندھ کر اسی کھجور سے لٹکا دے،
(جوامع الحکایات حصہ اول ص ۹۰)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امیر سبکتگین نیشاپور مین مقیم تھا۔ ایک دن کسی عالم حدیث
سے ایک حدیث سنی، جس کا ترجمہ یہ ہے۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ خدا کہتا ہے، دنیا سے دل نہ لگا
کہ تجھے یہان اس لئے نہین لایا گیا اور بہشت سے لاپروائی نہ کر کہ تجھے اس کے لئے
پیدا کیا گیا ہے۔ رات کی نماز پابندی سے پڑھ کہ مومنون کی فتح اس مین ہے، اور مخلوق سے
امید نہ رکھ کہ ان کے ہاتھ مین کوئی چیز نہین ہے۔ سبکتگین نے یہ حدیث سنی تو اسے اپنے تمام
کامون کی بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ وہ ہمیشہ فتح کی دعا رات کو مانگتا اور اپنی فتوحات کو اسی
کا نتیجہ خیال کرتا، جب اس کا بیٹا محمود آیا تو اس نے اسے بھی اس عالم کے پاس بھیجا کہ وہ

ہر حکومت کیلئے ضروری ہے کہ اندرونی و بیرونی خطرات کو روکنے کے لئے اس کے پاس بڑی
مضبوط فوج ہو مجے پال کے پاس آدمی اور دولت کی کمی نہ تھی، پھر بھی وہ دشمن نے ایک چھوٹی سی

بقیہ حاشیہ ص (۵۱) محمود کو وہی حدیث سنائے محمود نے حدیث سنی اور باپ کی طرح اس پر عمل کرنا
شروع کر دیا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ محمود کا لشکر بلخ کے دروازے پر پڑا تھا، اور صبح خان
ترکستان سے مقابلہ تھا، محمود آدھی رات کو اٹھا اور غسل کے لیے گرم پانی منگوایا، مگر نہ ملا،
اس رات برف باری ہو رہی تھی، اور برفانی ہوا کے طوفان آرہے تھے، اس کے باوجود
اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور مصلے بچھا کر عبادت کرنے لگا۔ مصاحبون نے کہا بھی
کہ صبح معرکہ در پیش ہے۔ آج کی رات تو آپ کو آرام کرنا چاہئے، محمود نے جواب دیا،
میرا کام آج ہی کی رات کا ہے۔ کل کا کام خدا کا ہے۔ میرا نہین، چنانچہ صبح تک عبادت
مین مصروف رہا، فجر ہوئی تو اٹھا، نماز پڑھی، اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ
الٰہی! ہم دو فریقون مین سے جو تیرے بندون کے حق مین بہتر ثابت ہو اسے فتح عنایت کر۔
یہ دعا مانگ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور سیدھا لڑائی کے میدان مین آیا، اس روز اس کو جو
فتح حاصل ہوئی۔ وہ بہت عظیم الشان اور حیرت انگیز تھی، (جوامع الحکایات جلد دوم
صفحہ ۱۰۷-۱۰۶)

سلطان محمود بن سبکتگین انار اللہ برہانہ کے دربار مین بیسیون ایسے مشہور و معروف
منجم جمع تھے کہ زمانے مین اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، مگر سلطان کسی معاملہ مین ان کی راے
نہ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی منہ لگے مصاحب نے دریافت کیا کہ علم نجوم کے اتنے بڑے
بڑے استاد حضور کے پاس جمع ہین، مگر آپ کبھی ان سے کوئی بات نہین پوچھتے ان کی
موجودگی کا فائدہ کیا ہے؟ سلطان نے جواب دیا کہ ان لوگون کو صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ

حکومت کو ایک بڑی سلطنت بنا دیا تھا۔ اور اس نے پورا شمالی ہند فتح کر لیا تھا۔ اس کے پاس بہت بڑی فوج تھی۔ صرف ہاتھی ساٹھ ہزار تھے، اور وہ اتنا بڑا لشکر شہروں اور مندروں کو برباد کرنے کے لئے تیار رکھے ہوئے تھا۔ پھر بھی اس کے پاس بے شمار دولت تھی، کیونکہ ہر پانچ سال کے بعد

بقیہ حاشیہ ص ۵۲) ملک میں ہر علم اور ہر فن کے ماہروں کی موجودگی ضروری ہے۔ کہ وقت بے وقت کام نکالتے رہے، ورنہ میرے معاملات کی بنیاد صرف دو باتوں پر ہے، اول خدا پر توکل، دوسرے شریعت کا فتوی اور مخلصوں کی رائے (جوامع الحکایات ص ۱۰۸-۱۰۷ جلد دوم)

اس زمانے کا واقعہ ہے کہ سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ نے خراسان پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا تھا۔ اور اس کی شان و شوکت کو چار چاند لگ گئے تھے، ایک دن کا ذکر ہے کہ اسکا وزیر احمد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، صبح کا وقت تھا اور سلطان ابھی تک مصلے پر بیٹھا تھا۔ وزیر پہونچا تو اٹھا اور آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر کسی گہری فکر میں ڈوب گیا، وزیر نے پوچھا "فکر کا کیا سبب ہے؟" سلطان نے جواب دیا" ابھی آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو افسوس ہوا کہ میں حسین نہیں۔ حالانکہ حسن بھی حکومت کی کامیابی کا ایک سبب ہوتا ہے اور رعایا کے دلوں پر اس کے ذریعہ سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ خواجہ احمد نے کہا دلوں پر قبضہ کرنے کا ایک اور ذریعہ بھی ہے۔ اور بہت آسان، سلطان نے پوچھا وہ کیا؟ وزیر نے جواب دیا! اگر آپ رعایا کے دلوں پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں تو مال و دولت قبضے میں نہ رکھیں۔ سلطان کو وزیر کی یہ بات بہت پسند آئی، اور اس نے اپنی فیاضیوں کا دائرہ وسیع کر دیا (جوامع الحکایات جلد دوم ص ۱۱۵-۱۱۴)

روضۃ الصفا میں ہے کہ ہندوستان کے کھنڈ سک ایک زبردست ہاتھی کی تعریف سن کر محمود نے بڑی سے بڑی قیمت پیش کی لیکن وہاں کا راجہ انکار کرتا رہا، محمود نے زبردستی لینا پسند نہیں کیا،

پریاگ مین برہمنون اور سرامنون کو بے انتہا دان دیتا، ہندو راجاؤن کا سب سے بڑا نقص یہ تھا،
کہ وہ اپنے پیشرو بھیم اور بھوج کی طرح اپنے لشکر کی طرف سے غافل رہتے۔ لیکن محمود مین
یہ بات نہ تھی، اور گبن نے صحیح کہا ہے کہ لشکریون کی تنخواہ زیادہ تر مندرون اور مورتیون کی

بقیہ حاشیہ ص ۵۲) حسن اتفاق سے وہ ایک رات اپنے لشکر سے نکل کر از خود سلطانی خیمہ گاہ
مین چلا آیا۔ محمود نہایت خوش ہوا۔ ہاتھی کا نام خدا داد تجویز کیا۔ اور اس کی آمد کی خوشی مین
ایک پر تکلف ضیافت کی گئی۔

تاریخ گزیدہ و تاریخ فرشتہ مین ہے کہ ایک رات سلطان محل سرا سے پا پیادہ جا رہا تھا،
فراش طلائی شمع دان لئے آگے چل رہا تھا۔ راستے مین ایک غریب طالب علم کو دیکھا کہ
کسی دکان کے چراغ کو سامنے کھڑا کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ چراغ بتی کی
مقدرت نہین رکھتا، محمود نے اسی وقت اپنا شمع دان اسے بخش دیا، پچھلی شب خواب مین اسکو
نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم کی زیارت ہوئی کہ آپ اس علم پروری پر تحسین اور دعاے خیر ارشاد
فرماتے ہین۔

تاریخ گزیدہ (ص ۳۹۹) مین ہے کہ نیشاپور سے ہندوستان تک تجارتی کاروان
آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ قزاقون نے ایک قافلہ لوٹ لیا۔ اسی مین ایک بڑھیا کا نواسہ
یا بیٹا تھا۔ وہ بہت مغموم بادشاہ کے دربار تک آئی، اور اپنی پر درد داستان سلطان کے
گوش گذار کی۔ سلطان نے تمام حالات سنکر جواب دیا کہ وہ مقام جہان یہ واقعہ ہوا ہے۔
میرے پایہ تخت سے بہت دور ہے۔ اس لئے اسکا انتظام مشکل ہے، بڑھیا نے بے ساختہ
کہا اے بادشاہ جب تم اس ملک کا انتظام نہین کر سکتے ہو تو اپنے قبضہ مین کیون رکھتے ہو،
چھوڑ دو کہ دوسرا انتظام کرسکے۔ اور اتنا ہی حصہ اپنے قبضہ مین رکھو جس کا انتظام کر سکو،

زینت و آرایش مین خرچ کر دی جاتی۔ دسوین صدی کے عرب سیاح کا بیان ہے کہ ہندوستان
اپنی توجون کے لئے مشہور ہے، لیکن گیارھوین صدی مین یہ شہرت ختم ہو گئی تھی، کابل
اور پنجاب کی سلطنت کافی وسیع تھی۔ جہان بڑی فوج رہ سکتی تھی۔ اور جے پال کو اپنے

(بقیہ حاشیہ ص ۵۴) بڑھیا کی یہ بات سلطان کے دل مین اتر گئی، اس نے اس کو تسکین دیکر رخصت کیا
اور ان قزاقون کو گرفتار کرنے کی فکر مین رہا، آخر اس کی سمجھ مین ایک تدبیر آئی، اس نے اعلان کیا
کہ اس راستہ سے تجارتی قافلہ جا سکتا ہے۔ اور امن کا ذمہ دار سلطان ہوگا۔ ایک کاروان
اس طرف روانہ ہوا تو اس نے پانچ سو غلامون کو تاجرون کے بھیس مین ان کے ساتھ کر دیا،
اور میوون کی بڑی مقدار دے کر ان کو میوون کا تاجر بنایا۔ جب یہ کاروان اس منزل پر پہونچا
جہان قزاق رہتے تھے تو مقیم ہو گیا۔ اور میوے دھوپ مین سوکھنے کے لئے پھیلا دئے گیے۔
قزاقون نے قافلہ کے ساتھ کوئی فوج نہین دیکھی جس کی ان کو توقع تھی تو اس پر حملہ کر دیا، اور
پھیلے ہوئے میوون پر ٹوٹ پڑے، لیکن میوے سب زہر آلود تھے، وہ کھاتے گئے اور
مرتے گئے، سلطان محمود نے ادھر سیستان کے والی کو لکھ بھیجا تھا کہ فوج لیکر ان قزاقون کو
تباہ کر دو اور جب یہ فوج پہونچی تو جو قزاق باقی رہ گئے تھے۔ وہ بہ تیغ کر دیئے گئے،
اس طرح راستہ پر امن ہو گیا۔ تاریخ فرشتہ مین ہے کہ سلطان محمود جب اپنے عہد کے
مشہور بزرگ شیخ ابو الحسن خرقانی (متوفی ۴۲۵ھ) کی خدمت مین خراسان حاضر ہوا
تو ان سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے، انھون نے کہا تم چار چیزین اختیار کرو (۱)
پرہیز گاری (۲) نماز با جماعت (۳) سخاوت (۴) مخلوق پر شفقت اور مہربانی، سلطان
نے کہا کہ میرے لئے دعا کیجئے تو شیخ نے فرمایا کہ مین پانچون وقت دعا کرتا ہون کہ اے اللہ
مسلمان مردون اور عورتون کو بخش دے، سلطان نے عرض کیا کہ خاص میرے لئے دعا کیجئے،

ہمسایہ راجاؤں سے ایک ملی جلی فوج کو طلب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور جب ایسی ملی جلی فوج میدان جنگ میں اکٹھی ہوتی تو اس کی قیادت کرنے کے لئے جیسے فوجی سردار کی ضرورت تھی، ویسا کوئی نہ تھا نپولین کو شکست دینے کیلئے ایک ڈیوک آف ولنگٹن کی ضرورت تھی۔

بقیہ حاشیہ ص ۵۵) شیخ نے فرمایا "انجام اچھا ہو"، سلطان نے اشرفیوں کی ایک تھیلی نذر کی، شیخ نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا سلطان کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ کھاؤ، سلطان نے اسکو کھایا تو وہ حلق میں پھنس گیا۔ شیخ نے پوچھا کہ کیوں گلے میں روٹی پھنس گئی؟ سلطان نے کہا جی ہاں، شیخ نے فرمایا کہ اسی طرح یہ اشرفی میرے گلے میں اٹک جاتی ہے بس اس کو اٹھا لو، سلطان نے عرض کیا کہ یادگار کے طور پر کچھ عنایت ہو، شیخ نے اپنا جبہ عنایت کیا، سلطان جب جانے لگا تو شیخ نے کھڑے ہو کر تعظیم کی، سلطان نے کہا کہ آتے وقت تو آپ نے تعظیم نہ کی اب آپ کیوں کھڑے ہو گئے، شیخ نے جواب دیا کہ اس وقت تمہارے سر میں سلطنت کی رعونت تھی، اور اب تم میں درویشوں کی جیسی خاکساری پیدا ہو گئی ہے" (فرشتہ جلد اول ص ۳۷)

ڈاکٹر ناظم اپنی تصنیف دی لائف اینڈ ٹائمس آف محمود آف غزنہ (ص ۱۶۲-۱۵۹) میں لکھتے ہیں کہ سلطان محمود امام ابوحنیفہ کا پیرو تھا۔ لیکن تخت نشینی کے بعد کرامیہ فرقہ کی طرف مائل ہو گیا۔ اور پھر امام شافعی کی تقلید کرنے لگا۔ یہ تبدیلی ظاہر کرتی ہے کہ وہ مذہبی مسائل میں تحقیق و جستجو کا قائل تھا۔ لیکن وہ اپنے مذہبی فرائض کے انجام دینے میں برابر پابند رہا، وہ نماز پابندی سے پڑھتا۔ اور روزانہ کلام پاک کی تلاوت بھی کرتا۔ رمضان شریف میں زکوٰۃ بھی دیتا جو زیادہ تر دوسروں کے مصائب کو رفع کرنے میں

پنجاب مین شکست کی ایک وجہ وہان کے ہندوؤن کے مذہبی جوش وخروش کی کمی بھی تھی۔ دونون فریقین کے جذبات قومی ہونے کے بجائے مذہبی تھے۔ لیکن مسلمانون مین مذہبی جوش وخروش کی بڑی فراوانی تھی، اور وہ اس سے مغلوب ہو کر جنگ کرتے تھے، لیکن ہندوؤن کے مذہبی جذبات مین جوش وخروش کا فقدان تھا۔ بلکہ وہ مذہب سے کچھ لاپرواہ سے تھے، پھر ہندو قدرۃً جارحانہ طبیعت نہین رکھتے۔ ان کا مذہب ان کو اہنسا کی تعلیم دیتا ہے' اسی لئے وہ پرامن زندگی کے عادی ہین، لیکن وہ مورتیون اور دیوتاؤن سے متعلق غلط خیالات پہلے بھی اور غالباً اب بھی رکھتے ہین۔ مورتیان کوئی معجزہ صادر نہین کر سکتی ہین لیکن اس زمانہ مین جب لوگ دیکھتے کہ کسی حملہ کے موقع پر مورتیان حرکت نہین کرتی ہین۔ تو پھر وہ حملہ کو روکنا فضول سمجھتے، کیونکہ وہ سمجھتے کہ دیوتا خود ہی سپر ڈالنے کو تیار ہین لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ مورتیان تو محض دیوتاؤن کی علامات ہین۔

بقیہ حاشیہ ص ۵۶) خرچ ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ روزانہ غربا کو خیرات دیا کرتا تھا، اور فضلا وغیرہ اور لاچارون کے لئے وظائف مقرر کر رکھے تھے، ہندوستان کے سرکون مین جو رضا کار شریک تھے ان کو وہ مالی امداد بھی دیتا رہتا تھا، وہ گھمسان لڑائی کے موقع پر بھی مصلی بچھا کر اللہ تعالیٰ سے دعائین مانگا کرتا تھا۔ وہ حج کے لئے جانا چاہتا تھا۔ لیکن سیاسی مصالح کی بنا پر نہ جا سکا مگر حاجیون کے لئے ہر قسم کی سہولتین فراہم کرنے کی کوشش مین لگا رہتا۔ اور بدوون کو بڑے انعام واکرام دیا کرتا تھا کہ وہ حاجیون کے قافلون کو سکون سے گذرنے دیتے۔ البتہ وہ اہل سنت الجماعت مین کسی کو بدعقیدہ دیکھنا پسند نہین کر سکتا تھا۔ اس نے محتسب مقرر کر رکھے تھے۔ جو لوگون کی بداخلاقی اور الحاد کا احتساب کر کے ان کو سخت سزائین دیا کرتا تھا، اگرچہ قرامطہ اور باطنی فرقون کے لوگون کو تو اپنی سلطنت سے نیست ونابود کر دینے کی کوشش کی اور انکو

پنجاب مین سیاسی بے حسی بھی زیادہ تھی۔ یہان بارہ سو برس تک غیر ملکی حکمرانون کی حکومت رہی، اسکندر اعظم سے لیکر محمود تک یہ خطہ یا تو بیرونی ہندو راجاؤن کے زیر نگین رہا یا ملیچھون کے، کبھی اہل مقدونیہ، کبھی موریا، کبھی ساکہ، کبھی یونانی، کبھی کوشان، کبھی ہون، کبھی کشمیری، کبھی سندھ اور کبھی کابل کے شاہی راجا یہان حکومت کرتے رہے۔ محمود کے بعد یہ غزنین اور دہلی کے ماتحت آٹھ سو سال تک رہا۔ اور جب سکھ برسر اقتدار ہوئے تو دو ہزار سال کے بعد یہ ملکی باشندون کے

(بقیہ حاشیہ ص ۵) بعض اوقات قتل بھی کر دیتا۔۔۔۔۔۔ لیکن وہ مذہبی تشدد نہین رکھتا تھا، وہ اپنی حکومت مین مذہبی یگانگت و یکسانیت ضرور چاہتا تھا اسی لئے انحراف کرنے والون کو سزائین دیتا۔ قرامطہ سے اس کی عناد کی وجہ یہ بھی تھی کہ خلیفہ بغداد ان کو روا نہین رکھتے ۔۔۔۔ اور وہ محض خلیفہ کی خوشنودی کی خاطر ان کا مخالف رہا۔۔۔۔ اگر اس کے سامنے سیاسی مصالح نہ ہوتے تو وہ مذہبی اختلاف مین بھی بڑی رواداری کا اظہار کرتا مثلاً اس نے ہندوستان مین کسی کو بھی اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور نہین کیا۔ یا کسی کو بھی محض مذہبی عقائد کی بنا پر موت کی سزا نہ دی، اس مین تبلیغ کا جذبہ ضرور تھا۔ اور اسکی فتح کے بعد تو مبلغون کو خود ہی موقع حاصل ہو جاتا۔ مفتوحہ علاقون مین جامع مسجد تعمیر کی جاتی اور واعظین ہندوؤن کو اسلام کی باتین بتاتے، گردیزی کے الفاظ یہ ہین "مسجد ہاے جامع ساختند و استادان را فرمود تا ہر جائے بقرار ستادند تا مر ہندوان را شرایط اسلام بیاموختند" ۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ زمانہ تبلیغی کامون کے لئے موزون نہ تھا۔ تبلیغ کے لئے ایک باضابطہ حکومت بھی ضروری ہے۔ سلطان محمود کا عہد صرف فتح و تسخیر کا دور تھا۔ اور اس نے ہندوؤن کے ساتھ رواداری کو روا رکھا۔ غزنہ مین ان کی بود و باش کے لئے علیحدہ محلے تھے۔ جہان وہ اپنے مذہبی مراسم کو ادا کرنے مین آزاد تھے۔ اس پر یہ الزام ہے کہ اس نے خونریزی کی

ماتحت آیا۔ اور جب محمود نے پنجاب کی تسخیر کی تو وہان کے لوگون مین کوئی سیاسی شعور نہ تھا۔ وہان کے لوگ آریائی ضرور تھے۔ لیکن ان مین آزاد رہنے کا جذبہ بالکل جاتا رہا تھا۔ اس لئے انھون نے غزنین کے مسلمان ترکون کی حکومت اُسی طرح گوارا کرلی جس طرح کابل کے ایک برہمن افغان کا قبضہ گوارا کرلیا تھا۔ اسی لئے پنجاب ایک ہی لڑائی کے بعد مسلمانون کے زیر نگین ہوگیا، ...... یہان کے ہندوؤن مین ورناآشرم دھرم کے ساتھ اس شدت کا لگاؤ نہ تھا جو وادی گنگا کے ہندوؤن کو تھا۔ اسی لئے ان کو آسانی سے ہندو سے مسلمان بنالیا گیا، اور انھون نے آسانی سے مورتیون کی پوجا بھی چھوڑدی۔

بقیہ حاشیہ ص ۵۸) اور ہندوؤن کے مندرون کو بری طرح منہدم کیا، لیکن اس کے معترضین یہ فراموش نہ کرین کہ یہ بربریت کا اظہار صرف جنگ کے موقع پر ہوا۔ اور دنیا کے بڑے سے بڑے فاتح نے جنگ مین کیا کیا بربریت نہین کی ہے، .... سلطان نے امن کی حالت مین کسی مندر کو منہدم نہین کیا۔ اور اگر وہ ہندو راجاؤن سے لڑا تو اس نے ایران اور ماوراء النہر کے مسلمان حکمرانون کو بھی نہین چھوڑا، اور گنگا جی کے دوآب مین غارتگری اور خونریزی ہوئی، تو دماوند کے پہاڑی علاقے اور جیحون کے ساحل پر بھی اسی شدت سے ساتھ خون بہایا گیا، اور وہان بھی ہلاکت تباہی اور بربادی آئی۔

چوتھی جھلک

البیرونی

از

پروفیسر سنیتی کمار چٹرجی، کلکتہ یونیورسٹی

ابوریحان[1] محمد ابن احمد البیرونی ۹۷۳ء مین خیوا مین پیدا ہوا، جو اس زمانہ مین خوارزم کہلاتا تھا۔ اس نے غالباً غزنہ مین ۱۰۴۸ء مین وفات پائی۔ وہ ازمنہ وسطی کے بہت بڑے فضلا مین سے تھا۔ اور ریاضی، دینیات، ہیئت، فلسفہ، کیمیا، تاریخ، علم الاقوام، نقشۂ عالم، فلسفہ، طب وغیرہ پر یکسان دسترس رکھتا تھا۔ اور وہ بیرونی لوگون مین پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کے علوم وفنون کو سیکھ کر نمایان شہرت حاصل کی، اور اب بھی اس کا شمار ہندی علوم وفنون کے جاننے والون کی صف اول مین شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ اس کے علم مین بھی بڑی وسعت اور صداقت تھی۔ پھر رواداری اور حقیقت پسندی بھی تھی۔ اس لحاظ سے وہ نوع انسان کے ان رہنماؤن مین سے ہے۔ جو ذہن وفکر پر اثر انداز ہوئے۔ اڈورڈ زخاؤ نے اسکی کتاب الہند[2] اور اس کا انگریزی ترجمہ شایع کیا ہے۔ جس کے لئے علمی دنیا اس کی

---

[1] ۔۔۔ اس باب مین اقتباس کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر ایس۔ کے۔ چڑجی کے مضمون "البیرونی اور سنسکرت" سے لیا گیا ہے۔ جو ایران سوسائٹی کلکتہ کے *Alberuni Commo meration Volume* مین ۱۹۵۱ء مین شایع ہوا تھا۔ مولانا شبلی تحریر فرماتے ہین "یہ کتاب درحقیقت سنسکرت علوم وفنون کا

ممنون ہے۔ زخاؤ نے البیرونی کے علم اور شخصیت کی بے مثل انفرادیت اور اہمیت کو اچھی طرح سمجھ کر اس کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔ اور اس نے بیرونی کے علمی کارناموں اور ذاتی اوصاف

(بقیہ حاشیہ ص ۶۰) نہایت عمدہ خلاصہ ہے، مصنف نے سنسکرت کی بہت سی مستند اور قدیم تصنیفات سے ذخیرۂ معلومات مہیا کیا ہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ چونکہ ہندو اپنی کتابوں کے دینے میں بخل کرتے تھے، اس لئے مصنف نے بہت سی کتابوں کو زبانی پڑھا اور یاد کیا۔ اس نے خود لکھا ہے کہ مختلف پرانوں میں سے جو پران میں نے زبانی سیکھے، وہ حسب ذیل ہیں، ادپران، مچھ پران، کورم پران، براہ پران، نرسنگھ پران، بایو پران، بامن پران، نند پران، اسکند پران، ادت پران، سوم پران، سانب پران، برہمانڈ پران، مارکنڈیو پران، تارکش پران، بشن پران، برہم پران، بھیش پران، بیرونی کی کتاب کی جامعیت و وسعت معلومات کا اندازہ ان ابواب کے عنوان سے ہو سکتا ہے۔ جو مصنف نے اختیار کئے ہیں۔ یہ کل اسی عنوان ہیں اور ہر عنوان پر تفصیلی بحث کی ہے اور جو کچھ لکھا ہے، سنسکرت کی مستند کتابوں سے لکھا ہے، ان میں سے بعض عنوان ہم نمونہ کے طور پر نقل کرتے ہیں، (۱) ہندوؤں کا اعتقاد خدا کی نسبت (۲) موجودات عقلیہ اور حسیہ کی نسبت اعتقاد (۳) تناسخ کا مسئلہ (۴) بید اور پران اور دیگر مذہبی کتابیں (۵) نحو اور عروض کی تصنیفات (۶) دیگر علوم کے متعلق تصنیفات (۷) ہیئت اور نجوم، اس کے متعلق بہت سے عنوان قائم کئے ہیں، اور ہر ایک پر مفصل بحث کی ہے۔ (۸) حرام و حلال (۹) قانون وراثت (مقالات شبلی تاریخی حصہ دوم، جلد ششم صفحہ ۱۰۶-۱۰۵)

جناب سید حسن صاحب برنی اپنی کتاب البیرونی میں لکھتے ہیں، "بیرونی کتاب الہند میں وہ امور بیان کرتا ہے جو اس نے خود دیکھے یا سنے یا بالاسے جمہ پڑھے ہیں۔ ہر مضمون کو

کی جتنی تعریف کی ہے اس کا وہ مستحق ہے۔ البیرونی کے علمی کارنامون پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ لیکن زمانے
کی وجہ سے اُس کی اصلی حیثیت نمایان ہوئی، ہندوستان مین اس کا مطالعہ اس لئے بھی اہم

(بقیہ حاشیہ ص ۶۱) نہایت بے تعصبی اور کشادہ دلی سے بیان کیا ہے۔ اور کتاب کا پڑھنے والا
صفحے کا صفحے پڑھتا چلا جائے۔ تو بھی اکثر اس سے پتا نہ چلے گا کہ اس کا لکھنے والا کوئی غیر مذہب کا
شخص ہے۔ انداز تحقیق اور طرز تحریر سے مشکل سے خیال ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف
آج سے نو سال پہلے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہی عہد کا کوئی
بے تعصب اور راست باز محقق نہایت کامیابی کے ساتھ ہندو تہذیب و تمدن کی داستان
سنا رہا ہے۔ جنبہ داری اور نارواداری کا نام و نشان بھی نہین مل سکتا، اگرچہ وہ مسلمان
ہے۔ ہندو حکما کے خیالات سے جا بجا اتفاق رکھتا اور ان کے بعض علمی مسائل کو فراخ
دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے، سب سے بڑھ کر وہ سچائی کا شیدا اور ناراستی اور ریا سے
سخت متنفر ہے۔ بیرونی کا اس تصنیف سے ہرگز یہ منشا نہین ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہندوون
کے خیالات کی تردید کی جائے۔ ان کے مذہب کی برائیان دکھائی جائین۔ اور اس طرح انہین
اپنے اعتقادات سے برگشتہ کیا جائے۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اپنے قلم سے خود ان ہی کے
صحیح خیالات کا اظہار ہے۔ ہندو تہذیب وعقل کی کہانی خود اہل ہند کی زبانی سنائی اور
تمدن ہند کی تصویر خود ہندو مصور کے قلم سے کھنچی ہے۔ وہ بار بار اعادہ کرتا ہے، کہ مین
کسی امر کے کذب و صدق کا ذمہ دار نہین۔ کتاب الہند کے ابواب کا التزام اس طرح
پر کیا گیا ہے کہ ہر باب ایک مختصر عام تمہید سے شروع ہوتا ہے۔ تمہید کے بعد باب تین
اجزا پر منقسم معلوم ہوتا ہے۔ اور مسئلہ زیر بحث کی تشریح کی جاتی ہے۔ پھر اس پر بوضاحت
بحث کرتا ہے، اور بعدہ مستند مصنفین ہند کی کتابون سے مناسب موقع پر موزون اقتباسات

کہ وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے یہاں کے علوم کا گہرا اور باضابطہ مطالعہ کیا، وہ ہمارے شکریہ کا مستحق صرف اس لئے نہیں کہ وہ ایک بڑا وسیع النظر اور بہت ہی دقیقہ رس محقق اور لایق اہل علم تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲) اپنے بیان کی تائید میں پیش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں جا بجا مقابلہ اور نقد سے بھی کام لیتا ہے۔ غرض روایت، شہادت ذاتی معلومات اور روایات پر ہر قسم کے معلومات سے مدد لینے کی کوشش کرتا ہے یہ التزام تمام ابواب میں مشترک ہے۔ ساری کتاب میں ایک لفظ بھی فضول اور لاحاصل استعمال نہیں کیا گیا۔ جامعیت کے ساتھ اختصار بھی ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن جہاں توضیح درکار ہے یا بغیر تفصیل کے دشواری لاینحل معلوم ہوتی ہے وہاں ایجاز کی خاطر وضاحت کو بالائے طاق نہیں رکھا، چھوٹی بڑی، عام و خاص کسی قسم کی تحقیق ہو اس کے سامنے محنت اور وقت کی کچھ پروا نہیں کی ہے۔ بیرونی کے خیال میں ہندو اعلیٰ پایہ کے فلسفی، نہایت عمدہ ریاضی دان اور ماہر ہیئت تھے، فلسفہ ہند سے اسے ایک خاص دلچسپی ہے۔ اور اس کے جانب اس کا قوی رجحان ہے، اور اس کے متعلق بیرونی کی معلومات بھی بہت وسیع ہیں، ہندوؤں کے مسائل فلسفہ کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی غرض سے بیرونی ہر جگہ فلسفۂ یونان سے جس میں اسے دستگاہ کامل ہے۔ مقابلہ کرتا ہے۔ بلاشبہ اس کے کتب خانہ میں یونانی کتب کے تراجم کا مکمل ذخیرہ موجود تھا۔ اور اس کا یونانی کتب حکمت کا مطالعہ نہایت وسیع اور غائر تھا۔ اعلیٰ حکمائے یونان کی تصانیف کے کثیر اقتباسات لے کر اہل ہند، اور اہل یونان کے خیالات کا مقابلہ کیا ہے۔ اس قابلیت سے بیرونی نے اس کام کو انجام دیا ہے کہ تعریف نہیں کی جا سکتی، یونانیوں کے سوا مجوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں صوفیوں اور رومانویوں کے خیالات بھی مقابلے میں پیش کئے ہیں، بیرونی کا عقیدہ ہے کہ حکمائے یونان وہ تھے جنہیں وہ طبقہ، عوام سے جدا سمجھتا ہے، خود اس کی طرح یکے موحد

بلکہ وہ ایک قابل قدر انسان بھی تھا۔ وہ اپنے مذہبی عقیدہ کی وجہ سے اپنے لوگوں کے
کارناموں کو نظرانداز کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ جو دوسرے ماحول اور فضا میں پھلے اور پھولے

بقیہ حاشیہ ص ٦٣) شاذ ہی اس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام کو مذہب ہنود سے برتر
ثابت کرے یہ اس کے انداز تحقیق کے خلاف بات ہے۔ اور وہ اس کا روادار نہیں ہو سکتا کہ
مباحث علمی میں مذہبی مناظرے کا دروازہ کھولا جائے۔ یہ سچ ہے کہ بیرونی نے اہل ہند کے
بعض خیالات سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن یہ اختلاف محض عالمانہ اختلاف ہے اور منصفانہ
تنقید کے دائرے میں داخل ہے۔ ہندوؤں کی عقل و دانش کا وہ مداح ہے۔ اور جہاں ممکن ہوتا
ہے۔ ان کے خیالات سے اپنے خیالات کو مطابق۔ ۔ ۔ کرنے میں نہایت عرق
ریزی اور دقت نظری سے کام لیتا ہے۔ بیرونی ہندوؤں کی صنعت و دستکاری کی تعریف
کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہندوؤں کے نہانے کے تالابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-
"اس فن میں ہندوؤں کو کمال چابک دستی ہے مسلمان جب ان تالابوں کو دیکھتے ہیں
تو دنگ رہ جاتے ہیں۔ اور ویسے تالاب بنانا تو درکنار ان کے بیان سے بھی عاجز رہ جاتے ہیں"
بیرونی نے یہاں سنسکرت لٹریچر سے بحث کی ہے۔ وہاں بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں
ان کثیر التعداد سنسکرت تصانیف کی فہرست کا تحریر کرنا جن کے نام کتاب الہند میں مذکور ہیں
شاید مشکل ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے، اس لیے ہم ان کے بیان سے قطع نظر کرتے
ہیں۔ البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں بیرونی پہلا شخص ہے۔ جس نے پرانوں کو
پڑھکر اہل اسلام کو ان سے مطلع کیا کتاب الہند میں جابجا مناسب انتخابات بھی دیئے ہیں
اس سے پہلے کوئی مسلمان پرانوں کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ بھگوت گیتا کے پاکیزہ
خیالات سے بیرونی خاص طور پر متاثر معلوم ہوتا ہے۔ اور اس لعل بے بہا کو بیرونی ہی نے

اس کی یہ رواداری، بے تعصبی بلکہ بے لاگ پن ایسا وصف ہے، جس کے لئے ہندوؤن کو اس کا ممنون ہونا چاہئے، اور علمی دنیا بھی اس کی شکر گزار ہے۔ اور اس کی یہ خوبی اس کی صلاحیت و لیاقت سے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۴) سب سے پہلے اہل اسلام مین شہرت دی، کثرت سے اس کتاب کے اقتباسات کتاب الہند مین پائے جاتے ہین، راماین، مہابھارت اور منو کی دھرم شاستر سے بھی ضروری مقامات نقل کئے ہین، (ص ۱۳۰ - ۱۳۵)

سلہ "جب ہندوستان کی سرزمین سلطان محمود کے حملون سے زیر و زبر ہو رہی تھی۔ عین اس وقت علم و فن کا دوسرا سلطان تن تنہا نہایت اطمینان اور چین سے ہندوستان کی علمی فتوحات مین مصروف تھا۔ اور اسی سیاسی لڑائی بھڑائی اور خلفشار پر دل ہی دل مین جل رہا تھا۔ اس نے کتاب الہند لکھ کر جیسا کہ ڈاکٹر زخاو نے کہا ہے کہ ایک طرف مسلمانون کو یہ فخر بخشا کہ انکے ایک فرد نے ایک ایسی کتاب لکھی جس نے یونانی سطیرون اور چینی سیاحون کے ہندوستان کے متعلق بیانات کو تقویم پارینہ بنادیا، دوسری طرف ہندوستان پر یہ احسان کیا کہ اس کے پرانے تمدن پرانے علوم اور پرانے خیالات کو دنیا مین قائم اور باقی رکھا ------ بیرونی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہندوون اور مسلمانون کے درمیان علمی سفارت کا کام انجام دیا، اس نے عربون اور ایرانیون کو ہندوؤن کے علوم سے اور ہندوون کو عربون اور ایرانیون کی تحقیقات سے آگاہ کیا۔ اس نے عربی جاننے والون کے لئے سنسکرت سے اور سنسکرت جاننے والون کے لئے عربی سے کتابین ترجمہ کین اور اس طرح وہ قرض ادا کیا کہ جو ہندوستان کی مدت سے عربی زبان کے علوم و فنون پر چلا آرہا تھا، اس نے ہندستان کے متعلق تین قسم کی کتابین لکھین، ایک عربی سے سنسکرت مین۔ دوسری سنسکرت سے عربی مین اور تیسری ہندی علوم اور مسئلون کی چھان بین اور جانچ پڑتال مین، اس کی وہ کتابین جو اس نے

زیادہ قیمتی ہے۔

البیرونی اپنے عہد کا سب سے بڑا اور سب سے ممتاز بین الاقوامی اہل علم تھا۔ اس وقت چین اور

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵) ہندوؤن کے لئے لکھین یہ ہین۔ (۱) ہندوستان کے جوتشون کے سوالات کا جواب (۲) کشمیر کے پنڈتون کے دس سوالون کے جواب اوران کے شبہون کا حل (۳) اصطرلاب پر ایک رسالہ (۴) بطلیموس کی مجسطی کا ترجمہ (۵) اقلیدس کے مقالے (۶) ہئیت پر ایک کتاب۔ اس کی دوسری قسم کی کتابین جو عربی جاننے والون کے لئے اس نے لکھین یہ ہین (۱) کتاب الہند، ہندوؤن کے عقائد، علوم اور تحقیقات کا خلاصہ (۲) برہم گپت کی پانی ساسی ذہانت کا عربی مین ترجمہ (۳) برہم گپت کی برہم سدھانت کا ترجمہ (۴) چندر گرہن اور سورج گرہن پر ہندی تحقیقات کا ترجمہ (۵) ہندوستان کی رقم (انک) کے حساب وشمار مین (۶) حساب لکھانے مین ہندوستان کے نقوش کی کیفیت (۷) ہندی اربعہ متناسبہ (ترے راشک) کا ترجمہ (۸) سانکھیہ کا ترجمہ (فلسفہ) (۹) پتنجلی کا ترجمہ۔ (۱۰) وراہ مہر کی کتاب لگھو جاتکم کا ترجمہ (ولادت کے بیان مین) (۱۱) رسو دیو کے دوبارہ دنیا مین آنے پر ایک رسالہ وغیرہ۔ تیسری قسم کی کتابین یہ ہین (۱) سدھانت آریہ بھٹ اور کھنڈیا کھنڈ، جو ہندی ہئیت کی کتابین سنسکرت سے عربی مین ترجمہ ہوئی تھین، انہین مضمونون یا مترجمون سے جو غلطیان ہوئین، ان کی تصحیح (۲) خاص سدھانت پر پانچ سو صفحون کی ایک کتاب جس کا نام جوامع الموجود بخواطر الہنود ہے۔ (۳) اس بیان مین ایک رسالہ کہ اعداد کے لکھنے کا طریقہ باعتبار ہندی کے عربی مین زیادہ صحیح ہے۔ (۴) ہندی اصول پر جوتش کے بعض اصول کی تصحیح۔ قانون مسعودی کے پانچوین مقالہ مین بیرونی نے ہندوستان کے شہرون کا طول بلد و عرض بلد بتایا ہے۔ ہندوستان مین اس کا درجہ عظیم الشان

ہندوستان کے فضلا اپنے اپنے ملک ہی کے اندر محدود تھے۔ ان ملکون مین کوئی بھی ایسا اہل علم نہ تھا، جو مغربی، اسلامی، یونانی اور رومی کلچر کے بارے مین کچھ جانتا ہو، مغربی یورپ اور حتیٰ

بقیہ حاشیہ ص ۶۶) کارنامہ ہے یعنی اس نے اپنے ہندسی قاعدہ کے مطابق یہان کی زمین کے دور کی پیمایش کی (ماخوذ از عرب وہند کے تعلقات، از سید سلیمان ندوی)

البیرونی نے کتاب الہند مین ہندوؤن کے متعلق جو تفصیلات لکھی ہین، ان مین کچھ اجزا اہم جستہ جستہ نقل کرتے ہین، گو ان سے تشنگی تو بجھ نہ سکیگی لیکن اس کی تحقیقات کے کچھ نمونے سامنے آجائین گے۔

"ہندوؤن کے نزدیک نارائن ایک علوی یعنی فوق طبعی قوت ہے۔ جس کا مقصد نہ دنیا کی حالت کو بہترین ذریعہ سے بہتر بنانا ہے اور خرابی پیدا کرکے خراب کرنا ہے، وہ صرف خرابی اور برائی کو جس طرح ممکن ہو دفع کرتا ہے، اس کے نزدیک بہتری کو ابتری پر تقدم ہے اگر بہتری کا سلسلہ جاری نہین رہا اور نہ اس کا جاری رہنا ممکن ہے۔ اس وقت اتنی خرابی سے جو بہتری کو جاری رکھنے کے لیے ناگزیر ہے کام لیتا ہے۔ جس طرح وہ سوار جو کسی کھیت کے بیچ مین پہونچ گیا ہے۔ جب اپنے دل مین غور کرے گا اور حالت کو سمجھ کر اس خراب کام سے نکلنا چاہے گا تو بغیر اس کے نہین ہو سکے گا کہ جانور کو پیچھے پھیرے اور جدھر سے داخل ہوا تھا اسی طرف سے باہر نکلے، حالانکہ اس کے نکلنے مین ویسی ہی بلکہ اس سے زیادہ خرابی ہے، جو داخل ہونے مین ہوئی۔ لیکن تلافی کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہین (کتاب الہند جلد دوم باب ۶۷، اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو)

برہمن پر عموماً اس کی زندگی بھر جو کچھ لازم ہے وہ نیکی کا کام اور صدقہ دینا اور صدقہ لینا ہے ..... ہمیشہ پڑھتے رہنا قربانیان انجام دینا اور آگ کی نگرانی کرتے رہنا ہے۔ اس طرح کہ اس کو سلگاتا رہے، اس کے لئے قربانی کرے، اس کی خدمت یعنی دیکھ بھال کرتا رہے اور

کو اٹلی بھی اس وقت تاریک عہد سے گزر رہا تھا۔ عیسائی لاطینی زبان کے ذریعہ کچھ علمی معلومات
حاصل کر لیتے تھے، لیکن لایق فضلا و لاطینی مصنفون کی کتابین کم پڑھتے، مشرقی یورپ کے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۷) بجھنے نہ دے تاکہ مرنے کے بعد اسی مین جلایا جائے، اسی کا نام ہوم ہے۔

برہمن کے لئے ہر روز تین دفعہ غسل کرنا۔ یعنی طلوع کے سندھو مین یعنی فجر کے وقت، غروب کے
سندھو مین یعنی شفق کے وقت اور دونون کے درمیان دوپہر کے وقت، صبح کا غسل اس وجہ سے
لازم ہے کہ رات کی نیند مین بدن کے تمام سوراخ ڈھیلے ہو جاتے ہین، یہ غسل طہارت ہوگا عبادت کا
طریقہ یہ ہے کہ دونون ہتھیلیون کو جوڑ کر دونون انگوٹھون پر اپنی رسم کے مطابق آفتاب کی طرف
سجدہ کرتے ہین اس لئے کہ قبلہ آفتاب ہی ہے، دکھن کے سوا اور جس طرف ہو، دکھن کی طرف ہو کر کوئی نیک کام نہین کیا جاتا،
اس جانب صرف ہر قسم کے خراب کام مین توجہ کی جاتی ہے، آفتاب کے زوال یعنی دوپہر سے ڈھلنے کا وقت
ثواب حاصل کرنے کے لئے مناسب وقت ہے۔ اس لئے اس وقت پاک ہونا واجب ہے، یعنی
اس سبب سے دوپہر کا غسل ان پر واجب ہے، شام کا وقت رات کے کھانے اور عبادت کا
وقت ہے۔ اور اس وقت یہ دونون کام بغیر غسل کے کرنا بھی جایز ہے۔ تیسرے غسل کا حکم
پہلے اور دوسرے غسل کے مثل تاکیدی نہین۔ رات کا غسل برہمن پر صرف گرہن کی شرطین
اور قربانیان انجام دینے کے واسطے واجب ہے۔ برہمن کو زندگی بھر دن مین صرف دو دفعہ
کھانا چاہئے، دوپہر کے وقت اور رات کے وقت، جب وہ کھانے پر بیٹھے پہلے اس مین سے
ایک یا دو شخص کے لئے وہ صدقہ نکالے خصوصاً ان اجنبی برہمنون کے واسطے جو عصر کے وقت
بھیگ مانگنے آتے ہین۔ اس لئے کہ ان کو کھلانے مین غفلت کرنا بڑا گناہ ہے۔ پھر جانورون
چڑیون اور آگ کے واسطے نکالے اور باقی خدا کا نام لے کر خود کھالے اور اس مین جو باقی
بچ جائے اس کو گھر کے باہر رکھ دے اور اس کے قریب نہ پھٹکے۔ اس لئے

بازنطینی اہل علم مسلمانون کے ادب اور کلچر سے بالکل واقف نہ تھے، لیکن جہان عربون کی سلطنت قائم ہوگئی تھی، وہان علم مین بین الاقوامیت آگئی تھی، لیکن اس زمانہ مین البیرونی فارسی، تورانی،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) کہ وہ اس کے لیے حلال نہین ہے۔ بلکہ اس کے حاجت مند کا حق ہے۔ جو اتفاقاً ادھر گزرے انسان ہو یا چڑیا یا کتا یا اور کچھ (باب ۶۳)

ہندوؤن کے یہان جاترا فرض نہین بلکہ نفل اور ثواب کا کام ہے، جاترا یہ ہے کہ جاتری قصد کر کے کسی پاک شہر مین یا کسی بڑے بت کے پاس یا کسی مقدس دریا پر جاتا ہے۔ وہان غسل کرتا ہے۔ بت کی پوجا کرتا ہے۔ اس کے آگے نذر چڑھاتا، کثرت سے جاپ کرتا ہے، برت رکھتا ہے، برہمنون اور پجاریون وغیرہ کو صدقہ دیتا ہے اور سر اور داڑھی منڈا کر واپس آتا ہے۔

ان کے پاک اور واجب التعظیم تالاب سب کوہ میرو کے گرد و پیش سرد پہاڑون مین ہین۔ باج پران اور مچ پران دونون مین بالاتفاق ان تالابون کا ذکر اس طرح ہے "میرو کے داہنے ارہٹ ایک بہت بڑا تالاب ہے، جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ماہتاب کی چاندنی کے مثل شفاف چمکدار ہے، اس سے دریائے ذہب نکلتا ہے جو نہایت پاک ہے اور خالص سونے پر بہتا ہے۔ کوہ شویت کے قریب اُترمانس تالاب ہے اور اس کے گرد بارہ تالاب ہین جن مین ہر ایک چھوٹے سمندر کے مثل ہے اس سے دو دریا شاندی اور مدہو ندی نکل کر کنیرش تک آتے ہین کوہ نیل کے قریب بیودنتالاب ہے، جس مین نیلوفر ہوتا ہے۔ کوہ نشد کے پاس بشن پد تالاب ہے۔ سار سفت یعنی سرستی ندی اسی سے نکلتی ہے۔ اور دریائے کندھرپ بھی اسی سے نکلتا ہے کوہ کیلاش مین مند تالاب ہے۔ جو سمندر کے مثل بڑا ہے۔ اس سے دریائے مند اکن نکلتا ہے۔ کیلاش کے اُتر اور پورب کے درمیان کوہ چندر پربت ہے، اس کی ترائی مین آجود تالاب ہے اس سے دریائے آجود نکلتا ہے کیلاش سے دکن اور پورب کے درمیان کوہ لوہت ہے، اس کی

ترکی - عربی - یونانی، اور ہندوستانی زبانون سے واقف تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی، وہ
خوارزم مین پیدا ہوا، اس لئے ترکی سے واقف تھا۔ عربی اس زمانہ مین اسلام اور اسلامی

بقیہ حاشیہ ص (۶۹) ترائی مین اسی نام کا ایک تالاب ہے - اس سے دریائے لوہت نڈ نکلتا ہے،
کیلاش کے دکن کوہ سرپوشند کی ترائی مین مانس تالاب ہے - ان سے دریاے سرج نکلتا ہے،
کیلاش کے پچھم اون پہاڑ ہے، جس پر ہمیشہ برف رہتی ہے - اور اس پر چڑھنا ممکن نہین، اس کی
ترائی مین شیلودتالاب ہے، اور اس سے دریاے شبلوذ نکلتا ہے - کیلاش کے اتر کورو پہاڑ ہے،
اس کی ترائی مین بندسر کا تالاب ہے - یعنی وہ جس کی ریت سونے کی ہے .... ہندو
ہر اس مقام پر جس مین کوئی فضیلت بیان کی جاتی ہے، تالاب بناتے ہین، جس مین یہ لوگ غسل
کرنے کے قصد سے آتے ہین، تالاب بنانا ان لوگون کا خاص ہنر ہوگیا ہے - جس مین یہ لوگ بڑی
محنت و توجہ کرتے ہین - یہان تک کہ ہماری قوم کے لوگ جب ان کو دیکھتے ہین تو بہت تعجب
کرتے ہین، اور بنانا تو درکنار اس کو بیان بھی نہین کر سکتے، یہ لوگ ان کو نہایت سڈول بڑے پتھرون
سے جو نوک دار مضبوط میخون سے باہم جڑے رہتے ہین - کئی درجون کا چبوترا سا بناتے ہین، یہ
یہ درجے تالاب کے چارون طرف گردش کرتے ہوے قد آدم سے زیادہ بلند ہوتے ہین - دو درجون
کے درمیان برجی نما زینے بناتے ہین، جس سے پہلے درجے راستون کی طرح ہو جاتے ہین، اور
برجیان ایسی سیڑھیان ہو جاتی ہین کہ اگر تالاب مین ایک بڑی جماعت نیچے اترتی اور دوسری
اوپر چڑھتی ہو تو سیڑھیون کی کثرت سے نہ یہ لوگ ایک دوسرے مین ملینگے نہ رستہ بند ہوگا اور
اوپر چڑھنے والون کے لئے اس سیڑھی کو چھوڑ کر جس سے لوگ نیچے اتر رہے ہین، دوسری سیڑھیون
کی طرف گھوم جانا ممکن ہوگا، اس بھیڑ بھاڑ کی تکلیف بالکل نہین ہوتی .... ہندون مین متعدد
مقامات ہین جو مذہبی حیثیت سے واجب التعظیم ہین جیسے شہر بنارس - ان کے درویش بنارس

کلچر کی اہم زبان تھی، ابن سینا بھی وہ ماہر تھا، اس نے یونانی، بازنطینی اور شامی علوم اور ہندوستان کے مختلف فنون مثلاً ریاضی، ہیئت، طب وغیرہ پر عربی ہی کے ذریعہ دسترس حاصل کیا، کیونکہ

بقیہ حاشیہ ص ۶۶، جاکر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس طرح کعبہ کے مجاورین مکہ میں، ان کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی موت بنارس میں ہو، تاکہ مرنے کے بعد ان کی عاقبت اچھی ہو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خون کرنے والا اپنے جرم میں ہر جگہ پکڑا جائیگا اور اپنے جرم کی سزا پاوے گا لیکن اگر وہ بنارس میں داخل ہو جائے تو اس کا گناہ وہاں معاف ہو جاتا اور بخش دیا جاتا ہے، اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ برھما کی صورت چار سر کی تھی۔ برھما اور شنکر یعنی مہادیو کے درمیان کچھ بگاڑ ہو گیا اور جس کی وجہ سے لڑائی ہو گئی اور اس قدر بڑھ گئی کہ برھما کا ایک سر تھا اکھڑ کر اس سے جدا ہو گیا۔ اس وقت کا دستور یہ تھا کہ قاتل مقتول کے سر کو ہاتھ میں لے لیتا اور اس کو مقتول کی رسوائی اور اپنے فتح کی علامت کے لیے پھرتا تھا۔ بس برھما کا سر مہادیو کے ہاتھ میں اس طرح آگیا گویا اس کے لگام دیدی گئی ہے، اور وہ (مہادیو) جس شہر میں جاتا وہ سر اس کے ساتھ رہتا تھا، یہانتک کہ وہ بنارس پہونچا جوں ہی بنارس میں داخل ہوا سر اس سے جدا ہو کر غائب ہو گیا (باب ۶۶)

ہندوؤں کے نزدیک ہر روز جس قدر ممکن ہو صدقہ کرنا واجب ہے۔ مال پر سال یا مہینہ گزرنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ یہ صدقے کو ایک نامعلوم حالت پر موقوف رکھنا ہے، جس کی نسبت انسان نہیں جانتا کہ وہاں تک پہنچے گا یا نہیں، غلہ یا مویشی سے انسان کو جو آمدنی ہو اس میں سے پہلے حاکم کا حق یعنی زمین یا چراگاہ پر جو مقررہ خراج ہے اور آمدنی کا چھٹا حصہ رعیت کی طرف سے مدافعت اور ان کے مال گھر بار اور اہل وعیال کی حفاظت کی اجرت کے طور پر ادا کرنا چاہیئے۔ یہ رقم بعینہ بازاریوں یعنی عام لوگوں پر بھی لازم ہے لیکن

اسلام کے ابتدائی دور میں عربی میں ہمسایہ ملکوں کے تمدن وثقافت کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ البیرونی ارسطو اور افلاطون کا حوالہ بار بار دیتا ہے۔ لیکن اس نے ان یونانی فضلاء کے علوم کا مطالعہ عربی ہی کے ذریعہ کیا۔ اس کے معلومات ثانوی درجہ ہی کے سہی، لیکن وہ ان کی تاریخی، علمی اور فلسفیانہ قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف تھا۔ گیلن، دیاس ورہامہرہ، اور پرانوں سے بھی اقتباس دیتا ہے۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ ہندوستانی اہل علم کی زبان سے بھی واقف تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) یہ لوگ اس میں جھوٹ بولتے اور خیانت کرتے ہیں اور اسی قسم کے ٹیکس تجاروں پر ہیں اور برہمنوں پر سے یہ کل مطالبات اٹھا دیے گئے ہیں۔ دوسروں پر بہرحال لازم ہیں یہ حق نکالنے کے بعد آمدنی میں سے جو باقی رہے، بعض لوگوں کی رائے میں اس کا نواں حصہ صدقہ کرنا چاہئے، اس رائے کی تفصیل یہ ہے کہ باقی آمدنی کا ایک ثلث جمع رکھنا چاہئے تاکہ دل کو اطمینان رہے، ایک ثلث تجارت میں لگانا چاہئے تاکہ نفع سے مال بڑھتا رہے اور باقی ایک ثلث کا ثلث صدقہ کرنا اور دو ثلث گھر میں خرچ کرنا چاہئے، نفع سے جو آمدنی ہو اس کا انتظام بھی اسی قاعدے کے مطابق کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ باقی آمدنی کو چار حصے پر تقسیم کرنا چاہئے۔ ایک ربع ضروری خرچ کے لئے، ایک ربع وضعداری اور عزت و آبرو بنانے کے لئے، ایک ربع صدقے کے لئے اور ایک ربع جمع کے لئے بشرطیکہ یہ مقدار تین برس کے خرچ کے بقدر ہو۔ اگر جمع والے ربع کی مقدار تین برس کے خرچ سے زیادہ ہو تو اس سے اس قدر رکھ کر جو تین برس کے خرچ سے کم نہ ہو باقی کو صدقہ کر دے مال کو سود سے بڑھانا حرام ہے۔ اور اس ذریعہ سے اصل پر جس قدر زیادہ اضافہ ہوگا اسی قدر زیادہ گناہ ہوگا، صرف شودر کو سود لینے کی اجازت ہے۔ اس شرط کے ساتھ نفع پر اس (اصل کو پچاسویں حصے (۲½ یا دو روپیہ سیکڑہ) سے بڑھنے نہ پائے (باب ۶۷)

جو اس کے ہموطنوں کیلئے ایک عجیب چیز تھی۔ ایسے زمانہ میں البیرونی ہی تنہا شخص تھا۔ جو اتنی مختلف زبانیں جانتا تھا۔

سنہ ۱۰۲۱ء میں محمود نے پنجاب کو غزنہ کی سلطنت کا ایک حصہ بنایا۔ اور ایک مسلمان حکمران کے ماتحت یہ سرزمین جس میں ہندوؤں کی آبادی تھی، ایک پرامن جگہ بن گئی تو اہل علم اور لشکری آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے لگے، البیرونی کو بھی ہندو کلچر کے مطالعہ کا موقع ملا، وہ عربی زبان میں ہندوؤں کے علم ریاضی و ہیئت کا مطالعہ کر چکا تھا، غزنہ کے قیام میں وہ ہندوؤں کے علوم و فنون سے براہ راست واقف ہوا۔ غزنہ مشرق کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا مرکز، اور محمود جیسے طاقتور اور لایق حکمران کا پایہ تخت تھا، یہ شرق قریب اور وسط ایشیا کے لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا۔ ہندوستان کی بھی یہاں نمایندگی تھی، بہت سے ہندوستانی سپاہی، کاریگر، راجا اور اہل علم جنگ کے موقع پر گرفتار ہو کر وہاں گئے۔ ان میں بہت سے وہیں رہ گئے۔ کیونکہ وہ اگر آزاد ہو کر واپس بھی آتے تو ان کی سوسائٹی ان کو قبول کرنے کو تیار نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ ترکوں کے یہاں رہنے سے نجس اور ناپاک سمجھے جاتے، اس وقت افغانستان میں ہندو بھی آباد تھے، جو اپنے قومی ادب اور ثقافت سے بیگانہ نہیں ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے کچھ ذہین لوگ ہوں گے، ہندوؤں کے علوم و فنون سے دلچسپی رکھنے والے البیرونی کو نگاہ تحسین سے دیکھتے، البیرونی نے غالباً غزنہ ہی میں

(بقیہ حاشیہ ص ۷۲) قاضی، یا جج، مدعی سے لکھا ہوا دعوی طلب کرتا ہے۔ جو مدعا علیہ کے خلاف مشہور رسم خط میں جو اس قسم کے کاموں کے لئے موزوں سمجھا جاتا ہے، تحریر کیا گیا ہو اور دلیل بھی اس میں درج کر دی گئی ہو، اگر تحریر نہ ہو تو گواہوں کی گواہی لی جائیگی، اور کافی سمجھی جائیگی۔ گواہوں کی تعداد چار سے کم نہ ہونی چاہئے، زیادہ ہو سکتی ہے، لیکن اگر گواہ کی

سنسکرت مغربی پنجاب کی زبانین اور ہندوستانی علوم کا مطالعہ شروع کیا اور جب پنجاب مین ترکون کی حکومت قائم ہوئی تو وہ شاید مغربی پنجاب کے بعض مقامات مین آیا، جہان اسکو برہمنون سے علمی مدد ملی، وہ ملتان مین بھی آکر مقیم ہوا جو ہندوؤن کا ایک مقدس مقام تھا۔ اور جہان غالباً سنسکرت زبان کو بڑا فروغ حاصل ہو چکا تھا۔

البیرونی نے سنسکرت کے علوم وفنون کا کافی مطالعہ کیا اور پھر سنسکرت کی بہت سی کتابون کا ترجمہ کیا۔ اور اسی طرح عربی مین سنسکرت کی اہم کتابین منتقل کین، زخاؤ نے سنسکرت مین البیرونی کی قابلیت کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے، اور اس کے عربی ترجمون کو سنسکرت کی اصل سے ملا کر جانچا ہے، اور پھر ایسے تمام سنسکرت کے الفاظ اکٹھے کئے ہین جن کو البیرونی نے فارسی یا عربی رسم الخط مین استعمال کیا ہے، ایسے الفاظ اس لحاظ سے مفید ہین کہ انکے ذریعہ سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ گیارہوین صدی مین مغربی پنجاب کے پنڈت کیسے تلفظ کرتے تھے۔ [illegible]
اور بڑے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ محمود کے سکون پر سنسکرت کے الفاظ پائے جاتے ہین، اس کے سکون پر ایک طرف تو کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے، اور دوسری طرف سنسکرت مین اس کا ترجمہ "اوی اکتم ایکم محمد اوتار" ہے، یہ صحیح ترجمہ تو نہین، کیونکہ مسلمان محمد کو اوتار نہین مانتے، وہ آپ کو انسان ہی سمجھتے ہین۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۳) راست بازی قاضی کے نزدیک مسلم ہو تو وہ اس کی اجازت دیتا اور صرف ایک گواہ پر قطعی فیصلہ کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ خفیہ تحقیقات اور ظاہری علامات سے استدلال واقعات معلومہ کی بنا پر ہر دوسری بات کے قیاس کرنے اور اصلی حالت کو سمجھنے کی تدبیر سے بھی وہ قطع نظر نہین کرتا۔

سب سے بڑا گناہ برہمن کا قتل ہے۔ اس گناہ کا نام برہم ہت ہے، اس کے بعد گائے کے قتل کا جرم ہے۔ تب شراب خواری، اس کے بعد زناکاری خصوصاً اس عورت کے ساتھ

محمود غزنوی جیسے بادشاہ کے لئے سکون پر سنسکرت لکھوانا ایک حیرت انگیز بات ضرور ہے لیکن غالباً یہ اس کی سیاسی ہوشمندی کا ثبوت ہے، جب پنجاب اس کی سلطنت کا جز ہو چکا تھا تو اس نے یہاں کی ہندو آبادی کو اپنی طرف اس طرح مائل کرنا چاہا۔ اور یہ اسکی عالی دماغی اور فراخدلی کی دلیل تھی۔ لیکن محمود کی یہ رواداری یقیناً البیرونی کی موجودگی کے سبب ظاہر ہوئی اس کی کتاب الہند اس کا ثبوت ہے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ دوستانہ اور وسیع المشربانہ لگاؤ رکھتا اور ان کے علوم وفنون کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اور اسی نے محمود کو سکون پر سنسکرت لکھوانے کے لیے آمادہ کیا ہوگا۔ اور یہ کسی برہمن کے کہنے پر نہ کیا گیا ہوگا، اس مین شک نہین کہ ہندوستان کی زبانین جاننے والے محمود غزنوی کے جلو مین رہتے تھے کیونکہ ایک موقع پر ایک راجپوت راجا نے محمود کو کچھ ہندی یعنی اپ بھرنش کبتا ئین پیش کین جن مین ترک سپاہیون کی شجاعت کی تعریف کی گئی تھی کہ انھون نے ہاتھیون کا خوب مقابلہ کیا۔ محمود نے جب انکا ہندی یعنی اپ بھرنش جاننے والون سے اس کا ترجمہ سنا تو بہت خوش ہوا، لیکن یہ امید نہین کی جاتی ہے کہ محمود غزنوی کو سکون پر سنسکرت لکھوانے کے لیے کسی برہمن نے آمادہ کیا ہوگا وہ اگر کسی کے اصرار کو قبول کر سکتا تھا۔ تو وہ البیرونی ہی تھا اس لحاظ سے البیرونی کی قدر

(بقیہ حاشیہ ص ۷۰) جس کو باپ یا استاد سے تعلق ہو، لیکن حکام برہمن یا کشتر سے قصاص نہین لیتے بلکہ اس کا مال ضبط کر کے، اپنے ملک سے نکال دیتے ہین ..... چوری کے جرم مین چور کی سزا چوری کی حیثیت کے مطابق ہوتی .... برہمن کی آنکھ نکلوا لیتے ہین، اور اس کا ایک طرف ہاتھ اور دوسری طرف کا پانون کٹوا دیتے ہین، آنکھ نہین نکلواتے اور ان دونون کے سوا دوسرون کو قتل کر دیتے ہین. .... (باب ۷۰)

کاتک کے پہلے دن کا نام دیوالی ہے، جو برج میزان مین اجتماع یعنی آفتاب

اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کہ وہ زبان اور کلچر کے معاملے مین لوگون کی خود ارادیت کا قائل تھا، خصوصاً جب لوگون کا تمدن بلند ہو، گوتم بودھ کا مسلک یہ تھا کہ اس کی تعلیمات لوگون کی زبانون ہی مین پھیلائی جائین، اس طرح اس نے اپنے چیلون کو آزادی کا پروانہ دے رکھا تھا، اور یہی آزادی گیارہوین صدی مین پنجاب کے ہندوؤن کو دی گئی، اور اس کا سہرا البیرونی جیسے وسیع المشرب اور روشن خیال اہل علم ہی کے سر پر ہے۔ اور آج دس صدی گزر جانے کے بعد بھی اس جلیل القدر انسان کو ہم احترام اور عقیدت کا خراج اس لئے پیش کرتے ہین کہ وہ نہ صرف ایک بڑا لائق اہل علم تھا۔ بلکہ اپنے عہد کا سب سے زیادہ وسیع المشرب اور فراخدل ودّہ علم تھا، اور ذہنی ترقی کا چراغ راہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰) دماہتاب کے اکٹھے ہونے کا دن ہے، اس دن غسل اور آرائش کرتے اور پان کا پتہ اور سپاری ایک دوسرے کے پاس تحفہ بھیجتے، صدقہ کرنے کے لئے دیو ہرون مین جاتے اور دوپہر تک کھیل تماشے کرتے اور رات کے وقت ہر جگہ نہایت کثرت سے چراغ جلاتے ہین کہ ہوا تک روشن ہو جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ باسدیو کی بیوی لکشمی اس دن ہر سال بیروجن کے بیٹے راجہ بل کو جو ساتوین زمین مین قید ہے۔ آزاد کرتی اور دنیا مین نکال لاتی ہے، اس لئے اس دن کا نام بل راج یعنی بل کی حکومت کا دن ہے، لوگون کا خیال ہے کہ راجہ بل کرتا جگ مین تھا، جو خیر یعنی نیکی کا زمانہ تھا، اور ہم لوگ اس لئے خوشی کرتے ہین کہ آج کا دن اس زمانے کا مشابہ ہے۔ (باب ۷۶)

پانچوین جھلک

محمد غوری اور اسکے جانشین

از

پروفیسر اشیر بادی لال سریواستو صدر شعبۂ تاریخ وسیاسیات آگرہ کالج آگرہ

غور[1] کا پہاڑی علاقہ غزنی اور ہرات کی پہاڑیون کے درمیان واقع ہے، دسوین صدی عیسوی مین یہ ایک آزاد ریاست تھی۔ اور ایک ایرانی النسل تاجک خاندان کے زیر نگین تھی، جو تاریخون مین شنسبانی خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے حکمران محمد بن سوری کو محمود غزنوی نے ۱۰۰۹ء مین شکست دے کر اپنا محکوم بنالیا تھا، جس کے بعد سے غور کے حکمران غزنی کے باج گذار رہے۔ لیکن جب ۱۰۳۰ء مین محمود غزنوی کی وفات ہوئی۔ تو غوریون نے زوال پذیر غزنویون کے حالات سے پورا فائدہ اٹھایا، اور دونون سلطنتون مین جھگڑے شروع ہوئے، جو برابر جاری رہے۔ غور کے علاءالدین حسین جہان سوز نے غزنین کو بالکل تباہ و برباد کردیا۔ وہ ۱۱۶۱ء مین مرا تو اس کی جگہ سیف الدین تخت نشین ہوا اس کا جانشین اس کا چچازاد بھائی غیاث الدین ہوا، اس نے غزنین کو اپنے قلمرو مین داخل کرلیا، وہ خوارزم

---

[1] یہ اقتباس پروفیسر اشیر بادی لال سری واستو کی کتاب "دی سلطنیت آف ڈلہی" سے لیا گیا ہے، جو ۱۹۵۳ء مین آگرہ سے شایع ہوئی تھی۔

شاہ سے بھی برسرِ پیکار رہا، اور خراسان کے نواحی علاقوں پر قابض ہو گیا۔ لیکن آخر میں اندخود میں
شکست کھائی۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کی طرف مائل ہوا۔ اس نے ۱۱۷۳ء میں غزنین کا
علاقہ وسط ایشیا کے ترکمانی غز سے حاصل کر کے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین عرف معز الدین
محمد کے سپرد کیا۔ محمد ایک مستعد اور حوصلہ مند حکمران تھا۔ غزنین میں اس کی حکومت آزاد تھی،
لیکن وہ سکوں پر اپنے بھائی ہی کا نام کندہ کراتا رہا۔ اور اس کی پوری اطاعت اور فرمانبرداری کی
پنجاب غزنین کی حکومت کا ایک جز تھا، اس لئے محمد نے اپنے کو اس کا وارث تصور کیا۔ وہاں
اس وقت خسرو شاہ (یا خسرو ملک) کی حکومت تھی جو محمود غزنوی ہی کے خاندان سے تھا۔
غوریوں کو خوارزم شاہ سے لڑنے کے لئے اپنے لاہور کے غزنوی دشمنوں اور ملتان کے قرامطوں
کا قلع قمع کرنے کی ضرورت پڑی۔ پھر یہ سپاہیانہ شوکت و حشمت کا عہد بھی تھا۔ اس لئے محمد
غوری فطری طور پر فتح و تسخیر کی امنگوں سے سرشار تھا۔ دوسرے لائق اور حوصلہ مند سرداروں
کی طرح اس نے بھی ایک بڑی سلطنت قائم کر کے دولت اور وقار حاصل کرنا چاہا۔ وہ ایک
اچھا مسلمان بھی تھا۔ اس لئے پیغمبر اسلام کا پیام بھی ہندوستان تک پہونچانا جانتا تھا۔ لیکن
وہ مذہبی ہونے سے زیادہ سیاسی آدمی تھا۔ اس کو اشاعت اسلام سے زیادہ فتح و تسخیر کا خیال
تھا، فتح کے بعد اشاعت اسلام تو خود بخود ہو گئی۔

محمد غوری کی پہلی فوج کشی ۱۱۷۵ء میں ملتان کے خلاف ہوئی۔ یہ صوبہ اس وقت قرامطہ
کے زیرنگین تھا۔ محمد نے اس کو فتح کر کے یہاں اپنا ایک والی مقرر کیا۔ وہ پھر اچہ کی طرف
بڑھا۔ اس کو تسخیر کر کے پورے سندھ کو اپنے قبضہ میں لانا چاہا، اس لئے سندھ کے زیریں
علاقہ میں یلغار کر کے یہاں کے سومر حکمرانوں سے اپنا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرایا۔
محمد نے انھلواڑا (پٹن) کی طرف بھی یلغار کیا۔ جو اس وقت گجرات کے بگھیلا خاندان کے

راجہ بھیم ثانی کا دارالسلطنت تھا۔ یہ راجہ کمسن تو تھا۔ لیکن بہت بہادر اور جانباز تھا۔ اس کے پاس بہت بڑی فوج بھی تھی، اس لیے اس نے محمد غوری کو ایسی شکست فاش دی، گو وہ بیس سال تک اسکی طرف متوجہ نہ ہوا۔[1]

اس شکست کے بعد محمد غوری کو یہ اندازہ ہوا کہ ہندوستان کی تسخیر سندھ اور ملتان کی راہ سے نہیں ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کا دروازہ پنجاب کی طرف سے کھل سکتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی راہ بدل دی، اور پنجاب ہو کر ہندوستان کے قلب تک پہونچنے کی کوشش کی، اس نے پشاور پر حملہ کیا، جس کو غزنویوں سے ۱۱۷۹ء مین اپنے لئے حاصل کر لیا۔ اور دو سال کے بعد لاہور کی طرف بڑھا، خسرو نے اس کے پاس تحائف کو ساتھ اپنا ایک لڑکا بطور ضمانت کے بھیجی اس کامیابی نے محمد غوری کی ہمت اور بڑھائی، اور ۱۱۸۵ء مین اس نے پھر پنجاب پر فوج کشی کی، اور سیالکوٹ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور یہاں اپنی فوج تعینات کر دی، خسرو نے اپنی مدافعت کے لئے گکھڑوں سے تعاون حاصل کیا۔ جو جموں کے راجہ چکر دیو سے اچھے تعلقات نہیں رکھتے تھے

---

[1] جوامع الحکایات دو، مع الروایات مین ہے کہ سلطان شہید معزالدنیا والدین محمد سام کو نہروالہ کی فتح مین ناکام ہو کر غزنین لوٹتے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے اور وہ اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے جنگی تیاریون مین مصروف تھا کہ کسی نے عرضی لکھ کر بھیجی کہ نہروالہ مین ایک مشہور (ہندو) سوداگر ہے جس کا نام وسالہ ابھر ہے۔ وہ ہمیشہ لاکھون کا مال تجارت کی غرض سے ان علاقون مین بھیجا کرتا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی اس کا دس لاکھ کے قریب کا مال غزنین مین آیا پڑا ہے۔ اگر بادشاہ سلامت چاہین تو اس مال کو ضبط کر کے خزانے مین بھیجوایا جا سکتا ہے۔ اس سے نہ صرف خزانہ معمور ہوگا بلکہ شاہی شان و شوکت مین بھی اضافہ ہوگا۔ سلطان نے عرضی کی پشت پر لکھ دیا کہ وسالہ ابھر کا یہ مال اگر نہروالہ مین ہوتا اور وہان

محمد غوری نے چکر دیو سے ایک سمجھوتہ کیا۔ اور چکر دیو نے اس کو پنجاب پر حملہ کرنے کی دعوت دی، اور اسی کے کہنے پر سیالکوٹ مین محمد غوری نے اپنی فوج رکھی، جمون کے نئے راجہ دیجے دیو نے بھی محمد غوری کا ساتھ دیا، مگر پھر بھی محمد غوری لاہور پر قبضہ نہ کر سکا، لیکن ۱۱۹۲ء تک ملتان، سندھ اور لاہور غور کی عملداری کے حصہ بن گئے، اور پنجاب مین غزنویون کی حکومت ختم ہو گئی، اس صوبہ پر محمد غوری کے استیلا نے ہندوستان کی تسخیر کے لئے دروازہ کھول دیا۔ اب اس کی سلطنت کی سرحد اجمیر اور دہلی کے بہادر راجہ پرتھوی راجہ کی سلطنت سے مل گئی، راجپوتون کو مسلمان ترکون سے سبکتگین کے زمانے سے سابقہ پڑ رہا تھا۔ ان کو اپنے ہمسایون کے طریقۂ جنگ سے واقفیت ہو چکی تھی، اور دسوین گیارھوین صدی کے راجپوتون سے نسبتاً زیادہ واقف کار ہو گئے تھے، زوال پذیر غزنوی خاندان کے فوجی سردارون سے ان کی جھڑپین ہوتی رہتی تھین، گو یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ وہ زیادہ ہوشیار بھی ہو گئے تھے۔ ان جھڑپون سے وہ چوکنا ضرور رہتے تھے، بلکہ قنوج اور اجمیر کے راجاؤن نے تو اپنی فوجین بھی درست کر لی تھین، اور پنجاب مین غزنویون کے علاقہ پر چھاپے بھی مارا کرتے تھے، اس طرح

(بقیہ حاشیہ ص ۷۹) اس پر قبضہ کیا جاتا تو ہمارے لئے حلال تھا۔ لیکن غزنین مین اس مال پر قبضہ کرنا ہمارے لئے حرام ہے۔ یہ اسی انصاف پسندی کی برکت تھی کہ دو سال بعد بادشاہ کریم قطب الدنیا والدین نے دہلی سے نکل کر نہروالہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے چھوڑا،

اسی جوامع الحکایات مین مسلمانون کے ساتھ نہروالہ (انہلواڑہ) کے ایک ہندو راجہ کی رواداری اور عدل کا بھی ایک عجیب و غریب قصہ ہے، جو ملاحظہ ہو،

مولف کتاب محمد عوفی کہتا ہے کہ ایک ایسی حکایت مین نے اس وقت سنی تھی جب مجھے کھمبایت جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ شہر گجرات نہروالہ کے اضلاع مین سے ہے، اور ساحل دریا پر آباد ہے۔ یہان خوش عقیدہ، پاک مذہب، اور مسافر نواز سنی مسلمانون کی ایک جماعت

وہ محمد غوری کے طریقہ جنگ سے ویسے ناواقف نہین رہ گئے تھے، جیسے محمود غزنوی کے حملون کے زمانے مین تھے۔

اجمیر کے چوہان راجہ پرتھوی راج کو سب سے پہلے محمد غوری کا سامنے کرنا پڑا، اس کی سلطنت اجمیر سے دہلی تک تھی۔ اس لئے وہی شمال مغرب سرحد کی نگرانی کا ذمہ دار تھا، چوہانون نے اس سرحد پر بھٹنڈہ تک کئی حصار بنا رکھے تھے۔ تاکہ شمال مغرب مین حملون کی روک تھام کر سکین۔ لیکن محمد غوری نے ۱۱۹۰ء مین بھٹنڈا کا محاصرہ کیا۔ تو پرتھوی راج شاید اس کی مدافعت کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے اس کو چھوڑ دینا پڑا اور محمد غوری نے وہان اپنا والی ضیاء الدین کو مقرر کر دیا اور جب سلطان واپس جا رہا تھا۔ تو پرتھوی راج بھٹنڈا کی بازیافت کے لئے اس قلعہ کے پاس نمودار ہوا، مبالغہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس دو لاکھ سوار اور تیس ہزار ہاتھی تھے۔ محمد کو پلٹ کر بہادر چوہان راجہ سے لڑنا پڑا، اور ترائین کے گاؤن کے پاس ۱۱۹۱ء مین ایک لڑائی ہوئی۔ پرتھوی راج کا لشکر بڑے جوش و خروش سے لڑا،

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰) سکونت پذیر ہے۔ زیادہ آبادی ہندوون کی ہے۔ مگر ایک مختصر سی تعداد مین آتش پرست بھی بستے ہین۔ مسلمان جماعت کی زبانی سننے مین آیا کہ رائے جے سنگھ کے عہد حکومت مین اس شہر مین ایک جامع مسجد تھی، جس کے مینار پر چڑھ کر موذن اذان دیا کرتا تھا، ایک روز پارسیون کے اکسانے سے ہندوون نے مسلمانون پر حملہ کر دیا اور اسی مسلمان تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔ مسجد جلادی اور مینار مسمار کر دیا۔ مسلمانون کا خطیب جس کا نام علی تھا۔ بھاگ کر نہروالہ آیا اور راجا تک فریاد پہونچانے کی کوشش کی۔ لیکن ہندو درباریون نے مذہبی تعصب کی بناء پر راجا تک اس کی رسائی نہ ہونے دی۔ ایک دن راجہ نے شکار کا ارادہ کیا۔ خطیب غریب کو موقع ہاتھ آیا، راجا کی شکار گاہ کے راستے مین

اور محمد غوری کو شکست فاش دی، خود محمد غوری بری طرح زخمی ہوا، لیکن کچھ خلجی فوجی سردار اس کو میدان سے نکال کر بچا لے گئے، پرتھوی راج بھٹنڈا کا محاصرہ تیرہ مہینے کرنے کے بعد اسکو حاصل کر سکا۔۔

یہ محمد غوری کی دوسری شکست تھی، اس نے اس پسپائی مین زیادہ ذلت محسوس کی، غزنین پہونچکر وہ رات کو چین کی نیند نہین سویا۔ بلکہ رنج و غم مین وقت گذارا، اور پھر شکست کا بدلہ لینے کی خاطر ایک لشکر جرار تیار کیا۔ اور جب ایک منتخب فوج کے ساتھ غزنین سے روانہ ہوا تو اس کے جلو مین ایک لاکھ بیس ہزار آزمودہ سوار تھے۔ لاہور پہونچکر اس نے قوام الملک کو پرتھوی راج کے پاس قبول اطاعت کا پیام دیکر بھیجا اس نامہ و پیام سے محمد غوری کو مزید تیاری کے لئے کچھ وقت بھی مل گیا۔ اور وہ اس طرح پرتھوی راج کو مغالطہ مین بھی رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن چوہان کا بہادر راجہ آسانی سے دام مین نہ آسکا، وہ بھٹنڈا کی طرف بڑھا، اور دوسرے راجپوت راجاؤں سے تعاون کی درخواست کی، فرشتہ کا بیان ہے کہ پرتھوی راج کے ساتھ پانچ لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی تھے۔ یہ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۸۱) ایک درخت کی اوٹ مین جا کر بیٹھ رہا، راجا کی سواری پہونچی تو جھپٹ کر سامنے آیا اور راجا کو قسمین دین کہ ہاتھی ٹھیرائیے اور اس کی گزارش سن لے۔ جب راجا نے ہاتھی ٹھہرایا تو خطیب کے دردناک حادثے کی پوری تفصیل جسے وہ ہندی اشعار کی صورت مین لکھ کر لایا تھا۔ راجا کے گوش گزار کی، یہ سرگزشت سن کر راجا نے خطیب کو ایک مصاحب کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کی حفاظت اور خاطر مدارات کی جائے اور دوبارہ حکم ملنے پر پیش کیا جائے، شکار سے لوٹنے پر راجا نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ مین تین دن تک نہ تو محلات سے

بہر حال پھر تراین مین دونون لشکرون کی مڈبھیڑ ہوئی، سلطان نے اپنی فوج کے پانچ حصے کئے، چار تو جارحانہ حملے مین مشغول کئے گئے۔ اور ایک عقب مین محفوظ رکھا گیا، منہاج سراج نے لکھا ہے کہ ترائین کے حدود مین سلطان نے صف آرائی کی تو عقب مین جھنڈے، پرچم، اور تھوڑی فوج ہاتھیون کے ساتھ چند کروہ کے فاصلہ پر چھوڑ دی، اور جب اس کی فوج کی صفین مرتب ہوگئین تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اور برہنہ سوارون کو دس دس ہزار کے چار حصون مین تقسیم کیا، اور اور حکم دیا کہ وہ میمنہ، میسرہ، خلف، اور قدام کی طرف سے غنیم پر تیرون سے حملہ کرین، اور جب غنیم سوارون اور ہاتھیون سے حملہ کرین تو وہ پیٹھ پھیر لین، اور اپنے گھوڑون کو انسے دور کر لین۔ اور پھر پلٹ کر تیز حملہ کرکے ان کو عاجز کر دین" راجپوت بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن وہ محمد غوری کے طریقۂ جنگ کے سامنے قدم نہ جما سکے، ان پر چارون طرف سے حملے ہوئے تو وہ لڑتے لڑتے تھک گئے۔ اور جب شام ہو رہی تھی تو محمد غوری نے عقب سے اپنی تازہ دم فوج بھیجی، جس نے پرتھوی راج کی تھکی ہوئی فوج کو اور بھی بے دم کر دیا، پرتھوی راج

(بقیہ حاشیہ ص ۸۲) باہر نکلون گا اور نہ کسی کو باریابی کی اجازت دون گا، اس لئے تم امور سلطنت کی اچھی طرح نگرانی رکھنا اور مجھے تنگ نہ کرنا۔ اسی رات راجا جے سنگھ ایک سانڈنی پر سوار ہو کر تن تنہا کھمبائت کی طرف چل پڑا، نہروالہ سے کھمبائت چالیس فرنگ کی مسافت پر ہے راجہ نے ایک رات اور ایک دن برابر سفر کیا۔ اور دوسرے دن شام کو کھمبایت پہونچا، پائکون کا بھیس بدل تلوار کمر مین ڈال رات کے اندھیرے مین شہر کے اندر داخل ہوگیا، شہر کے بارونق حصون اور بازارون مین ہر موڑ اور ہر ناکہ پر ٹھیر ٹھیر کر سن گن لی، اور پوچھ گچھ کی۔ ہر ایک کی زبانی یہی سننے مین آیا کہ مسلمانون پر بڑا ظلم ہوا اور سیدھے سادے بے گناہ بے قصور مارے گئے۔ مسلمانون کی مظلومی کا یقین ہونے پر راجہ شہر سے نکلا، دریا کے پانی سے اپنی چھاگل

کا سپہ سالار کھنڈے راے مارا گیا، جس نے محمد غوری کو ترائین کی پہلی جنگ مین شکست دی تھی، اور زخمی بھی کیا تھا۔ پرتھوی راج بددل ہوگیا۔ وہ اپنے ہاتھی سے نیچے اترا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہونا چاہتا تھا کہ گرفتار ہوگیا، اور محمد غوری کو پوری فتح حاصل ہوگئی۔۔۔۔۔ (یہ بات لکھنے کے لایق ہے کہ جنگ مین پرتھوی راج کی طرف سے افغان اجیر سپاہی اور محمد غوری کی جانب سے راجہ بھون کا بیٹا اپنے ہم مذہبون کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ دیکھو فرشتہ جلد اول ص ۵۸، اور ٹراورٹی ص ۴۶۷)

یہ جنگ ہندوستان کی تاریخ مین اس لئے اہم ہے کہ اسی کے بعد محمد غوری کو ہندوستان مین برابر کامیابی حاصل ہوتی گئی، چوہان کی فوجی قوت بالکل ختم ہوگئی۔ جس کے بعد غوری نے ہانسی کہرام سرستی جیسے اہم جنگی مقامات حاصل کر لیئے، اور اس نے ہندوستان مین ترکون کی سلطنت کی بنا ڈال دی، لیکن اس کو اندازہ ہوا کہ پرتھوی راج کی حکومت کا نظم ونسق اپنے ہاتھ مین لینا مناسب نہین، اس لئے پرتھوی راج کے لڑکے کو خراج ادا کرنے

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳) بھری اور نہر والہ کی طرف روانہ ہوا تیسرے روز رات کے وقت ادبی راج دھانی مین آپہونچا صبح کو دربار ہوا، مصاحبون اور درباروارون کو بلایا، راجا نے خطیب کو جس مصاحب کے حوالے کیا تھا۔ اس کو حکم دیا کہ اسے پیش کرے، جب وہ اس کو لے کر حاضر ہوا تو راجا نے خطیب سے خطاب کر کے کہا" اپنا معاملہ پیش کرو"، خطیب نے اپنا استغاثہ پیش کیا، تو ہندوؤن کی جماعت نے خطیب کو جھٹلانے اور معاملے کو دبانے کی کوشش کی۔ یہ رنگ دیکھ کر راجا نے اپنے آبدار کو حکم دیا کہ رات کو پانی کی جو چھاگل تمہین دی تھی وہ لاؤ اور درباریون کو اس کا پانی چکھاؤ"، درباریون نے چھاگل کا پانی چکھا تو کھاری ہونے کی وجہ سے پہچان گئے کہ سمندر کا پانی ہے۔ اب راجا نے بتایا کہ"مذہبی اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوے مجھے تم مین کسی پر

کی شرط پر اس کا وارث تسلیم کر لیا، اسی طرح تومر راجہ کھنڈے رائے کے جانشین کو دہلی کی گدی پر بٹھایا۔ البتہ اس نے اندرپرست میں اپنے بڑے معتمد فوجی سردار قطب الدین ایبک کو ایک فوج کے ساتھ تعینات کیا۔

اس بڑی کامیابی کے بعد محمد غوری غزنین واپس ہوگیا۔ اور اس کی فتوحات کا نگہبان قطب الدین ایبک رہا۔۔۔۔۔۔۔ جو راجپوتوں کی بغاوت کو فرو کرتا رہا۔ اور جب محمد غوری قنوج اور بنارس کے راجہ جے چند کے خلاف مہم پر روانہ ہوا تو قطب الدین ایبک بڑی فوج لیکر اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسلمان مورخوں کا بیان ہے کہ جے چند تمام ہندو راجاؤں میں سب سے بڑا راجا تھا، وہ پرتھوی راج کا حریف تھا اسلئے اس نے محمد غوری کے خلاف اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اب اس کو تنہا جنگ کرنی پڑی۔۔۔۔۔ قنوج اور اٹاوہ کے درمیان جمنا کے ساحل پر چند اور کے پاس ۱۱۹۴ء میں جنگ ہوئی۔۔۔۔۔۔۔ محمد غوری کامیاب رہا، جس کے بعد اس کی عملداری میں ایک اور بڑی سلطنت آگئی۔۔۔۔ لیکن ۱۱۹۸ء

بقیہ حاشیہ ص ۸۴) اعتماد نہ تھا۔ اسی لئے میں خود کھمبایت جاکر مسلمانوں کی مظلومی اور دوسرے فریق کی ستمگاری کا حال معلوم کر کے آیا ہوں، مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس جماعت پر جو میری پناہ میں ہو ظلم کیا جائے۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ کھمبایت کے ہر ایک فرقہ مثلاً برہمنوں یا کیونوں (مندوں) کے دو دو سرداروں اور آتش پرستوں کے سرداروں کو سزا دی جائے، ساتھ ہی ایک لاکھ بالوترہ عنایت کئے کہ مسجد اور مینار نئے سرے سے تعمیر کئے جائیں، خطیب کو چار چھتر بخشے، جو بڑے قیمتی رنگین اور ریشمی کپڑے سے تیار کئے گئے تھے یہ چھتر آج بھی مسلمانوں کے پاس محفوظ ہیں اور وہ ان کو عید کے موقع پر نکالتے ہیں، مسجد اور مینار بھی چند سال پہلے تک موجود تھے، مگر بالارا کے لشکر نے جب نہروالہ پر حملہ کیا تو یہ مسجد

تک قنوج شہر پر اس کا قبضہ نہ ہو سکا اور جب اس پر اس کا قبضہ ہوا تو گہداوردن نے اس کو

پھر واپس لے لیا۔۔۔۔۔۔۔

محمد غوری فن سپہگری مین محمود غزنوی کے مقابلہ مین کم تر درجہ کا سپاہی تھا۔ محمود غزنوی

کو ہندوستان مین شکست نہین ہوئی، لیکن محمد غوری نے ہندو راجاؤن سے شکست کھائی

وہ شوکت اور حشمت مین محمود غزنوی کا مقابلہ نہین کر سکتا ہے۔ لیکن اپنی عملی تدبیرون، تعمیری

صلاحیتون اور مفید کامون مین محمود غزنوی پر فوقیت رکھتا ہے، محمود کی طرح اس نے بھی

ہندوستان کی زبون حالی کا صحیح اندازہ کیا، لیکن محمود صرف حصول دولت مین لگا رہا، اور

محمد نے ایک بڑے علاقہ کو فتح کر کے ایک سلطنت قائم کر دی، اس کے لئے دولت صرف

دولت کی خاطر کوئی اہم چیز نہ تھی، وہ ایسی مملکت چاہتا تھا۔ جو اپنے جانشینون کے لئے

بعد چھوڑ سکے، اس لحاظ سے اس کا مقصد محمود سے زیادہ بلند تر تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۸۵) اور مینار دوبار برباد کئے گئے، بعد ازان سعید بن شرف یمنی نے ان کو اپنے

خرچ پر سہ بارہ تعمیر کرایا۔ اور چار طلائی گنبدون کا اضافہ کر کے اسلامی طریقے کو زندہ کیا چنانچہ

یہ مسجد اور مینار آج بھی باقی ہین (جلد دوم باب ششم حکایت نمبر ۱)

مسلمان بلند اخلاق اور اونچے کردار رکھنے والے ہندو راجاؤن کی قدر اچھی طرح کرتے اور

ان کے اوصاف اپنی کتابون مین درج کر کے ان کو سراہتے، چنانچہ عوفی جوامع الحکایات مین

لکھتا ہے۔ نہروالہ مین گورپال نامی ایک راجا تھا۔ وہ ہندوستان کے دوسرے راجاؤن

مین سب سے زیادہ نیک، انصاف پسند، اور عقل مند تھا۔ راج پاٹ ملنے سے پہلے برسون

سادھوؤن کی زندگی بسر کر کے دنیا کے بھلے برے سے واقف اور دکھ درد سے آشنا ہو چکا تھا

اور زمانے کی سردی اور گرمی کا مزہ چکھے ہوئے تھا۔ اس لئے جب وہ راجا ہوا تو اس نے

اس کی کامیابی کا بڑا راز یہ تھا۔ کہ وہ صورت حال کا صحیح اندازہ کرتا اور اس پر قابو پا لیتا اور پھر مضبوط ارادہ کے ساتھ اپنے مقصد کی تکمیل مین لگا رہتا۔ اس مین غیر معمولی صبر و استقلال تھا۔ اور وہ اپنی کسی شکست کو قطعی شکست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ وسط ایشیا مین اپنے جلیل القدر حریف خوارزم شاہ کے خلاف زیادہ کامیابی حاصل نہین کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنی ساری صلاحیت اور قوت ہندوستان ہی مین قدم جمانے مین صرف کر دی، وہ دوسرون کی سیرت کو بہت صحیح طریقہ پر پرکھتا۔ اس نے اپنے غلامون مین سے جس کسی کو محبوب بنایا، وہ اس کے بڑے معتمد ثابت ہوئے، اس کے کوئی لڑکا نہ تھا لیکن اس کے غلامون مثلاً قطب الدین ایبک نے اس کے کارنامون کی تکمیل کی، وہ محض ایک سپاہی نہین تھا۔ بلکہ کلچر کے فروغ کی طرف بھی متوجہ رہا، اس کے دربار مین فخر الدین رازی، نظامی عروضی جیسے فضلا و شعرا بھی تھے۔ وہ ہندوستان مین ترکون

(بقیہ حاشیہ ص ۸۶) راج کی قدر جانی اور پرجا کی عزت پہچانی عدل و انصاف کو ملحوظ رکھا اور بخشش و کرم سے کام لیا۔ کہتے ہین کہ راجا ایک دن ہاتھی پر سوار نہروالہ کے دروازے سے باہر جا رہا تھا کہ اتنے مین ایک خوبصورت دھوبن پر نظر پڑی جو سرخ رنگ کے کپڑے پہنے گھاٹ کی طرف کپڑے دھونے جا رہی تھی، راجا نے اس کا حسین چہرہ دیکھا تو سو جان سے عاشق ہو گیا۔ بے اختیار ہو کر حکم دیا کہ ہاتھی اس کی طرف بڑھایا جائے۔ ہاتھی کچھ دور گیا تھا کہ راجا کو ہوش آیا۔ دل ہی دل مین سوچا کہ "مین یہ کیا کر رہا ہون، پرائی عورت سے ملنے کا خیال بڑا پاپ ہے" اس خیال کے آتے ہی اس نے ہاتھی لوٹایا۔ محل مین پہونچ کر برہمنون کو بلایا اور کہا "لکڑیان اکٹھی کر کے آگ جلاؤ، مین جلنا چاہتا ہون" برہمنون نے حیران ہو کر پوچھا "آپ نے ایسا کون سا پاپ کیا ہے" راجا نے سارا واقعہ سنایا تو برہمنون نے ایک زبان ہو کر کہا ہے

کی سلطنت کا اصل بانی تھا۔

محمد غوری کے ہاتھون ہندوستان والون کی شکست کے اسباب دو حصون مین تقسیم کئے جا سکتے ہین، (۱) عمومی اور (۲) خصوصی عمومی اسباب تو یہ تھے کہ یہان سیاسی اتحاد نہ تھا۔ ہر راجہ تنہا جنگ کرتا تھا۔ اور وہ اپنے ملک اور قوم کی خاطر لڑائی نہین لڑتا، بلکہ صرف اپنے راج اور علاقہ کی مدافعت کرتا تھا۔ نازک موقعون پر بھی تمام راجا کسی حملہ آور کے خلاف متحد نہ ہوتے، اس سیاسی انتشار کے ساتھ کوئی اچھی تنظیم اور قیادت بھی نہین رہ گئی تھی، فوجی نظام تو بالکل ہی فرسودہ تھا لشکر بالکل غیر مرتب ہوتا لشکریون کے پاس اسلحہ بھی کافی طور پر نہ رہتے، اور فوجی سردار طریقۂ جنگ کی روز افزون ترقی سے تو بالکل ناواقف ہوتے۔ بیرونی ملکون مین فنون جنگ مین ترقی اور تبدیلی ہوتی رہتی اور ہندوستان کے لوگ اس لحاظ سے بالکل جامد تھے، اسی لئے وہ اسلحہ اور طریقۂ جنگ مین اپنے غنیمون کے مقابلے مین قدم نہین جما سکتے تھے۔ بابر نے اپنی خود نوشتہ سوانح عمری مین ۱۵۲۶ء مین لکھا ہے کہ ہندوستانی مرنا جانتے ہین لڑنا نہین جانتے ہین۔ یعنی وہ بہادر تو تھے، اور میدان

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) راجا کے لئے پرجا کی بہو بیٹیون کو بری نظر سے دیکھنا بڑا پاپ ہے، کیونکہ راجا اپنے پرجا کا باپ ہوتا ہے، اگر وہ دوسرے خاندان کی بہو بیٹیون پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا تو ان خاندانون کی عزت خاک مین مل جائیگی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ خود جل کر اپنے پاپ کو جلا ڈالین؛ چنانچہ لکڑیون کا ڈھیر لگا کر اور گھی چھڑک کر آگ جلائی گئی، جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو راجا اٹھا اور آگ مین کودنے کے خیال سے آگے بڑھا، آگ کے قریب پہونچا ہی تھا کہ پیچھے سے برہمنون نے آکر دامن پکڑ لیا۔ اور بولے "بس کیجئے مہاراج آپ کا پاپ مٹ چکا، آپنے اس کا بدلہ چکا دیا۔ کیونکہ پاپ جو کچھ کیا آپ کے من نے کیا تھا۔ بدن نے نہین کیا، اگر آپ کا بدن پاپ کرتا تو ہم اسے جلا دیتے، چونکہ من نے پاپ کیا تھا اور وہ اب تک برائی

جنگ مین کٹ مرنے سے بالکل نہین ڈرتے تھے۔ لیکن وہ لڑائی کے موقع پر دشمنون کی کمزوریون سے فائدہ اٹھانا نہین جانتے تھے۔ اور نہ ان کے طریقۂ جنگ کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرتے۔ راجپوتون کو تو اپنی شمشیرزنی ہی پر زیادہ فخر رہتا۔ اور لڑائی کو محض ایک کھیل سمجھتے جس مین وہ اپنے کرتب، بہادری اور جانبازی کا تماشہ دکھلاتے۔ ترک لڑائی جیتنے کے لیے لڑا کرتے تھے۔ اور جنگ مین ہر چیز کو جائز سمجھتے۔ اور پھر ہندو عوام تو فوجی سردارون اور لشکریون سے بالکل تعاون نہین کرتے اس لیے نہین کہ ان کو ان انقلابات سے کوئی دلچسپی نہین تھی، بلکہ اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ لڑنا ان کا کام نہین ہے۔ اور ان کو یہ بھی اطمینان رہتا کہ ان کا حال بدستور سابق قائم رہیگا دہلی کی سلطنت پر کسی کا قبضہ ہو جائے۔ اگر فوج کے پیچھے عوام کی بھی طاقت ہوتی، اور فوج کی شکست کے بعد وہ بھی لڑنے کے لئے تیار رہتے تو پھر راجپوت راجا ایک لڑائی ہی کی شکست کو فیصلہ کن چیز نہین سمجھتے، اور وہ مقابلہ کے لئے از سر نو تیار ہو سکتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۸۸) احساس کی آگ مین جلتا رہا، اس لئے اس کی سزا ختم ہوئی۔ چنانچہ برہمن راجا کو آگ کے پاس سے ہٹا لیگئے راجا نے ایک لاکھ بالوترے دان کئے۔ (جلد اول، باب اول حکایت نمبر ۹)

نہروالہ (انہلواڑہ) کے لوگون کی دیانت داری کی بھی ایک حکایت عوفی نے لکھی ہے۔ جو سننے کے لایق ہے، وہ لکھتا ہے کہ شہر نہروالہ مین کسی ہندوستانی سوداگر نے ایک دلال کے پاس نو لاکھ بالوترے امانت رکھوائے تھے۔ کچھ عرصے بعد سوداگر کا انتقال ہو گیا تو دلال نے اس کے لڑکے کو بلا کر کہا بہت عرصہ ہوا کہ تمھارے باپ نے نو لاکھ بالوترے میرے پاس امانت کے طور پر رکھوائے تھے وہ لے لو۔ لڑکے نے جواب دیا مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہین۔ شاید کسی بہی مین لکھے ہون، منگا کر دیکھتا ہون۔ بہی کھاتے منگوا کر دیکھے گئے تو کسی مین بھی اس رقم کا اندراج نہ تھا۔ اس پر لڑکے نے کہا کہ اگر میرے باپ نے تمھارے پاس نو لاکھ بالوترے رکھے ہوتے تو کھاتا ہوتا تو ان مین ضرور درج

محمود غزنوی اور محمد غوری دونون ایسی صدمہ پہونچانے والی تدبیرین اختیار کرتے جس سے
ہندوستانی جلد بدل اور سراسیمہ ہوجاتے، وہ بڑی سرعت سے لشکر پر بلہ بولتے، اور شہرون کو
آگ اور تلوار سے تباہ کر دیتے۔ ان کے اس طریقۂ جنگ سے ایک عام خیال پیدا ہوگیا تھا کہ
محمود کی فوجین شکست سے بالاتر ہین، سیاسی انتشار اور فوجی کمزوریون سے روز بروز یہ خیال
راسخ ہوتا گیا کہ ترکون کے حملون کو روکنا ایک شورش بے مدعا ہے۔ ترکون مین انکی مذہبی حمیت
اور حربی سرگرمی بھی ان کو ہمت دلاتی رہتی لیکن ہندوستانیون کے سامنے کوئی نصب العین نہین تھا،
جنگ جیتنے کے لئے حوصلہ بڑھانے والا نصب العین اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسلحہ اور
فوجی تربیت،

اوپر تو عمومی اسباب لکھے گئے، خصوصی اسباب یہ تھے کہ ترک میدان جنگ مین
اترتے تو اپنے دشمنون کی کمزوریون کا مطالعہ کرتے، اور ان سے فائدہ اٹھاتے۔ ہندوستانی
راجہ اپنے دشمنون کی کمزوریون سے بالکل بے خبر رہتے۔ ترک لڑائی شروع کرنے سے پہلے میدان
جنگ کا بھی جائزہ لیتے، اور اس کے جغرافیہ سے پوری واقفیت حاصل کرلیتے۔ ہندوستانی
راجہ اپنے لشکر کو قدیم طریقہ ہی پر صرف تین حصون مین تقسیم کرتے، دائین بائین اور مرکز، اور دو بدو
لڑا کرتے، ترکون کی فوج کے کئی حصے ہوتے یعنی تین کے علاوہ ایک تو آگے ہوتا، اور ایک پیچھے
ہوتا، پیچھے کا حصہ محفوظ رکھا جاتا اور جب دشمن پسپا ہوتے نظر آتے تو یہ آگے بڑھ کر ان کو

(بقیہ حاشیہ ص ۸۹) مگر چونکہ ایسا نہین ہے۔ اس لئے مین تم سے یہ رقم نہین لے سکتا۔ الغرض دلال
اصرار کرتا تھا کہ "تمھاری رقم ہے، تمھین لینی ہوگی"، اور لڑکا انکار کرتا تھا کہ مین ہرگز نہین
لے سکتا، کیونکہ میرے کھاتے مین درج نہین۔ ہوتے ہوتے یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ دونون
کو فیصلے کے لئے راے جے سنگھ کے دربار مین جانا پڑا، راجانے دونون کے بیانات سن کر کہا کہ

بالکل ختم کردیا .... اور راجپوت راجاؤن سے بعض اوقات احمقانہ غلطیاں سرزد ہوجاتیں،
مثلاً جے پال کو جب شکست ہوئی تو مزید مقابلہ کرنے کے بجائے شرمندگی مین چتا مین جل کر مرگیا،
پھر ہاتھی بھی جنگ کے لئے مفید نہ تھے۔ ان پر تیرون کی بارش ہوتی تو وہ خوفزدہ ہوکر میدان
جنگ سے بھاگ جاتے۔ ہندو لشکری زیادہ تر تلوار سے لڑتے، لیکن ترک کے محبوب اسلحے، تیر و کمان
تھے، ترک بڑے تیز گام سوار بھی ہوتے، ہندوستان کی گھوڑیاں ان کے گھوڑون کا مقابلہ نہین
کرپاتی تھین۔ ان سوارون کے آگے پہاڑ جیسے ہاتھی بھی بیکار ہوجاتے۔

قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۰ء تک، ہندوستان مین محمد غوری کا جانشین قطب الدین ایبک ہوا، ترکستان مین ایک ترک خاندان مین پیدا ہوا، جب بچہ ہی تھا تو اس کو
نیشاپور مین ایک غلام کی حیثیت سے فروخت کردیا گیا۔ اور وہان کے ایک قاضی نے خرید لیا، جب
اس کے آقا کا انتقال ہوگیا تو اس کے لڑکون نے اس کو پھر فروخت کردیا، اور بالآخر وہ محمد غوری کا

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰) اگر تم دونون مین سے کوئی بھی یہ رقم رکھنے کو تیار نہین تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے
کہ اس کو کسی ایسے مصرف مین لے آؤ جس سے خدا کی مخلوق کو فائدہ اور مرنے والے سوداگر کو
ثواب پہونچتا رہے۔ چنانچہ اس رقم سے نولکھا تال بنایا گیا، جو دنیا مین اپنی نظیر نہین رکھتا اور
جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، یہ تال آج تک باقی ہے (باب ششم جلد اول حکایت نمبر ۲)

سلہ رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد کے ایک فاضل مضمون نگار جناب دھرم پال صاحب نے
اکتوبر ۱۹۴۴ء مین ایک مضمون "ہندوستان کے نظام حکومت مین غلامون کے اثرات"
کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا۔ ذیل مین ہم اس کے بھی اقتباسات دیتے جاتے ہین،
ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت قائم ہوئی، تو اس کو دو خطرات لاحق تھے؛
منگولون کا بیرونی حملہ، اور اندرونی بغاوت، ان دونون خطرات پر محض غلامون کی وجہ سے

غلام ہو گیا، نیشاپور میں اس نے اپنے آقا کے لڑکوں کے ساتھ شہسواری سپہگری اور نوشت و خواند سیکھا، غزنین میں محمد غوری اس کی جرات شکل و صورت اور خصوصاً فیاضی دیکھ کر اسکی طرف متوجہ ہوا، اس نے اپنی اطاعت گذاری اور وفاداری کا ایسا ثبوت دیا کہ وہ ایک مختصر فوج کا سردار بنا دیا گیا۔ پھر وہ امیر آخور کے عہدہ پر مامور ہوا اور ۱۱۹۲ء میں ترائین کی دوسری جنگ کے بعد ہندوستانی علاقے اسی کے سپرد کر دیئے گئے، اور اس نے اپنے آقا کا نائب بن کر دہلی کے قریب اندرپست کو صدر مقام بنایا۔

محمد غوری کی شروع سے خواہش رہی کہ قطب الدین ایبک ہندوستان میں اس کا جانشین ہو اسی لئے ۱۲۰۶ء میں اس نے ایبک کو اپنے تمام اختیارات عطا کر کے ملک کا خطاب دیا، اور جب محمد غوری کی وفات ہوئی تو لاہور کے باشندوں نے اس کو مدعو کر کے زمام سلطنت اس کے ہاتھ میں دی، اس کی باضابطہ جانشینی ۲۴ جون ۱۲۰۶ء یعنی محمد غوری کی وفات کے

بقیہ حاشیہ ص (۹۱) قابل یاد ہے کہ رومیوں اور یونانیوں میں بھی غلامی کا رواج تھا۔ لیکن وہاں اسی سلسلہ میں بڑی ناخوشگوار باتیں ہوئیں، غلاموں کو کوئی آزادی نہ دی جاتی، اور انسانی محنت کی بڑی تذلیل ہوتی، غلام اجنبی سمجھے جاتے، اور دوسرے ان کو محض زندہ وسیلہ تصور کر کے استعمال کرتے۔ ان سے غیر انسانی محنت و مشقت کرائی جاتی، اور وہ آزاد آدمیوں سے علیحدہ جنس سمجھے جاتے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے غلام محض مال و متاع خیال نہیں کئے جاتے، وہ حقوق سے محروم نہیں رہتے، بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا، وہ غلام تھے، لیکن مساویانہ حقوق رکھتے تھے، مسلمانوں کی معاشرت کی اہم بات یہی ہے کہ اس میں بڑی معاشرتی مساوات ہوتی ہے، اصولی حیثیت سے تو غلام آقا کی ملکیت ہوتا۔ لیکن عملی طور پر وہ ان کا ایک فرد ہوتا، مسلمانوں کے معاشرہ کی مساوات محمود غزنوی کے ایک قصہ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ اپنے غلام ایاز کی بہن پر

تین مہینے بعد ہوئی........

قطب الدین ایبک ایک بہت بڑا جنرل تھا۔ اس نے اپنے فطری سپاہیانہ اوصاف کے باعث گمنامی اور غربت سے نکل کر قوت اور شہرت حاصل کی۔ اس میں غیر معمولی قسم کی ہمت اور جرات تھی۔ وہ ان لائق اور دلیر غلاموں میں تھا۔ جن کی بدولت محمد غوری کو ہندوستان میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اپنے آقا کے لئے ہندوستان کے بہت سے اہم شہروں اور علاقوں کی تسخیر کی۔ اور جب وہ خود بادشاہ بنا تو ملک گیری نہ کر سکا، کیونکہ وہ بے حد مشغول رہا۔ ایک لائق سپہ سالار ہونے کے علاوہ علوم سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، اس کا ذوق عمدہ تھا، اس لئے حسن نظامی اور فخر مدبر جیسے فضلاء کی سرپرستی کی، جنھوں نے اس کے نام پر اپنی اپنی کتابیں معنون کیں۔ اس کو تعمیرات سے بھی دلچسپی تھی، دہلی کی قوت الاسلام اور اجمیر میں ڈھائی دن کا جھونپڑا

(بقیہ حاشیہ ص ۹۲) زینت تھا ایک روز اس نے اپنے مصاحب ابونصر مشکانی سے کہا "مدت سے اس فکر میں ہوں کہ ایاز کی بہن سے نکاح کر لوں۔ لیکن اندیشہ ہے کہ تم لوگ مجھے پیٹھ پیچھے برا کہو گے۔ ابونصر نے جواب دیا" دنیا میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں، سامانی بادشاہ تو اکثر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ لوگ اسے برا نہیں سمجھتے بلکہ بادشاہ کی دیانت اور عفت کا نتیجہ خیال کرتے ہیں، حضور نے شاید سنا ہو کہ قباد نے ترکستان جاتے ہوئے شہر اسفرائن میں ایک کسان کی لڑکی سے نکاح کیا تھا جس سے نوشیروان پیدا ہوا، اسی طرح میں نے تاریخ عجم میں پڑھا کہ بہرام گور نے ایک دھوبی کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ یہ سن کر سلطان محمود نے ابونصر سے کہا کہ تو نے مجھے بہت بڑی کشمکش سے نجات دلائی۔ اور دو روز بعد سلطان نے ایاز کی بہن سے نکاح کر لیا۔۔۔۔ غلام ذلیل نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ بڑی فیاضی کے ساتھ سلوک کیا جاتا۔ قطب الدین کو جب قاضی فخر الدین نے خریدا، تو اس کی تعلیم و تربیت

مسجدین اسی کی بنائی ہوئی ہین، مسلمان اہل قلم اسکی فیاضی کی تعریف کرتے ہین، اور اس کو لکھ بخش (یعنی لاکھون روپیہ کا بخشنے والا) لکھتے ہین۔۔۔۔ اس کی پالیسی مین مذہبی روشن خیالی تو نظر نہین آتی۔ لیکن اس نے دو مرتبہ مفتوح ہندو راجاؤن کی خاطر محمد غوری کے فیصلہ مین مداخلت کی، اس مین تکوینی صلاحیتین نہ تھین، اسی لئے نظم و نسق کے ادارے نہین قائم کرسکا، اور انتظامی اصلاحات کرنے سے بھی قاصر رہا، لیکن اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہندوستان کا تعلق غزنین سے ختم کر دیا جس کے بعد اس ملک پر سے غزنین کا اقتدار اعلیٰ جاتا رہا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۳) اس کے لڑکون کے ساتھ ہی ہوئی، اور جب خواجہ جمال الدین نے بصرہ مین بلبن کو خریدا تو وہ اس کو اپنے لڑکون ہی کی طرح سایۂ عاطفت مین رکھا، قطب الدین التمش کو اپنا فرزند کہا کرتا تھا۔ اختیار الدین تگین ایک غلام تھا، لیکن معز الدین کا دربار ی بن گیا، اور اس کا نکاح سلطان معزالدین بہرام شاہ کی بہن سے ہوا، یلدوز کی ایک لڑکی قطب الدین ایبک اور دوسری ناصر الدین قباچہ سے بیاہی گئی، اس معاشرتی مساوات سے بڑا فائدہ پہونچا، مسلمانون کی معاشرت مین علحدگی اور دوری پیدا نہین ہونے پائی، غلامون کو ترقی کرنے کے ہر قسم کے مواقع ملتے رہے اسی لئے مسلمانون کی معاشرت مین تازگی باقی رہی اور اقتدار صرف چند خاندانون تک محدود نہین رہا، ادنیٰ درجہ کے افراد بھی سبقت کرکے حکومت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے، قطب الدین، التمش اور بلبن سب ہی غلام تھے لیکن ان کی قابل قدر صلاحیتون نے ہندوستان مین مسلمانون کی سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کردیا، اور ترک چہلگان نے مسلمانون کی سلطنت کو مضبوط بنانے مین نمایان حصہ لیا۔

ضرورت زمانہ کی وجہ سے غلام رکھے جاتے، جب آمد و رفت کے وسائل کی بڑی کمی تھی تو ایک حکمران کے ماتحت ایک بڑے علاقہ کا رہنا آسان نہ تھا، صوبون مین جو حاکم مقرر کئے جاتے،

آرام شاہ
۱۲۱۰ء تا ۱۲۱۱ء

ایبک سلطنت کی تاسیس کے چار سال کے اندر ہی اس کے بانی قطب الدین ایبک کی وفات ہو گئی تو اس کے ہم جلیسوں میں بڑا انتشار پھیلا، لاہور مین امراء نے اس کے لڑکے آرام شاہ کو تخت پر بٹھایا، لیکن دہلی کے باشندون نے اس ناکارہ نوجوانکو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ان کا خیال تھا کہ اس نازک موقع پر حکومت سنبھالنے کیلئے کسی لائق سپاہی اور آزمودہ کار ناظم کو تخت پر بیٹھنا چاہئے، اس لئے انھون نے التمش کو مدعو کیا، جو بدایون کا مقطع اور قطب الدین ایبک کا داماد بھی تھا۔ التمش نے یہ دعوت قبول کر لی لیکن آرام شاہ اس کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوا، دہلی مین یہ انتشار دیکھ کر اودھ کے حاکم

(بقیہ حاشیہ ص ۹۴) ان کو پوری آزادی حاصل رہتی، اور وہ دوری سے فائدہ اٹھا کر کبھی تو سلطان سے سرکش ہو جاتے یا اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے، خود دربار مین ریشہ دوانیان جاری رہتین، اور ممتاز امراء سازش کر کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے، اسی لئے سلطان اپنے اردگرد لایق اور اطاعت گذار آدمیون کو جمع رکھتا، غلام اپنے آقا کے بڑے وفادار ہوتے اور ضرورت کے وقت ان کے لئے اپنی جانین قربان کر دینے مین عذر نہ کرتے، اسی لئے سلاطین بھی ان کے ساتھ بڑے اچھے سلوک کرتے، سب سے پہلے محمد غوری نے غلامون کی اہمیت کا اندازہ لگایا، اور جب اس کے ایک درباری نے اس سے کہا کہ اس کے کوئی اولاد نرینہ تو نہین ہے، اس کے بعد اس کا جانشین کون ہوگا؟ تو محمد غوری نے جواب دیا کہ میرے غلام میرے لڑکے ہین، وہی میرے جانشین ہونگے، اور وہی میری وفات کے بعد میرا نام خطبہ مین زندہ رکھینگے، سلاطین لایق بہادر، ذہین، اور ہونہار غلامون کی خریداری مین بڑی سی بڑی قیمت ادا کرتے، التمش نے قمر الدین کرانی تمور کو پچاس ہزار سلطانی درہم مین خریدا، جمال الدین چشتی نے التمش کو محمد غوری کے ہاتھ ایک ہزار اکنی دینار مین فروخت کرنے کی کوشش کی تھی،

التمش ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء

ناصر الدین قباچہ نے ملتان پر قبضہ کر لیا۔ اور بنگال مین علی مردان خلجی نے دہلی کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے روگردانی کی اس طرح آرام شاہ کی حکومت مین ہندوستان کی نئی ترک سلطنت چار آزاد ریاستون مین تقسیم ہو گئی، لیکن آٹھ مہینے کے اندر ہی آرام شاہ کی حکومت ختم ہو گئی، التمش کا پورا نام شمس الدین التمش تھا۔ وہ وسط ایشیا کے البری قبیلہ کے ایک معزز ترک خاندان مین پیدا ہوا، لیکن اس کے حاسد بھائیون نے اس کو ایک تاجر جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا، جو اس کو غزنین لے آیا، وہان سے دہ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۵) محمد غوری کو یہ قیمت بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ اس لئے اس نے حکم دیدیا کہ اس کو کوئی نہ خریدے لیکن قطب الدین نے محمد غوری کو بالآخر التمش کو خریدنے پر رضامند کر لیا۔ ہونہار اور ذہین غلامون کی مانگ برابر جاری تھی۔ اس لئے تاجر غلامون کو اچھی تعلیم و تربیت دیتے اور پھر سلاطین اور امراء کے یہان لاکر فروخت کرتے، یہ غلام موجودہ زمانے کے حبشی غلامون کی طرح نہ ہوتے تھے کہ فرنگی صرف مزدوری کے لئے خریدا کرتے ہین، بلکہ یہ غلام بعض اوقات بڑے اونچے خاندان کے ہوتے، منگولون کے ایلغار کے زمانے مین بعض اعلیٰ خاندانون کے افراد گرفتار کئے جاتے تو ان کو غلامون کی طرح فروخت کر دیا جاتا، التمش کا باپ ترکستان کے ایک قبیلہ کا سردار تھا۔ اس کے بھائیون کے رشک و حسد مین اسکو زبردستی ایک تاجر کے ہاتھ بیچ دیا بلبن کا باپ بھی ترکستان کے البری قبیلہ کے دس ہزار خاندانون کا خان (سردار) تھا، ملک تاج الدین ارسلان خان شام اور دمشق کے خوارزمی امراء کے خاندان کا فرزند تھا۔ وہان سے وہ گرفتار کر کے بازار مین غلام کی حیثیت سے فروخت کیا گیا۔

سلطان کے محل کے تمام عہدیدار غلامون ہی مین سے منتخب کئے جاتے، ان سے پہلے

دہلی آیا، اور قطب الدین کا غلام بنا اس میں بچپن ہی سے ہونہار ہونے کے تمام آثار موجود تھے، ایبک کی طرح وہ بدصورت ہونے کے بجائے حسین وجمیل بھی تھا۔ اس نے سپہگری کی بھی تربیت پائی تھی اور نوشت وخواند سے بھی واقف تھا۔ محمد غوری نے شروع ہی میں اندازہ کر لیا تھا کہ وہ آگے چل کر ترقی کریگا اس لئے اس نے قطب الدین کو ہدایت دی تھی کہ اس کی اچھی تربیت کرے کیونکہ اس سے بڑے بڑے کام انجام پائیں گے، وہ تیزی سے ترقی کرتا رہا، امیر شکار کے عہدہ پر مامور ہوا۔ گوالیار کی تسخیر کے بعد وہاں کے قلعہ کا نگران مقرر کیا گیا۔ اور پھر برن

(بقیہ حاشیہ ص ۹۶) کوئی چھوٹا عہدہ دیا جاتا۔ اور اگر وہ سلطان کو اپنی صلاحیت سے مائل کر لیتے تو ان کے مدارج بڑھتے جاتے، یہاں تک کہ وہ حکومت کے سربراہ بھی ہو جاتے، محل میں سب سے بڑا عہدہ وکیل در کا ہوتا، محل کے تمام عہدیدار، شاہی مطبخ، شاہی اصطبل حتیٰ کہ شاہی خاندان کے لڑکے اسی کی نگرانی میں رہتے، ملک سیف الدین یغان تت ایبک اور تاج الدین ارسلان دونوں غلام تھے، لیکن دونوں اس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہوئے امیر حاجب کا عہدہ بھی وکیل در کی طرح اہم تھا، وہ دربار کے تمام آداب ومراسم کا نگران ہوتا، دربار میں امراء اور عہدیداروں کے لئے وہی ان کے مناصب کے مطابق جگہیں متعین کرتا، اور اسی کے ذریعہ سلطان کی خدمت میں معروضات پیش کئے جاتے، اسی لئے یہ عہدہ بڑا اہم تھا، جو یا تو شاہی خاندان کے افراد یا بہت ہی معتمد امراء کے لئے وقف رہتا۔ التتمش کا غلام بدرالدین سنقرر ومی اس عہدہ پر مامور ہوا۔ بلبن کا بھائی ملک سیف الدین ایبک بھی اس خدمت کو انجام دیتا رہا، سلاطین کے ارد گرد محافظ بھی رہتے، جو جاندار کہلاتے، ان میں زیادہ تر شکیل، بہادر، اور قوی نوجوان ہوتے، اور وہ سلطان کے جلو میں برابر رہتے۔ جاندار زیادہ تر وفادار غلام ہوتے اور ایک معتمد امیر ان کا سردار ہوتا جو سر جاندار کہلاتا، جتنے غلام آگے چل کر نمایاں ہوئے

(بلند شہر) کا اقطاع دار مقرر ہوا، قطب الدین ایبک نے اپنی ایک لڑکی کو اس کے حبالۂ عقد میں بھی دیا۔ جس کے بعد وہ بدایون کا اقطاع دار ہوا، وہ تخت پر ۶۰۷ھ میں بیٹھا، جب اس نے زمام سلطنت ہاتھ میں لی تو اس وقت اس کی شہرت ایک ہوشمند مدبر اور ناظم کی حیثیت سے پھیل چکی تھی۔ اور اس کو غلامی سے خط آزادی بھی مل چکا تھا۔ اس میں عزم کے ساتھ کام کو انجام دینے کی پوری صلاحیت و لیاقت موجود تھی، اور قطب الدین سے زیادہ سنجیدہ، دیندار اور اعتدال پسند تھا، اسلامی قانون کے مطابق اقتدار اعلیٰ اسی کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے۔ جو سب میں اہل ہو، آرام شاہ اس کے مقابلہ میں بالکل ہی نا اہل

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷) وہ سب اس عہدہ پر مقرر کئے گئے تاج الدین سنجر کربت خان اور سیف الدین ایبک دونوں غلام تھے، لیکن سرجاندار رہے، سنجر کربت خان کی شجاعت مشہور تھی، شاہی اصطبل کا نگران اخور بک بھی اہم عہدیداروں میں سے تھا، ذہین اور ہونہار غلام اس عہدہ کے بڑے متمنی رہتے، کیونکہ اگر وہ اس فرض کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے تو پھر کہیں کے اقطاع دار بنا دیے جاتے، ایسے تمام غلام جو آگے چل کر ملک ہوئے، مثلاً تاج الدین سنجر تبر خان، عز الدین طغرل خان، قمر الدین قیران وغیرہ اس عہدہ پر ضرور مامور رہے، امیر مجلس سلطان کی نجی مجلسوں کا مہتمم ہوتا، اختیار الدین یوزبک طغرل خان جو غلام تھا۔ امیر مجلس بھی رہا۔ ایک دوسرا اہم عہدیدار امیر شکار ہوتا جس پر بلبن بھی فائز رہا، عدل و انصاف کا محکمہ امیر داد (؟) کے ذمہ ہوتا۔ جو سلطنت کی غیر حاضری میں سلطنت کا نگران بھی مقرر ہوتا، ملک سیف الدین کو یہ عہدہ بھی تفویض ہوا تھا۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے عہدے بھی غلاموں ہی کو دیے جاتے، مثلاً عز الدین طغرل خان اور اختیار الدین قرقش شاہی ساقی رہے۔ اختیار الدین التونیہ سرآبدار، اختیار الدین رومی طشت دار، اور اختیار الدین یوزبک طغرل خان چاشنی گیر کے عہدے پر رہے۔ غلام نیچے زینہ سے چڑھ کر اوپر پہونچتے تو ان کو بہت سے مفید تجربات حاصل ہو جاتے، اس طرح وہ فرائض اور ضبط و نظم کی اہمیت کو

نا اہل تھا، اس لئے دہلی کی تخت کے لیے التمش ہی سب سے زیادہ موزون سمجھا گیا۔

وہ ایک بہادر لیکن محتاط سپاہی تھا۔ اور بڑا کامیاب فوجی سردار بھی ثابت ہوا۔ اس کے اوصاف مین اس کی جرات ہوشمندی، اعتدال پسندی اور انجام بینی خاص طور نمایان ہین، وہ ایک لایق اور کامیاب ناظم سلطنت بھی تھا۔ ایک غلام کا غلام تھا، لیکن محض اپنے کارنامونکی وجہ سے تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوا اور ایک ربع صدی تک حکومت کرتا رہا۔ قطب الدین کو شہاب الدین غوری اور اس کی سلطنت کی حمایت حاصل تھی، لیکن شمس الدین نے سب کچھ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۸) اچھی طرح سمجھتے اور عوام کی زندگی سے پوری واقفیت رکھتے۔

غلامون کو ترقی کرنے کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ان کی کئی قسمین ہوتین، ہندستان کے ابتدائی مسلم حکمران اور ان کے امرا زیادہ تر فوجی تھے، اس لئے وہ شجاعت، دلیری، جانبازی اور وفاداری کو بہت پسند کرتے اور ان اوصاف کا صلہ دل کھول کر دیتے، تاج الدین سنجر کریت خان بڑا بہادر سپاہی تھا، اپنی مردانگی، جرات اور اولوالعزمی کے لئے مشہور تھا، اور اس کے سپاہیانہ اوصاف مین اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ شہسواری اور اسلحہ کے استعمال مین تو اس سے کوئی ہمسری نہین کر سکتا تھا، وہ دو گھوڑون پر ایک ساتھ سواری کرتا تھا، ایک پر سوار رہتا اور دوسرے کو پیچھے رکھتا، اور جب دونون گھوڑے بڑے رو مین ہوتے تو وہ اچک کر ایک کی پیٹھ پر سے دوسرے کی پیٹھ پر چلا جاتا، اس طرح وہ دونون پر سواری کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا۔ تیراندازی مین ایسا مشاق تھا کہ میدان جنگ مین کوئی سوار اور دو اور شکارگاہ مین کوئی جانور اس کی زد سے بچ نہین سکتا تھا، وہ شکار مین اپنے ساتھ کوئی شکاری چیتا یا باز یا کتا نہ لے جاتا۔ وہ ہر شکار کو اپنے تیر ہی سے بسمل کر دیتا، ایسے ہی بہادر اور تیز غلام سرجاندار کے عہدہ پر مامور ہوتے، جب محمد غوری کو گھرون کے خلاف جنگ کر رہا تھا تو

اپنی قوت بازو سے حاصل کیا۔ قطب الدین نے جو کام ناتمام چھوڑا تھا، التمش نے اس کو پورا کر کے شمالی ہند مین ترکون کی ایک مضبوط سلطنت قائم کر دی، اس نے ہندوستان مین محمد غوری کے فتح کردہ علاقون کو نہ صرف واپس لیا بلکہ راجپوتانہ اور موجودہ اترپردیش کے شمالی حصون کو بھی زیرنگین کیا، قطب الدین کے ہاتھون سے ملتان اور سندھ دونون نکل چکے تھے لیکن التمش نے ان کو پھر حاصل کیا، اس طرح ترکون کی سلطنت کا وقار پھر سے قائم ہو گیا۔ اور جب منگول ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو التمش نے اپنی سلطنت کو ان کے دست برد سے بالکل محفوظ رکھا، یہ وہی منگول تھے جن کے یلغار کے سامنے وسط ایشیا کی بڑی بڑی حکومتین سرنگون ہو چکی تھین اس نے اپنے ترک حریفون کو بھی مغلوب کیا، اور ان سے اقتدار اعلیٰ تسلیم کرایا، اس طرح اس نے ایک فوجی بادشاہت کی جو بنیاد ڈالی وہ خلجیون کے عہد مین اور بھی زیادہ مستحکم ہو گئی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۹۹) التمش بدایون سے لشکر لے کر اس کے پاس پہونچا وہ اپنی جانبازی اور سپہگری مین بہت مشہور ہو چکا تھا۔ اس نے گھمسان لڑائی کے موقع پر اپنا گھوڑا دریا مین ڈالدیا اور غنیم پر ڈٹ پڑا، محمد غوری نے اس کی یہ دلیری دیکھی تو اس کو اپنے پاس بلایا اور شاہی انعامات و عنایات سے نوازا، اچھی شکل و صورت بذلہ سنجی اور اچھے عادات و اطوار بھی غلامون کے لئے ضروری ہوتے۔ اگر ان مین یہ تمام چیزین ہوتین تو امیر مجلس، ساقی اور سر جاندار کے عہدون پر جلد پہونچ جاتے، عزالدین طغرل خان، اختیار الدین ایبت خان اور قمرالدین قیران بڑے شکیل غلام تھے اچھے اوصاف ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرنے مین بڑے معاون ہوتے، مثلاً اگر کوئی غلام اپنے آقا کی ضیافت بڑی فیاضی سے کر تو وہ جلد آقا کی آنکھون کے تارا بن جاتا۔ تاج الدین یلدوز محمد غوری کا غلام تھا، لیکن کرمان کا امیر بنا دیا گیا۔ محمد غوری جب کرمان ہو کر ہندوستان آتا تو

۵پہلا ترک حکمران ہے جس نے سکون پر عربی حروف لکھوائے، اس کے نقرئی سکون کا وزن ۵، ۱۷ رتی تھا۔ وہ علما و فضلا کا بھی بڑا قدر دان رہا۔ اس کو تعمیرات سے بھی دلچسپی رہی، دہلی کا قطب مینار اسی نے بنوایا ہے۔

وہ بڑا عابد و زاہد مسلمان تھا، پانچون وقت نماز بڑی پابندی سے پڑھتا۔ اور مذہب کے دوسرے مراسم کا بھی پورا لحاظ رکھتا، اور مسلمانون کے گمراہ مذہبی فرقون کے خلاف بڑے سخت اقدام کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔ علما و اس کی حکومت کے نظم و نسق مین برابر مفید مشورے دیتے رہے۔ لیکن وہ نظم و نسق کے سلسلہ مین ادارے اور محکمے قائم نہ کر سکا۔ اس لحاظ سے وہ تعمیر پسند مدبر نہین تھا۔ قطب الدین ہی کی طرح اس نے ملک کے پرانے ادارون کو برقرار رہنے دیا، حکومت کے صرف بالائی نظام مین اسلامی قوانین جاری کئے،

اس کی طرف تین اہم کارنامے منسوب کئے جا سکتے ہین،۔۔۔۔۔۔ (۱) اس نے ایک نوزائیدہ سلطنت کو ختم ہونے سے بچا لیا۔ (۲) اور اس کو ایک قانونی حیثیت دی (۳) اور دہلی کے تخت پر اپنے خاندان کی وراثت کو دوامی بنانے کی

(بقیہ حاشیہ ص۔۱۰۰) تاج الدین یلدوز سلطان کی دعوت بہت دھوم دھام سے کرتا اور اس کے ساتھ تمام امراو کو خلعت دیتا، اور نذرانے پیش کرتا، قطب الدین ایبک نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ محمد غوری نے ایک موقع پر اس کو گران بہا انعام دیا، لیکن اس نے یہ انعام فراشون اور دوسرے ادنی ملازمون مین تقسیم کر دیا، اور جب محمد غوری کو یہ معلوم ہوا تو اس کی فیاضی پر بہت خوش ہوا۔ اس زمانہ کی سوسائٹی زیادہ تر فوجیون ہی پر مشتمل تھی لیکن نیک سیرت اور پسندیدہ اخلاق والون کی قدردانی جاری تھی۔ ہندو خان مبارک اپنی نیکی اور پاکیزگی کردار کی وجہ سے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا، اور التتمش اور رضیہ

کوشش کی، اس کو ۱۲۲۹ء میں خلیفہ مستنصر باللہ کی طرف سے ایک خلعت بھی عطا ہوا، جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے سیاسی اقتدار کو مذہبی جواز بھی حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے کارناموں کی وجہ سے اس کو سلطنت دہلی کا پہلا بادشاہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن وہ واقعی ان تین خاندانوں کے بادشاہوں میں جو دہلی کے تخت پر ۱۲۰۶ء سے ۱۲۹۰ء تک بیٹھے، سب سے بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

رکن الدین فیروز شاہ ۱۲۳۶ء

التمش کا بڑا لڑکا ناصر الدین محمود اس کی زندگی ہی میں وفات پا چکا تھا، وہ اس کے تمام لڑکوں میں سب سے زیادہ لائق تھا، اس کی موت سے التمش کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کا دوسرا لڑکا فیروز کاہل، غیر ذمہ دار اور عیش پسند تھا۔ اس لئے التمش نے اس کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔ اس کے اور دوسرے لڑکے بالکل کمسن تھے۔ اس لئے اس نے اپنا جانشین اپنی لڑکی رضیہ کو بنایا۔ جو بہت ہی ذہین، دلیر اور لائق خاتون تھی۔ لیکن تخت پر کسی عورت کا بیٹھنا مسلمانوں کی تاریخ اور شریعت کے لئے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) عہد میں خازن سلطانی کے عہدہ پر مامور رہا۔ التمش نے غلاموں سے بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتا، اور اس کے غلام بھی اس کو ایک مہربان اور شفیق باپ ہی سمجھتے تھے۔ ملک سیف الدین شمسی داویک ہوا تو اپنی عدل پسندی، فراست، دیانت اور شریعت نوازی کے لئے مشہور ہوا، اور اس سے پہلے جتنے امیر دار ناجائز نفیس لیتے ان سب کو اس نے رکوا دیا۔ غلاموں سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہونچتی رہی، اور غلاموں کی افادیت کا اندازہ لین پول کی اس رائے سے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ ایک اچھے حکمران کے لڑکوں میں ناکام رہنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اسی حکمران کا ایک غلام اپنے آقا ہی کی طرح کامیاب ہوتا رہا ہے، یہ کوئی ضروری نہیں کہ لڑکوں میں باپ ہی کی طرح اوصاف ہوں، اور اگر ان میں اوصاف ہوتے بھی ہیں تو باپ کی دولت وقوت کی وجہ سے ان میں راحت پسندی اور

ایک بالکل انوکھی چیز تھی، التمش نے مخالفت سے نظر انداز کر کے رضیہ کا نام بھی سکون پر اپنے نام کے ساتھ منقوش کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ امراء اس کی زندگی ہی مین اس کی جانشینی پر رضامند ہو جائین لیکن جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی مرضی کے خلاف رکن الدین فیروز شاہ تخت پر بٹھا دیا گیا۔ وہ خود تو فراخ دل تھا لیکن اس کی مان شاہ ترخان بڑی چالاک تھی، اور اس نے محل مین سازش کر کے درباریون اور امراء کو اپنا ہمنوا بنا رکھا تھا۔ .... لیکن تھوڑے ہی دنون مین اندرونی و بیرونی خلفشار شروع ہو گیا۔ سندھ اور اچہ پر غزنین کا حکمران سیف الدین قرلغ حملہ آور ہو گیا، اودھ مین بھی بغاوت ہو گئی، پھر ملتان، لاہور، ہانسی اور بدایون کے اقطاع دارون نے مل کر فیروز کو معزول کرنے کی کوشش کی۔ ...... اور بالآخر سات مہینے کے بعد رضیہ تخت پر بیٹھی۔

رضیہ ۱۲۳۶ء تا ۱۲۴۰ء	تخت نشینی کے وقت دہلی کے عوام و خواص رضیہ کے ساتھ تھے، لیکن

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲) تن آسانی پیدا ہو جاتی ہے جو ان کے اوصاف کو زائل کر دیتے ہین۔ لیکن غلامون مین وہی نمایان ہوتا جس مین سب سے زیادہ اہلیت و صلاحیت ہوتی، وہ اپنی جسمانی اور دماغی خوبیون ہی کی وجہ سے ترقی کر سکتا تھا۔ اور پھر اپنی سرگرمیون ہی کی بدولت اپنے حاصل کردہ اعزاز کو برقرار بھی رکھ سکتا تھا۔ اور اگر اس مین یہ ساری باتین نہ ہوتین اس کی تقدیر پر مہر لگ جاتی۔

نپولین کا یہ اصول تھا کہ وہ لایق لوگون ہی کو آگے بڑھاتا۔ اس کے بہت سے فوجی سردار ادنیٰ حیثیت سے اعلیٰ جگہون پر پہونچ گئے، ہندوستان مین شروع کے مسلمان حکمرانون کا بھی یہی اصول تھا۔ اور اسی اصول کی وجہ سے غلامون کا نظام خود بخود عمل مین آگیا، محمد غوری کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لئے اس نے لایق غلامون کی تربیت مین پوری دلچسپی لی، چنانچہ

بدایون، ملتان، ہانسی اور لاہور کے اقطاع دار اس کے مخالف رہے، رکن الدین فیروز کا وزیر
نظام الملک جنیدی بھی ان سے جا کر مل گیا، اور ان تمام امراء نے مل کر دہلی کی طرف یلغار کیا،
رضیہ ان کے مقابلہ مین بے بس ہو گئی۔ لیکن اس نے اپنے تدبر سے کام لیا۔ اور ان مین ایسا اختلاف
پیدا کر دیا کہ وہ آپس ہی مین لڑنے جھگڑنے لگے، اور ان کی یکجہتی ختم ہو گئی تو رضیہ نے ان کو مغلوب
کر لیا، رضیہ کی اس ہوشمندانہ تدبیر سے اس کا وقار بڑھ گیا۔ اور اس نے حکومت کے نظام کی نئی
تشکیل کر کے خواجہ مہذب الدین کو وزیر بنایا، اور نئے نئے اقطاع دار مقرر کئے، اس طرح لکھنوتی اور
دیبل تک اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ لیکن امراء ایک مضبوط اور مطلق العنان حکمران کو تخت پر
دیکھنا پسند نہین کرتے تھے، کیونکہ وہ سارے اختیارات اپنے ہی ہاتھون مین رکھنا چاہتے تھے۔
اسی لئے وہ رضیہ کی مخالفت کرتے رہے۔ مذہبی طبقہ رضیہ کو اس لئے نہین پسند کرتا تھا کہ
وہ مردانہ لباس پہنتی، کھلے بند گھوڑے پر سواری کرتی اور خود دربار مین موجود رہتی اور اپنی حکومت
کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی کوشش کرتی .... اس کی حکومت صرف ساڑھے تین
سال تک رہی، لیکن اس نے بلا شبہ اپنے کو ایک غیر معمولی کامیاب حکمران ثابت کیا،"

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳) قطب الدین نے اپنے آقا کو تسخیر ہند مین بڑی مدد دی، اس نے ہانسی، میرٹھ،
دہلی، رنتھنبور اور نہر والہ کو فتح کیا، اس کے دوسرے فوجی سردار محمد بن بختیار خلجی نے بنگال اور
بہار کو تسخیر کیا۔ اگر محمد غوری کا جانشین اس کا کوئی نالائق لڑکا ہوتا۔ تو ہندوستان مین مسلمانون
کی سلطنت کی بنیاد مستحکم نہ ہوتی۔ قطب الدین کا وارث اس کا نا اہل لڑکا آرام شاہ ہوا لیکن
خوش قسمتی سے قطب الدین ایبک کے ایک لائق غلام التمش نے اس کو معزول کر دیا،
اس وقت مسلمانون کی نوزائیدہ سلطنت بڑے خطرہ مین تھی۔ جب چنگیز خان ہندوستان کے
دروازے پر پہونچ چکا تھا تو سوچنے کی یہ بات ہے کہ اگر آرام شاہ تخت پر ہوتا تو ہندوستان کی

تنہا خاتون تھی جو دہلی کے تخت پر جلوہ گر ہوئی، دلیر اور بہادر ہونے کے علاوہ کامیاب سپاہی اور جنرل بھی تھی، سیاسی سازشوں اور جوڑ توڑ میں بھی مشاق تھی، اس کی وجہ سے ہندوستان میں ترکوں کی سلطنت کا وقار بڑھا۔ اس نے تاج وتخت کی منزلت بڑھا کر اس کو مطلق العنان بنادیا۔ اور اپنے حکم کو امراء وملوک پر نافذ کیا . . . . قطب الدین اپنے کو امراء کا محض قائد سمجھتا، ایلتتمش اپنے امراء کے سامنے تخت پر بیٹھنے میں جھجکتا، رضیہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی ایلتتمش کے خاندان کے اور افراد اپنی شخصیت اور کردار کے لحاظ سے کمزور تھے، لیکن یہ صرف تنہا رضیہ ہی تھی جو اپنی صلاحیت اور لیاقت کی بناء پر سلطنت دہلی کی سیاست پر حاوی رہنے کی کوشش کرتی رہتی، طبقات ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ جلیل القدر، عاقل، عادل، کریم، عالم نواز، عدل گستر، رعیت پرور اور لشکر کش حکمران تھی، اس میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو ایک حکمران میں ہونی چاہئیں، لیکن ان تمام اوصاف کو لکھکر وہ کہتا ہے کہ یہ ساری خوبیاں اس کے کس کام کی تھیں؟ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے زوال کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورت تھی۔ اور ترک امراء ایک عورت کی حکومت پسند نہیں کر سکتے تھے لیکن اصلی وجہ یہ تھی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۴) قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا۔ ایلتتمش نے منگولوں کے خلاف نہ صرف ہندوستان کو محفوظ کر لیا، بلکہ اس نے اپنے حریفوں: قباچہ اور یلدوز پر بھی قابو پالیا۔ اور بنگال، گوالیار، مالوہ، اجین میں بھی اپنے اقتدار کو تسلیم کرا لیا۔ اس نے ایک بہت ہی نازک موقع پر زمام سلطنت کو ہاتھ میں لیکر اس کو مضبوط بنایا، اور ایلتتمش کے بعد جب اس کی اولاد میں جانشینی پر سخت اختلاف تھا۔ تو اس وقت بھی ایک غلام یعنی بلبن نے اقتدار حاصل کر کے سلطنت کو منگولوں کے خطرات اور ہندوؤں کی بغاوت سے بچالیا۔ جب منگول منگو خان کی قیادت میں اوچہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو بلبن ان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھا اور منگولوں

. . . . کہ امرا نے ایک فوجی جتھا بنا لیا تھا، اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے سلطان وقت کو محض ایک کٹھ پتلی بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے برخلاف رضیہ سارے اختیارات اپنے ہاتھ مین رکھ کر اپنے کو سب سے بالاتر بنانا چاہتی تھی، اس لئے اس کو برے دن دیکھنے پڑے۔ اس کا عورت ہونا ثانوی سبب تھا۔

معزالدین بہرام شاہ سنہ ۱۲۴۰ء سے سنہ ۱۲۴۲ء تک

التتمش کا تیسرا لڑکا بہرام شاہ اس شرط کے ساتھ تخت پر بیٹھایا گیا کہ وہ بادشاہ تو رہیگا، لیکن حکومت امراء کے ہاتھ مین ہی رہیگی اور امراء نائب مملکت مقرر کرین گے، یہ ایک نیا عہدہ تھا، جس پر اختیار الدین ایتگین مامور ہوا، مہذب الدین وزیر کے عہدہ پر مقرر کیا گیا، لیکن یہ عہدہ بالکل ہی غیر اہم ہو گیا۔ ترک فوجی امراء کے ہاتھون مین سارا اقتدار رہا۔ نائب مملکت نے شاہانہ حقوق کو بھی غصب کرنا شروع کر دیا، اور اس کے دروازہ پر بھی نوبت بجنے لگی، اس نے بہرام شاہ کی بہن سے شادی بھی کرلی، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۵) کی یورش برابر جاری ہی، لیکن بلبن کے بجائے اگر التتمش ہی کا کوئی نااہل لڑکا دہلی کی سلطنت پر ہوتا تو معلوم نہین اس کا کیا حشر ہوتا۔ بلبن نے فولادی عزم کے ساتھ حکومت شروع کی، میواتیون، گکھڑون، اور کٹھیر کے سرکشون کو فرو کیا۔ اور بنگال کی بغاوت کو اچھی طرح کچل دیا۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ غلام نہ ہوتے تو ہندوستان کی نوزائیدہ مسلم سلطنت منگولون کے حملون اور اندرونی بغاوتون سے ختم ہو گئی ہوتی، ان ہی غلامون مین سے ملک شیر خان نے سنام، لاہور اور دیپال پور کی نگرانی کی، ملک نصرت خان بدرالدین نے تبرہندہ، جھجو، لکھوال کو منگولون کے حملون سے محفوظ رکھا، ملک قمرالدین قران تمر نے اودھ کا علاقہ سنبھالا، اور اس نے ترہٹ تک کے راناؤن اور رایون کو باجگذار بنایا، ملک عزالدین طغرل طغان خان کے ذمہ لکھنوتی تھا، اور اس نے وہان سے ترہٹ کی طرف ایلغار کر کے بڑی دولت جمع کی، ملک تاج الدین

وہ بادشاہ سے زیادہ اہم ہو گیا۔ بہرام اپنی حق تلفی گوارا نہ کر سکا اس لئے اس کو قتل کرا دیا۔۔۔۔ دربار میں سازش کا ایک جال بچھ گیا۔۔۔۔ بالآخر مئی ۱۲۴۲ء میں بہرام خود بھی قتل ہوا۔

علاءالدین مسعود شاہ ۱۲۴۲ء۔۱۲۴۶ء

فوجی امراء اپنے ہی میں سے کسی کو تخت پر بیٹھا سکتے تھے لیکن ان میں بھی اتحاد نہ تھا اس لئے رکن الدین فیروز شاہ کا ایک کمسن لڑکا بادشاہ بنایا گیا۔۔۔۔ لیکن امراء کی باہمی رقابت و چشمک جاری رہی، سلطنت میں بغاوتیں ہونے لگیں بنگال میں طغان خان باغی ہو گیا، اس نے بہار پر قبضہ کر لیا، اور اودھ کی طرف بڑھا، ملتان اور اوچ بھی مرکز سے منقطع ہو گئے منگولوں نے پنجاب کے بالائی حصوں پر حملہ کر دیا۔ اور اوچ کے محاصرہ کے لئے آگے بڑھے، لیکن دہلی کی فوج نے ان کے یلغار کو کامیابی سے روکا۔ اس اثنا میں بلبن کی قوت دربار میں بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس نے علاءالدین مسعود شاہ کو معزول کر کے ناصرالدین محمود کو جون ۱۲۴۶ء میں تخت پر بٹھایا

ناصرالدین محمود ۱۲۴۶ء۔۱۲۶۵ء

ناصرالدین محمود کے تخت پر بیٹھنے کے بعد بادشاہ اور امراء کی رسہ کشی ختم ہو گئی، ترک امراء بازی جیتے، اور ترک بادشاہ ہارے، محمود تمام اختیارات سے دستبردار ہو گیا، اور ساری قوت راے چہلگان کے سردار بلبن کے ہاتھ میں رہی، ناصرالدین محمود صرف رسمی طور پر بادشاہ رہا، اور حکومت امراء کرتے رہے۔ ناصرالدین بڑا دیندار بادشاہ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتا تھا، اور اپنا وقت زیادہ تر قرآن مجید کی کتابت میں صرف کرتا، اور خیرات اور دوسرے نیک کام کرنے میں لگا رہتا۔۔۔۔۔۔۔ اس نے بیس برس تک حکومت کی اور ۱۲۶۵ء میں وفات پائی [1]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۶) سنجر تبر خان نے میوات میں لشکرکشی کی، اور کامیاب رہا۔

[1] سوجان رائے نے خلاصۃ التواریخ میں لکھا ہے کہ یہ سلطان بڑا ہی عادل، رعیت پرور

بلبن ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۷ء

بلبن ترکستان کے قبیلۂ البری کے ایک بڑے گھرانے کا فرزند تھا، اس کا باپ البری ترک کے دس ہزار خاندانون کا سردار تھا، وہ اپنی کمسنی مین منگولون کے ہاتھون گرفتار ہوگیا تھا، جنھون نے اس کو غزنین لے جا کر خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کردیا، اس کو خواجہ جمال الدین دہلی لایا، جہان التمش نے خرید لیا، بلبن نے اپنی صلاحیتون کا ثبوت دیا، اور التمش نے اس کو اپنے ترکان چہل گانی مین داخل کرلیا، اور وہ اپنی صلاحیت و ہمت اور وفاداری کے سبب رضیہ کے عہد مین امیر شکار ہوگیا، لیکن اس نے ان امراء کا ساتھ دیا جو رضیہ کے مخالف تھے، رضیہ کے بعد بہرام کے عہد حکومت مین اس کو ریواڑی کی جاگیر دی گئی جو پنجاب کے گوڑگاؤن ضلع مین ہے، کچھ دنون کے بعد ہانسی بھی اس کی جاگیر مین اضافہ کردی گئی، اس نے ان علاقون مین اتنا اچھا نظم و نسق قائم کیا کہ یہان کے لوگون کی خوشحالی بڑھ گئی، ۱۲۴۶ء مین منگولون کی یورش بھی بڑی کامیابی کے ساتھ اوچہ مین روکی، اور ان کو محاصرہ سے مراجعت کرنے پر مجبور کیا۔ اسی نے مسعود کو معزول کیا، اور ناصر الدین محمود کو بادشاہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۷) اور درویش طینت تھا۔ اپنی رعایا کی بہبود و آسودگی کے لئے ہمیشہ کوشان رہا، اس کے عہد مین رعایا خوش رہی، اور اس کی اور اس کے وزیر بلبن کی رعیت پروری کی نیک نامی ہر طرف مشہور رہی۔ یہ حق پرست اور خدا شناس بادشاہ حکومت کی آمدنی کو لشکریون کی تنخواہ، درویشون کے وظائف، فضلاء و علماء کی امداد، مسکینون، غریبون اور مجبورون کی کفالت، مسجدون، خانقاہون، مسافرخانون اور باغون کی تعمیر وغیرہ مین زیادہ تر خرچ کرتا، اور اپنی ذات مین کچھ نہ صرف کرتا، سال مین دو کلام پاک لکھتا، اور اسی کے ہدیے سے اپنے اوقات بسری کرتا، ایک خریدار نے اس خیال سے کہ سلطان وقت کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف ہے اس کی قیمت معمول سے زیادہ دی، سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ تو اس نے

بنایا۔ ۱۲۴۶ء میں وہ سلطان ناصرالدین محمود کا مشیر خاص مقرر ہوا، اس کی لڑکی بھی سلطان کے
حبالۂ عقد میں آئی، اس کے بعد اس کو الغ خان کا خطاب ملا، اور نائب مملکت کا عہدہ دیا گیا،
ایک درباری ریحان نے اس کے خلاف سازش کی، لیکن بلبن اس کو کچل کر سلطنت کا اور بھی
طاقتور فرد بن گیا۔ وہ سلطان کا نائب بن کر در اصل خود ہی حکومت کرتا رہا۔ لیکن اس نے اپنے
سارے اختیارات بادشاہت کے مفاد ہی کی خاطر استعمال کئے، نظم و نسق میں نئی زندگی پیدا کر دی
اور سلطنت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچا لیا، ہندوؤں نے اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس
لینے کی کوشش کی، لیکن بلبن نے اس کو بالکل ناکام کر دیا، اس نے منگولوں کو دہلی پر ایلغار
کرنے سے روکا، غرضیکہ نائب کی حیثیت سے اس نے سلطنت دہلی کی بڑی خدمت کی،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۸) تاکید کی کہ یہ اعلان نہ کیا جائے کہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، تاکہ حلال روزی
میں خلل نہ پڑے، اس درویش صفت بادشاہ کے محل میں کوئی کنیز نہ تھی۔ اس کی منکوحہ
بیوی اس کا کھانا خود پکایا کرتی تھی، ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ آپ کا کھانا پکانے
میں میرے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں، اب کوئی کنیز خرید لیں تاکہ وہ کھانا پکایا کرے، سلطان
نے جواب دیا، بیت المال میں حق صرف سپاہیوں، غریبوں اور محتاجوں کا ہے، میرا کوئی
حق نہیں کہ اس کو اپنی ذات کے لئے خرچ کروں، صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیگا، بادشاہ
اسی عدل و انصاف کے ساتھ انیس سال تین مہینے اور سات روز تک حکومت کرتا رہا،
عبداللہ یوسف علی اپنی کتاب "ہندوستان کے معاشرتی حالات از منۂ وسطی میں" لکھتے
ہیں کہ "ان کتبوں میں جو سلاطین دہلی کے عہد حکومت پر روشنی ڈالتے ہیں، میں آپ کو صرف
ایک کتبہ کی جانب توجہ دلاؤنگا، یہ پالم کا کتبہ قلعہ دہلی میں آثار قدیمہ کی عجائب گاہ میں موجود
ہے، یہ ایک گاؤں کے کوئیں میں نصب تھا۔ جو موجودہ (دہلی شاہجہان آباد) سے صرف بارہ میل

اس نے نائب اور بادشاہ بن کر چالیس برس تک حکومت کی، اور اس پورے دور مین اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ ترکون کی نوزائیدہ سلطنت مستحکم ہو جائے۔ اور کسی کو شک نہین کہ اس مین وہ کامیاب ہوا۔ اس نے ملک مین پورا امن قائم کیا۔ اور پھر شمال مغربی سرحد پر قابل تعریف فوجی انتظامات کر کے دہلی کو منگولون کے حملون سے بچایا۔ وہ ہندوون کے مزید علاقون کی تسخیر کا قائل نہ تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا۔ کہ جتنی چادر ہو اتنا ہی پاؤن پھیلایا جائے۔ وہ ملک گیری کر کے اپنی سلطنت کے نظم ونسق کی کارکردگی مین خلل ڈالنا پسند نہین کرتا تھا۔ اس طرح تاج وتخت کا وقار بڑھ گیا جو اس کے پیش روؤن کے عہد مین جاتا رہا تھا۔ اس نے بڑے بڑے امراء کی قوت کو زائل کر دیا اور ترکون کی سلطنت کو ایک نئے نہج مین ڈھالا۔ وہ یقیناً ایک لایق اور سخت ناظم اور ایک کامیاب حکمران تھا۔ وہ اپنے مقصد کی تکمیل مین تشدد اور دہشت سے کام لینے مین باز نہ آتا، اس کی سزائین ضرورت سے زیادہ سخت بلکہ بے رحمانہ اور وحشیانہ ضرور ہوتی تھین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۹) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کی زبان سنسکرت ہے۔ البتہ آخری حصہ ایک مقامی زبان مین ہے جو ہریانہ مین بولی جاتی تھی، یہ کتبہ غائر اور نقادانہ مطالعہ کا مستحق ہے۔ اس پر سمت ۱۳۳۷ بکرمی (مطابق ۸۱-۱۲۸۰ء) درج ہے، جب کہ دہلی کے تخت پر سلطان غیاث الدین جلوہ افروز تھا۔ سنسکرت تحریر مین دہلی کو ڈھلی اور مقامی زبان مین ڈہلی لکھا گیا ہے۔ اس سے شہر دہلی کے ابتدائی نام پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ لیکن اس کتبہ کی حقیقی اہمیت ان خیالات مین ہے، جن کا اظہار پنڈت یوگیشور اور اس کے زیر اثر لوگون نے ملک کے مسلمان حکمرانون کے متعلق کیا ہے۔ اس مین مسلمان حکمرانون کو شاکا راجہ لکھا گیا ہے، اور ان کے عہد حکومت کا تذکرہ شہاب الدین غوری سے ابتدا کر کے قطب الدین ایبک، شمس الدین التتمش اور رضیہ بیگم کے عہد سلطنت کو شامل کرتے ہوئے وقت کی موجودہ

لیکن ان ہی کے ذریعہ وہ اپنے مقاصد مین کامیاب ہوا، وہ سخت قسم کا سنی مسلمان تھا۔ تمام مذہبی فرائض ادا کرتا، علماء کی صحبت کا بڑا شایق تھا۔ ان کے ساتھ کھانا کھاتا، اور ان سے مذہبی مسائل پر گفتگو کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ علوم وفنون کا بھی بڑا سرپرست رہا، اس نے اپنے دربار مین وسط ایشیا کے بہت سے شہزادون اور علماء کو پناہ دی تھی، یہ سب منگولون کے خروج کے زمانے مین ہندوستان ہجرت کر کے چلے آئے تھے بلبن نے ان سب کو بڑی فیاضی سے وظائیف دیئے، اور ان کے دارالسلطنت مین محلے آباد کئے۔ اس کا دربار اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا، اس کو تعمیرات سے بھی دلچسپی رہی لیکن وہ اپنے پیشروؤن ہی کی طرح تعمیر پسند ذہن نہین رکھتا تھا۔ اس نے نئے انتظامی اور فوجی ادارے نہین قائم کئے، بلکہ پرانے ادارون ہی پر پوری نگرانی اور توجہ رکھ کر ان کو زیادہ مرتب اور منظم بنایا۔ بلبن بادشاہت سے متعلق خاص نظریہ رکھتا تھا جو بادشاہون کے یزدانی حقوق کا حامل تھا، اس کی پالیسی مین مطلق العنانیت تھی)۔ اور وہ ترکون کی قومی برتری اور فوقیت کا قائل تھا۔ وہ غیر ترکون کو حکومت کے نظم ونسق مین شامل کرنا نہین چاہتا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ ادنی نسب کے لوگون سے گفتگو کرنا بھی پسند نہین کرتا۔۔۔ لیکن اس کا پہلا بڑا کارنامہ تو یہ ہے کہ اس نے ترکون کی سلطنت کو ایک نئی زندگی عطا کی، دوسرا یہ کہ اس نے تاج وتخت کے وقار کو بلند کیا۔ اور تیسرا یہ کہ سلطنت مین مکمل امن وامان قائم کیا، اور یہ غیر اہم کارنامے نہین تھے خصوصاً جب کہ ترکون کی

(بقیہ حاشیہ ص ١١٠) حکمران پر ختم کیا ہے۔۔۔۔۔ چونکہ بلبن برسر حکومت آنے سے پہلے اپنے پیش رو کا وزیر تھا۔ اس لئے دونون کے عہد سلطنت کی بہت تعریف وتوصیف کی گئی ہے، حکمران (یعنی بلبن) کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے،

وہ بادشاہ جس کی شاندار اور قابل تعریف حکومت مین تمام ملک مطمئن اور قانع ہے

سلطنت پر مختلف قسم کی مشکلات اور خطرات سے ایک نازک وقت آگیا تھا۔ غلام بادشاہون مین اس کا مقام التمش کے بعد نمایان ہے۔

کیقباد ۱۲۸۶ء–۱۲۹۰ء بلبن کی وفات کے بعد فخرالدین کوتوال دہلی نے بلبن کے پوتے یعنی بغرا خان کے لڑکے کیقباد کو تخت پر بٹھایا حالانکہ بلبن نے کیخسرو کو نامزد کیا تھا۔ کیقباد تخت نشینی کے وقت سترہ سال کا تھا۔ بلبن کی سخت نگرانی مین اس کی تربیت ہوئی تھی۔ اور اس نے اب تک کوئی حسین چہرہ نہین دیکھا تھا۔ اور نہ شراب کا ایک جرعہ اس کے منہ مین گیا تھا۔ لیکن تخت پر بیٹھتے ہی وہ رنگ رلیون مین مبتلا ہو گیا، .... اور سارے اختیارات فخرالدین کوتوال کے داماد ...... کے ہاتھ مین رہے، اور کیقباد اس کے ہاتھ مین کٹھ پتلی بن گیا۔ نئے حالات سے فائدہ اٹھا کر منگولون نے تمر خان کی سرداری مین پنجاب پر حملہ کیا۔ اور وہ سامانہ تک بڑھ آئے۔ لیکن ملک بق بق نے انکو لاہور کے پاس شکست فاش دی۔ اور ان کے ہزار قیدی لاکر دہلی مین تہ تیغ کئے گئے .... کیقباد کا باپ بغرا خان بنگال کا حاکم تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کی رنگینیون اور سرمستیون کا حال سنا تو اس سے ملنے کے لئے بنگال سے روانہ ہوا، ..... ۱۲۸۹ء مین گھاگرا کے کنارے دونون مین ملاقاتین ہوئین ...... بغرا خان نے اس کو بہت سی مفید نصیحتین کین ..... لیکن کیقباد ان کا پابند نہ رہ سکا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۱) بنگال کے گور شہر سے افغانستان کے شہر غزنہ تک اور دکن مین دراوڑ علاقہ اور راجپوتانہ تک ہر جگہ ملک اس طرح منور ہو رہا ہے جیسے درختون کی خوبصورتی سے موسم بہار مین زمین مزین ہو جاتی ہے اور اس بادشاہ کی خدمت مین جو متعدد راجے آتے جاتے ہین، ان کے مکٹون سے گرے ہوئے جواہرات کی چمک دمک کھل جانے سے سارا ملک جگمگا رہا ہے۔

نظام الدین کی وفات کے بعد جلال الدین فیروز خلجی کو بلند شہر کا اقطاع دار اور شاہی فوج کا سربراہ بنایا گیا تو ترک امرا ایک غیر ترک کی فضیلت دیکھ نہ سکے، اور وہ جلال الدین کے مخالف ہوگئے، کیقباد بھی فالج مین مبتلا ہوگیا۔ ترک امراء نے شمس الدین کیومرث کو تخت پر بٹھایا......... لیکن جلال الدین سب پر غالب آیا اور مارچ سنہ ۱۲۹۰ء مین وہ خود تخت نشین ہوا۔

غلامون کی سلطنت کے حدود ، غلام سلاطین کی سلطنت کے حدود گھٹتے بڑھتے رہے۔ لیکن عام طور سے شمال مین ان کی سرحد ہمالیہ کی ترائی تک تھی، جنوب مین بنگال کا نصف شمالی حصہ، شمالی بہار، بندھیلکنڈ کا کچھ حصہ، گوالیار، رنتھنبور، اجمیر، ناگور ان کی سلطنت مین شامل تھے جیسلیمر کا شمالی علاقہ گجرات کو سندھ سے علحدہ کرتا تھا۔ مشرق مین بنگال کا نصف حصہ ان کے دائرۂ سلطنت مین تھا۔ شمال مغرب مین جہلم دریا تک ان کی سرحد تھی، جو کبھی کبھی بیاس تک سمٹ آتی تھی، لاہور، ملتان اور سندھ بھی دہلی کے ماتحت رہے۔ کشمیر اور جمون اور پھر پنجاب کے شمال مغرب اور شمال مشرقی حصون پر ان کا قبضہ نہین رہا۔ ہمالیہ کی ترائی، دوآب کے شمالی علاقون، شمالی راجستھان اور بندھیلکنڈ مین بہت سی ہندو ریاستین ان کے زیر نگین نہ ہو سکی تھین۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲) فوجون کی قوت اور نقل و حرکت کے متعلق لکھا ہے کہ گنگا کے دہانے سے سندھ کے دہانے تک بحر تا بحر تمام ملک پر حاوی تھین اور ان کی بدولت ہر شخص امن و سلامتی سے دن بسر کر رہا تھا۔ رسالہ کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے، مدح گو کہتا ہے کہ جب سے اس سلطان ذی شان (یعنی بلبن نے) دنیا کا بوجھ اپنے کندھون پر لیا ہے۔ دنیا کو سہارا رکھنے والے شیش ناگ دھرتی کے بوجھ سے سبکدوش ہو بیٹھے ہین، اور وشنو بھگوان جہان کی نگہبانی کا خیال

نظام سلطنت | پوری سلطنت تو بادشاہ کے ماتحت ہوتی۔ جو مطلق العنان ہوتا، لیکن اسکی ذات عدل وانصاف کا سرچشمہ تھی۔ اور وہی قانون کی تعبیر و تصریح کرنے والا ہوتا۔ اس طرح وہ تمام رعایا کا غیر مذہبی حکمران تھا۔ لیکن سلمانون کا مذہبی رہبر بھی ہوتا۔ اس کے اختیارات وسیع اور لامحدود تھے، لیکن عملی طور پر محدود ہوتے۔ اس کو علماء و صلحاء کے مشورے سننے پڑتے پھر عوام کی بغاوت کا خطرہ برابر رہتا۔ اس لئے اس کو ملک کے ایسے روایتی قوانین کا احترام کرنا پڑتا جو باضابطہ کہین درج نہ ہوتے۔ لیکن اس کی فوجی قوت ضرورت سے زیادہ ہوتی اور وہ خود ایک طاقتور اور لایق حکمران ہوتا۔ تو پھر سب کچھ اپنی خواہش کے مطابق کرتا۔ لیکن اس پورے دور مین بلبن ہی ایک ایسا شخص تھا جو جو چاہتا کرتا۔ بقیہ اور تمام حکمران حتی کہ التمش بھی امراء کے مشورون کے مطابق حکومت کرتا رہا،

وزراء | مرکز مین چار وزیر ہوتے۔ وزیر، عارض ممالک، دیوان انشا اور دیوان رسالت۔ وزیر دراصل وزیر اعظم تھا۔ آمدنی اور مالیات کے محکمے کا ذمہ دار ہونے کے علاوہ وہ تمام وزراء پر نگرانی رکھتا، وہ غیر فوجی ہوتا لیکن اس کو فوج کشی بھی کرنی ہوتی، اور جس دفتر مین لشکریون کی تنخواہ تقسیم ہوتی اس پر پوری نظر رکھتا، اس کا معاون نائب ہوتا۔ اور ایک بڑی تعداد

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۳) چھوڑ کر اطمینان سے دودھ کے سمندر پر محو استراحت ہین۔ آگے چل کر یہ کہتا بتاتا ہے۔ کہ اس سلطان (یعنی بلبن) کے عہد معدلت مہد مین جو سینکڑون عالی شان شہرون کا والی ہے ڈھلی کا دلفریب شہر خوشحال اور فارغ البال ہے۔ یہ شہر دھرتی ماتا کی طرح بے شمار جواہرات کا خزانہ ہے، شورگ دھام کی طرح عیش و مسرت کا ٹھکانہ ہے پاتال کی مانند شہزادوں ڈیمنون کا مسکن ہے۔ اور مایا کی طرح دلکش و دلفریب ہے" (ص ۱۰۰-۹۸)

کیقباد کے دور مین امیر خسرو نے اپنی مشہور مثنوی قران السعدین لکھی اس کے مطالعہ سے

دبیرون، کاتبون اور محاسبون کی ہوتی، مشرف ممالک محاسب اعلیٰ تھا۔ اور مستوفی ممالک گویا اوڈیٹر جنرل ہوتا۔ دوسرا اہم وزیر فوج کا تھا جو عارض ممالک یا دیوان عرض کہلاتا تھا۔ وہ لشکریون کی بھرتی کرتا۔ ان کی حاضری لیتا، ان کا معائنہ کرتا۔ ان کی کارکردگی پر پوری نگاہ رکھتا۔ ان کو تنخواہین دیتا، ان کے سازوسامان اور اسلحہ کی دیکھ بھال کرتا رہتا۔ اور نگرانی رکھتا کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی مین کوتاہی نہ کرین۔

تیسرا وزیر دیوان انشا تھا۔ وہ شاہی فرامین اور احکام کو قلمبند کرتا۔ اس کے ماتحت بہت سے دبیر اور کاتب ہوتے، وہ سفر و حضر مین سلطان کے ساتھ رہتا۔ اور اس کی تمام باتون کو حیطۂ تحریر مین لاتا رہتا۔ چوتھا وزیر دیوان رسالت تھا۔ وہ بیرونی ممالک سے خط وکتابت کیا کرتا تھا۔ باہر سے جو سفراء اور ایلچی آتے، ان کا تعلق اسی سے ہوتا۔ ان وزراء کے علاوہ بریدِ ممالک کا عہدہ بھی کم اہم نہ تھا۔ اس کے ماتحت واقعہ نویس اور جاسوس ہوتے قاضی ممالک بھی اہم عہدیدار تھا۔ وہ عدل وانصاف اور مذہبی امور کا نگران ہوتا۔ مذہبی معاملات کے سلسلہ مین اس کو صدر جہان یا صدالصدور کا لقب دیا جاتا۔

وکیل در کی حیثیت وزیر سے تو کم ہوتی، لیکن وہ ممتاز عہدیدارون مین سے سمجھا جاتا، وہ شاہی محل کا نگران ہوتا۔ اور اس کو سلطان سے سب سے زیادہ قربت حاصل ہوتی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۴) بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شہر دہلی اس وقت تین حصار سے گھرا ہوا تھا۔ دو پرانے حصار تھے اور ایک نیا۔ نئے حصار سے غالباً کیلوکھری مراد تھا۔ یہ شہر اپنی خصوصیات کی وجہ سے قبۃ الاسلام کہلاتا تھا۔ یہان بڑے بڑے بزرگ تھے۔ ہر گھر اپنی زینت وآرایش کے لحاظ سے گوشۂ بہشت کا نمونہ تھا۔ اس کی صنعت کاریون مین بکثرت روپئے لگائے جاتے تھے، یہ شہر پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے اردگرد دو دو میل تک باغ تھے، جن کی آبیاری دریائے جمنا سے ہوتی تھی۔ ہند کے مختلف حصون اور خراسان کے میوون کے

اسلیے بڑا باثر سمجھا جاتا۔ امیر حاجب دربار کے تمام مراسم کی باقاعدگی کا نگہبان ہوتا۔ اسی کی وساطت سے امراء یا اور دوسرے حکام یا عوام مین سے کسی فرد کو سلطان کے یہان باریابی ہوتی۔ سر جاندار شاہی محافظون کا سردار ہوتا۔ اور امیر آخور شاہی اصطبل اور شحنۂ پیلان شاہی ہاتھیون کا نگران ہوتا بعض سلاطین کے عہد مین نائب مملکت کا بھی عہدہ قائم تھا۔ اس کے اختیارات وزیر اعظم سے بھی زیادہ ہوتے، لیکن عام طور سے نائب کوئی مستقل عہدہ نہ تھا۔ بلبن نائب ہوا، تو اس کے اختیارات وسیع اس لئے تھے کہ خود سلطان نے اپنے اختیارات اس کو سونپ دیئے تھے۔ مرکزی حکومت کے تمام وزراء کو سلطان مقرر کرتا، اور وہ اسی کے ملازم سمجھے جاتے اور وہ اسی کے جوابدہ بھی ہوتے ان کو اپنے شعبون مین اختیار کلی حاصل نہ ہوتا۔ اگر سلطان نابالغ یا محض کٹھ پتلی ہوتا تو پھر امراء حاوی رہتے۔ لیکن بلبن جیسے طاقتور حکمران کے سامنے ان کی کچھ بھی نہ چلتی۔

صوبائی حکومت اس زمانہ کے صوبے اقطاع کہلاتے، اور اقطاع کا حاکم مقطع کہلاتا۔ وہ گویا گورنر ہوتا، اور اس کے اختیارات بہت وسیع تھے۔ لیکن تمام اقطاع اپنے دائرہ اور نوعیت کے لحاظ سے یکسان نہ تھے۔ اس لئے مقطع کے اختیارات بھی اقطاع کے لحاظ سے ہوتے

(بقیہ حاشیہ ۱۱۵) بازار بھرا رہتا تھا۔ عام طور سے لوگ فرشتہ خصلت ہونے کے علاوہ صنعت علم ادب اور آہنگ وساز سے دلچسپی رکھتے تھے، دہلی مین اس وقت تین چیزین خاص طور پر نمایان تھین، مسجد جامع، منارہ اور حوض سلطانی، مسجد مین نو گنبد تھے۔ اس کے سامنے درون کا سلسلہ مسقف نہ تھا۔ منارہ (یعنی قطب مینار) کے اوپر ایک قبہ تھا۔ جن کا بالائی حصہ سونے کا تھا۔ حوض سلطانی یعنی حوض شمسی دو پہاڑون کے درمیان واقع تھا۔ اس کا پانی ایسا صاف اور شفاف تھا کہ رات کے وقت بھی اس کی تہ کی ریگ دکھائی دیتی تھی، پہاڑی کے

وہ جس طرح چاہتا نظم ونسق کرتا، البتہ مقامی روایات کا ضرور لحاظ رکھتا، وہ خود عہدیدار مقرر کرتا، محاصل وصول کر کے اسی سے نظم ونسق کے تمام اخراجات کو پورا کرتا اور جو پس انداز ہو جاتا وہ مرکز کو بھیجدیتا، مرکز کو اس کے اخراجات کی جانچ پڑتال کا حق تھا، لیکن وہ در اصل بالکل آزاد ہوتا - اس کے اہم فرائض مین امن وامان کا قائم رکھنا اور شاہی احکام کی تعمیل کرنا تھا، اور جب سلطان کو لشکر کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کو فراہم کرتا اس کی تنخواہ بہت بڑی ہوتی، اور صوبہ کی آمدنی ہی سے پوری کی جاتی، اس کے پاس ایک لشکر کے علاوہ عہدیدارون کی بڑی تعداد بھی ہوتی - اس زمانے کے اہم اقطاع مند اود، امروہہ سنبھل، بدایون، برن (بلندشہر) کوئل (علی گڈھ) اودھ، کڑہ مانک پور، بیانہ، گوالیار، ناگور، ہانسی، ملتان اوچہ، لاہور، سامانہ، سنام، کہرام، بھٹنڈہ اور سرہند تھے - یہ مقطع سلطان کے باج گذارون سے بھی خراج وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے، یہ باج گذار ہندو راجہ تھے جنھون نے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۶) زمین ہونے کے باعث اس کا پانی اندر جذب نہین ہوتا تھا، اس کی موجین دامن کوہ سے ٹکراتی تھین، شہر کے تمام لوگ اسی کا پانی پیتے تھے، دریائے جمنا سے اس حوض تک بہت سی نہرین نکالی گئی تھین، اس کے بیچ مین ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک عمارت بھی تھی، حوض کے مرغ وماہی کی وجہ سے بڑا دلکش منظر رہتا تھا - اسی لئے یہان شہر کے لوگ تفریح کے لئے آتے اور دامن کوہ مین خیمہ زن ہوتے تھے، اس شہر مین پھول سال کے ہر موسم مین نظر آتے تھے، پھولون سے چمن چاندی اور سونے کی طرح جگمگاتا رہتا تھا - روے زمین پر سبزون کی لہلہاہٹ سے سواد بہشت کا لطف آتا تھا - اس زمانہ مین چمن آرائی سرو شمشاد، سنبل، چنار، بید، گربہ بید، سوسن، سمن، بنفشہ، کبود، نرگس، لالہ، گل سرخ، ریحان، گل کوزہ، گل زرین، گل لعل، گل سفید، سپر غم، صدبرگ، نسترن

سلطان کا اقتدار اعلیٰ تو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اپنے علاقے مین آزاد تھے۔

خالصہ | کچھ زمینین ایسی بھی تھین جن کے محاصل مرکز کو براہ راست ادا کیے جاتے۔ ایسی زمینون کے کاشتکار گاؤن کے کھیا کے ذریعہ لگان ادا کیا کرتے تھے، غلامون کے عہد مین ضلع، پرگنہ اور تحصیل قائم نہ ہونے پائی تھی۔

فوج | نظم و نسق مین فوج کا شعبہ بڑا اہم تھا۔ لیکن اس کے باوجود مرکز مین لشکر کا کوئی دستہ مستقل طور پر نہ رہتا۔ سلطان کے فوجی محافظ سرجاندار کے ماتحت ضرور ہوتے لیکن وہ زیادہ تر اپنے مقطع کے فرستادہ لشکرون ہی پر بھروسہ رکھتا۔ شروع مین ترک ہندوستان آئے، تو سب ہی فوجی تھے۔ لیکن جب یہان آکر بس گئے تو پھر ان کو پیشہ ور لشکریون کے ایک طبقہ کی ضرورت پڑی، رفتہ رفتہ شاہی محافظون کی تعداد بڑھتی گئی، اور ان ہی کا دستہ ایک بڑی فوج بنا گیا، فوج عارض ممالک کی نگرانی مین ہوتی، سوار اور پیادے فوج کی دو اہم شاخین تھین، ممتاز لشکری اور عہدیدار غلام ہی ہوتے، معزالدین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۷) یاسمین، دوانہ، کرنہ، نیلوفر۔ دھاک، چمپا۔ جوہی۔ کیوڑہ۔ سیوتی، گلاب، بیلا اور مولسری وغیرہ سے ہوتی تھی۔

جشن نوروزی کے موقع پر کیقباد کا جو محل سجایا گیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جشن گاہ مین پانچ چتر بنائے گئے تھے۔ ایک سیاہ، دوسرا سپید، تیسرا سرخ، چوتھا سبز، اور پانچوان پھولون کا تھا۔ سیاہ چتر پر غیر معمولی نقش و نگار بنے تھے۔ اس مین جا بجا موتی اس طرح لگے ہوئے نظر آتے تھے۔ جیسے سیاہ ابر مین بوندین پڑ رہی ہون۔ سفید چتر مدور تھا۔ اس کی چھت دروازے اور ستون سنہرے تھے۔ ...... اور یہ بھی موتیون سے جگمگا رہا تھا۔ سرخ چتر مین موتیون کے علاوہ یاقوت بھی تھے۔ سبز چتر مین سبز اطلس لگی

قطب الدین اور شمس الدین ایلتمش کے غلامون نے فوج مین بڑے بڑے امتیازات حاصل کئے۔ اور وہ بڑے اچھے شہسوار اور لایق سپاہی سمجھے جاتے، فوجی تربیت اور ڈرل کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ اس لئے لشکر کی کارکردگی کا انحصار زیادہ تر سلطان اور دیوان عرض کی صلاحیت اور ہوشمندی پر ہوتا۔ مقطع سلطان ہی کی طرح خود فوج رکھتا، اور وہ بھرتی کرنے، تنخواہین دینے، اور فوجی نظم و نسق قائم کرنے مین بالکل آزاد ہوتا۔ لیکن اس کو کچھ لشکر مرکز کیلئے بھی فراہم کرنا پڑتا۔ اس لئے ان پر عارض ممالک کی نگہداشت کچھ نہ کچھ ضرور رہتی۔........ سلطان فوج کا سپہ سالار سمجھا جاتا۔ اور صوبون مین یہی حیثیت مقطع کی ہوتی، دیوان عرض یا عارض ممالک سپہ سالار نہ ہوتا، گو بعض اوقات مہم بھیجتے وقت وہی لشکریون کا انتخاب کرتا، صرف رضیہ کے عہد مین ایک خاص سپہ سالار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۸) گئی تھی، اس پر موتیون سے ایک سبز سایہ دار اور بار آور درخت بنایا گیا تھا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے سبزہ کو زمردین بنا رہا ہے۔ پھولون کا چبوترہ چمن کی طرح کھلا ہوا تھا۔ دریائے جمنا کے بیچ مین زر و جواہر کا سا ایک مصنوعی چمن بھی بنایا گیا تھا۔ مصنوعی درختون کی شاخ مین پھل اس طرح لٹک رہے تھے، جیسے وہ ابھی ٹپک پڑین گے۔ ان مین چڑیان ایسی دکھائی دیتی تھین کہ گویا ابھی اڑنا چاہتی ہین، بہت سے درخت موم کے بنائے گئے تھے، پھر ایسے دلفریب گلدستے بھی تیار کئے گئے تھے کہ سبزہ، لالہ، ریحان اور بیسد کا ایک چمن نظر آتا تھا۔ دربار مین اطلس، زربفت اور یاقوت کے پردے دیوارون مین لٹکے ہوئے تھے، اس طرح کہ دیوار کے پتھر بھی یاقوتی رنگ کے معلوم ہو رہے تھے۔ فرش مین بھی موتی اور سونے کا کام تھا۔ غرضیکہ پورا محل سونے سے ایسا آراستہ کر دیا گیا تھا۔ کہ فردوس برین کا دھوکا ہوتا تھا،

مقرر ہوا، لیکن یہ ایک عارضی انتظام تھا۔ سپاہیوں کو تنخواہ میں یا تو جاگیر ملتی یا نقد روپیے دیئے جاتے۔ اس کی وضاحت نہیں ہو سکی ہے کہ فوجی سردار خود ہی اپنی اور اپنے لشکریوں کی تنخواہ لے لیتے، یا لشکریوں کو ان کے ہاتھ میں تنخواہ دی جاتی۔ غالباً اول الذکر طریقہ ہی مروج تھا...... ترکوں میں مذہبی یگانگت، اخوت اور یکجہتی ایسی رہی کہ ان کی وجہ سے وہ ہندوستان کے لوگوں پر غالب آتے رہے، ورنہ ان کی فوجی تنظیم بہت زیادہ ترقی یافتہ نہ تھی۔

مالی نظام | سلطنت کی آمدنی حسب ذیل ذرایع سے ہوتی تھی (۱) خراج (۲) عشر (۳) جزیہ (۴) خمس (۵) زکوۃ خراج .... کاشتکاروں سے لیا جاتا۔ اور شرح تقریباً وہی تھی جو ہندو راجاؤں کے زمانے سے چلی آتی تھی، مسلمان کاشتکاروں سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۹) (قران السعدین ص ۸۵-۷۳، بزم مملوکیہ ص ۳۳۸-۳۳۹) اس زمانہ کی شاہی دعوتوں میں ایک ہزار سے زیادہ اقسام کے کھانے ہوتے، شربت قند کے سینکڑوں پیالے رکھے جاتے۔ منہ کا مزہ بدلنے کیلئے شربت گلاب ہوتا، پلاؤ کی کئی قسمیں ہوتیں۔ پلاؤ کی ایک قسم خرمے اور انگور ڈال کر پکائی جاتی، بکرے، دنبے اور ہرن کے بھنے ہوئے گوشت کی مختلف شکلیں ہوتیں، پرندوں میں بٹیر، تیتر، تیہو اور چرز وغیرہ کے بھی گوشت ہوتے، آخر میں پان تقسیم کیا جاتا (قران السعدین ص ۸۰-۱۸۳) شاہی تحفے (۱) میں عود، قرنفل، مشک ختن، عنبر، کافور، صندل، زر و جواہرات، موتی، یاقوت، ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، تیغ، تیر، کمان، حریر، پرنیان، زربفت کے لباس وغیرہ ہوتے، ان میں بعض ہندوستانی کپڑے اتنے باریک ہوتے کہ لپیٹو تو انگلیوں کے ناخن میں آجائیں اور کھولو تو بہت بڑا تھان ہو جائے (قران السعدین ص ۱۳۲)

عشر لیا جاتا جو پیداوار کا دسوان حصہ ہوتا۔ جزیہ غیر مسلمون سے وصول کیا جاتا۔ غیر مسلم عورتین بچے فقراء اور مساکین اس سے مستثنیٰ ہوتے، خمس جنگ مین مال غنیمت سو حاصل کیا جاتا جس مین ⅘ لشکریون کو دیدیا جاتا۔ زکوٰۃ صرف مسلمانون سے لی جاتی اور وہ مسلمانون ہی پر صرف ہوتی۔ ان کے علاوہ راہ داری، کانکنی، بے وارثون کی جائداد اور، وغیرہ سے بھی محاصل سلطنت مین کچھ اضافہ ہوتا .... سلطان کے لئے کوئی رقم مقرر نہ تھی، وہ عملاً پورے محاصل کا مالک تھا، لیکن نظری حیثیت سے یہ ساری آمدنی حکومت کی ہوتی، سلطان اس کو سلطنت کی فلاح و بہبود اور اپنی ضروریات کے لحاظ سے خرچ کیا کرتا تھا۔

نظام عدل | عدل و انصاف کا سرچشمہ سلطان ہی ہوتا۔ عدل گستری مین مساوات برقرار رکھنے کا پورا اہتمام رکھتا بلکہ وہ خود ہی مقدمے کی سماعت کر کے ان پر فیصلے صادر کرتا، اس کی ذات عدالت عالیہ تھی۔ جہان ہر قسم کی اپیل ہوا کرتی تھی، کبھی وہ ابتدائی مراحل کے بھی مقدمے خود ہی طے کر دیتا تھا۔ اگر کوئی مذہبی قضیہ ہوتا تو صدر الصدور اور مفتی اس کی مدد کرتے۔ ورنہ اس کے ساتھ قاضی القضاۃ ہوتا۔ جس کا عہدہ اس محکمہ مین سلطان کے بعد سب سے زیادہ ممتاز تھا، قاضی القضاۃ صدر جہان کے فرائض بھی ادا کرتا، اس حیثیت سے وہ صوبون کے قاضیون پر نگرانی رکھتا، اور ان کی عدالتون سے آئی ہوئی اپیل کی سماعت کرتا، صوبون کے قاضیون کا تقرر اسی کے ذریعہ ہوتا۔ داد بک اور امیر داد بھی اہم عہدیدار تھے۔ ان کی حیثیت وہی تھی۔ جو آج کل شہرون کے مجسٹریٹ کی ہے، ہندوؤن کے قضیے خود ان ہی کی پنچایتون مین طے ہو جاتے، اور اگر کسی مقدمے مین ہندو اور مسلمان دونون ماخوذ ہوتے تو ایسے مقدمے قاضی کی عدالت مین طے ہوتے، شہرون مین پولیس کا اہتمام کوتوال کیا کرتا۔ وہ پولیس عہدیدار کے علاوہ

مجسٹریٹ بھی ہوتا۔ جرائم کی سزائین بڑی سخت تھین، .... لیکن غلام سلاطین کی عام پالیسی یہ رہی کہ وہ دیہی علاقون کی زندگی مین کسی قسم کی مداخلت نہ کرین، انھون نے گاؤن مین لوگون کو اپنی پنچایت ہی کے ذریعے اپنے جھگڑے اور قضیے کو طے کرنے کے لئے آزادی دے رکھی تھی ؛

چھٹی جھلک

جلال الدین خلجیؒ

۱۲۹۰ء سے ۱۲۹۶ء

(از پروفیسران۔ بی۔ رائے، اے ایم کالج ہیمن سنگھ)

سلطان جلال الدین خلجی کے اوصاف و محاسن کی تعریف ضیاء الدین برنی نے بہت زیادہ کی ہے جس نے اپنی تاریخ سلطان کی وفات کے ساٹھ برس کے بعد لکھی، یہ مورخ موید الملک کا لڑکا تھا جو ارکلی خان کا نائب اور جلال الدین خلجی کے دربار کا ایک معزز رکن تھا۔ ضیاء الدین کی ابتدائی زندگی اپنے باپ کے گھر میں پورے امیرانہ شوکت و حشمت سے گزری، لیکن اسکی قسمت میں گردش تھی، اس لئے اس کی زندگی کے آخری ایام عسرت و مصیبت میں گزرے اور وہ بوڑھاپے کے نکبت اور ادبار کے زمانے میں بچپن کے خوشگوار اور خوشحال دور کو یاد کرتا ہے۔ تو اپنی ابتدائی زندگی کے محسن اور سرپرست کی توصیف و تعریف میں کچھ ایسا رطب اللسان ہو جاتا ہے کہ جلال الدین بادشاہ کی حیثیت سے نمایاں ہونے کے بجائے اس مدح سرائی میں گم ہو کر رہجاتا ہے۔ اس لئے اس کی خوبیوں کا صحیح اندازہ نہو سکا

لہ پروفیسران۔ بی۔ رائے، اے، ام۔ کالج، ہیمن سنگھ نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں ۱۹۳۵ء میں ایک مقالہ جلال الدین فیروز خلجی کے حالات زندگی کے عنوان سے لکھا تھا یہ ایک علحدہ رسالہ کی صورت میں بھی سرائی، نئے نی سن رائس کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا تھا، اس باب میں

اور ایک ممتاز مورخ نے تو یہان تک لکھدیا ہے کہ جلال الدین کی قسمت نے اس کے ساتھ بیرحمانہ سلوک ضرور کیا لیکن وہ حکومت کرنے کے لایق نہ تھا۔ سرڈبلیو۔ ہیگ نے لکھا ہے کہ اس کی حکومت طویل ہوتی تو اس کی مجرمانہ کمزوریون سے پوری سلطنت مین بدامنی پھیل جاتی لیکن یہ کہنا صحیح نہین ۔

جلال الدین خلجی کی زندگی کے واقعات شاہد ہین کہ وہ ایک مضبوط اور طاقتور شخص تھا۔ کیقباد اور کیومرث کو اپنی راہ سے ہٹا کر تخت وتاج کا مالک بنا، چھجو کو ختم کیا اور ایسے تمام امراو کی ریشہ دوانیون کا استیصال کیا جو سیدی مولی کی خانقاہ مین اکٹھا ہوتے تھے۔ مثلاً تی اور ہرنوبار اس کے معتمد علیہ تھے۔ اس نے ان کو بھی سزا دی، پھر بھی ضیاء الدین برنی نے اپنے باپ کے سرپرست کی تعریف کرتے ہین یہ لکھدیا ہے کہ اپنی نرمی اور رحمدلی کی وجہ سے چورون اور مجرمون کو بھی سزا دینے مین اغماض کرتا۔ لیکن ضیاء الدین کے اس بیان کی تردید اس کے دوسرے بیان سے ہوجاتی ہے، وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ جلال الدین قاتلون، مرتدون اور زانیون کو تہ تیغ کرنے مین مطلق پس وپیش نہ کرتا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ پورب کی ایک مہم مین اس نے ڈاکوون اور قزاقون کے تمام اڈون کا قلع قمع کردیا، اور ان کو سولی پر چڑھا کر ختم کیا ضیاء الدین برنی ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہزارون ٹھگون کو لکھنوتی بھیجکر جلاوطن کیا۔ اس مین بھی جلال الدین کی ایک مدبرانہ چال پوشیدہ تھی۔ لکھنوتی اور بہار مین غیاث الدین بلبن کے پوتے رکن الدین کیکاوس کا استقلال اور اقتدار تھا۔ جو خلجیون کا دشمن تھا۔ جلال الدین نے ٹھگون اور مجرمون کو وہان اس لیے بھیجا کہ کیکاوس انکو سر کرنے مین مشغول رہے۔

بقیہ حاشیہ ص ۱۲۳) اقتباس اسی مقالہ سے گیا ہے۔

جلال الدین مفتوح باغیون کے ساتھ جو رویہ اختیار کرتا اس مین انسان دوستی سے زیادہ سیاسی مآل اندیشی ہوتی۔ اس نے اپنے آہنی پنجہ کے اوپر مخملی دستانہ پہن رکھا تھا۔ جلال الدین تخت پر بیٹھا تو اس پر اس کا کوئی حق نہ تھا۔ لیکن محض اپنی طاقت کے ذریعہ اس کا مالک بن بیٹھا، اب اس کو اپنے مخالفون کو دوست بنانا تھا۔ خلجیون کی حمایت مین خیر سگالی کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے تمام اجزاء کو قریب تر کرنا تھا۔ جو بلبنی خاندان سے وابستہ تھے، اگر وہ سختی اور تشدد کو راہ دیتا تو وہ کامیاب نہ ہوتا۔ اس لئے اس کو ضرورتاً نرم ہونا پڑا، اس کی نرمی کو اس کی کمزوری پر محمول کرنا صحیح نہین ہوگا۔ اور گو اس نے ایک قلیل مدت تک حکومت کی لیکن حکمرانی کی پوری صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اس نے رنتا ہمبر کے خلاف دو مرتبہ فوجکشی کی، کڑہ اور اودھ کے باغیون کو فرد کیا اور منغلون کے خلاف معرکہ آرا ہوا، وہ معرکہ آرائی اور غارتگرون کی سرکوبی مین سلطان ایلتمش اور بلبن ہی کی روش اختیار کرتا، اس نے بلبنی خاندان کو ختم کرکے خلجیون کا پرچم لہرایا، تو سلطنت کے نظم و نسق مین ایک نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور اسی جذبہ مین فوج مین بہادر خلجیون کی بھرتی شروع کی، اور اسی فوج کی کارکردگی کی بنا پر اسلام کا جھنڈا ہندوستان کے دور دراز گوشون مین بھی دکھائی دیا گیا، ہان جلال الدین خلجی کی حکومت نرم اس لحاظ سے ضرور کہی جا سکتی ہے کہ اس کے دور مین وہ سختی نہین تھی جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کے عہد حکومت مین رہی۔ سزا کی سختیان ضرور کم کر دی گئین لیکن اسی کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ شاہراہون پر امن قائم ہو گیا۔ اور قزاقی اس طرح ختم ہو گئی کہ جنگلی علاقے چراگاہ اور مرغزار بن گئے، الحاد اور مذہبی بدعقیدگی بھی ختم ہو گئی۔ اور رعایا حکام کی چیرہ دستیون سے بالکل محفوظ رہی۔

جلال الدین خلجی کے بعد اس کے بھتیجے علاؤالدین کو ایک پر امن سلطنت ملی جو

مشرق مین ملتان سے الہ آباد تک اور شمال مین المورہ اور سوالک تک اور جنوب مغرب اور جنوب مین نارنول اور گوالیار تک پھیلی ہوئی تھی۔

جلال الدین کے مزاج مین دھیما پن ضرور تھا۔ لیکن وہ دفعتہً غیر معمولی طریقہ پر مشتعل بھی ہو جاتا۔ سیدی مولٰی کے ساتھ اس نے جو سلوک کیا، اس کی مثال سامنے ہے۔ جلال الدین کی جسمانی قوت اور ہمت غیر معمولی قسم کی تھی۔ شمشیر زنی مین تو کوئی اس کا مد مقابل نہ تھا۔ ایک بار اس نے اپنے بعض سر پھرے امرا کو مخاطب کر کے کہا:-

"اگر مین اپنی تلوار کھینچ لون تو تمھارے جیسے بائیس افراد کو دو ٹکڑے کر ڈالون، اور اگر مین تنہا سر میدان کھڑا ہو جاؤن تو تمھارے جیسے فضول گو چالیس بار بھی ہتھیار سے مجھ پر حملہ کرین، تو پھر دیکھو مین تمھارے ساتھ کیا کرتا ہون اور تم میرے ساتھ کیا کرتے ہو۔" (۱۹۲)

اور تعجب تو یہ ہے کہ تلوار کا یہ دھنی قلم کا بھی دھنی تھا۔ کیونکہ وہ سخن سنج بھی تھا۔ اور اچھے اشعار کہتا رہتا تھا۔ وہ علم و ہنر کا بڑا قدر دان رہا۔ مولانا سراج الدین سوائی نے خلجی نامہ لکھ کر اس کی ہجو کہی تھی، لیکن اس نے ان کے قصور کو معاف کر دیا۔ بلکہ عزت و احترام سے پیش آ کر ان کو انعام بھی دیا۔ طوطی ہند امیر خسرو بھی اس کے دربار کے زینت و آرائش بنے رہے، وہ جب عارض ممالک تھا۔ تو امیر خسرو کا گرویدہ ہوا، اس لئے اس نے ان کو بارہ سو روپے کے وظیفہ سے سرفراز کیا۔ اور خلعت، گھوڑے اور دوسرے انعامات بھی دیئے اور جب بادشاہ ہوا تو ان کو اپنا مصحف دار بنا کر اپنے معزز درباریون مین شامل کر لیا اور ان کو خلعت دیکر سفید کمر بند بھی عطا کیا جو ممتاز ترین درباری کو دیا جاتا تھا، اس عہد مین سعد الدین علم منطق کے بڑے جید عالم تھے، جلال الدین نے ان کو بھی اپنا درباری بنا کر نوازا، اور نائب قرابیگ کے عہدہ پر مامور کر کے ان کو نقارہ بھی عطا کیا۔

جلال الدین کے دربار مین بڑی خوبیون کے امراء اور افراد جمع ہوگئے تھے ان مین سے بعض کے نام یہ ہین۔ احمد چپ، فخرالدین کوچی۔ نصرت صباح دوات دار قطب الدین علوی، محمد شاہ چنگ اور تاج خطیب وغیرہ۔ جلال الدین . . . .

ان تمام لوگون سے بڑے احترام سے پیش آتا احمد چپ تیر اندازی مین بڑا مشہور تھا۔ وہ بادشاہون کی تاریخ اور رموز حکمرانی سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے یہان محفل طرب ونشاط منعقد ہوتی تو ایک ایک رات مین ایک لاکھ ٹنکے، پانچ سو ستار، اور گھوڑے انعام مین دیدیتا، نصرت صباح قنوج کا اقطاع وار تھا، اس کے رکاب مین سات سو سوار برابر موجود رہتے اور خیرات کرنے مین تو کوئی معاصر اس سے سبقت نہ لے جاسکا۔ اس کے گھر کے سامنے ایک بھیڑ لگی رہتی اور کوئی محروم نہ جاتا۔ قطب الدین علوی اپنی متانت، سنجیدگی اور اخلاق کے لئے سب کی نظرون مین محبوب تھا۔ وہ روپیہ بڑی فیاضی اور سخاوت سے خرچ کرتا۔ اس نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی ہی مین دو لاکھ ٹنکے صرف کئے ایک ہزار خلعت دیئے، اور اتنے گھوڑے انعام مین تقسیم کئے ملک فخرالدین کوچی داد بیگ تھا۔ اسکی عدل پروری مشہور تھی سلطان جلال الدین اسکو بہت ہی عزیز رکھتا تھا۔

اگر کسی مین کچھ بھی وصف ہوتا تو جلال الدین خلجی اس کی بڑی قدر کرتا، ایک ہندو منڈاہر نے اس پر کیتھل کی اقطاع داری کے زمانے مین قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس مجرم کو طلب کیا۔ اور اس کی بہادری کی بناء پر اسکو خلعت اور گھوڑے دے کر نوازا اور اپنے دربار کے حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ مین نے بڑی بڑی لڑائیان لڑی ہین، اور خوب شمشیر زنی کی ہے۔ لیکن اس منڈاہر کی طرح کسی اور کو بہادر نہین دیکھا۔ اور ضیاء الدین برنی کا بیان ہے جو مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے کہ جلال الدین نے

ایک لاکھ جتیل اس کا وظیفہ مقرر کیا۔ اور اس کو کوئی معزز عہدہ بھی دیا۔

جلال الدین خلجی ایک راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھا۔ وہ روزے رکھتا۔ پابندی سے پانچون
وقت نماز پڑھتا۔ اور روزانہ ایک پارہ کلام پاک کی تلاوت کرتا۔ غرضیکہ وہ بہت سی خوبیون
کا حکمران گذرا ہے۔ ایک تجربہ کار سپاہی تھا۔ ہنرمندون کا قدردان تھا۔ خود ایک اچھا شاعر
تھا۔ اور ایک ایسا مضبوط اور طاقتور بادشاہ تھا۔ جو ہندوستان کے ازمنۂ وسطی کے تاج
وتخت والون کی صف مین نمایان جگہ پانے کا مستحق ہے۔

ساتویں جھلک

علاءالدین خلجی

۱۲۹۶ء سے ۱۳۱۶ء

(از پروفیسر کے۔ ایس۔ لال ایم اے، ڈی۔ فل (الٰہ آباد)

نظام حکومت | علاءالدین خلجی[1] کے عہد میں بھی سلطان کے اختیارات بہت وسیع رہے، وہ خدا کے سوا اپنے کو کسی کا جوابدہ نہیں سمجھتا۔ اور اپنے کو خدا کا نائب ہی سمجھتا۔ رعایا اس کی اطاعت گذار ہوتی۔ اور اگر اس پر کوئی ظلم ہوتا تو خاموشی سے برداشت کرتی، اس طرح نظری حیثیت سے سلطان بالکل مطلق العنان تھا۔ وہ کسی قانون کا پابند نہ تھا۔ وہ جو چاہتا کرتا۔ عوام صرف اس کے حکم کی تعمیل کرتے۔ لیکن سلطان کی عملی حیثیت ایسی نہ تھی، اس کو گوناگون مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا۔ وہ ایک ایسے اجنبی لوگون کا حکمران تھا جو اس کے ہم مذہبون سے معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے بالکل مختلف تھے۔ وہ اگر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا خواہشمند بھی ہوتا تو اس کے لئے غیر مسلمون کے جذبات واعتقادات کو یکسر نظرانداز کردینا ممکن نہ تھا، کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی پائدار حکومت قائم نہین ہوسکتی تھی۔ جہاد کو برابر جاری رکھنا بھی مصلحت

---

[1] پروفیسر کے۔ اس۔ لال ایم۔ اے، ڈی۔ فل (الٰہ آباد) پروفیشیل ایجوکیشنل سروس مدھیہ پردیش نے ہسٹری آف دی خلجیز (خلجیون کی تاریخ) کے نام سے ۱۹۵۰ء مین ایک کتاب شایع کی تھی، اس باب مین اسی کتاب سے اقتباسات لئے گئے ہین۔

خلاف تھا۔ فتح و تسخیر کے موقع پر تو تشدد ضرور ہوتا۔ اور جنگ کے موقع پر تو ہونا کی ناگزیر ہے لیکن جب امن قائم ہو جاتا تو ہندوؤن پر ظلم روا نہین رکھا جاتا محمد بن قاسم سندھ مین چند ہزار عربون کے ساتھ آیا تو اس نے جہاد کے نام پر ہندوؤن کے ساتھ برا سلوک کرنے سے اپنے ساتھیون کو روکا۔ کیونکہ اس طرح ہندو برابر مخالف رہتے، سیاسی مصلحت کی خاطر مذہبی رواداری ضروری تھی۔ پھر اندرونی بغاوتین جاری تھین۔ جانشینی کا کوئی واضح قانون نہ تھا۔ اس لئے خانہ جنگی بھی ہوتی رہتی۔ ملک مین جا بجا آزاد ریاستین بھی قائم تھین۔ منگولون کے حملون کا خطرہ برابر رہتا۔ اس لئے ایک غیر روادار سلطان کے بجائے ایک مدبر سلطان کی ضرورت زیادہ سمجھی جاتی تھی، اور ان ہی وجوہ سے التتمش، بلبن، علاؤالدین اور محمد بن تغلق جیسے طاقتور حکمرانون نے بھی مذہب کو سیاست سے خلط ملط نہین کیا۔ علماء زیادہ تر سلاطین کے مزاج کا رنگ دیکھ کر مشورے دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی سلطان متعصب ہوتا تو وہ غیر رواداری کا سبق پڑھاتے رہتے ورنہ وہ اپنی رائے کا اظہار اسی کی رائے کے مطابق کرتے، جیسا کہ علاؤالدین اور محمد بن تغلق کے دور مین نظر آتا ہے،....

علاؤالدین نے اپنی حکومت کو بالکل غیر مذہبی (سیکولر) بنا رکھا تھا۔ قاضی مغیث الدین سے اس کا جو مکالمہ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علماء کی باتون کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا، اور اس نے پرزور طریقہ پر یہ کہا کہ مجھکو معلوم نہین کہ مین جو کچھ کرتا ہون شریعت کے مطابق ہے یا نہین لیکن مین جو کچھ کرتا ہون، اس مین حکومت کی فلاح کو سامنے رکھتا ہون.......

اور ایک کامیاب مطلق العنان سلطان مین جتنے اوصاف ہونے چاہئین وہ سب اس مین موجود تھے، وہ پورے عزم کے ساتھ اپنے احکام کو نافذ کرتا، امراء اور علماء دونون اس سے دبے رہے، وہ سلطنت کے نظم و نسق مین کسی قسم کی ترقی پسند نہین کرتا تھا۔ اس نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ مین رکھے تھے۔ اور ہر شعبہ کی نگرانی خود کرتا۔ وہ فوج کا سپہ سالار بھی تھا،

اور وہ دریا نزدیک کی مہمون مین خود شریک ہوتا۔ گو اس کی بھی مثالین ہین کہ اس کے فوجی امرا نے بھی لشکر کشی کی ہے، وہ عدل و انصاف کے محکمے اور جاسوسون کے ذریعہ بڑی غیر جانبدارانہ عدل نوازی کا ثبوت دیتا رہا۔ .... اس کے پیشرو سلاطین کے عہد مین امراء کی سازشون کے برے نتائج اس کے سامنے تھے۔ بھر ۱۲۹۹ء مین اکت خان، عمر خان، منگو خان اور ۱۳۰۱ء مین دہلی مین حاجی مولیٰ کی بغاوتون نے اس کو چوکنا رکھا۔ ...... اسلئے اس نے یہ حکم جاری کیا کہ امراء بادشاہ کی اجازت کے بغیر آپس مین شادی بیاہ نہ کرین اور باہمی میل جول بھی نہ رکھین اس حکم کی تعمیل بڑی سختی سے کرائی گئی۔ ...... امراء کو زیر کر لینے کے بعد علاء الدین حکومت کے نظم و نسق کو بہتر سے بہتر بنانے مین مشغول ہو گیا۔ ...

سلطان کے بعد پورے نظم و نسق کا نگران وزیر ہوتا۔ وہ صوبون کے نظم و نسق سے متعلق سلطان کا جوابدہ ہوتا، اور خزانہ بھی اسی کے ماتحت رہتا۔ وہ مختلف حصون مین آمدنی کی وصولی کے لئے عامل مقرر کیا کرتا۔ اور میدان جنگ مین لشکر کی قیادت بھی کرتا۔ ....

وزیر کے بعد دوسرے اہم عہدیدار قاضی القضاۃ، میر عرض اور میرداد ہوتے، میرداد قاضی کے سامنے ان امرار کو پیش کرتا جن کے خلاف کوئی شکایت ہوتی۔ دیوان اشرف محاسب اعلی ہوتا۔ اور مستوفی کی حیثیت اوڈیٹر جنرل کی ہوتی۔ یہ وزیر ہی کے جوابدہ ہوتے، اور آمد و خرچ کا باضابطہ حساب رکھتے۔ فوجی عہدیدارون مین میر عرض گویا وزیر جنگ تھا۔ اور بخشی فوج لشکریون مین تنخواہین تقسیم کرتا۔ امیر کوہی زراعت کا نگران تھا۔ لیکن عام طور سے انتظامی اور فوجی عہدون مین زیادہ تفریق نہ تھی، انتظامی عہدیدار بڑی بڑی فوجی مہمون مین شریک ہوتے، اور فوجی عہدیدار انتظامی امور کے بھی ذمہ دار رہتے۔ ....

ضیاء الدین برنی کے بیان کے مطابق سلطنت حسب ذیل گیارہ صوبوں میں تقسیم تھی۔ ان میں وہ گورنر مقرر تھے جن کے نام قوسین میں درج ہیں۔

(۱) گجرات (الپ خان) (۲) ملتان اور سیوستان (ملک کافور) (۳) دیپال پور (غازی ملک تغلق) (۴) دھار اور اجین (عین الملک ملتانی) (۵) جائن (فخر الملک میرتی) (۶) سمانہ اور سنام (اخور بیگ تاتک) (۷) چتوڑ (ملک ابو محمد) (۸) چندیری اور ایرج (ملک تمر) (۹) بدایوں، کوئل، کرک (ملک دینار) (۱۰) اودھ (ملک یکتن) (۱۱) کڑا (ملک نصیر الدین سوتلیہ)

سلطان کی جو حیثیت دہلی میں ہوتی، وہی صوبہ کے حاکم کی حیثیت اس کے پایۂ تخت میں ہوتی۔ وہ تمام انتظامی امور اور عدل و انصاف کا سربراہ ہوتا، اس کے پاس لشکر بھی ہوتا اور وہ مرکز کو ضرورت کے وقت لشکری بھی بھیجا کرتا۔ وہ دربار منعقد کرتا، مقدمے سنتا، اور دوسرے انتظامی امور کی نگرانی رکھتا۔ صوبہ کی آمدنی میں سے وہاں کے اخراجات کے بعد کوئی فاضل رقم بچ جاتی تو وہ سلطان کے پاس بھیج دیتا۔ بادشاہ اگر کمزور ہوتا تو صوبے کے حاکم بالکل آزادانہ روش اختیار کر لیتے۔ لیکن بلبن اور علاء الدین جیسے طاقتور سلاطین کے دور میں انھوں نے کوئی سرکشی اختیار نہیں کی، اور غازی ملک، ملک کافور اور الپ خان جیسے فوجی سرداروں نے تو حکومت کی خدمت بڑی وفاداری کے ساتھ کی۔ جو علاء الدین کی ہوشمندی اور قوت کی دلیل تھی۔

عدل و انصاف | علاء الدین بلبن ہی کی طرح عدل نوازی میں بڑا ہی سخت تھا۔ اگر اسکے عہد میں بھی کوئی ابن بطوطہ آجاتا تو اس کی عدل گستری کی پوری تفصیل معلوم ہوتی۔ معاصر مورخین نے اس کی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ اس محکمہ میں سلطان کے بعد صدر جہاں قاضی القضاۃ

کا عہدہ اہم تھا۔ اس کے ماتحت نائب قاضی ہوتے جن کی مدد مفتی کیا کرتے تھے، ایک
اور عہدیدار داد بیگ حضرت ہوتا۔ وہ دہلی کے تمام قضیے کا فیصلہ کیا کرتا۔ میرداد
قاضی کے حضور مین ایسے امراء کو پیش کرتا جن پر کچھ الزام ہوتا، اور جو قاضی کے دسترس سے باہر
ہوتے۔ عدل گستری کا یہی طریقہ صوبہ مین رائج تھا۔ قاضی اور اس کے ماتحت عہدیدار یہ
فرائض انجام دیتے تھے، چھوٹے چھوٹے قصبون اور گاؤن مین پنچایت بدستور سابق
قائم رہی۔ اور یہین سارے قضیے طے ہو جاتے۔ شہزادے، وزراء فوج کے سردار اور
دوسرے اہم عہدیدار بھی ایسے مقدمات فیصل کر دیتے جن مین بہت زیادہ قانون دانی
کی ضرورت نہ ہوتی، مال کے مقدمات کی سماعت یا تو مقطع یا اس کا دیوان کرتا، یہ مقدمات
قاضی کے یہان نہین پیش کئے جاتے، دادخواہ اپنے مقدمات کے فیصلے جلد پا جاتا، وکیلون
کی وساطت کی ضرورت نہ ہوتی۔ قاضی دونون طرف کے بیانات سن کر قیاس سے کام لیتا اور
فیصلہ جلد صادر کر دیتا.......... قاضی کا بڑا احترام کیا جاتا۔ اور وہ بڑے سے بڑے
امراء کو سزا دے سکتا تھا۔ برنی کے بیان کے مطابق قاضی کے لئے علم، عالی نسبی اور تقوی
ضروری چیزین تھین، سلطان علاءالدین اس کا برابر خیال رکھتا کہ قاضی سے کوئی نازیبا بات
نہ ہونے پائے، اس نے ایک قاضی کو شراب پینے کے جرم مین موت کی سزا دی تھی، پولیس
اور جاسوسون کی اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے محکمۂ عدل وانصاف کا کوئی عہدیدار بھی اپنے
جرائم کی سزا پانے سے محفوظ نہین رہ سکتا تھا......... سلطان عدل وانصاف سے کبھی
غافل نہین ہوا اس لئے یہ محکمہ خاطر خواہ طریقہ پر کام انجام دیتا رہا۔

سزائین | عام طور سے ہر سلطان کے دور مین سزائین بہت سخت دی جاتی تھین۔
بڑے سے بڑے امراء و فضلاء اور اصحاب اقتدار کو سزا دینے مین رورعایت نہین کی جاتی

ملک قبول انغ خانی جیسے معزز شحنہ کو بیس درے لگائے گئے تھے۔ اور اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے سلطان کو غلہ کی قیمت مین نصف جیتل زیادہ بڑھانے کو کہا تھا۔ درے لگانا عام بات تھی، ایک موقع پر ایک شخص کو ایک ہزار درے لگائے گئے، گردن مارنا، جسم کے کسی عضو کا قطع کر دینا۔ زنجیر مین باندھ دنیا، یہ سب عام سزائین تھین، اعتراف جرم کے سلسلہ مین شدید جسمانی اذیتین دی جاتین، شراب کی ناجایز درآمد و برامد یا اس کے پینے پر علاالدین مجرمون کو اندھے کنوئین مین قید کرادیتا۔ جہان وہ یا تو مر جاتے یا وہان سے زندہ نکلتے تو ان کی صحت بہت ہی خراب رہتی، کوئی جیل خانہ نہ تھا۔ لیکن قیدی پرانے قلعون مین رکھے جاتے، اگر گھوڑے کے تاجر سلطان کے مقررہ نرخ کے خلاف قیمت لیتے تو ان کو دور دراز قلعون مین لے جاکر نظربند کر دیا جاتا........ کوئی دکاندار تول مین کوئی چیز کم دیتا تو اس کے جسم سے گوشت کاٹ لیا جاتا، زنا کی سزا سنگسار رہی تھی، اور ایسے مجرمون کی لاش یا تو نیزہ پر لٹکا دی جاتی یا شہر مین گشت کرائی جاتی کہ لوگون کو عبرت حاصل ہو،

پولیس اور جاسوسی کا انتظام

اعلیٰ نظم و نسق کے لئے خاطر خواہ پولیس اور جاسوسی کا انتظام ضروری ہے، علاوالدین نے ان دونون چیزون کی تنظیم بہت ہی بہتر طریقہ پر کر رکھی تھی۔ کوتوال پولیس کا بڑا اہم عہدیدار تھا۔ اس کے اختیارات وسیع تھے، اور اس کا عہدہ بڑا ہی ذمہ دار ہوتا، وہ امن کا علمبردار اور قانون کا نگہبان ہوتا۔ وہ اہم معاملات مین سلطان کو مشورے بھی دیتا، اور اس کی عدم موجودگی مین حرم سرا کا پاسبان بھی ہوتا.......... علاوالدین کے عہد کے پہلے کوتوال نصرت خان سے عوام بے حد خوفزدہ رہتے تھے۔ اس کے بعد علاوالملک کوتوال ہوا تو وہ سلطان کو تامل اور جھجک کے بغیر مشورے دیا کرتا تھا۔ جس سے اس عہدہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے،

علاء الدین نے اس محکمہ مین نئے، عہدے بھی قائم کئے۔ اور ان پر لائق آدمیون کو فایز کیا۔ تاجرون کی نگرانی کے لئے دیوان ریاست مقرر کیا۔ بازارون کا مجسٹریٹ (حاکم) شحنہ ہوتا۔ اخلاق عامہ کی دیکھ بھال کے لئے محتسب ہوتے، وہ مول تول پر بھی نگاہ رکھتے اسطرح پولیس کا انتظام بہت باضابطہ اور مکمل تھا۔

پولیس لوگون کے کردار و اعمال کو درست کرنے مین لگی رہتی، لیکن ان سے زیادہ لوگ جاسوسون سے خائف رہتے۔ جاسوسی علاؤالدین کے عہد کے لئے کوئی نئی چیز نہ تھی، اس کے پیشرؤن کے عہد مین بھی یہ نظام تھا........ لیکن علاؤ الدین نے اس کو بہت ہی مکمل بنا دیا۔ جاسوس کو سرکاری اصطلاح مین منہی کہتے تھے۔ یہ مختلف قسم کے ہوتے اور ادنیٰ سے اعلیٰ افراد کی خبر سلطان کو برابر پہونچاتے رہتے، وہ گھر کے اندر بھی داخل ہو کر لوگون کے جرائم کے متعلق بازپرس کر سکتے تھے، برنی کا بیان ہے کہ یہ نظام اتنا سخت تھا کہ سلطان کے خلاف کوئی دم نہین مار سکتا تھا۔ اور امراء، ملوک، اور اکابر سلطنت کے یہان جو کچھ بھی ہوتا۔ منہی سلطان کو خبر دیتے رہتے........ اور اس سے امراء اس قدر ڈر گئے تھے کہ ہزار ستون مین بھی وہ کسی سے کوئی گفتگو نہین کرتے تھے، اور اگر کسی سے کچھ کہنا چاہتے تو اشارون مین کہا کرتے تھے، ان پر منہی کے ڈر سے گھر کے اندر بھی دن ہو یا رات لرزہ طاری رہتا وہ کوئی ایسی بات نہ کرتے جس سے ان کو مورد عتاب و سزا بن جانے کا خوف رہتا .... امراء تاجر اور عوام سب ہی منہی سے خوفزدہ رہتے، اسی محکمہ کی کامیابی اور کارکردگی کی وجہ سے علاء الدین نے بازار کے نرخون پر قابو پا لیا تھا۔

ڈاک | سلطنت دہلی کے اچھے نظم و نسق کا انحصار ڈاک کے اچھے انتظام پر بھی تھا۔ جس کی وجہ سے سلطنت کے مختلف حصے ایک دوسرے سے منسلک رہے.......

ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ سلطان جب کوئی مہم کہین بھیجتا، تو دارالسلطنت سے فوج کی منزل تک برابر ڈاک کے پہرے بٹھا دیئے جاتے۔ تلپت سے جو دہلی سے کچھ دور پر ہے، ہر آدھ یا پاؤ کوس پر ڈاک کے ملازمین متعین تھے، جو روزانہ سلطان کو فوج کی خبرین دیتے رہتے کبھی کبھی اس نظام مین خلل پڑ جاتا۔ مثلاً جب ملک کافور ورنگل کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، تو اسکے یہان سے چالیس روز تک کوئی خبر نہین پہونچی جس سے سلطان کو بڑی پریشانی رہی۔

برنی نے داوا، دھاوہ، اور اولاق کی اصطلاح علاؤ الدین کے عہد مین استعمال نہین کی ہے، جو ابن بطوطہ محمد تغلق کے زمانہ مین کرتا ہے، برنی کی خاموشی سے یہ نتیجہ نہین نکالا جا سکتا ہے کہ یہ ڈاک کے ملازم اس زمانے مین نہ تھے۔ علاؤ الدین نے جب شراب کو ممنوع قرار دیا تو برنی کا بیان ہے کہ جاسوس اور برید شہر کے تمام دروازون پر تعینات کر دیئے گئے، تاکہ وہ ناجائز درآمد و برآمد کرنے والون پر نگرانی رکھین، اور جب حاجی مولی نے بغاوت کی تو اس کے تیسرے ہی دن سلطان کو خبر مل گئی۔ سلطان قطب الدین کے زمانے مین خسرو خان کی دیوگیری سے دہلی اسی ڈاک کے نظام کی وجہ سے سات روز مین پہونچا دیا گیا تھا۔ ان واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علاؤ الدین کے عہد مین ڈاک کا انتظام بہت ہی اچھا تھا، اور اس کو اپنے قوانین کے نفاذ مین اس سے بڑی مدد ملی۔

محکمۂ مال کی اصلاحات

ترکون مین علاؤ الدین ہی پہلا سلطان ہے جس نے محکمۂ مال کی اصلاحات مین دلچسپی لی۔ اس کے پیشرو سلاطین کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ اس پیچیدہ نظام مین دخل اندازی کرین اس لئے انھون نے نظام سابقہ کو جون کا تون برقرار رکھا۔۔۔۔۔ علاؤ الدین کی یہ اصلاحات امراء اور زمیندارون کو ناگوار گزرین۔ لیکن یہ ساری اصلاحات[1] نفع...

---

[1] ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی، ام۔ اے۔ ڈی۔ اس۔ سی۔ (لندن) سابق پروفیسر

اچھے نظم ونسق کے لئے ضروری تھین .... علاءالدین ملک کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے امراء کی قوت پر ضرب کاری لگانے کی خاطر ان سے ساری شاہی جاگیرین واپس لے لین۔ کیونکہ سلطان کا سیاسی فلسفہ یہ تھا کہ دولت ہی سازش اور بغاوت کی جڑ ہوتی ہے۔ اس نے زمین کی پیمائش کرائی، لگان مقرر کیا اور اس کی وصولی کا پورا انتظام کیا، اور یہ اس لئے کہ اس کی فوج مضبوط رہے تاکہ وہ مغلون کے حملون کو روک سکے اور اپنی سلطنت کے حدود بھی بڑھا سکے۔

امراء، علماء، اور صلحاء کو انعام مین بڑی بڑی جاگیرین دی جاتی تھین، یہ موروثی تو نہ ہوتی تھین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۶) الہ آباد یونیورسٹی۔ اپنی کتاب Some aspects of Muslim administration مین لکھتے ہین :-

علاءالدین اپنے بوڑھے چچا جلال الدین سے اوصاف مین مختلف تھا۔ وہ نظم ونسق کے ڈھانچے کو مضبوط بنا کر اس مین کارکردگی اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اندرونی بغاوت اور بیرونی خطرات نے اس کو پورے نظام حکومت کی طرف مائل ہونے پر مجبور کیا، اور اسنے بہت سی فوجی اور مالی اصلاحات کین۔ حکومت کی آمدنی ایسی جاگیرون کی وجہ سے کم ہو گئی تھی، جو ملک، انعام، ادرارت (وظایف) وقف وغیرہ کے نام سے مسلمانون کے پاس تھین، بلبن نے ان کو حکومت کی طرف سے ضبط کر لینا چاہا تھا۔ لیکن وہ کامیاب نہین ہو سکا مگر علاءالدین نے ان سب کو ضبط کر لیا۔ مسلمانون پر اس کا بڑا اثر پڑا اور جیسا کہ ضیاءالدین برنی نے مبالغہ سے لکھا ہے کہ وہ بالکل مفلس ہو گئے۔ اب علاءالدین ان ہندو زمیندارون کی طرف مائل ہوا جو مقررہ لگان پر حکومت کی زمین پر قبضہ کیے ہوئے تھے یہ زمیندار ان آزاد یا نیم مختار راجاؤن سے مختلف تھے جو حکومت کے خراج گذار تھے یہ صرف

بلکن ورثہ ان پر قبضہ کر لیتے تھے ۔ اور وہ رفتہ رفتہ ان جاگیرون کی آمدنی کی وجہ سے کاہل اور مغرور ہوتے چلے جاتے تھے ۔ سلطان بلبن نے ان کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہی تھی لیکن ملک فخر الدین نے کہہ سنکر اس کو روک دیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خود علاء الدین نے امراء اور ارباب قضا کو اپنی جانشینی کے وقت ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر بہت سی جاگیرین دی تھین ، اور دولت بھی تقسیم کی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ۱۲۹۷ء اور خصوصاً رنتھنبور کی مہم کی واپسی کے بعد اس نے عام حکم جاری کیا کہ جتنی جاگیرین انعام ، ملک یا وقف مین ہین ، سب واپس لے لی جائین ، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب تمام جاگیرین اور اوقاف ضبط کر لئے گئے تو لوگون کو اپنے گاڑھے پسینے سے کمانا اور کھانا پڑا ۔ اور پھر کسی کی زبان پر بغاوت کا نام تک نہ تھا ۔ اور جب امراء نادار ہو گئے تو پھر مقدم ، خوطون اور بلہرون (کسانون) کی باری آئی ، امراء کی طرح وہ بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۷) لگان وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے ۔ ان کو مقدم ، خوط ، چودھری وغیرہ کہا جاتا ان کو لگان وصول کرنے کے صلہ مین زمینون اور چراگاہون مین ، عاتیں دیجاتین ، وہ زیادہ تر موروثی ہوتے ۔ بلبن کے عہد مین مسلمانون کی سلطنت بہت زیادہ منظم نہین ہونے پائی تھی ، اس لیے مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خوط ، مقدم اور چودھری سرکاری آمدنی کے بڑے حصے کو موقع پا کر غصب کر لیتے ۔ وہ وصول کی ہوئی رقمون کو بھی ادا کرنے سے گریز کر کے حکومت کو نظر انداز کرتے ، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ضیاء الدین برنی کے اس بیان مین بڑی حد تک صداقت ہے کہ خوطے ، مقدم ، گھوڑون پر اڑے اڑے پھرتے ، بہترین پوشاک پہنتے ۔ ایرانی تیر و کمان استعمال کرتے ۔ شکار مین وقت گزارتے ، اور ایک دوسرے سے لڑتے اور خراج ، جزیہ کرہی ، اور چرائی مین ایک جیتل بھی ادا نہ کرتے

اپنی دولت کی وجہ سے سرکش ہوگئے تھے، وہ خراج، جزیہ، کری اور چرائی وغیرہ دینے سے گریز کرتے اور خود خوطے کی حیثیت سے ضرورت سے زیادہ رقم وصول کرلیتے اور کبھی دیوان مین حاضری نہ دیتے، اور نہ شاہی ملازمون کا حکم مانتے، زمیندار جو کچھ چاہتے کاشتکارون سے وصول کرلیتے، اور اس مین سے حکومت کو تھوڑا بہت تو دیدیتے۔ بقیہ فاضل آمدنی کی بدولت متمول اور سرکش بنے رہتے۔ مورلینڈ نے لکھا ہے کہ "برنی کے بیان کے مطابق تین قسم کی آبادی تھی، مسلمان، ہندو اور کاشتکار، اور سوال یہ تھا کہ پرگنون اور دیہاتون کے دیہی لیڈرون کا اقتدار کس طرح ختم کیا جائے"۔ ہندوؤن کے سربرآوردہ لوگ اپنے دور مین بڑے سرکش تھے، جیساکہ جلال الدین خلجی نے ایک موقع پر شکایت کی تھی کہ وہ پان کھا کر سفید کپڑے پہن کر، بڑی آزادی سے مسلمانون کے مجمع مین گھوما کرتے تھے، ضیاء الدین برنی نے تو مذہبی تعصب کی عینک لگا کر ہندوؤن کی اس روش پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۸) اور پھر لگان وصول کرنے کا حق خدمت بھی لے لیتے، وہ طرب و نشاط کی محفلین منعقد کرتے، شراب پیتے، اور پھر دیوان مین حاضری بھی نہین دیتے، اور آمدنی وصول کرنے والے عہدیدارون کو مطلق آنکھ نہین لگاتے اور جب علاء الدین نے مسلمانون کو نہین بخشا تھا، اور ان کو تمام مراعات سے محروم کردیا تھا، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ہندو عہدیدارون کے ساتھ خصوصی رعایت کرتا۔ ان سے نہ صرف حکومت کی آمدنی کو نقصان پہونچ رہا تھا۔ بلکہ ان کے باہمی جھگڑون سے سیاسی انتشار بھی پھیلا ہوا تھا، اس لئے سیاسی اور مالی دونون اسباب کی بنا پر ان پر سختی کرنا ضروری ہوگیا تھا، علاء الدین نے ان کو ان کے سارے مراعات سے محروم کردیا۔ اور ان پر بھی عام زمیندارون کی طرح ٹیکس لگائے۔ اس نے زمیندارون کے مختلف امتیازات کو بالکل ہی ختم کردیا۔

یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہندو معاشی لحاظ سے بہت بہتر تھے۔ اور دب کر رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب علاؤالدین نے امرا، کی قوت ختم کر دی تھی تو پھر اور سرکش لوگوں کو کیونکر چھوڑتا، وہ کسی کو بھی اتنا دولتمند دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا کہ وہ حکومت کے لئے خطرہ بن جائے، اس لئے برنی نے جو یہ لکھا ہے کہ سلطان ہندوؤں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے بہت سے اقدام کئے تو یہ جذبات اس مذہبی مورخ کے اپنے ہیں۔ لیکن سلطان نے اس سلسلہ مین جو کچھ کیا وہی ایک حقیقت پسند اور باعمل سلطان کو کرنا چاہئے تھا۔

علاؤالدین نے زمین کی پیمائش کرا کے پچاس فی صدی مال گزاری مقرر کی، . . . . .

. . . اس طرح تمام زمینوں کو بند و بست کی شرح ایک ہو گئی۔ لیکن بڑے بڑے زمیندار کاشتکاروں کی صف مین آگئے، ان کی بے جا آمدنی رک گئی، پیداوار کا نصف حصہ تو حکومت کو چلا جاتا اور جو نصف بچ رہتا اس سے چرائی اور دوسرے ٹیکس وصول کر لئے جاتی سطح زمینداروں کے پاس تھوڑی سی رقم باقی رہجاتی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ زمینداروں کی تن آسانی اور عیش پسندی بالکل جاتی رہی . . . . . . سلطان پیداوار کا جو نصف

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۹) اور یکسانیت پیدا کی، مقدم اور بلہر (گاؤں کے چوکیدار) مین کوئی فرق نہین رکھا۔ اس طرح ایک کاری ضرب سے تمام مخصوص رعایت رکھنے والے ہندوؤں کو بالکل ختم کر دیا۔ مسلمان ہوں یا ہندو خراج کے سلسلہ مین کسی کو کوئی رعایت نہین دی گئی، اور جو جتنی زیادہ رعایت رکھتا تھا اتنا ہی زیادہ نقصان مین رہا۔ علاؤالدین نے اقطاع یا خوطے کے نظام کو ختم نہین کیا۔ بلکہ بے جا مراعات کو روک دیا . . . . اور جب شراب خواری اور قمار بازی ممنوع قرار دیدی گئی تو برنی کے بیان کے مطابق حکومت کو "خراج ہائے بے اندازہ" سے محروم ہونا پڑا، فوجی مہم کے اخراجات روز بروز بڑھتے جا رہے تھے، پھر مغلوں کے

حصہ لے لیتا وہ زمینداروں کے علاوہ کاشتکاروں کو بھی پسند نہ آیا لیکن ...... سلطان نے مسکرات اور قمار بازی کی جو ممانعت کر دی تھی اس سے شاہی خزانہ کی آمدنی بہت کم ہو گئی تھی۔ سلطان نے اس کمی کو زمین کا لگان بڑھا کر پورا کیا۔ لگان میں غلہ یا نقد دونوں دیا جا سکتا تھا سلطان شاہی گودام میں ضرورت کے وقت کے لئے غلہ جمع کرتا رہتا تھا۔ اس لئے غلہ لینا زیادہ پسند کرتا تھا۔ لگان اور دوسرے ٹیکس کی وصولی کے بعد کاشتکاروں کو فاضل غلہ فروخت کر دینے کے لئے کہا جاتا۔" اور کاروانیاں "سرکاری حکام کی مدد سے غلہ خرید لیا کرتے تھے۔ اس طرح زمینداروں کو نقصان پہونچا تو کاشتکار بھی کم نقصان میں نہ رہے۔

زمین کی مال گزاری کے علاوہ مکان اور چرائی کے بھی ٹیکس تھے، گائے، بھینس اور بکری جیسے دودھ دینے والے جانوروں پر بھی ٹیکس لگائے جاتے تھے۔ کیونکہ ان کے مالکوں کو ان سے بڑی آمدنی ہوتی البتہ ہل میں کام آنے والے جانوروں پر کوئی ٹیکس نہ تھا۔

غیر مسلموں سے جزیہ بھی لیا جاتا .... لیکن یہ محض ایک ٹیکس تھا۔ جو عورتوں، بچوں اور دیوانوں وغیرہ پر نافذ نہیں کئے جاتا تھا۔ جزیہ میں غریبوں سے دس، متوسط طبقے سے بیس اور دولتمندوں سے چالیس ٹنکے وصول کئے جاتے۔ علاء الدین نے جزیہ ضرور وصول کرایا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اس اسپرٹ میں وصول نہیں کرایا جس کے فقہاء

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۰) خطرات کی وجہ سے علاء الدین کو ایک جرار لشکر رکھنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے آمدنی کی کمی کو زمین کے اضافۂ لگان سے پورا کیا۔ اور اس نے پیداوار سے پچاس فی صدی وصول کرنا شروع کیا .... لیکن علاء الدین کو اس کا احساس ہوا کہ اس سے کاشتکاروں پر برا اثر پڑیگا۔ اس کو دولتمندوں سے تو کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ مگر اس کو اس کا یہ خیال رہا کہ کہیں وہ زمیندار اور سرکاری عہدیدار جن کو ان کی رعایتوں سے

دعویدار تھے، اس کو خوطون اور مقدمون سے یہ شکایت تھی کہ وہ خراج، جزیہ، کری اور چرائی وصول کرکے ایک جتیل بھی ادا نہین کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جزیہ کو محض ایک بڑا ٹیکس سمجھتا تھا۔ دکن کے راجا مغلوب ہونے کے بعد سالانہ رقمین مرکز کو بھیجا کرتے تھے۔ اس کو جزیہ یا محض ایک سیاسی خراج جو چاہئے کہہ لیجئے۔ اسی قسم کی باجگزاری راجپوت ریاستین کرتی رہین۔ . . . . . .

خمس سے بھی شاہی آمدنی ہوتی، میدان جنگ کے مال غنیمت مین $\frac{1}{5}$ تو حکومت اور $\frac{4}{5}$ لشکریون کا ہوتا۔ لیکن سلطان علاء الدین کسی کا متمول ہونا پسند نہین کرتا تھا۔ اس لئے اس نے حکومت کے لئے $\frac{1}{5}$ کے بجائے $\frac{4}{5}$ وصول کیا۔ . . . .

محکمۂ مال کے عمال | اس محکمہ مین مختلف درجے کے عہدیدار مقرر ہوئے۔ اور اس کو کامیابی سے چلانے کا سہرا سلطان کے نائب وزیر شرف قائی کے سر ہے، وہ کئی سال تک انتھک کوششون سے سلطان کے احکام کو نافذ کرانے مین لگا رہا۔ اس نے دہلی، پالم، ریواری، افغان پور، امروہہ، بدایون، کوئل اور مغرب مین، دیپال پور، لاہور، سمانہ اور سنام، اور اور پھر جنوب مین مالوہ، اور راجپوتانہ مین زمینون کی پیمائش کرائی۔ یہ پیمائش اور ۵۰ فی صدی لگان، اور چرائی وغیرہ کے ٹیکس ملک کے صرف مرکزی حصون مین تھے۔ پوری سلطنت مین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۱) محروم کر دیا گیا ہے۔ اپنا سارا بار غریبون پر نہ ڈال دین، وہ محکمۂ مال کے عہدیدارون سے بھی واقف تھا۔ اس لئے اس نے کچھ اور اصلاحات کین، اور زمین کی پیمائش کرائی، اور واقعی پیداوار کے لحاظ سے لگان وصول کرنے کی ہدایت دی، زمین کی پیمائش کے بعد زمیندارون، کاشتکارون اور لگان وصول کرنے والے عمال بہت آسانی سے قابو مین آگئے، اور کسان کو معلوم رہتا کہ اس کو کتنی مال گزاری ادا کرنی ہے۔ . . . . . پہلے مالگذاری غلط طریقہ سے وصول کی جاتی تھی جس سے کچھ رقم بقایا مین رہجاتی تھی۔ اور اس کا ادا کرنا

نافذ نہین کئے گئے تھے۔ لیکن یہ بھی سلطان اور اس کے نائب وزیر کا بڑا کارنامہ ہے۔ اس لحاظ سے ضیاء الدین برنی نے شرف قائی کی بڑی تعریف کی ہے۔

شرف قائی نے اس محکمہ کے نظم ونسق کی ساری خرابیون کو دور کرنے کی کوشش کی۔۔ ۔ ۔ ۔ پہلے عام طور سے لگان پورے طور پر وصول نہ ہوتا۔ اور وصول کرنے والے بھی دیانتدار نہ ہوتے۔ بلکہ وہ رشوت خور تھے۔ علاءالدین نے اس کے انسداد کا پورا عزم کیا۔ اس نے ایک نیا محکمہ دیوان مستخراج قائم کیا۔ اور استخرج کو لگان کے بقایا کی جانچ پڑتال کا پورا اختیار دیا۔ اس کو پٹواریون، گماشتون، عاملون اور کارکنون کو سزا دینے کی پوری اجازت تھی۔۔۔۔۔ اور ان پر اتنی سختی کی گئی کہ برنی کا بیان ہے۔ کہ کسی کو بھی ہندو یا مسلمان سے کسی قسم کی رشوت لینے کی جرات نہ ہوتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علاءالدین کے نظم ونسق سے جبر، اور قوت کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔ جس سے اقتصادی خوشحالی پیدا نہین ہو سکتی تھی۔ مگر اس کا مقصد یہ تھا کہ بغاوت کا لفظ بھی کسی کی زبان پر نہ آنے پائے، لیکن برنی کا یہ الزام تو بالکل بے بنیاد ہے کہ علاءالدین صرف ہندوون کو کچلنے کے لئے ساری اصلاحات عمل مین لاتا رہا۔ علاءالدین کے قوانین اور احکام امیرون تاجرون، کاشتکارون سب ہی کے لئے تھے۔ اور وہ سب زد مین آئے۔ لیکن زراعت پیشہ صرف ہندو ہی تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲) کسان کے لئے مشکل ہو جاتا تھا اس کے لئے علاءالدین نے ایک نیا محکمہ استخراج کے نام سے قائم کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کم تنخواہ پانے والے حکام رشوتین لینے کے عادی تھے، علاءالدین نے ان کی تنخواہین بڑھا دین کہ وہ رشوت لئے بغیر عزت و راحت سے رہین، اس کے بعد کسی پر رشوت یا غبن کا الزام مین ہوتا تو بڑی سخت سزا پاتا۔ اس نے دس ہزار عاملون اور کاتبون کو رشوت کے سلسلہ مین بڑی عبرتناک سزائین دی تھین، ان اصلاحات سے

اور زمین کے لگان ہی سے خزانہ کی آمدنی زیادہ بڑھ سکتی تھی، اس لئے زیادہ نقصانات ہندو کاشتکاروں ہی کو برداشت کرنے پڑے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۳) رشوت ستانی اور بددیانتی بڑی حد تک رک گئی، اور حکومت کی آمدنی مین بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ علاء الدین نے اس کی بھی پوری کوشش کی کہ پٹواری غلط اندراجات نہ کرین، اس کیلئے بڑی سخت سزائین مقرر کین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسان کو اختیار تھا کہ مال گذاری خواہ جنس کی صورت مین ادا کرین یا نقد روپیے دے کر بے باق کرین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علاء الدین نے چرائی ٹیکس اور گھر پر بھی ٹیکس عائد کئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لوگ کثرت سے جانور پالتے تھے جس سے کاشت کے قابل زمینین بھی چراگاہون مین تبدیل ہو گئی تھین، انکو روکنے کیلئے چرائی کا ٹیکس عائد کیا گیا، تاکہ لوگ زراعت کی طرف مائل ہون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضیاء الدین برنی نے علاء الدین کے عائد کردہ ٹیکسوں پر بڑی سخت نکتہ چینی کی ہے، اس کے عہد مین ٹیکس ضرور زیادہ لگائے گئے لیکن یہ ٹیکس کاشتکارون، زمینداروں، تاجرون اور سوداگرون سب ہی پر تھے۔ حکومت ملک کے دفاع مین کثیر رقم خرچ کر رہی تھی، اندرونی طور پر بغاوتین بھی روکی جا رہی تھین، لیکن یہ کہنا انصاف کے خلاف ہوگا کہ علاء الدین نے صرف ہندوؤن کو کمزور اور بے بس بنانے کی خاطر اتنے زیادہ ٹیکس لگائے، اس سلسلہ مین ضیاء الدین برنی کے بیانات بہت ہی سطحی ہین، ٹیکس کا بوجھ ہر طبقہ اور ہر جماعت پر پڑا، ہندوؤن پر زیادہ بار اسلئے پڑا کہ وہی کاشتکار اور زمیندار تھے، اور وہی مقدم اور خوطے بھی تھے، اور وہی دولت بھی زیادہ رکھتے تھے، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علاء الدین اپنی فوجی قوت کو بڑھانا اور اپنے خزانہ کو پُر رکھنا چاہتا، اس لئے اس نے وہی کیا جو ایسے موقع کیلئے تجرباتی طور پر بہتر اقدام ہو سکتا تھا

جنوبی ہند اور غالباً راجپوتانہ کے راجاؤن سے جزیہ لیا گیا، لیکن اسکا کوئی ثبوت نہین ہے کہ دہلی کی حکومت کے ماتحت رہنے والی ہندو رعایا سے بھی جزیہ وصول کیا جاتا رہا، علاء الدین اور قاضی مغیث الدین کے درمیان جو مکالمہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان اس سے مطمئن تھا کہ زیادہ سے زیادہ جو ٹیکس

فوجی اصلاحات | فوج کے دو خاص حصے تھے، سوار اور پیدل۔ ان کے علاوہ میدان جنگ میں ہاتھی بھی ہوتے۔ دیوان عرض ہر لشکری کی چہرہ نویسی کا اہتمام رکھتا۔ سلطان نے گھوڑوں پر داغ لگانے کا رواج جاری کیا تاکہ معائنہ کے وقت کوئی ایک ہی گھوڑے کو دوبارہ دکھا سکے۔ گھوڑوں، لشکریوں اور اسلحہ کا معائنہ بڑی سختی سے کیا جاتا۔ سلطان ایک لشکر جرار ہمیشہ تیار رکھتا۔ وہ فتح و تسخیر کے بعد لشکر کو غیر مسلح کر کے رخصت نہ کر دیتا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ سلطان کے پاس چار لاکھ پچھتر ہزار سوار مسلح اور مرتب رہتے۔ ایک سوار کی تنخواہ ۲۳۴ ٹنکے سالانہ یا ۱۹½ ٹنکے ماہانہ ہوتی۔ اور اگر کسی سوار کے پاس دو گھوڑے ہوتے تو اس کو ۷۸ ٹنکے سالانہ یا ۶½ ٹنکے ماہانہ مزید دیئے جاتے۔ . . . . . . یہ تنخواہ بہت قلیل تھی۔ لیکن علاؤالدین اپنے لشکریوں کو آسودہ حال رکھنا چاہتا تھا۔ ملک تاج الدین کافور جب ورنگل کی مہم پر روانہ ہونے لگا تو سلطان نے اس کو جو ہدایتیں دیں ان سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے لشکریوں کا کس قدر خیر خواہ تھا۔ اس کے فوجی سردار جب دکن سے واپس آتے تو ان کو مختلف طریقوں سے نوازتا۔ لیکن وہ اپنے سپاہیوں کو بڑی تنخواہیں نہیں دے سکتا تھا۔ وہ ان کو جاگیر دینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لئے اس نے ضروریات زندگی کو ارزان بنایا۔ بازار میں قیمتیں مقرر کرائیں۔ اور دوسرے اقتصادی اصلاحات سے لشکریوں کو فائدہ پہونچایا۔ وہ اپنے لشکریوں کا خیر خواہ اس لئے بھی تھا کہ ان ہی کے ذریعہ ملک کی حفاظت، اور اس کے بلند حوصلوں کی تکمیل ہو سکتی تھی۔[۱]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۴) لئے جا سکتے تھے ڈلیے جارہے تھی۔ اسی لئے وہ جزیہ عائد کرنے پر مصر نہیں تھا، اگر عائد کیا گیا ہوتا تو ضیاء الدین برنی اس کو لکھنے سے باز نہ آتا۔

[۱] سلطان علاؤالدین نے شرح اجناس اور نرخ بازار کو کس طرح قابو میں رکھا، اسکی

معاشرتی اصلاحات

اس نے مسکرات کو بالکل ممنوع قرار دیا یہ اس لئے نہین کہ شراب خوری لوگون کے لئے مضر ہے۔ بلکہ بے فکرے دولت مند کہین جمع ہو کر شراب پیتے ہین تو فتنہ وفساد کی باتین سوچتے ہین۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پہلے تو علاء الدین نے صرف شراب ہی پر قدغن لگایا۔ پھر تمام نشیلی چیزون پر بھی پابندی عائد کر دی، قمار بازی بھی رکوا دی، غرضیکہ ایسے تمام اجتماع کو اس نے روکا جہان لوگ اکٹھے ہو کر رنگ رلیان مناتے اور پھر مفسدانہ سازشین کرتے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہاتھیون پر منادی کرائی گئی کہ شراب بیچنا یا پینا قانوناً جرم ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر کوئی چوری چھپے شراب پی لیتا تو اس کو سخت سزا دی جاتی، اس کو ڈنڈے سے مارا جاتا۔ اور زنجیرین باندھ کر بدایون دروازہ کے سامنے ایک اندھے کنوئین مین محبوس کر دیا جاتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ برنی کا بیان ہے کہ اس امتناعی قانون کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ جس روز سے شراب بندی ہوئی۔ اس روز سے بغاوت، سرکشی، اور معاندانہ کارروائی کا خیال ہی لوگون کے ذہن سے جاتا رہا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عصمت فروشی بھی قانوناً روک دی گئی، طوائفون کو عقد کر لینے پر مجبور کیا گیا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۵) تفصیل ہم جناب دھرم پال صاحب کے ایک مقالہ Ala-ud-Din's Price control system سے درج کرتے ہین جو جنوری ۱۹۴۴ء کے اسلامک کلچر (حیدرآباد) مین شایع ہوا تھا، ہم اس مضمون کا ترجمہ نہین بلکہ خلاصہ پیش کرتے ہین:-

علاء الدین خلجی ہندوستان کے ازمنۂ وسطی کے بہت ہی جلیل القدر حکمرانون مین سے ہے۔ اس نے ملک گیری کی روایت کو تو جاری رکھا لیکن اس نے ملکی نظم ونسق مین بھی ایسی مفید اصلاحات کین جن کو تغلقون نے اور بھی زیادہ فروغ دیا، آج کل

اس سے عوام کا اخلاق بھی سدھر گیا۔ سلطان نے زنا کی بڑی سخت سزا مقرر کر رکھی تھی، زانیہ سنگسار کر دی جاتی، اور زانی خصی کر دیا جاتا ...... عطائی اور جادوگر بھی اپنے اپنے کرتب اور جادو دکھانے سے روک دیئے گئے اور خون چوسنے والے جادوگرون کو تو پتھر مار مار کر موت کی سزا دی جاتی .... مسکرات کی ممانعت مین تو سیاسی مصلحتین ضرور تھین، لیکن اور دوسری اصلاحات صرف عوام کے مفاد اور ملک مین امن و امان برقرار رکھنے کے لئے تھین، زناکاری، عصمت فروشی۔ اور جادوگری کے خلاف اس نے جو کچھ کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ محض ایک جابر فوجی حکمران ہی نہین بلکہ معاشرتی مصلح بھی تھا۔

علاء الدین کے کردار وسیرت کا جائزہ: ضیاء الدین برنی کی تاریخ کے سرسری مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاء الدین اگر مذہب کا منکر نہ تھا، تو کم از کم اس سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۶) مرتب اور منظم قسم کے معاشی نظام کا ذکر بہت سننے مین آتا ہے لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ کے ایک مطلق العنان بادشاہ نے اسی قسم کا مرتب معاشی نظام پیش کیا۔ اور یہ دیکھ کر اور بھی حیرت ہوتی ہے کہ موجودہ زمانہ کی ترقی یافتہ حکومتین جب اپنے وسیع ذرائع اور وسائل کے باوجود اشیاء کے نرخ کو قابو مین لانے مین ناکام ہین تو علاء الدین جیسا ان پڑھ مطلق العنان بادشاہ نے غذاؤن کے نرخ پر قابو پا لینے مین کامیاب ہو گیا تھا۔ علاء الدین کی کنٹرول پالیسی پر اس لئے بار آور ہوئی کہ اس نے جو کچھ کیا، پورے دل سے کیا۔ اس سلسلہ مین اس کا سارا نظام اس کی کارکردگی کی دلیل ہے، وہ مسئلہ کے تمام اساس کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا، اسی لئے ایسی پیچیدگی کا حل بھی تلاش کر لیا تھا، جو آج کل موجودہ حکومتون کو پریشان کر رہی ہے، اس نے اپنے اقدام کو کامیاب بنانے کے لیے حسب ذیل باتین اختیار کین:-

(۱) علاء الدین سے یہ غلطی نہین ہوئی کہ اس نے صرف گیہون، شکر، نمک، اور

بدعقیدگی ضرور رکھتا تھا۔ لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہین ہے، یہ ضرور ہے کہ وہ کلام پاک کی تلاوت نہین کرتا کیونکہ وہ پڑھا لکھا نہ تھا۔ وہ رمضان کے روزے اور نماز کا بھی پابند نہ تھا۔ اور شاید وہی ایک ایسا سلطان تھا۔ جو جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جامع مسجد نہین جاتا تھا، وہ سلطنت کے نظم ونسق مین مذہب کی مداخلت بھی گوارا نہ کرتا تھا، لیکن ان تمام باتون کے باوجود وہ ایک سچا مسلمان تھا۔ اس کو اپنے مذہب سے بڑی عقیدت تھی، اور وہ کوئی ایسی بات سننا پسند نہ کرتا جس سے مذہبی بدعقیدگی کا اظہار ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۷) دوسری چیزون ہی کی قیمت مقرر کردی، اور بقیہ دوسرے قسم کے غلے کو ہاتھ نہین لگایا۔ اس نے تمام اشیائے خوردنی کے نرخ مقرر کئے، جو یہ تھے۔

گیہون	فی من	۷ ½	جیتل
جو	"	۴	"
چاول	"	۵	"
ماش کی دال	"	۵	"
چنا	"	۵	"
موٹھ	"	۳	"
نبات	فی سیر	۲ ½	"
شکر سفید	"	۱ ½	"
شکر سرخ	تین سیر	۱ ½	"
نمک	فی من	۵ ½	"

اس شرح کی خاص باتین یہ تھین کہ (۱) کہ تمام اشیای خوردنی پر نرخ مقرر ہو گئے تھے،

وہ اپنے معاصر صوفیہ کا بڑا احترام کرتا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے تو خود کبھی نہین ملا، لیکن ان کے روحانی تصرفات کا بڑا معتقد تھا۔ اور اپنے امراء کے توسط سے انکی دعاؤن کا ہمیشہ طلب گار رہتا تھا۔ آخری زندگی مین ان کا اور بھی گرویدہ ہو گیا تھا۔ اور اس کے خاندان کے تقریباً تمام افراد ان کے حلقۂ بیعت مین داخل ہو گئے تھے جب مولانا شمس الدین ترک مصر سے ہندوستان آئے اور علاء الدین سے ملے بغیر واپس چلے گئے'

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۸) (۲) پھر جو نرخ مقرر کر دیا گیا اس مین ترمیم نہین کی گئی، اور یہ استقامت "عجب العجائب"۔۔۔۔ مین شمار کی جاتی تھی۔ اس سے کاشتکارون اور استعمال کرنے والون کو کچھ زحمت تو ضرور ہوتی، لیکن نظم ونسق مین بڑی سہولت پیدا ہو گئی اور (۳) برنی کا بیان ہے کہ عملی حیثیت سے یہ نظام اتنا کامیاب رہا کہ کبھی بھی ایک جتیل کا اضافہ نہین ہوا۔

(۲) اس کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عام اجناس کے بڑے بڑے شاہی انبار خانے حکومت کی طرف سے قائم ہوئے۔ اور ہر ممکن ذریعہ سے غلہ فراہم کیا جاتا' دواب کی خالصہ زمینون سے لگان اجناس ہی کی شکل مین وصول کیا جاتا، دہلی مین انبار خانہ تھا، جہاین مین بھی انبار خانے بنائے گئے' دہلی کے انبار خانہ مین اتنا غلہ تھا۔ کہ خود حکومت اس کی سب سے بڑی تجارت کرتی تھی۔ اور وہ تاجرون کو برابر اجناس فراہم کرتی رہی،

(۳) سپلائی کا کنٹرول۔ علاء الدین نے بڑی ہوشمندی سے کام لے کر بازارین اجناس فراہم کرنے کا انتظام کیا۔ کاشتکارون کو ان کی پیداوار کی معقول قیمت تو ضرور دی جاتی۔ لیکن ان کو ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہ تھی۔ متصرفون اور کارکنون کو ہدایت تھی کہ کاشتکار ذخیرہ جمع کرنے نہ پائین۔ اور یہ شاہی حکم جاری کیا گیا کہ

تو اس کو بڑا قلق ہوا الغ خان مرا تو اس کے ایصال ثواب کے لئے اس نے کثیر رقم خیرات کی، ممکن ہے کہ اس کو سیاسی چال پر محمول کیا جائے لیکن اسکی اور دوسری باتوں سے یہ پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس نے اپنی نجی زندگی ایک اچھے مسلمان کی طرح بسر کی، امیر خسرو، عصامی شمس الدین ترک اور وصاف کی نظروں میں علاء الدین ایک سچا مسلمان تھا۔ عصامی کا، تو یہ بھی بیان ہے کہ سلطان نے شریعت کے اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور اپنے

بقیہ حاشیہ ص ۱۴۹) کاروانیان"، کو کم سے کم قیمت پر غلہ دیا جائے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ منڈیون مین برابر لاتے رہین، لیکن کاشتکارون کی بھی اجازت تھی کہ وہ خود بھی اپنا غلہ منڈیون مین اپنا غلہ لاکر فروخت کر سکتے ہین تا کہ وہ براہ راست نفع حاصل کر سکین۔

(۴) ذخیرہ اندوزون اور نفع خورون کے خلاف سخت کارروائی کی جاتی، تمام تاجرون کے نام حکومت کے دفاتر مین باضابطہ درج ہوتے، ان کے بال بچے ضمانت کے طور پر دہلی مین مقیم رہتے۔ اور اگر کوئی تاجر قانون کی خلاف ورزی کرتا تو تمام تاجر اس کے ذمہ دار قرار دیئے جاتے۔ اور ایک کی ذمہ داری سب کے اوپر ہوتی۔ اور وہ سب کے سب مجموعی طور پر حکومت سے معاہدہ کرتے کہ وہ مقررہ قیمتون پر کاشتکارون سے اجناس خریدین گے اور مقررہ نرخون ہی پر بازارون مین فروخت کرین گے۔ اس طرح بازار مین اجناس کی فراہمی برابر جاری رہتی۔

(۵) ذخیرہ اندوزی کے خلاف مہم۔ ذخیرہ کرنے والون کے ساتھ بڑی بے رحمی کا برتاؤ کیا جاتا، کوئی تاجر یا کاشتکار، یا گاہک ایک من یا آدھا من غلہ بھی ذخیرہ نہین کر سکتا تھا، نہ ایک دانگ فاضل نرخ پر فروخت کر سکتا تھا، اگر کہین فاضل غلہ دستیاب ہو جاتا تو وہ حکومت کی طرف سے ضبط کر لیا جاتا، مقطع اور عامل حکومت کو یقین دہانی کرتے رہتے کہ وہ کہین ذخیرہ جمع ہونے نہ دین گے اور

عمل مین اسلامیت کا اظہار کیا۔ اور اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے سلطنت مستحکم ہوئی، لوگ اطاعت گذار رہے اور عام خوشحالی رہی۔

اس پر تعصب کا بھی الزام ہے، لیکن اگر اس کے کردار کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس نے کسی مذہبی بنا پر ہندوؤن کو نہین دبایا۔ البتہ اس کے سخت نظام

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۰) اس کی خلاف ورزی کرنے والون کو پوری سزا دین گے، عام گاہکون کو بھی ضرورت سے زیادہ غلہ جمع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح ذخیرہ اندوزی کی مہم صرف تاجرون، بنجارون اور بنیاؤن ہی کے خلاف نہ ہوتی بلکہ عام لوگ بھی اس کی زد مین آتے رہتے، اور علاؤ الدین تعریف کئے جانے کا مستحق ہے کہ وہ اس مین کامیاب رہا۔

(۶) سرکاری انبار خانے عام حالات مین تو غلہ برابر بازار مین آتا رہتا۔ لیکن جب بارش نہ ہوتی تو بھی دہلی مین غلہ کی کمی کی شکایت نہ سنی جاتی۔ اور نہ قیمتون مین اضافہ ہوتا۔ ایک بار قلت بارش کے سبب سے منڈی کے ایک شحنہ نے سلطان سے قیمت مین نصف جیتل کے اضافہ کی خبر دی۔ تو سلطان نے اسی وقت اس کو بیس ڈنڈے رسید کئے۔ قحط کے موقع پر سرکاری انبار خانے کھول دیئے جاتے، اور راشن بندی ہو جاتی۔ ہر محلہ مین روزانہ خرچ کے مطابق سرکاری کارکنون کے پاس غلے بھیجدیے جاتے، عام خریدارون کو آدھا من غلہ دیا جاتا۔ اور اس کا خیال رکھا جاتا کہ خریدارون کے ہجوم کی وجہ سے کوئی خریدار مایوس ہو کر واپس نہ جانے پائے اور اگر کسی خریدار کو غلہ نہ ملتا یا ہجوم مین غلہ حاصل کرنے مین زخمی ہو جاتا تو بازار کے شحنہ سے باز پرس ہوتی، بازار کے تمام سرکاری ملازمین راشن بندی کے بہتر سے بہتر نظام کے ذمہ دار ہوتے۔

(۷) نرخ کے تعین کرنے والے حکام کا افسر اعلیٰ ملک قبول الغ خان تھا جس کا

حکومت کی وجہ سے سازش کرنے والے، امیرون، بے جا فائدہ اٹھانے والے تاجرون اور سرکش زمینداررون کو بڑا نقصان پہنچا، اور اس سلسلہ مین جو قوانین نافذ ہوئے ان سے متوسط درجہ کے تاجرون اور غریب کسانون کو بھی کچھ سختیان جھیلنی پڑین۔ لیکن ملک کی، آبادی اور اس کے زمینداررون اور کاشتکارون کی اکثریت ہندوؤن ہی کی تھی، اس لیئے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱) تعلق دیوان ریاست سے تھا۔ سلطان کو بازارون کی کیفیت منڈی کے شحنہ، بریدہ اور جاسوسون سے روزانہ ملا کرتی تھی۔ اگر نرخ مین ذرا بھی فرق ہوتا تو شحنہ کو فوراً سزا دی جاتی، اس طرح بازار کے تمام عہدیدار اپنے فرایض کو انجام دینے مین مطلق کوتاہی نہین کرتے۔

کپڑون پر کنٹرول | غلہ کے بعد کپڑے کی اہمیت ضروریات زندگی مین زیادہ ہے، علاءالدین نے کپڑون کے لیئے بھی معقول نرخ مقرر کیئے تاکہ لوگون کو خریدنے مین آسانی ہو، اسکے لیئے حسب ذیل ضابطے مقرر کیئے (۱) تمام کپڑے سرائے عدل مین لاکر فروخت کیئے جائین جو بدایون دروازے کے اندر تھا۔ اگر کپڑے سرائے عدل کے علاوہ کہین فروخت ہوتے، یا کہین قیمت زیادہ لی جاتی تو کپڑے ضبط کر لیے جاتے۔ اور خلاف ورزی کرنے والون کو سخت سزا دی جاتی، اسی طرح ایک ٹنکہ سے دو ہزار ٹنکے کی قیمت تک کے کپڑے سرائے عدل ہی مین فروخت ہوتے رہے (۲) ہر قسم کے کپڑے کے نرخ مقرر تھے، اچھے کپڑون کی قیمت بہت کم تھی، موٹے کپڑے مثلاً کرپاس ایک ٹنکہ مین بیس گز اور اس سے بھی کمتر درجہ کا کپڑا ایک ٹنکہ مین چالیس گز ملا کرتا تھا، پلنگ کی چادر دس جتیل مین ملجاتی تھی، عمدہ کپڑے مثلاً شیرین بافت کی تین قسمین تھین، سب سے عمدہ کی قیمت پانچ ٹنکے فی گز، اوسط تین ٹنکے فی گز، اور ادنی دو ٹنکے فی گز ہوتی تھی،

جو بھی تجارتی یا مالی قانون نافذ ہوتا اس سے ان کا قدرۃً ہندوؤن پر زیادہ اثر پڑتا، اگر علاء الدین کسی ہندو راجہ کے علاقہ پر حملہ کرتا اور اس حملہ مین ہندوؤن کو زیادہ نقصان پہونچتا یا ہندو راجاؤن سے جنگی ٹیکس جس کا سرکاری نام جزیہ تھا۔ لیا جاتا تو یہ اس لیے نہین کہ علاء الدین متعصب مسلمان تھا۔ کوئی ایسی مثال پیش نہین کی جا سکتی، جس سے یہ ثابت ہو کہ علاء الدین نے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۲) عام طور سے چین سوت کے کپڑے تین ٹنکے فی گز ملا کرتے تھے (۳) تمام سوداگرون کو حکم تھا کہ وہ اپنا نام سرکاری دفتر مین درج کرائین، جس کے بعد ان کو سرائے عدل مین سرکاری نرخ پر کپڑے فروخت کرنے کی اجازت ہوتی۔

(۴) حکومت کی طرف سے بیس لاکھ ٹنکے متمول سوداگرون کو قرض دیئے گئے کہ وہ باہر سے عمدہ کپڑے منگوا کر سرائے عدل مین فروخت کرین (۵) عوام اور خواص کے کپڑون کی علیٰحدہ علیٰحدہ تفریق کر دی گئی۔ اور نفیس قسم کے کپڑون کی قیمت کو قابو مین رکھنے کی خاطر یہ حکم جاری کیا گیا کہ ریشمی ساٹن اور کمخواب وغیرہ کی خریداری بازار کے شحنہ سے پروانہ یعنی پرمٹ لے کر کی جائے۔

مویشیون کا بازار مویشیون کے نرخ پر بھی پابندی عائد کی گئی۔ سلطان کے سوارون کی کارکردگی کے لئے اچھے گھوڑون کی برابر ضرورت رہتی، لشکر کے گھوڑون کی تین قسمین مقرر کی گئین، اول درجے کے گھوڑے کی قیمت ایک سو سے ایک سو بیس ٹنکے، دوم درجہ کی اسّی سے نوّے ٹنکے، اور سوم درجہ کی پینسٹھ سے ستر ٹنکے تک تھی۔ ٹٹو دس سے پچیس ٹنکے تک مل جاتے مناسب قیمت پر اچھے گھوڑون کی فروخت کا بڑا اہتمام تھا۔ کوئی سوداگر چور بازاری کر کے زیادہ نفع حاصل کرتا تو وہ یا تو دور دراز صوبون مین جلاوطن کر دیا جاتا یا قید خانہ بھیجدیا جاتا۔ دلالون کے ختم ہو جانے سے گھوڑون کا نرخ بالکل قابو مین آگیا تھا، سلطان

ہندوؤں کو محض ان کے ہندو ہونے کی وجہ سے ستایا یا مسلمانوں کے ساتھ محض اس لئے لطف وکرم کا برتاؤ کیا کہ وہ مسلمان تھے، اگر تاجروں کو نقصان ہوتا تھا۔ تو صرف ہندو تاجر نقصان نہیں اٹھاتے تھے، اگر محکمۂ مال کی طرف سے کوئی ظالمانہ قانون نافذ ہوتا تھا تو اس کا نفاذ صرف ہندوؤں پر نہیں کیا جاتا تھا۔ اور اگر امراء کو دبا کر رکھا جاتا تو صرف ہندو امراء ہی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) ہر چالیسویں دن یا دو مہینے پر سوداگروں اور ان کے گھوڑوں کو اپنے سامنے طلب کر کے جنس اور قیمت کی تفتیش کرتا۔ اور اگر کوئی سوداگر اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطہ کی خلاف ورزی کرتا تو اس کو سخت سزائیں دیتا۔ اسی طرح دودھ دینے والی گائے کی قیمت تین یا چار ٹنکے بھینس کی دس سے بارہ ٹنکے تک تھی، بھیڑ دس یا بارہ یا چودہ جیتل میں اور ایک خادمہ پانچ سے چالیس ٹنکے میں مل جاتی تھی، ایک شکیل کنیز کا نرخ بیس سے تیس ٹنکے تک تھا اور خادم دس سے پندرہ ٹنکے میں حاصل ہو جاتے۔

عام اشیاء ضرورت کی عام چیزوں کے بھی نرخ مقرر تھے۔ کلاہ، موزہ، کنگھی، سوئی۔ ترکاری، روٹی، حلیم، گوشت، ریوڑی، حلوا، اور یخنی وغیرہ کوئی چیز مقررہ نرخ سے زیادہ فروخت نہیں کی جا سکتی تھی۔ سلطان خود اپنے غلاموں کو بھیج کر ان چیزوں کی قیمت سے باخبر رہتا تھا۔

علاء الدین کو نرخ پر قابو پانے میں بڑی کامیابی حاصل ہوتی، اور اس کے کئی اسباب تھے، سلطان کو یعقوب جیسا دیانت دار اور ضابطہ کا پابند دیوان ریاست مل گیا تھا۔ وہ خلاف ورزی کرنے والوں کو عبرت ناک سزائیں دینے میں تامل نہ کرتا۔ کسی کو وہ بری طرح سے پٹواتا، کسی کے جسم سے گوشت کٹوا لیتا۔ کسی پر جرمانے کرتا اور کسی کو قید کر دیتا، پھر جاسوسوں سے بھی تمام سوداگر خوفزدہ رہتے۔ لیکن محض دہشت ہی کے ذریعہ یہ کامیابی حاصل نہیں

اس کے شکار نہین ہوتے تھے۔ علاء الدین نے اپنے امرا کے خلاف سخت ترین رویہ اختیار کیا تھا حالانکہ اس زمانہ مین ہندو امرا نہ ہونے کے برابر تھے۔ اس کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مسلمانون کی حکومت کے ابتدائی دور مین مسلمان سلاطین کو اپنا اقتدار ایک ایسی جگہ قائم کرنا پڑا جہان کے لوگ مذہب، معاشرت اور کلچر مین ان سے بالکل ہی مختلف تھے، ایسی حالت مین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۴) ہو سکتی تھی۔ بازار مین مال کو مہیا کرنے کا بڑا مرتب انتظام رکھا گیا تھا۔ رسل و رسائل مین بھی بڑی آسانیان پیدا کی گئی تھین۔ اور پھر لوگون نے اس نظام کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، ورنہ دیرپا کامیابی ممکن نہ تھی۔ اور اسی کامیابی کی وجہ سے علاء الدین کی مطلق العنان حکومت کے زمانہ مین بڑی خوشحالی رہی۔ اُدھر شعبۂ زندگی مین ترقی ہوئی، منگولون کے خطرات کا بالکل استیصال کر دیا گیا، اور گو مسلمانون کا اقتدار ملک کے دور دراز علاقون مین بھی قائم ہوا، لیکن حکومت مین سیکولر رنگ پیدا ہوتا گیا (اسلامک کلچر جنوری ۱۹۴۲ء)

امیر خسرو نے اپنی مثنوی دولرانی خضر خان، مین سلطان علاء الدین کے عہد کے شاہی بیاہ کے کچھ معاشرتی رسوم قلمبند کئے ہین۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی بہت سی رسمین مسلمانون کے اعلیٰ طبقہ مین اُس وقت تک جاری ہو چکی تھین، الپ خان کی لڑکی کی شادی جب سلطان علاء الدین کے لڑکے خضر خان سے ہوئی تو اس جشن مین تمام شہر اور کوچہ و بازار کی آرایش کی گئی۔ جابجا ڈیرے خیمے لیتا دہ کئے گئے، زرین پردے اور شامیانے لگائے گئے۔ تمام در و دیوار پر عجیب و غریب نقوش الٰہی منقش دیر۔ آویزان اور نمایان کی گئین، گھوڑون اور پریون کی حیرت انگیز اور دل فریب مورتین دیوارون پر نقش کی گئین۔ سڑکون اور گلی کوچون مین ریشمین فرش بچھائے گئے، نوبت اور شادیانے بجنے لگے

وہ ایسے لوگون کو اونچے عہدے دے کر ان پر بھروسہ نہین کر سکتے تھے، ہندو راجاؤن سے انکی لڑائیان برابر جاری رہین۔ ترکون کے حکمران طبقہ اور یہان کی مفتوح رعایا مین غیر شعوری طور کشمکش قائم تھی۔ ایسی حالت مین ان سلاطین سے یہ امید کیسے رکھی جا سکتی تھی کہ وہ یہان کے لوگون کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرتے، اور ان کے لئے بڑے بڑے عہدون کے دروازے کھلے رکھتے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۵) کرتب دکھانے والے خنجر اور تلوار سے اپنے اپنے کرتب دکھاتے، نٹ اور شعبدہ باز آسمان تک گیند اچھالتے۔ تلوار کو پانی کی طرح فرو کر تے، ناک کے راستے چاقو چڑھا لیتے۔ بہروپیے سوانگ بھر بھر کر تماشے دکھاتے۔ ولایتی اور ہندستانی راگ اور باجے ہر طرف سنائی دیتے، گانے والیان اپنا ناچ دکھاتین، جابجا منجنیق نصب تھے۔ ان سے روپے اور اشرفیون کی بارش کی جاتی...... بارات روانہ ہونے لگی تو منجمون نے ساعت سعید مقرر کی۔ شہزادہ شمس الحق خضر خان بسم اللہ کے تیز و تند گھوڑے پر سوار ہوا، تمام امرا اور صدو پیادہ پا ساتھ ہوئے، ہاتھیون پر زرین عماریان کسی ہوئی تھین، اور چارون طرف برہنہ تلوارون اور خنجرون سے لنظر بد کا راستہ بند کر دیا گیا تھا۔ راستہ مین موتیون اور جواہرات نچھاور کئے جا رہے تھے۔ یہان تک کہ جلوس الپ خان کے مکان پر پہونچا، شاہزادہ نے مسند پر جلوس کیا اور تمام اعیان سلطنت اور ارکان دولت اپنے اپنے درجون کے مطابق دائین بائین بیٹھے، ۲۳ رمضان المبارک ۷۱۱ھ کو صدر جہان نے منجمون کی اختیار کی ہوئی ساعت سعید مین ایک پر معنی خطبہ پڑھا، اور ایک گرانقدر مہر پر دونون کا عقد کیا، تمام حاضرین پر موتی اور جواہرات بکھیرے گئے، لوگون کو بڑی بڑی قیمتی چیزین بطور انعام عطا کی گئین۔ اور نکاح سے فراغت کے بعد یہ جلوس اسی ترتیب کے ساتھ واپس آیا،

اس لئے اگر علاءالدین کے عہد مین ہندو عہدیدار نظر نہین آتے تو کوئی تعجب کی بات نہین،

علاءالدین ضرورت سے زیادہ بلند حوصلہ تھا۔ اسے اپنے نام کو دوام بخشنے کی بڑی آرزو
تھی، اس لئے کبھی وہ سکندر اعظم کی طرح فتوحات حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو جاتا اور
کبھی کوئی نیا مذہب بنا کر انسانی تاریخ مین زندۂ جاوید بننے کے لئے سوچتا، اس کی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۶) اسی مثنوی مین امیر خسرو لکھتے ہین کہ علمائے باعمل کی بدولت آج
دہلی کو دارالعلم بخارا کا مرتبہ حاصل ہے پھر ہندی زبان (یعنی سنسکرت) کی نسبت فرماتے
ہین کہ جو شخص علم کا مدعی ہے اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ زبان فارسی سے کم نہین ہے،
بلکہ سوائے عربی زبان کے جو تمام زبانون پر حکمران ہے، اکثر زبانون پر اس کو ترجیح حاصل
ہے، عربی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین اجنبی الفاظ کی آمیزش نہین ہو سکتی۔ اور فارسی مین
یہ نقص ہے کہ اس مین عربی الفاظ کی آمیزش ناگزیر ہے .... ہندی صرف و نحو
کے اصول و قواعد عربی کی طرح منضبط ہین .... ہندی زبان معانی اور خیالات کے
اعتبار سے بھی دوسری زبانون سے کسی طرح کم نہین ہے .... آم کی تعریف لکھتے
ہوئے کہتے ہین کہ حقیقت مین ہندوستان جنت نشان ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو آدم اور طاؤس بہشت سے نکل کر یہان
کیون اتارے جاتے پھر ہندوستانی پھولون مین گل کوزہ، صد برگ، بیلا، جوہی، کیوڑہ، رائے چمپا، مول
سری، دونہ، کرنہ، سیوتی وغیرہ کی تعریف کرتے ہین۔ اور یہ بھی لکھتے ہین کہ جس طرح
ہندوستان کے پھول دیگر ممالک کے پھولون پر فوقیت رکھتے ہین اسی طرح ہندوستان
کے حسین مصر، روم، قندھار، سمرقند، خطا، ختن، خلخ اور تمام خوبانِ عالم پر صفات
حسن مین فائق ہین۔ اور کہتے ہین کہ ہندوستان کے حسن کا یہ عالم ہے کہ چین جیسے سو ملک بھی
اس کے ایک بال کے برابر نہین۔ یغما اور خلخ کا حسن بھی ہندوستان کے حسن کے

ان تمناؤن کو اس کی شراب نوشی، اس کی ہم جلیسون کی خوشامدانہ باتین اور بڑے بڑے عزائم مین اس کی کامیابی شہ دیا کرتی تھی، لیکن جب کوئی اس کو بہی خواہانہ مشورہ دیتا تو اس کو خاموشی سے سنتا تھا۔ ملک علاء الملک نے اس کو جو مفید نصیحتین کی تھین، اس کے اثر سے وہ اپنے بہت سے ارادون سے باز آگیا۔ اور اس کی توجہ مغلون کو شکست دے کر ہندوستان کی ریاستون کو تسخیر کرنے کی جانب مبذول ہوگئی، فتوحات ہون یا عظیم الشان تعمیرات یا اقتصادی حالات، ہر ایک چیز مین سلطان کی یہی خواہش رہتی تھی کہ وہ کوئی ایسا غیر معمولی کارنامہ انجام دے جس سے اس کے نام کو بقاے دوام حاصل ہو۔

اس کے بلند حوصلون نے اس کو ایک ہوشمند مدبر بنا دیا تھا۔ اس کو جب کوئی بڑا کام انجام دینے کا خیال پیدا ہوتا تو پہلے اس کے ہر پہلو کو اچھی طرح سوچ لیتا، چنانچہ جب وہ دیوگری پر حملہ کرنے کے لئے جا رہا تھا تو اس کی پوری احتیاط کی کہ اس کی خبر جلال الدین خلجی کو نہ ہو، جو ایک قابل تعریف بات ہے، جب وہ کسی راجہ سے لڑتا یا مغل حملہ آور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۷) برابر نہین کیونکہ اول الذکر کے حسین تیز چشم اور ترش رخ ہوتے ہین، خراسان کے حسین سرخ اور سفید ضرور ہوتے ہین، لیکن ان کے جیسے پھول ہین، ویسے حسین بھی یعنی رنگ ہے لیکن بو نہین۔ روس اور روم (ترکی) کے حسینون مین عجز و انکسار نہین پایا جاتا۔ وہ یخ کی طرح سرد اور سفید ہوتے ہین اور دوزخ بھی ان سے خوفزدہ رہتا ہے۔ تاتاری حسینون کے لبون پر ہنسی دکھائی نہین دیتی اور ختن کے حسن مین نمک نہین ہوتا ہے، سمرقند اور بخارا کی خوبصورتی مین شیرینی نہین، مصر اور روم کے حسین بدن ہندوستان کے حسینون کی طرح چست و چالاک نہین ہوتے (تفصیل کے لئے دیکھو مقدمہ مثنوی دول رانی خضر خان از جناب رشید احمد صاحب انصاری)

کا مقابلہ کرتا تو ہر حال مین غیر معمولی احتیاط سے کام لیتا، اس نے ایک بڑی سلطنت وراثت مین
نہین پائی تھی، بلکہ خود بنائی تھی۔ اس لئے وہ زندگی کی تلخی شیرینی دونون سے واقف تھا، اور
اس کو ہر کام کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کر کے انجام دینے کا پورا تجربہ تھا۔ وہ کسی خوف کی
بنا پر احتیاط نہین کرتا تھا۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا تو اس کو پورے عزم اور قوت کے
ساتھ تکمیل تک پہنچاتا۔ جس کی اس مین پوری صلاحیتین موجود تھین۔ اس نے اپنے چچا کو قتل
کر کے تخت و تاج حاصل کیا تھا لیکن واقعات نے ثابت کیا کہ وہ ایک بڑا جنرل تھا۔ کہا جاتا ہے
کہ وہ خود کوئی بڑا جنرل نہ تھا۔ بلکہ اس کو تمام فتوحات الپ خان اور نائب کافور کی بدولت
حاصل ہوئین لیکن یہ کہنا صحیح نہین، جب اس کی شخصیت بالکل گمنام تھی، اس وقت بھی
اس نے ملک چھجو (۱۲۹۰ء) اور بھلسا (۱۲۹۲ء) کی مہمون مین اپنی سپہگری کا ثبوت
دیا تھا۔ اور دیوگری کی غیر معمولی تسخیر مین تو اس نے ایک فوجی رہنما کی حیثیت سے اپنا سکہ
پوری طرح جما لیا۔

تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد وہ دار السلطنت کو چھوڑ نہین سکتا تھا۔ اس لئے
اس نے الغ خان اور نصرت خان کو ملتان اور گجرات کی مہمون پر بھیجا تھا۔ لیکن ۱۲۹۹ء
مین اس نے خود قتلغ خواجہ کو شکست دی، پھر ۱۳۰۳ء مین ترغی نے منگولون کا
جو زبردست حملہ ہندوستان پر کیا۔ اس کو بھی اس نے بڑی بہادری سے روکا، منگولون
کے مقابلہ کے لئے جب وہ روانہ ہو رہا تھا۔ اس وقت اس نے علاء الملک سے جو گفتگو کی تھی
اس سے اس کی شجاعت اور بہادری کے جوہر کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے دہلی
کے چارون طرف خندق کھدوا کر منگولون کو جس طرح روکا ہے، اس سے اس کی غیر
معمولی جنگی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ منگولون اور راجپوتون کے ساتھ اس کے بڑے بڑے

معرکے ہوئے جن مین اس نے اپنی فوجی تنظیم جنگی بصیرت اور بہادرانہ جوہر کا پورا ثبوت دیا، جب الغ خان رنتھمبور کے محاصرہ سے تھک کر واپس ہوگیا تو علاءالدین خود اس کی تسخیر کیلئے روانہ ہوا۔ اور مسلسل مشقت اور سپاہیانہ کمال دکھا کر اس کو فتح کر لیا، ۱۳۰۳ء مین علاءالدین نے چتور کی تسخیر کی، جس کو اب تک دہلی کا کوئی سلطان نہ کر سکا تھا اور اکبر جیسا طاقتور حکمران بھی آسانی سے اس پر قبضہ نہ کر سکا۔ چتور کی تسخیر کے بعد منگولون نے اتنا زبردست حملہ کیا کہ ہندوستان کی سلطنت کے لئے موت وزیست کا سوال پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن علاءالدین نے اس پر قابو پالیا، ۱۳۰۳ء کے بعد علاءالدین سلطنت کے نظم ونسق کی اصلاح مین مشغول رہا۔ اس لئے پایۂ تخت سے باہر نہ جاسکا۔ لیکن اس کی فتوحات عین الملک اور نائب کافور جیسے فوجی سردارون کے ذریعہ سے برابر جاری رہین۔ اس کے سپاہیانہ تدبر کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے فوجی سردار اس زمانہ مین جبکہ ہر فوجی سردار کی یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ کسی طرح تخت وتاج کا مالک بن جائے، اس کے اطاعت گذار رہے، الغ خان، نصرت خان، ملک کافور اور غازی ملک جیسے بڑے بڑے فوجی سردارون کا اس کا فرمان بردار رہنا اس کی ہوشمندی کی دلیل ہے درحقیقت وہ تمام فوجی سردارون کا سردار تھا۔ اور خود بھی سپہگری اور جنگی فنون کا بڑا ماہر تھا، اپنے دشمنون کو آسانی سے مغالطے مین لا کر اور ان کو تھکا کر آزمایش مین ڈال دیتا تھا۔

ملکی نظم ونسق مین اس کے کارنامے اور بھی نمایان ہین۔ بلکہ اس کی فوجی قابلیت، اس کی انتظامی ہوشمندی کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے، اس نے ملک کے لئے عجیب وغریب قسم کی اصلاحات جاری کین اور اپنی خواہش کے مطابق حکمرانی کی، سپاہیون کی بھرتی براہ راست اپنی نگرانی مین کیا کرتا۔ گھوڑون پر داغ لگوانا شروع کیا، فوجیون

کی نقدی تنخواہ کا رواج جاری کیا، بازاروں کے نرخ کو قابو میں کیا، راشن بندی۔ پرمٹ (وصول اجازت) کی روایت قائم کی۔ اسی طرح کی اور بھی نئی نئی باتیں ایجاد کیں جو پہلے سلاطین کے ذہن میں نہیں آئی تھیں۔ اس کے لایق مشیر مثلاً ظفر خاں، نصرت خان، الغ خاں اور علاء الملک وغیرہ ۱۳۰۲ء سے پہلے مر چکے تھے۔ اس لئے اس نے جو کچھ کیا۔ وہ سب اس کے غیر معمولی ذہن کا کرشمہ تھا۔ اس نے زمین کی پیمائش شروع کرائی۔ لوکل گورنمنٹ قائم کرنے کی کوشش کی، اور مال گذاری کی تحصیل کے لئے قوانین بنائے۔ ان سب باتوں میں اس کو اولیت حاصل ہے۔ وہ جو نظام یا قانون نافذ کرتا اس پر عمل درآمد کی پوری کوشش کرتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس غرض سے چپکے سے بازار بھیجا کرتا تھا کہ دوکاندار مقررہ نرخ کے مطابق چیزیں فروخت کرتے ہیں کہ نہیں۔

علاءالدین شہنشاہیت کا علم بردار اور اپنی سلطنت کے حدود کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کا بڑا دلدادہ تھا۔ لیکن فتح حاصل کرنے کے بعد نامناسب اور ناخوشگوار رویہ اختیار کرنا ملکی مصالح کے خلاف سمجھتا تھا۔ دکن کے راجاؤں کو شکست دے کر ان سے زیادہ خراج وصول کیا۔ لیکن ان کو ان کے علاقوں میں برقرار رکھا۔ اس طرح اس کے بڑے سے بڑے دشمن اس کے دوست بن گئے۔ دیوگیری اور دوار سمندر کے راجاؤں کا استقبال جس فراخ حوصلگی سے اس نے کیا اور ان کو خلعت، خطابات اور اپنے علاقے میں حکمراں بنا کر جس طرح ان کی عزت افزائی کی اس سے اس کا پورا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے سیاسی حالات پر بڑی اچھی نظر رکھتا تھا۔ اس نے اپنی سیاسی بصیرت سے اس کو خوب سمجھ لیا تھا کہ ایسے علاقے کو ختم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جہاں اس کا قدم اچھی طرح جم نہ سکے۔ اس لئے دکن میں اس کی پالیسی کی وجہ سے بہت سے راجے اس کے حلیف بن گئے

جو نہ صرف اس کے اطاعت گذار اور فرمان بردار رہے۔ بلکہ بہت سے فوجی معرکون مین اس کو مدد بھی دی، یہ عجیب بات ہے کہ علاء الدین کے فوجی سردارون نے جن علاقون مین خون ریزی اور آتشباری کی وہان کے راجہ علاء الدین کے بہت زیادہ فرمان بردار بن گئے، علاء الدین ہی پہلا مسلمان فرمان روا ہے جو ہندو راجاؤن کو ان کے علاقون مین حکمران بنائے رکھتا تھا۔ بشرطیکہ وہ خراج دیتے رہتے۔

علاء الدین مین بڑی جدت پسندی تھی۔ اس کی بعض جنگی اور مالی اصلاحات کو بعد کے فرمان رواؤن نے جاری رکھا۔ شیر شاہ نے علاء الدین کے بہت سے فوجی اصلاحات کو اپنی حکومت مین رائج کیا۔ علاء الدین نے زراعت زمین اور مال گذاری کے سلسلہ مین جو قوانین بنائے تھے۔ ان کو شیر شاہ اور اکبر دونون نے قبول کیا۔

اس مین شک نہین کہ علاء الدین کے نظم و نسق مین کچھ نقص ضرور تھا۔ اس کی حکومت شخصی تھی۔ جس کا دارومدار رائے عامہ کے بجائے فوجی قوت پر تھا۔ اور لوگ ڈر کر اس کی محض اطاعت کرتے تھے۔ اور نہ اس سے محبت کرتے اور نہ اس کا احترام کرتے تھے۔ وہ بھی اپنی فوجی طاقت برقرار رکھنے کے لئے اقتصادی خوشحالی کی طرف زیادہ توجہ نہین کرتا تھا بلکہ تجارت کی ترقی مین رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ تاجرون کو پوری آزادی حاصل نہ تھی۔ کاشتکارون کو بھی بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ اس کے جاسوس اس طرح پھیلے رہتے تھے کہ لوگون کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ امراء کو اس نے دبا رکھا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مرنے کے بعد حکومت پر بڑا نازک وقت آ گیا۔ لیکن جب علاء الدین کی کارگزاریون کا ناقدانہ گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے تو سارے الزامات دور ہو جاتے ہین، اس کے روشن کارنامے نسبتاً زیادہ ہین، اس نے ایک مرکزی سلطنت کو استوار بنا دیا، جس سے

ہندوستان کے بیشتر علاقے ملحق ہو گئے تھے۔ وہ ہندوستان کا پہلا فرمان روا ہے جس نے دکن کو اپنی حکومت میں ملا کر اس ملک کو ایک سیاسی وحدت عطا کرنے کی کوشش کی اس نے منگولوں کو پسپا کر کے ہندوستان میں ان کی حکومت کے خواب کو بالکل ہی خواب پریشان کر دیا۔ اس کی موت کے وقت بعض علاقوں نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اس سے علاءالدین کے کارناموں پر حرف نہیں آتا۔ اس نے جنوبی ہند کے دور دراز علاقوں میں پہونچ کر وہاں کے راجاؤں کو پسپا کیا، جس کے بعد اس کے عیش پسند جانشین قطب الدین کو بھی وہاں کے راجا کو سرنگوں کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی علاءالدین کی فتوحات دیرپا نہ رہی ہوں۔ لیکن اس کے نتائج بڑے دور رس ثابت ہوئے اسی نے یہ کر دکھایا کہ وندھیا پار کے علاقے بھی تسخیر کئے جا سکتے ہیں۔

اس نے ایسا انتظام حکومت قائم کر رکھا تھا کہ جس کی بدولت وہ کامیابی سے دو قرن تک حکومت کرتا رہا۔ اور اس کے بنائے ہوئے ضوابط آگے چل کر نمونے کے طور پر قابل تقلید ہوئے۔ ضیاءالدین برنی نے اس کے عہد حکومت کے بہت سے شاندار کارنامے گنوائے ہیں جو کسی دوسرے حکمران کے عہد میں نہیں پائے جاتے مثلاً (۱) ضروریات زندگی کی چیزیں سستی ملتی تھیں اور قحط کے زمانے میں بھی ان کے نرخ مقرر تھے (۲) اس دور میں بہت سی فتوحات ہوئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کامیابی مہم سے پہلے ہی حاصل ہو جاتی تھی، (۳) منگولوں کو بری طرح پسپا کیا گیا (۴) ایک بہت بڑی فوج کم تنخواہ پر مطمئن اور آسودہ حال رہی (۵) سرکش زمیندار بالکل دبے رہے (۶) سڑکیں اور شاہراہیں بالکل محفوظ تھیں، رہزن ہی گذرگاہوں کے محافظ بنا دیئے گئے تھے۔ (۷) تاجروں کو ایماندار بننے پر مجبور کیا گیا (۸) مضبوط عمارتیں بکثرت بنائی گئیں (۹) ہندوا طاعت

گذار بن کر رہے۔ اور مسلمانون نے سچائی، پرہیزگاری اور عدل وانصاف کی زندگی بسر کی (۱۰) اسس عہد مین ارباب ہنر اور اصحابِ علم کا اتنا بڑا اجتماع ہوگیا تھا کہ کسی اور دور مین نہین ہوا،

آٹھوین جھلک

امیر خسرو

از جناب دھرم پال صاحب

سلطان[1] علاء الدین خلجی کے عہد مین بڑے بڑے باکمال شعرا شعر و سخن کی خدمت مین لگے ہوئے تھے، جن مین امیر خسرو کا درجہ بہت زیادہ و بلند نمایان ہے، وہ ایک جلیل القدر اہل علم، شاعر اور ماہر موسیقی بھی تھے ان کی گوناگون صلاحیتون کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے شعر و سخن مین کوئی ایسا پہلو نہ تھا جس مین انھون نے مہارت اور کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی نہین کی، غزل ہو یا قصیدہ ہو یا مثنوی ہو ہر صنف مین اپنے کمالات کا اظہار کیا ہے، عاشقہ مین لطیف پیرایہ مین جذبات نگاری کی ہے ہشت بہشت مین بڑی نازک خیال آرائی ہے، مجنون لیلی سوز و گداز کا مرقع ہے۔

---

[1] جناب دھرم پال صاحب نے جولائی ۱۹۴۵ء کے اسلامک کلچر حیدرآباد دکن مین ایک مقالہ (Poetry............e in sultan Ala-uddin Khilji's period) کے عنوان سے لکھا تھا۔ جس مین زیادہ تر خسرو ہی کی شاعری پر تبصرہ ہے۔ اس باب مین ہم اسی مضمون سے اقتباسات پیش کر رہے ہین ناظرین امیر خسرو کی فارسی شاعری پر ایک ہندو اہل قلم کی

غرۃ الکمال کے دیباچے سے ان کے بعض دلچسپ حالات معلوم ہوتے ہین۔ ان کا پہلا مربی سلطان بلبن کا بھتیجا اور اس کے عہد کا بہت ہی معزز درباری کشلو خان عرف ملک چھجو تھا، اس کی شان مین امیر خسرو نے کئی قصائد کہے ہین، جن کے دو اشعار یہ ہین۔

صبح چون از سوئے مشرق رُ نمود　　صحن مینا روضۂ مینو نمود

صبح را گفتم کہ خورشید ملک کجاست　　آسمان رُوئے ملک چھجو نمود

ملک چھجو کے یہان ایک مجلس منعقد ہوئی تو بلبن کا منجھلا لڑکا بغرا خان کو بھی اس مین شریک ہوا خسرو نے اپنا کچھ کلام سنایا تو بغرا خان کو یہ بہت پسند آیا۔ اور ان کو اپنے جلو مین لکھنوتی لے گیا جہان کا وہ گورنر مقرر ہوا تھا۔ لیکن خسرو وہان رہنے کے بجائے ملتان مین بلبن کے بڑے لڑکے سلطان محمد شہید کے دربار سے ملتان مین وابستہ ہو گئے۔ منگولون کا حملہ ہوا، تو شہزادہ سلطان محمد ایک لڑائی مین شہید ہوا۔ اور خود خسرو دشمنون کے ہاتھون گرفتار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۵) مدح و تعریف پڑھنے کے بعد ذیل مین مسلمان اہل قلم سے خسرو کی ہندی شاعری پر تحسین و ستایش کو بھی ملاحظہ فرماتے جائین۔

ڈاکٹر وحید مرزا (لکھنو یونیورسٹی) نے اپنی مشہور کتاب لایف اینڈ ورکس آف امیر خسرو مین لکھا ہے کہ

کیا خسرو نے ہندی مین شاعری کی؟ اس پر حال ہی مین بڑی متنازعہ فیہ بحثین کی گئی ہین، قدیم تذکرہ نویس اور سوانح نگار خواہ مشرق یا مغرب کے ہون وہ لوگ نے پورے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ خسرو نے ہندی مین اشعار کہے، اور پھر نمونے کے طور پر ان کی بہت سی غزلین، معمے، اور ابیات بھی نقل کیے ہین۔ لیکن موجودہ دور کے بعض اہل قلم مین جنھون نے ہندی شاعری کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے خسرو کو ہندی شاعر تسلیم کرتی

ہو گئے۔ وہان سے آزاد ہوئے تو کچھ دنون تو اپنے وطن پٹیالی مین آکر مقیم رہے۔ سلطان محمد کی شہادت پر ایک مشہور مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے :-

آفت ہست این یا قیامت در جہان آمد پدید　　　واقعہ است این یا بلا از آسمان آمد پدید

اس کے بعد خسرو ایک دوسرے ممتاز امیر حاتم خان کے دربار سے منسلک ہو گئے، اور کچھ دنون کے بعد معز الدین کیقباد کی شاہانہ سرپرستی سے فیضیاب ہونے لگے اور اس سلطان کی خواہش پر اپنی مشہور مثنوی قران السعدین لکھی، جس مین کیقباد اور بغرا خان حاکم بنگال یعنی باپ بیٹے کی ملاقاتون کا ذکر ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی نے بھی خسرو کو شاہانہ عنایتون سے نوازا اور خسرو نے اس کے صلہ مین سلطان کے فتوحات کا حال مفتاح الفتوح مین قلمبند کیا ہے، علاء الدین کے عہد مین خسرو کے اصلی شاعرانہ کمالات کا اظہار ہوا، اس زمانہ مین انھون نے خمسہ لکھ کر اپنی غیر معمولی شاعرانہ جودت اور ذہانت کا ثبوت دیا، اور ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خسرو نہ صرف عشق و محبت کے جلوون اور رنگینیون کی مرقع آرائی کرنے مین کمال رکھتے تھے بلکہ انھون نے زندگی کی گہرائیون کا بھی مشاہدہ کیا تھا، وہ جب ۴۸ سال کے تھے تو خمسہ لکھنا شروع کیا، اس وقت تک مرصع و مسجع طرز کی شاعری مین طبع آزمائی کرنے مین ماہر ہو چکے تھے، اس لئے نظامی کی تقلید مین خمسہ لکھنے کی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۶) مشاغل ہین، ان کا خیال ہے کہ خسرو کی ہندی شاعری کے جو نمونے پیش کئے جاتے ہین وہ بالکل جدید رنگ کے ہین، اور آج کل کی کھڑی بولی سے بہت زیادہ مشابہ ہین، اور امیر خسرو کے عہد کی ہندی شاعری اور نثر کے نمونون سے بالکل مختلف ہین،

لیکن اس مین کسی کو بھی شک نہین کہ خسرو ہندی (یا ہندوی جیسا کہ اس زمانہ مین

کوشش کی، اور حریفانہ انداز مین کہتے ہین،

دبدبہ خسرویم شد بلند زلزلہ در گور نظامی نگند

خمسہ لکھتے وقت اپنی شاعرانہ صلاحیت ولیاقت پر پورا اعتماد رکھتے تھے، اسی لئے فرماتے ہین:-

نور کہ از خواجہ نظامم رسید کار ازان رو بنظامم رسید

گرچہ بردہر سخن ختم بست سکۂ من مہرزرش راشکست

اور پھر خسرو نے جس برق رفتاری سے پورے خمسہ کو ختم کیا ہے، وہ ان کی غیر معمولی قادر الکلامی اور شعر گوئی کی دلیل ہے، خمسہ کی پانچون مثنویان کل تین سال مین قلم بند ہوئین، فارسی ادب مین نظامی گنجوی کی مثنویون کا بڑا اہم درجہ ہے۔ اور ان کی وجہ سے فارسی شاعری مین پاکیزہ ذوق پیدا ہوا، اور سوز وگداز اور خیال آرائی کی بنیاد پڑی، کردار نگاری اور انسانی جذبات کی مصوری مین فردوسی اور فخرالدین جرجانی (ویس ورامین) کے علاوہ نظامی کا کوئی مدمقابل نہین، اس مین شک نہین کہ خسرو مین نظامی جیسی دل آویزی نہین۔ اور گو خسرو کا خمسہ نظامی کے خمسہ کے ہم پلہ نہین، لیکن نظامی کی تقلید مین اور جتنے خمسے لکھے گئے، ان مین خسرو ہی کا خمسہ سب سے بہتر ہے، نظامی گنجوی کی پوری عمر کی کمائی ان کا خمسہ ہے، لیکن خسرو نے اپنا خمسہ لکھنے مین صرف تین سال لگائے، مطلع الانوار شیرین وخسرو اور مجنون ولیلی صرف چھ ہفتے مین لکھی گئین، خسرو جتنا وقت صرف کرنا چاہتے تھے اتنا نہین کیا۔ اس لئے ان مین کچھ خامیان رہ گئین جن کا احساس خود خسرو کو بھی ہے، جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہوگا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۷) اس کا نام تھا) اچھی طرح واقف تھے، وہ ہندوستان مین پیدا ہوئے، جو ان کی کئی نسلون کا وطن رہ چکا تھا۔ اور ان کی مان ہندی النسل تھین، اس لئے وہ اس ہندی

شغل بہر حادثہ بسیار شد | نیمدے بر سر این کار شد
صرف ہمہ عمر گر این جا شدی | قطرہ عجب نیست کہ دریا شدی

پھر خسرو نے ایسی ہی سرزمین پر قدم جمانے کی کوشش کی جس کو نظامی پامال کر چکے تھے، اگر خسرو اپنی مثنویون مین کوئی اور قصہ لکھتے۔ یا ہندوستان ہی کی کسی عشقیہ داستان کو لے کر اس مین نیا رنگ و روغن بھرنے کی کوشش کرتے، تو ان کی شاعری مین بہت تازگی اور تابانی پیدا ہو جاتی۔ انھون نے ایسی چیز مین ہاتھ لگایا جس کو نظامی منتہائے کمال تک پہونچا چکے تھے، اسلئے ان کی مثنویون مین رفعت اور بلندی تو ضرور ہے، لیکن نظامی کی مثنویون کے مقابلہ کی نہین ہین، خود خسرو بھی کہتے ہین

زندہ است بمعنی اوستادم | درنیست منش حیات دادم
می داد چو نظم نامہ را ہیچ | باقی نگذاشت بہر ما ہیچ

خسرو کے خمسہ مین حسب ذیل مثنویان ہین:۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۸) زبان سے اچھی طرح واقف رہے ہونگے، جو اس زمانے مین بولی جاتی تھی اور اس زبان سے ان کی واقفیت ان کے ایسے معاصر اہل قلم سے زیادہ رہی تھی جو اس زبان کو صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ اپنے گھر کے ملازمون یا تاجرون سے گفتگو مین استعمال کر سکتے تھے، خود خسرو کی تحریرین شاہد ہین کہ وہ اس زبان مین بڑی مہارت رکھتے تھے، وہ اپنی تصانیف مین جا بجا ہندی الفاظ استعمال کرتے ہین اور گو وہ بکثرت ہندی الفاظ فارسی مین نہین لاتے، مگر اس لئے نہین کہ وہ ان سے ناواقف تھے، بلکہ فارسی مین غیر زبان کے الفاظ کو بہت زیادہ استعمال کر کے اس کے حسن کو زائل کرنا نہین چاہتے تھے، وہ خود لکھتے ہین کہ "خالص فارسی زبان مین ہندی الفاظ کا بکثرت لانا کوئی خوشگوار چیز نہین ہان

(۱) **مطلع الانوار** - یہ عشقیہ مثنوی ہے لیکن اس مین اخلاق و پند کی باتین بھی بہت ہین اور صوفیانہ رموز و نکات بھی ہین - اس سے خسرو کی فلسفۂ زندگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے - خسرو انسان کی بلندی طبع اور رفعت طالع پر مکمل اعتماد رکھتے تھے، مثلاً کہتے ہین:

اے ز ازل گوہر پاک آمدہ — گوہر تو زیور خاک آمدہ

چنبر ز چرخ بسے بیخست خاک — تا تو برون آمدی اے درپاک

نور تو ہنگامۂ انجم شکست — دست تو تسبیح ملایک گسست

گنج خدا را تو کلید آمدی — نرد پئے بازیچہ پدید آمدی

چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت — آئینۂ صورت رحمانت ساخت

آئینہ زین گونہ کہ داری بجنگ — آہ و ہزار آہ دادی بزنگ

تخئیل اعلی اور ہمت بلند کی تعلیم یہ کہہ کر دیتے ہین :

پری دل سوئے بلندی کشد — پستی ہمت بہ نژندی کشد

خود اعتمادی کی تلقین کرتے ہین ۔

تکیہ چہ آری بہ عصاے کسے — زندہ نشد کس بہ بقاے کسے

حیا اور بلندی طبع کے متعلق کہتے ہین ۔

رسم سگان است بہر سو نگاہ — شیر سر افگندہ خرامد براہ

سچی انابت کے بارہ مین کس موثر انداز سے کہتے ہین ۔

تا دولت از ترس نلرزد چو بید — مغفرت امید مدار از امید

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۹) جب ناگزیر ہو تو اس کا استعمال مناسب ہے مین وہین یہ الفاظ لایا ہون جہان بہت ہی ضروری تھے، ان کا خود بیان ہے کہ وہ عربی سے زیادہ ہندی سے واقف تھے۔

اور پھر انسانی محبت سے سرشار اور معرفت خداوندی سے لبریز دل کی تصویر اس طرح کھینچتے ہین ۔

چو تن آدم ز گل آراستند ۔ خانہ جان بہر دل آراستند
آدمی آن است کہ دردی دل است ۔ ورنہ علف خانہ آب و گل است
زندگی دل چو بود سوز و داغ ۔ مردہ بود ہر کہ نسوزد چراغ
موم بود دل کہ ز عشق ست زار ۔ گو بگدازد و فتد از یک شرار

(۲) شیرین و خسرو، اس رومانی داستان کو خسرو نے ایک بالکل نئے انداز اور اعلیٰ آرٹ کے ماتحت لکھا، انھون نے انسانی جذبات و احساسات کی مرقع آرائی مین پورا زور صرف کر دیا ہے، اور محبت کے ہر پہلو کو نمایان طور سے دکھایا ہے، آرزو، تمنا، رشک، حسد امید، یاس، صلح اور وصال کی مرقع آرائی اچھی طرح کی گئی ہے ۔ جذبات کی شدت اور

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۰) اور اس پر ان کو فخر تھا ۔ اور وہ خود کہتے ہین کہ مین ہندوستانی ترک ہون اور ہندی مین جواب دے سکتا ہون ۔ مین مصری شکر سے ناواقف ہون ۔ اسی لئے عرب اور عربی زبان کے متعلق زیادہ گفتگو نہین کر سکتا ۔

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب ۔ شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

اور پھر کہتے ہین کہ مین طوطی ہند ہون مجھ سے ہندی مین سوال کرو تو پھر مین بڑی میٹھی گفتگو کرونگا ۔

چو من طوطی ہندم ار راست پرسی ۔ ز من ہندوی پرس تا نغز گویم

لیکن سوال یہ ہے کہ خسرو جس زبان مین اتنی مہارت رکھتے تھے کیا اس مین شاعری بھی کی؟ خسرو کی غیر معمولی ذہانت، اور تنوع پسند طبیعت کی بنا پر یہ سمجھنا صحیح ہے کہ انھون نے

گہرائی شروع سے آخر تک قائم ہے جب خسرو شکارگاہ مین شیرین سے ملتا ہے تو اپنے گھوڑے پر سے اتر جاتا ہے۔

فرود آمد ز پشت اسپ چون باد — چو سبزہ بوسہ زد بر پای شمشاد

اور شیرین اس سے مخاطب ہوتی ہے۔

کہ یارب این چہ دولت بود مارا — کہ ابرے چون تو مہمان شد گیارا
مگس جلاب شیرین را بود قید — چہ شیرینم کہ عنقا کردہ ام صید
بہ قطرہ کے رسد دریاے پرشور — سلیمان کے خزد در خانۂ مور

شیرین خسرو کو اپنے محل مین تو بلا لیتی ہے، لیکن خسرو کے سامنے جھکتی نہین، اور کہتی ہے:۔

نہ من آن آہوم کز راہ مستی — چو خوک و سگ کنم شہوت پرستی

اس طرح مایوس ہو کر خسرو شہزادی مریم سے شادی کر لیتا ہے۔ ...... لیکن بالآخر مریم شیرین کے حسد مین اپنی جان دیدیتی ہے۔ خسرو پھر شیرین کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن وہ شربت وصل سے محروم رہتا ہے تو اصفہان کی ایک شہزادی سے شادی کر لیتا ہے، شیرین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱) اس زبان مین ضرور طبع آزمائی کی اور ان کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے تیسرے دیوان کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ مین نے اپنی ہندی نظمین اپنے دوستون مین تقسیم کی ہین، لیکن یہان پر مین صرف اس کے ذکر ہی کرنے پر اکتفا کرونگا" انھون نے اپنے جو بعض اشعار لکھے ہین وہ فارسی اور ہندی دونون کے کہے جا سکتے جا سکتے ہین، مثلاً۔

اُسے آرے ہمہ بیاری — ماری ماری برہ کہ ماری آئی

اس مرتبہ خسرو کی محبت مین واقعی پریشان ہو جاتی ہے۔ اور ایک صحرا مین فرہاد سے ملاقات ہوتی ہو تو فرہاد اس کے دام محبت مین گرفتار ہو جاتا ہے، شیرین اس کو نہر کھودنے کا حکم دیتی ہو؛ خسرو کو فرہاد کے عشق کا حال معلوم ہوتا ہے تو وہ اس سے صحرا مین جاکر ملتا ہے، اور پھر دونون مین ایک بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی ہے جس سے سچی محبت کے رموز معلوم ہوتے ہین۔

بگفتش کیستی و در چہ سازی ۔۔۔ بگفتا عاشقم در جان گدازی
بگفتش عشق بازان را چیست ۔۔۔ بگفتا آن کہ باید در بلا زیست
بگفتش عاشقانہ زین رہ چہ پویند ۔۔۔ بگفتا دل دہند و درد جویند

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱) اسی طرح حسب ذیل رباعی بھی ان کی طرف منسوب ہے، اگرچہ ان کی کسی تصنیف مین یہ نظر سے نہین گزری۔

رفتم بہ تماشائے کنار جوئے ۔۔۔ دیدم بلب آب زن ہندوے
گفتم صنما بہائے زلفت چہ بود ۔۔۔ فریاد برآورد کہ در در موے

خسرو کا ہندی زبان مین طبع آزمائی کرنا کوئی تعجب خیز بات نہین کیونکہ خسرو کا بیان ہے، جس کی تصدیق دوسرے تذکرہ نویس بھی کرتے ہین کہ قدیم بیرونی شعرا اس زبان مین برابر اشعار کہتے رہے تھے۔ مسعود سعد سلمان خسرو سے بہت پہلے ہوا ہے، اس نے اس زبان مین پورا ایک دیوان کہا تھا۔ اور اگر فرشتہ اور نظام الدین کے بیانات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ مسلمانون نے ہندی شاعری مین طبع آزمائی کرنا محمود غزنوی ہی کے عہد سے شروع کر دیا تھا۔

یہ بتانا مشکل ہے کہ خسرو کی ہندی شاعری کی مقدار کیا تھی۔ ان کے اپنے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ نہ تھی، اس لئے یہ جو کہا جاتا ہے کہ ان کے فارسی اشعار

بگفتش دل چرا با خود ندارند	بگفتا خوبرویان کے گذارند
بگفتش مذہب خوبان کدامست	بگفتا کش فریب و عشوہ نامست
بگفتش پیشہ دیگر چہ دانند	بگفتا غم دہند و جان ستانند
بگفتش پرتو اندازد گئی نور	بگفتا آرے دلیکن چون مرا زدو
بگفتش از خون تو ریزد جفایش	بگفتا رہم بمیرم در وفایش
بگفت از نیشش در خواب قامت	بگفتا برنخیزم تا قیامت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۳) زیادہ ہندوی اشعار تھے، تو یہ مبالغہ آمیز بیان ہے، لیکن انھون نے جو یہ لکھا ہے کہ "جزوے چند نظم ہندوی" دوستون مین تقسیم کیا تو یہ بھی تسلیم نہین کیا جاسکتا ہے کہ اسی پر انھون نے اکتفا کیا، غرۃ الکمال کے دیباچہ قلمبند کرنے کے بعد وہ ایک مدت تک زندہ رہے اس لئے اپنی ہندوی شاعری مین کچھ اور اضافہ ضرور کیا ہوگا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خسرو نے اپنی ہندوی شاعری کی طرف زیادہ توجہ نہین کی، وہ کاغذ کے پرزون پر اپنے ہندوی اشعار لکھ لیا کرتے تھے اور پھر ان کو اپنے دوستون مین تقسیم کرکے ان سے بے نیاز ہو جاتے، وہ محض تفنن کی خاطر اس مین اشعار کہہ لیتے تھے۔ .... اور انھون نے ان کی تدوین کی کوشش نہین کی، اور نہ ان کی موت کے فوراً ہی بعد ہوئی، لوگون کے ذہن یا بیاض مین جو کچھ محفوظ رہ گئے تھے، وہی ہم تک پہونچے۔ .... اور اب جو خسرو کی ہندی کیتائین کہلاتی ہین وہ یا تو گیت مین یا دوہے، یا معمے یا پہیلیان، یا غزلین جن مین ہندی اور فارسی اشعار دونون ہین یا مخمس جس کا پانچوان شعر فارسی کا ہے یا رباعیان یا وہ مختصر رسالہ جو خالق باری کے نام سے مشہور ہے۔ پرانی بیاضون مین تو یہ سب کیتائین خسرو ہی کی سمجھی جاتی ہین لیکن لسانی حیثیت سے ان کو مشکوک اس لئے قرار دیا گیا ہے،

بالآخر خسرو کو شیرین سے وصل ہوتا ہے۔ اس حسینہ کی رعنائی کی تعریف خسرو ان الفاظ مین کرتے ہین۔

زمستی زلفِ او درہم شکستہ | ہزاران توبہ در ہر خم شکستہ
بے کز دیدن آن شکل و رفتار | بہ بستی زاہد صد سالہ زنار

وصل و محبت کی مرقع آرائی مین خسرو انگریزی زبان کے مشہور شاعر کیٹس کی یاد تازہ کر دیتے ہین۔

(۴) **مجنون و لیلےٰ**، اس مثنوی کے طرز ادا مین سادگی، صفائی اور پاکیزگی ہے، یہ ایک حزنیہ داستان ہے۔ لیکن اس مین بڑا زور کلام ہے، محبت کے سوز و گداز کو بڑی خوبی سے دکھایا گیا ہے، جذبات نگاری بدرجۂ اتم موجود ہے، نغمہ بھی ہے اور جذباتی تڑپ اور بے چینی بھی اور لیلےٰ و مجنون کے عشق کی شدت پورے طور پر ظاہر ہو جاتی ہے، جب مجنون

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۴) کہ ان کی زبان وہی ہے جو آج بولی جاتی ہے، سوال یہ کیا جاتا ہے کہ آخر خسرو نے تیرھوین صدی مین وہی زبان کیون استعمال کی جو آج کل دہلی کے اطراف مین بولی جاتی ہے، اور اگر انھون نے استعمال کی تو پھر اور دوسرے ہندی شاعرون نے کیون نہین استعمال کی؟ یہ سوالات ایسے ہین جن کا جواب دینا آسان نہین۔ . . . . . لیکن محض ان سوالات سے خسرو کی ہندی شاعری کو بالکل رد کر دینا مناسب نہین، ممکن ہے کہ انکی ہندی شاعری مین لوگون نے اپنی طرف کچھ اور اضافہ کر دیا ہو، ایسے جعلی اضافہ کے نمونے ہر عہد اور ہر زبان مین پائے جاتے ہین، لیکن اس مین مطلق شک نہین کہ خسرو نے ہندی مین کہتائین کہین۔ . . . . . . ان کی اور مکلنٹی، ظرافت، بذلہ سنجی یہ ساری باتین بتاتی ہین کہ یہ خسرو ہی کے ذہن کا اختراع ہین اور جب لوگون کا یہ خیال ہے کہ یہ خسرو ہی کی کہی ہوئی کہتائین ہین تو کوئی وجہ نہین کہ ہم ان کو خواہ مخواہ رد کر دین۔ . . . .

کی نسبت نوفل کی لڑکی سے قرار پاتی ہے اور اس کی خبر لیلے کو ہوتی ہے تو وہ کس خوبصورتی سے
اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے :-

او خود غم عشق داشت برکار | شد با غم عشق غیرتش یار
کبکے کہ شکستہ بال باشد | شاہین زندہ چہ حال باشد

وہ ایک رقعہ لکھ کر مجنون کو اپنی محبت سے آگاہ کرتی ہے ۔

چو عشق دلم ز دست بربود | دل دادن کس کجا کند سود
چون زآتش تیز پریان سوخت | از سوزن در شتہ کے توان دوخت
بگداخت ز سوز دل وجودم | وز اوجِ فلک گزشت دودم

اور پھر طنز بھی کرتی ہے کہ

گر یار تو آمدت در آغوش | از یار کہن مکن فراموش
گیرم کہ تراست لعل در چنگ | مفگن بدکان شیشہ گر سنگ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۵) اس کا جواب تو آسانی سے دیا جا سکتا ہے، جب کسی ہندی شاعر نے کھڑی بولی میں شاعری نہیں کی تو خسرو نے اس میں کیون کی ؟ خسرو کی طبیعت میں ہمیشہ اوپچ رہی وہ ہمیشہ جدت کو پسند کرتے، رسم و روایات کی بندشوں سے آزاد ہو کر نئی باتیں پیدا کرتے اور نئی شاہراہ پر چلنے کی کوشش کرتے، ان کی فارسی شاعری سے ان باتوں کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے علاوہ وہ ہندی میں اپنا کوئی عظیم الشان علمی کارنامہ چھوڑ جانے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ محمد جائسی نے پدماوت لکھ کر چھوڑا ہے ۔ اس لئے وہ ہندی کی علمی روایت اور ضوابط کے پابند نہیں رہے، وہ ہندی اشعار اپنے اور اپنے دوستوں کی تفریح کیلئے لکھتے، اس لئے انھوں نے روزمرہ اور عام فہم زبان میں ایسے اشعار کہے جو گیت، سمے، پہیلیاں، مصرا بہ اور اس کی ہسری

لیکن پھر اپنے عشق پر بھی پردہ نہیں ڈال سکتی ہے، اور کہتی ہے کہ

بر سنگ کہ پہلوئے تو خستہ است　　　　اینک تن من از آن شکستہ است

شروع سے آخر تک مثنوی میں عشق و محبت کی فضا چھائی رہتی ہے۔ لیکن خسرو اس میں
اپنی نغمہ سرائی سے زیادہ داستان گوئی میں کامیاب رہے ہیں، اور یہ مثنوی عشق و محبت کی مرقع
آرائی کا شاہکار ہے، اور خسرو اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے غیر معمولی مدح و ستائش کے
مستحق ہیں، اس میں جذبات نگاری بھی بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۵) ہسٹری آف ہندی لٹریچر میں خسرو کی ہندی کبتا کے نام سے ہیں، وہ
ان ہی کی کہی جا سکتی ہیں جب تک کہ محققانہ طور پر یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ ان کی نہیں ہیں بلکہ
کسی اور کی ہیں۔

رسالہ خالق باری امیر خسرو ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ کئی بڑی بڑی
جلدوں میں تھا، لیکن اب مختصر رسالہ کی صورت میں ہی ہم تک پہونچا ہے، مختلف بحور
اور اوزان میں قلمبند کیا گیا ہے۔ جس میں فارسی اور عربی الفاظ کے ہندی مترادفات دیئے گئے
ہیں۔ یہ متنازعہ فیہ ہے کہ یہ خسرو کی تصنیف ہے یا کسی اور کی، جواہر خسرو کے مرتب نے تو اس کو
خسرو ہی کی تصنیف بتایا ہے، اس میں مولانا امین چریا کوٹی لکھتے ہیں کہ اس مختصر رسالہ کو دیکھ کر
یہی سمجھتے ہیں کہ بچوں کو مترادف الفاظ یاد کرانے کے لئے ایک چیز ہے۔ لیکن اس ضخیم کتاب کی
تدوین سے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا منشا اس سے کچھ زیادہ تھا۔ انھوں نے یہ کتاب
ایسے وقت میں لکھی تھی کہ جب کہ مسلمان جوق در جوق براہ خیبر ولایات بلخ و بخارا اور ایران
و توران و ترکستان سے مغلوں کے ہاتھوں ترک وطن کر کے ہندوستان آرہے تھے
اور یہاں پہونچ کر زبان نہ جاننے کی دشواریوں سے شب و روز ان کا مقابلہ تھا۔ اور اہل ہندان

(۴) آئینۂ سکندری اُس مثنوی کا قصہ چین پر سکندر اعظم کے حملے کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ سکندر خاقان چین کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو کہتا ہے۔ اور اپنے تمام کارناموں کو بڑے فخر سے بیان کرتا ہے۔

بہر سو کہ توسن برانگیختم ۔ زبدخواہ خون بر زمین ریختم
وگر سوے ایران فرس تاختم ۔ زدارا ے دولت سر انداختم
وسا فتادر غیبت ہند وستان ۔ گل فتح چیدم ازین بوستان

پھر اس لڑائی کا ذکر ہے جو سکندر اعظم اور خاقان چین کے درمیان ہوئی، یہاں پر خسرو کا قلم رزم آرائی کے بیان میں بڑا ہی پرزور اور شگفتہ ہو جاتا ہے، اشعار میں روانی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے۔ اور مرقع آرائی میں پورا جوش وخروش ہے، حسب ذیل اشعار میں زندگی کی کیسی امنگین ہیں:-

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۷) تازہ ولایت لہاوون کا مافی الضمیر سمجھنے سے عاجز و پریشان تھے۔ ان اجنبیوں میں باہم موانست و تعارف کرانے کی غرض سے حضرت امیر نے ان تمام لغات والفاظ کو جو ایک دوسرے کی زبان پر موجود اور کارآمد تھے اس خوبصورتی کے ساتھ منسلک کر دیا اور بے شک وہ تمام مجموعہ ان کی بڑی بڑی جلدوں میں تمام ہوا ہوگا جن کے نہ ملنے پر آج ہمیں حسرت ہے) مولانا امین نے خالق باری کے امیر خسرو کی تالیف ہونے میں جو دلائل پیش کئے ہیں، ان کی تائید پروفیسر سید مسعود حسن رضوی نے بھی کی ہے ان دونوں کے دلائل یہ ہیں (۱) خالق باری میں جو ذخیرۂ الفاظ ہے ویسے الفاظ کی ضرورت خسرو کے عہد میں بہت زیادہ تھی، اور خسرو کی توجہ اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے ایسے الفاظ کی طرف ناگزیر طریقہ پر ہوئی (۲) ہر زمانہ میں یہ خسرو ہی کی تصنیف سمجھی گئی، اللہ خدائی

زموج سلاح و ز گرد زمین | گلین آسمان شد زمین آہنین
عبار زین کلہ بر ماہ بست | نفس را در دن گلو راہ بست
شرارہ کہ زد نعل ہنگام رد | ستارہ برون ریخت از ماہ نو

اس جنگ مین ایک حسین چینی کنیز مردانہ لباس پہن کر معرکہ آرا تھی، لیکن جب وہ گرفتار ہو گئی تو سکندر اس کے شمع حسن کا پروانہ بن گیا، خسرو نے اس کی شگفتگی، دل آویزی اور رعنائی کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

چو باغ شگفتہ بفصل بہار | پُر از لالہ سوسن و سیب و انار

اور جب خسرو بزم نشاط کی تصویر کھینچتے ہین تو ان کا قلم اور بھی رقص کرنے لگتا ہے، موسم بہار کا ذکر کرتے ہوے لکھتے ہین۔

بساط گل از سبزہ گلشن شدہ | چراغ گل از بادہ روشن شدہ
بنفشہ سر زلف را خم زدہ | گرہ در دل غنچہ محکم زدہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۸) کے مصنف نے خالق باری ہی کی تقلید مین اپنی کتاب لکھی، جس کی ابتدا خسرو کے نام سے کی ہے (۳) اس مین بعض ایسے الفاظ (مثلاً جیتل) ہین جو خسرو کے زمانہ مین تو بولے جاتے تھے، لیکن بعد کے لوگون کے لئے نامانوس ہو گئے (۴) اس کے آخری شعر مین خسرو کا نام اس طرح آیا ہے کہ پھر اس شک و شبہہ کی گنجایش نہین رہتی کہ یہ خسرو کی تصنیف نہین ہے۔

لیکن حافظ محمود شیرانی نے پنجاب مین اردو مین لکھا ہے کہ مین امیر کی طرف اس تالیف کا انتساب امیر کی حد تک سمجھتا ہون۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کتاب مین ہر قسم کی ترتیب کا احترام مقصود ہے، مضمون، الفاظ اور وزن مین کوئی ترتیب ملحوظ نہین، ہندی

پری پیکرون کے بارہ مین کہتے ہین۔

زخوبان زمین جنت آباد گشت — گلستان پُر از سرو آزاد گشت

موسیقی پران کا ایک شعر ملاحظہ ہو

بر آئین خوبان ز شوخی و ناز — سرودے بر آورد عاشق نواز

اور پھر چینی کنیز کا سراپا کتنا اچھا تیار کیا ہے۔

چو شانہ زنم زلف آشفتہ را — برقص آورم فتنہ خفتہ را

بہار را کند عالمی مشکبوے — دو عالم کنم من بیک تار موے

بہشتی است این قامت چون نگار — پر از سیب و بادام و نارنج و نار

اور جب یہ چینی کنیز اپنے حسن اور سکندر کے کارنامون کا موازنہ کرتی ہے تو بہت ہی دل آویز طریقہ پر کہتی ہے،

گر او ست کز خسرو و جام جوے — مرا جام گیتی نمایست روے

گر از مجلس او سمن می دمد — مرا لالہ و گل ز تن می دمد

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۹) الفاظ کے صحیح تلفظ کی کوئی پرواہ نہین کی گئی۔ عربی، فارسی، اور ہندی الفاظ کے مرادفات التزاماً نہین دیئے کبھی فارسی ہندی دیئے، کبھی فارسی عربی پر قناعت کرلی، اور کبھی صرف ہندی الفاظ پر، پھر بھرتی کے الفاظ کثرت سے لائے گئے ہین....
اس تصنیف کی اکثر بحرین غیر شگفتہ اور ناہموار ہین۔ پھر اوزان کی غلطیان بھی موجود ہین ایک مصرع بڑھ گیا۔ اور ایک گھٹ گیا۔ کوئی اوچھا اور کوئی لنبا ہو گیا........

خالق باری کے خسرو کی تصنیف ہونے کی حمایت و مخالفت مین اتنے دلائل پیش کئے گئے ہین کہ کسی نتیجہ پر پہونچنا مشکل ہو گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر مزید تحقیقات

گراو پیل بند دیجم کمند | من از نار موے کنم پیل بند
گر او ہست بر تخت زیبائے بست | مرا در دل اوست جائے نشست

(۵) ہشت بہشت اس میں بہرام گور (شاہ ایران) اور ایک چینی حسینہ دل آرام کی داستان ہے، بہرام کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا۔ دلآرام اس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی، ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہو کر بہرام نے اس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلآرام گاؤں میں پہونچکر موسیقی سیکھتی ہے، اور اس میں کمال حاصل کر کے پھر بہرام کی معشوقہ بن جاتی ہے۔ بہرام کے وزیر نے بہرام کا انہماک حد سے زیادہ دیکھا تو اس نے اس کے لئے ایک قصر عالی شان بنوایا جس میں سات گنبد تھے۔ اور اس میں سات اقلیم کی شہزادیوں کو جمع کیا۔ اور ایک، ایک گنبد میں ایک ایک شہزادی کو جگہ دی، بہرام ہر رات ایک شہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا۔ اور نیند آنے کے لئے شہزادی سے کئی قصوں کی فرمایش کرتا، اس طرح مثنوی میں سات قصے بیان کئے گئے ہیں، اور ہر ایک میں رومانی انداز میں عشق و محبت کے بڑے دلآویز اور خیال انگیز واقعات ہیں، پوری مثنوی میں جذبات کے شعلے فروزاں ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۰) و شواہد سے کسی قطعی رائے کے قائم کرنے میں آسانی ہو۔" (لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو صفحہ ۲۲۴ - ۲۲۷)

خالق باری کے اشعار کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں

خواہم آمد آؤں گا میں | خواہی آمد آوے گا تیں
خواہم دید دیکھوں گا میں | خواہی دید دیکھے گا تیں
خواہم رفت جاؤں گا میں | خواہی رفت جاوے گا تیں
دی روز جو کال گیا ہے | فردا جو کال آوے گا ہے

اور ہر شعر میں نغمہ ہے اور دل آویزی۔

تاریخی مثنویاں | (۱) قران السعدین، اس میں باپ بیٹے کی ملاقات کی منظوم داستان ہے، ایک بادشاہ کی فرمایش پر لکھی گئی اس لئے اس میں سرکاری تصنیف کی پے رنگی موجود ہے اور گو بعض تفصیلات بہت ہی شاندار طریقہ پر لکھی گئی ہیں، مگر اکثر مقامات پر اکتاہٹ سی پیدا ہونے لگتی ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں ایسی شعریت ہے جس کو پڑھ کر دل کی امنگوں میں لہریں اٹھتی ہیں مثلاً

آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش	وقتیست خوش بہار کہ وقت بہار خوش
در باغ باترانۂ بلبل درین ہوا	مستی خوش ست و بادۂ خوش ست و خمار خوش
مائیم و مطرب و شرابی و محرمی	جاے بزیر سایۂ شاخ چنار خوش

خرم آن لحظہ کہ مشتاق بیارے برسد	آرزو مند نگارے بہ نگارے رسد
لذت وصل نداند مگر آن سوختۂ	کہ پس از دوری بسیار بیارے برسد
قیمت گل نشناسد مگر آن مرغ اسیر	کہ خزان دیدہ بود پس بہ بہارے برسد

(انتخاب خسرو ص ۱۸۱)

فردا روز جو کال آوے گا	پس فردا جو کال پیچھے آوے گا

اس کے علاوہ بہت سی پہیلیاں عجیب و غریب لطافتوں سے ادا کی ہیں جن سے بقول محمد حسین آزاد معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے نمک نے ہندی کے ذائقہ میں کیا لطف پیدا کیا ہے،

محمد حسین آزاد یہ بھی لکھتے ہیں کہ مکرنی، انمل، دو سخنے وغیرہ خاص ان کے آئینہ کا جوہر ہے، ذیل کی مثال سے اس وقت کی زبان کا کچھ نہ کچھ پتہ لگتا ہے۔

ناخن کی پہیلی:- بیسوں کا سر کاٹ لیا نا مارا نا خون کیا

(۲) **مفتاح الفتوح** اس مین سلطان جلال الدین خلجی کی فتوحات کا ذکر ہے جنگ وجدل کی تاریخ کے طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔

(۳) **عاشقہ**، یہ یقیناً خسرو کی بہترین تاریخی مثنوی ہے۔ اس مین ذکر ہے کہ کس طرح دیوگیر کی راجکماری دیول دیوی مسلمانون کے ہاتھون گرفتار ہوئی پھر شہزادہ خضر خان اس کے شمع حسن کا پروانہ بنا۔ لیکن اس کی شادی الپ خان کی لڑکی سے کر دی گئی۔ اور بالآخر اس کی دوسری شادی دیول دیوی سے ہوئی، مگر وہ دربار کی سازشون سے بینائی سے محروم کر دیا گیا، اور مبارک شاہ خلجی کے حکم سے قتل ہوا۔ اس مین تمام تاریخی واقعات بڑی صداقت سے قلم بند کیے گئے ہین۔ لیکن اس مین خیال آرائی اور مضمون آفرینی ایسی ہے کہ یہ رومانی لٹریچر کے شاہکار مین شمار کئے جانے کی مستحق ہے، اور اس کو خسرو کی مثنویون مین ہم بہترین اس لئے بھی کہہ سکتے ہین

(آئینہ کی پہیلی) آئینہ کی پہیلی: فارسی بولی آئینہ ترکی سوچی پائے نا
ہندی بولتے آرسی آئے منہ دیکھو جو اسے بتائے

محمد حسین آزاد اسی سلسلہ مین لکھتے ہین کہ دلی بلکہ ہندوستان کے اکثر شہرون مین رسم ہے کہ عام عورتین برسات کی بہار مین کھم گڑوانی ہین، درخت ہو تو اس مین جھولا ڈالواتی مین، مل مل کر جھولتی ہین اور گیت گا کر جی خوش کرتی ہین۔ ان مین شاید ہی کوئی عورت ہو جو یہ گیت نہ گاتی ہو:

جو پیا آون کہہ گئے، اجھون نہ آئے سوامی ہو، اے ہو جو پیا آون کہہ گئے، آئے نہ بارے ماس۔ اے ہو جو پیا آون کہہ گئے، وغیرہ

یہ گیت بھی ان ہی امیر خسرو کا ہے۔ اور برسات اگ مین لے بھی ان ہی کی رکھی ہوئی ہے، واہ کیا زبان تھین کہ جو کچھ ان سے نکل گیا، عالم کو بھایا گویا زمانے کے دل پر نقش ہو گیا،

کہ اس مین ہندوستان کی عظمت کی پوری فضا چھائی ہوئی ہے۔ خسرو اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیتے ہین جب کہ وہ ہندوستان کی خوبیون، مثلاً اس کے پھولون کی رعنائی۔ ریشمی کپڑون کی زیبائی۔ ہندی زبان کی شیرینی اور یہان کے حسینون کی دلربائی کا ذکر کرتے ہین، ہندوستانی پھولون کے حسن کی خصوصیات کو بتانے کے بعد لکھتے ہین کہ یہ ایرانی پھولون سے بہتر ہین:۔

چو چینی ارغوان و لالہ خندان — کہ رنگی ہست و بوئے نیست چندان
گلِ مارا بہندی نام زشت است — وگرنہ ہر گلی باغِ بہشت است

خسرو ہندی زبان کی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہین کہ یہ تمام زبانون حتیٰ کہ فارسی زبان پر بھی فضیلت رکھتی ہے۔ البتہ عربی کو اس پر فوقیت حاصل ہے۔

غلط کردم کہ از دانش زنم دم — نہ لفظ ہندیست از پارسی کم
بجز تازی کہ میر ہر زبانست — کہ بر جملہ زبانہا کامرانست
دگر غالب زبانہا در رے و روم — کم از ہندیست شد از اندیشہ معلوم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۳) بنانے والون نے ہزارون گیت بنائے اور گانے والون نے گائے، آج ہوئے کل بھول گئے۔ چھ سو برس گذرے، یہ آج تک ہین۔ اور ہر برسات مین ویسا ہی رنگ دیے جاتے ہین۔ اس حسن قبول کو خداداد نہ کہئے تو کیا کہیئے .... مکرنیون کا انھین موجد کہنا چاہئے

مکرنی:۔ سگری رین موہے سنگ جاگا — بھور بھئی تب بچھڑن لاگا
اس کے بچھڑے پھاٹت ہیا — اے سکھی ساجن نا سکھی دیا

حافظ محمود شیرانی خسرو کی ہندی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین:۔

امیر خسرو ادبی دنیا کے آفتاب عالمتاب ہین۔ اور خاک ہند اب تک ان کے اوصاف وکمالات کا انسان پیدا نہین کر سکی ہے۔ وہ ایک طرف فارسی کے زبردست ناظم

اس کے بعد خسرو ہندوستان کے ریشمی اور خصوصا دیوگیری کے کپڑون کو دوسرے تمام ممالک کے کپڑون سے بہتر سمجھتے ہین،

نکو دانند خوبانِ پری کیش | کہ لطف دیوگیری از کتان بیش
زلطف آن جامہ گوئی آفتابی است | وباخود سایۂ با ماہتابی است

اور پھر ہندوستان کے حسینون کی تعریف مین ان کا قلم رقص کرنے لگتا ہے اور وہ کہتے ہین:

لب تاتار خود خندان نباشد | ختن را خود نمک چندان نباشد
سمرقندی وانچہ از قندھارند | بجز نامے زشیرینی ندارند
بمصر و روم ہم سیمین قدانند | ولے چستی و چالاکی ندانند

اور جب وہ ہندوستان کی عظمت کا راگ الاپتے ہین تو فارسی شاعری مین ہندوستان کی محبت کی آواز پہلی دفعہ گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہے

بہشتی فرض کن ہندوستان را | کز آنجا نسبت است این بوستان را
دگر نہ آدم و طاؤس زانجائی | کجا اینجا شدندی منزل آرائی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۴) وناثر ہین، دوسری طرف عربی وسنسکرت مین دستگاہ کامل رکھتے ہین، متعدد امور کی ایجاد ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ ہندی اور ایرانی موسیقی کی تدوین کرکے اپنی ایجادون سے اس کو مالامال کر دیتے ہین، جہان فارسی پر ان کے احسان ہین، وہان ہندی بھی ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئی ہے۔ ان کی تصنیفات نظم ونثر کی تعداد ننانوے بتائی گئی ہے، اشعار کی تعداد چار اور پانچ لاکھ کے درمیان کہتے ہین، جس قدر فارسی مین ان کا کلام ہے اس سے کہین زیادہ ہندی مین بتایا جاتا ہے۔ لیکن امیر نے دیباچہ

موسم بہار اور اس کے پھولوں کی تعریف کرتے ہوئے خسرو لکھتے ہیں۔

چو گل در جلوہ ناز آمد از شاخ	گشاد از گوشہ نرگس چشم گستاخ
ہوائی شد چو آغاز جوانی	سزاوار نشاط و کامرانی
نسیم صبح چون مشاط پر کار	بزیور بستن خوبان گلزار
بہ سرخ و سبز نوروز طرب زائی	عروسان چمن را پیکر آرائی
بہار از لالہ و سوری بہ گلشن	حنا بستہ بپاے سرو و سوسن

(۴) نہ سپہر، اس میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے عہد کے اہم واقعات درج ہیں۔

(۵) تغلق نامہ، یہ مثنوی ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوستان کا ایک اہم تاریخی ماخذ ہے، خسرو خان اور غازی ملک کے بہت سے واقعات جو اور تاریخوں میں نظر انداز کر دیئے گئے ہیں، اس مثنوی کے ذریعہ معلوم ہو جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۵) غرۃ الکمال میں اپنی ہندی نظموں کا ذکر بدین الفاظ میں لیا ہے۔

" جزوے چند نظم ہندوی نیز نذر دوستان کردہ شدہ است این جا ہم بدیگر بس کردم و نظر بر نداشت کہ لفظ ہندوی در پارسی لطیف آوردن چندان لطفے ندارد مگر بضرورت آنجا کہ ضرورت بودہ است آوردہ شد۔

آخری فقرہ میں اشارہ ہے ان الفاظ و فقرات کی طرف جو امیر گاہ گاہ اپنے اشعار میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن امیر کے ہندی کلام کا اب تک پتہ نہ چل سکا، گذشتہ صدی کے تذکرہ نگاروں نے جو نمونۂ کلام دیا ہے۔ میں یہاں نقل کئے دیتا ہوں، از قسم شہر آشوب ہے

تیلی پسرے کہ می فروشد تیلے	از دست و زبان چرب او وا ویلے

غزل | خسرو نے اپنے پانچ دیوان مرتب کئے، تحفۃ الصغر، وسط الحیوٰۃ، غرۃ الکمال، بقیہ نقیہ نہایۃ الکمال، ڈاکٹر محمد وحید مرزا نے خسرو کی غزلون کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان مین ایسی جدت آرائی اور نکتہ آفرینی ہے کہ اور فارسی شعراء کی غزلون مین نہین پائی جاتی ہیں،
خسرو کے تغزل کے نمونے ملاحظہ ہون ۔

دیوانہ شدم در آرزویت | اے چشم ہمہ جہان بسویت
خسرو بکمند تو اسیر است | بے چارہ کجا رود ز رویت

سبزہ ہا رو میسید دیار بنا مد | تازہ شد باغ و آن بہار نیا مد
خوبرویان بسے بدیدم ولیکن | دل گم گشتہ بر قرار نیا مد
مستی و شوخی و عاشق کشی و شیوہ ناز | ہر چہ گویند از آن تنگ دہن می آید

(بقیہ حاشیہ) خالے بہ لبش دیدم و گفتم کہ تل است | گفتا کہ برو نیست درین تل تیلے

یہ عین ترجمہ ہے "اُن تلون مین تیل نہین" کا۔ ہندوستان کا قاعدہ ہے کہ گوجریان دودھ دہی لے کر گلی گلی آواز دیتی پھرتی ہین "لیوُ دہی، لیوُ دہی" امیر کے عہد مین بھی یہی دستور تھا۔ فرماتے ہین ۔

گجری تو کہ در حسن و لطافت چو مہی | آن دیگ دہی بر سر تو چتر شہی
از ہر دو لبت قند و شکر می ریزد | ہر گاہ بگوئی کہ "دہی لیہو دہی"

دیگر سہ

زرگر پسرے چو ماہ پارا | کچھ گھڑیے سنوارئیے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست | پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

اشعار ذیل بھی صنعت شہر آشوب سے تعلق رکھتے ہین سہ

عمری شد و ما عاشقِ دیوانہ بماندیم　　در دام چو مرغ از ہوسِ دانہ بماندیم
دقتے دل و جان و خرد ے ہمرہ ما بود　　عشق آمد وزیشان ہمہ بیگانہ بماندیم

آمد بہار مشک دم سنبل و مید و لالہ ہم　　سبزہ بہ صحرا زدقدم سرو روانِ من کجا
تا گل از شرم رویت آب شود　　یک زمان بر فگن ز چہرہ نقاب

حسب ذیل اشعار مین کیسی نرمی، روانی اور رنگینی ہے۔

سروے چو تو در اچہ دور تہ بنا شد　　گل شکل رخِ خوبِ تو البتہ بنا شد
این حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری　　در چین و خطا و ختن و ختہ بنا شد

عزۃ الکمال کے بعض قصائد بھی خسرو کی اعلیٰ شاعری کے اچھے نمونے ہین. خصوصاً وہ دو قصائد جو انھون نے علاالدین خلجی کی شان مین کہے ہین۔

کجا خیزد جو تو سرو جوان و نازک و نو بر　　شکر گفتار و شیرین کار و گل رخسار و مہ پیکر
بنا شد چون لب و اندام و گیسو و رخت ہرگز　　شکر شیرین و گل رنگین و شب مشکین و صبح آذر

ز زیبائی و ز لطف و نازکی و تازگی چشیت　　چہ ریحان و چہ نسرین و چہ شمشاد و چہ نیلوفر
ز عکس عارض و جعد و بناگوش و دو چشم تو　　دمد لالہ چمید سنبل شگفتہ نسرین پرد عبہر
ز گلگشت و بوئے افشان نسیم عطر تو جوید　　چمن روح و سخن طیب و صبا مشک و گیا عنبر

(بقیہ حاشیہ ۱۸۷)　رفتم بہ تماشہ بکنار جوئے　　دیدم بلب آب زن ہندوئے
گفتم صنما چیست بہائے موئیت　　فریاد بر آورد کہ "در در موئے"

در در موئے فارسی اور ہندی دونون زبانون مین پڑھا جاتا ہے، فارسی مین یہ معنی ہین کہ ایک ایک

پروفیسر حبیب نے لکھا ہے کہ خسرو کی بہت غزلین بھرتی کی ہین جن مین پامال خیالات کی محض قافیہ پیمائی ہے لیکن ہم خسرو کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ ان کی جو بہترین شاعری ہے اسی سے لگا سکتے ہین، اور پھر اس کو پرکھنے کے بعد یہ کہنے مین تامل نہین کہ ایک جلیل القدر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۸) موتی کا ایک ایک بال ہے۔ ہندی مین یہ مطلب ہے کہ مردار دور ہو۔ . .

. . . . ذیل کی نظم بھی امیر کی طرف منسوب ہے۔

زحالِ مسکین مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیان

کتابِ ہجران ندارم اے جان نہ لیہو کاہے لگائے چھتیان

شبانِ ہجران دراز چون زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ

سکھی پیا کون جو مین نہ دیکھون تو کیسے کاٹون اندھیری رتیان

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکین

کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیان

چو شمع سوزان چو ذرہ حیران ز مہر آن مہ بگشتم آخر

نہ نیند نیناں نہ انگ چینا ن نہ آپ آوین نہ بھیجین پتیان

بحقِ روزِ وصالِ دلبر کہ داد مارا فریب خسرو

سپیت منکے ورائے راکھون جو جائے پاؤن پیا کی کھتیان

(مذکورہ بالا اقتباس کے لئے دیکھو پنجاب مین اردو ص ۱۲۴ - ۲۶)

• امیر خسرو کی مندرجۂ بالا شاعری کے نمونے کو سامنے رکھ کر محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ خسرو کے جوش طبع اور ہنگامۂ ایجاد مین ہمارے لئے تین باتین قابل لحاظ ہین (۱) مضامین عاشقانہ سے وہ سلسلہ اشعار کا ہمارے ہاتھ آیا جسے غزل کہتے ہین وہی قافیے یا

شاعر کی حیثیت سے ان کی جو شہرت ہے وہ صحیح ہے، وہ حسن و محبت کی اشتہا کو اپنے نغمہ کے ذریعہ بڑی خوبی سے فرو کرنے مین کمال رکھتے ہین، اور ان کی غزلین دلون کی بالکل قدرتی صداے باز گشت ہین۔

نثری تصانیف (۱) خزائن الفتوح۔ اس مین علاؤ الدین خلجی کے عہد کی عمارات، فتوحات، اور گجرات، مالوہ، چتوڑ، دیوگیر، تلنگانہ اور معبر کی تسخیر سے متعلق بہت مفید تاریخی معلومات ہین،

(۲) اعجاز خسروی۔ اس مین خسرو کے مختلف قسم کے طرز انشاء کے مکاتیب ہین۔

(۳) افضل الفوائد۔ یہ حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہین جن کو امیر خسرو نے مرتب کیا،

خسرو کے معاصرون مین امیر حسن بھی تھے جنکو برنی نے سعدی ہند لکھا ہے، اور دوسرے شعراء مین صدر الدین، مولانا عارف اور شیخ انصاری تھے۔ جنہون نے اس عہد مین شعر و شاعری کی مجلس کو گرم رکھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) ردیف اور قافیے دونون کی پابندی، اسی طرح اول مطلع، یا کئی مطلع پھر چند شعر، آخر مین مقطع اور اس مین تخلص (۲) عروض فارسی نے پہلا قدم ہندوستان مین رکھا (۳) فارسی اور بھاشا کو نون مرچ کی طرح اس انداز سے ملایا کہ زبان پر چٹخارا دیتی ہے، اس مین یہ بات سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ انھون نے بنیاد عشق کی عورت ہی کی طرف سے قائم کی تھی جو کہ خاصہ نظم ہندی کا ہے، مگر یہ نہین کہہ سکتے کہ اس تعشق کا انقلاب کس وقت ہوا، (آب حیات صفحہ ۷۰)

نوین جھلک

شہاب الدین خلجی، قطب الدین مبارک خلجی، غیاث الدین تغلق

از سوجان رائے مصنف خلاصۃ التواریخ

شہاب الدین خلجی ۱۳۱۶ء

علاء الدین خلجی کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا شہاب الدین خلجی تخت پر بیٹھا۔ لیکن اس پر ملک نائب (یعنی ملک کافور) مسلط رہا، (کیونکہ وہ کل سات سال کا تھا) ملک نائب کو سلطان ہر روز حرم سے باہر لاکر ہزار ستون کے کوٹھے پر تخت پر بٹھا دیتا تھا۔ اور ارکان دولت کا دربار اس کے سامنے لگاتا۔ اور خود سلطنت کے تمام کاروبار انجام دیتا۔ دربار ختم ہونے کے بعد وہ شہاب الدین کو تو محل مین اس کی مان کے پاس بھجوا دیتا، اور یہ بد سرشت، بد طینت، نمک حرام اور حق ناشناس سلطان علاء الدین کے خاندان کے تمام افراد کو ختم کرنے کی فکر مین لگا رہتا، اور اسی کے بارہ مین امراء سے مشورے کرتا رہتا۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کے لڑکے خضر خان اور شادی خان کی آنکھون مین سلائی پھروا دی، خضر خان کو قید کرکے اس کے سارے مال و متاع پر قبضہ کر لیا،

۱؎ یہ اقتباس سوجان رائے ساکن بٹالہ (پنجاب) کی خلاصۃ التواریخ کے ایک قلمی نسخہ (مملوکہ کتب خانہ انجمن الاصلاح دیسنہ، ضلع پٹنہ) سے لیا گیا ہے، یہ تاریخ ۱۶۹۵ء یعنی عہد عالمگیری مین لکھی گئی، مصنف کے اقتباس سے معلوم ہوگا کہ اس نے یہ تاریخ

شہزادہ مبارک خان کو بھی اندھا کرکے یہ بداندیش تخت کا مالک بننا چاہتا تھا۔۔
۔۔۔۔۔۔۔ وہ قمار بازی وغیرہ جیسی بری عادتون مین بھی مبتلا تھا۔۔۔۔۔ بالآخر امراء
اس سے تنگ آگئے تو انھون نے سازش کرکے اس کو قتل کر دیا، اور شہاب الدین خلجی
کو گوالیار مین محبوس کرکے قطب الدین مبارک خلجی کو تخت پر بٹھایا۔ شہاب الدین کی حکومت
تین مہینے کچھ روز رہی۔

قطب الدین مبارک خلجی ۷۱۶ھ ۱۳۲۱ء

قطب الدین مبارک خلجی تخت پر بیٹھا تو چونکہ وہ خود قیدخانہ کی صعوبتون سے واقف نہ تھا اسلئے تخت نشینی کی خوشی مین ممالک محروسہ کے تمام قیدیون کو رہا کر دیا لیکن

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر لکھی ہے۔ اور مندرجۂ بالا واقعات مسلمان
سلاطین کی تاریخ نہین بلکہ اپنے ملک کے تاریخی حقایق سمجھ کر قلمبند کئے ہین۔
سلہ تاریخ فرشتہ مین ہے۔ کہ قطب الدین شاہ نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ نہ صرف قیدخانے
مین بسر کیا تھا بلکہ اس قید مین ہر وقت اس کی جان کے لالے بھی پڑے رہتے تھے، اس لئے
حکمرانی کے ابتدائی زمانہ مین بادشاہ کو قیدیون اور زندانیون کے ساتھ ایک خاص ہمدردی
تھی، وہ رعایا اور ارکان دولت کے ساتھ خوش خلقی اور رحمدلی سے پیش آتا تھا، تخت پر بیٹھتے
ہی حکم دیا کہ سترہزار قیدی آزاد کر دیئے جائین جلال الدین خلجی کی پسماندہ اولاد کو بھی مبارک
شاہ نے ہر چہار جانب سے طلب کرکے ان کو بھی گران بہا عطیے اور وظیفے عطا کیئے اور
اپنے تمام لشکریون کو چھ مہینے کی تنخواہ بطور انعام مرحمت کی، امیرون اور باج گذار
فرمان رواون کے منصب اور ان کی جاگیرین بھی خاطر خواہ اضافہ کیا۔ جو لوگ افلاس
اور تہیدستی کی وجہ سے دربدر بھیک مانگتے تھے وہ بھی شاہی انعامات سے مالا مال ہو کر
صاحب بخشش وجود ہو گئے، غرضیکہ عرصہ کے بعد لوگون نے دام و دنیار کا منہ پھر دیکھا

نوجوان، ناتجربہ کار تھا۔ اس لیئے نااہلون کی صحبت مین پڑ گیا۔ اور ایک پرواز نوجوان حسن نامی پر شیفتہ و فریفتہ ہو کر اس کو اپنا وزیر بنا لیا، اور خسرو خان کا خطاب دیا۔ اس قسم کا عہدہ دانشمند فرمانروا اہل دانش و بینش، نیک نہاد، راست باز، معاملہ فہم، اصیل، نجیب، فرخندہ اطوار اور اعمال شایستہ رکھنے والون نہ کہ فرومایہ اور بد سرشت کو دیا کرتے ہین جو سلطنت کی بنیاد ہلا دیتے ہین۔ چنانچہ خسرو خان نے بھی سلطنت کو بالکل پراگندہ کر دیا۔ سلطان عیش و عشرت مین مشغول رہا۔ اور خسرو خان اپنی قوت بڑھاتا رہا۔ اس نے ظفر خان جیسے معزز حاکم گجرات کو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۲) اہل احتیاج کی عرضیان شاہی ملاحظے مین پیش ہونے لگین، اور ہر حاجت مند کی حاجت روائی ہونے لگی، علماء، صوفیہ اور مستحقین کے وظایف اور روزینون مین اضافہ کیا گیا، جو دیہات کہ زمیندارون اور جاگیردارون کی ملکیت سے علحدہ کر کے علائی عہد مین خالصے مین شامل کر دیئے گئے تھے، وہ پھر ان کے مالکون کو واپس کر دیئے گئے، بھاری خراج اور ناقابل برداشت مطالبات جو علاء الدین کے زمانے سے اب تک برابر واجب الوصول سمجھے جاتے تھے۔ ایک قلم موقوف کر دیئے گئے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حب جاہ اور دنیادی لذتون کی ہوسین جو علائی عہد کے سخت گیر قوانین کی پابندی سے مردہ ہو گئی تھین۔ ان مین پھر تازہ جان پڑ گئی، غرضیکہ مبارک شاہ نے اپنے باپ کے تمام مصلحت آمیز قاعدون کو اپنی نرمی، غیر محل بخششون سے بالکل مٹا دیا۔ (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۹۴ ترجمہ آزاد ہے)

گلستان ہند مین راجہ درگا پرشاد لکھتے ہین، "سلطان مبارک شاہ در آغاز جلوس بسیار زندانیان را از قید رہا کردہ خیلے مراعات و احسانات بخلایق نمود و حلم و تحمل تا بان غایت اختیار نمود کہ عبرت ادا از میان خلق بالتمام برخاست و پراگندگی در نظم و نسق مملکت پدید آمد راجہ ہاے دکن بمشاہدۂ حالت سلطان بے خوف شدہ۔"

قتل کرایا اور سلطان پر روز بروز حاوی ہوتا گیا۔ اگر کوئی سلطان سے اس کی شکایت کرتا تو وہ معتوب ہو جاتا۔ ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ مین تمام رات قصر شاہی مین بسر کرتا ہون۔ میرے اعزہ و اقربا مجھ سے ملنے کے لئے گجرات سے آتے ہین لیکن شاہی محل مین داخل نہین ہو سکتے ہین۔ سلطان نے شاہی محل کے دروازون کی کنجی اس کو یہ کہکر دیدی کہ تجھ سے اور تیرے ہم قوم بھائیون سے زیادہ میرے لئے اور کون معتمد ہو سکتا ہے، خسرو خان نے اس طرح محل کی کنجیان حاصل کر کے پورے محل پر تصرف کر لیا۔ اور اس کے بھائی بند مسلح ہو کر محل مین آنے جانے لگے، خیر خواہان سلطنت نے سیہ بخت خسرو کے ارادے کو تاڑ لیا۔ لیکن کسی مین ہمت نہ تھی

سلہ اور جب امراء درباری سازشون سے ملک کی فضا کو مکدر کر رہے تھے، اسی زمانہ مین امیر خسرو نے ایک مثنوی نہ سپہر لکھ کر سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے حضور مین پیش کی جس کے صلہ مین سلطان نے ان کو ہاتھی کے برابر تول کر سونا دیا۔ اس مثنوی مین امیر خسرو دربار کی مکدر فضا سے متاثر ہوئے بغیر ہندوستان کی فضیلت کا راگ الاپ رہے تھے۔ اور ہندوستان کے ہندو مسلم دونون کو قریب تر کرنے کی خاطر ایک دوسرے کے فضائل بیان کرنے مین مشغول تھے، چنانچہ مولانا شبلی رقمطراز ہین کہ "حضرت امیر خسرو نے ایک مثنوی نوبحرون مین نہ سپہر نام لکھی ہے۔ اس مین ایک مستقل باب ہندوستان کے فضائل کا قائم کیا ہے۔ اور فضیلت کے مختلف وجوہ قرار دیئے ہین۔ ان وجوہ مین سے ایک وجہ فضیلت علمی قرار دی ہے، اور اس پر دس دلیلین قائم کی ہین، جن مین سے بعض حسب ذیل ہین (۱) یہان تمام دنیا کی بہ نسبت علم نے زیادہ وسعت حاصل کی (۲) ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبانین حاصل کر سکتے ہین لیکن اور کسی جگہ کا آدمی ہندی زبان نہین بول سکتا (۳) ہندوستان مین دنیا کے ہر حصہ کے لوگ تحصیل کے لئے آئے لیکن کوئی ہندی تحصیل علم کے لئے ہندوستان سے باہر نہین گیا (۴) علم

کہ خسرو خان کے خلاف کچھ بھی بادشاہ سے کہہ سکے بالآخر قاضی خان نے جو سلطان کا استاد بھی تھا اور محل کا کلید بردار بھی، اپنی جان پر کھیل کر سلطان کو خسرو خان کی مفسدانہ سازش سے مطلع کیا۔ لیکن سلطان پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے خسرو خان سے سب کچھ کہہ دیا۔ خسرو نے مکاری سے رونا شروع کیا اور کہا چونکہ میرے حال پر بادشاہ کی عنایت حد سے زیادہ ہے، تمام درباری حسد کے مارے میری جان کے دشمن ہو گئے ہیں اور جب تک یہ لوگ میری جان نہ لے لیں گے باز نہ آئیں گے۔ اس کے رونے پر بادشاہ کا دل بھر آیا اور اس سے بغل گیر ہو کر کہا کہ اگر تمام دنیا برا کہے تو بھی میں تیرے خلاف کچھ نہ کہونگا۔ تجھ سے مجھکو بڑی محبت ہے۔ اسی کے

(بقیہ حاشیہ ۱۹۴) حساب میں صفر ہندوستان کی ایجاد ہے۔ (۵) کلیلہ و دمنہ جو تمام دنیا کی زبانوں میں ترجمہ ہوئی، ہندوستان کی تصنیف ہے (۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے (۷) موسیقی کو جو ترقی ہندوستان میں ہوئی کہیں نہیں ہوئی۔ .... حضرت امیر خسرو نے صرف ہندوؤں کی علمی فضیلت ہی ثابت کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اون کے مذہب کا بھی اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے مقابلہ کیا ہے اور ترجیح دی ہے۔ اور اپنے اشعار میں ہندو مذہب کی ترجیح کے وجوہ یہ بیان کئے ہیں کہ ثنوی فرقہ خدا کو دو مانتا ہے، بخلاف اس کے ہندو ایک مانتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں، لیکن ہندو اس قسم کے عقائد کے قائل نہیں، فرقۂ مجسمہ خدا کو صاحب جسم مانتا ہے۔ لیکن ہندو ایسا اعتقاد نہیں رکھتے، ستارہ پرست سات خدا مانتے ہیں، لیکن ہندو اس قسم کے عقائد کے قائل نہیں، فرقہ مشبّہہ خدا کو ممکنات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ہندو اس کے خلاف ہیں، پارسی نور و ظلمت دو خدا مانتے ہیں، لیکن ہندو اس خیال سے بری ہیں۔ اسی مثنوی میں حضرت امیر خسرو نے سنسکرت سیکھنے کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں،

بعد کہ ایک رات قاضی خان محل کی محافظت کے لیے ہزار ستون کے کوٹھے پر سے اتر کر نیچے آئے۔ تو اسی وقت خسرو خان سلطان کو چھوڑ کر قاضی خان کے پاس آیا، اور ان کو پان کا ایک بیڑہ دیا۔ اور وہ غافل ہو کر باتین کرنے لگے کہ یکایک خسرو خان کے بھائی جاہر نے قاضی خان پر خنجر کی ایک کاری ضرب لگا کر ان کو لقمۂ اجل بنا دیا۔ محل مین شور ہوا اور سلطان نے شور سن کر ہنگامے کا سبب پوچھا تو خسرو خان نے اس کو بتا دیا کہ طویلہ کے گھوڑے چھوٹ گئے ہین۔ لوگ ان کو پکڑنے کے لئے ہر طرف دوڑ رہے ہین، اسی اثنا مین جاہر اپنے ہمراہیون کے ساتھ ہزار ستون مین آیا۔ پاسبان کو قتل کیا۔ سلطان کو اب اصلی صورت حال سے واقفیت ہوئی۔ وہ حرم کی طرف بھاگا۔ لیکن خسرو خان نے اس کا پیچھا کیا۔ اور اس کی دستار اور بال پکڑ کر زمین پر دے مارا، خسرو خان کے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) من قدرے بسر این کار شدم | در دل شان محرم اسرار شدم

ہر چہ باندازۂ خود رمز خرد | جستم از ان قوم و زبو دارۂ رد

(مقالات شبلی جلد ششم ص ۲۲۴ - ۲۲۵)

ڈاکٹر وحید مرزا نے مثنوی نہ سپہر کو اڈٹ کر کے شایع کیا ہے۔ اس پر انگریزی مین ایک پر مغز اور مفید مقدمہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہین کہ اس مثنوی کا سپہر سوم بہت ہی دلچسپ اور پر از معلومات ہے۔ اس مین ہندوستان کی آب و ہوا۔ پھول۔ پرندون جانورون۔ اور یہان کے علوم، مذہبی عقائد اور زبانون سے متعلق بہت سے مفید معلومات ہین، امیر خسرو نے خراسان اور دوسرے ممالک پر ہندوستان کی فضیلت ثابت کی ہے۔ .... وہ کشور ہند کو زمین کی بہشت اس لئے سمجھتے ہین کہ خلد سے حضرت آدم نکلے تو ہندوستان ہی آئے۔ جہان کی زمین زرخیز اور بارآور ہے۔ اور یہان کی

اور ساتھی بھی پہونچ گئے۔ اور انھون نے سلطان کا سر اس کے تن سے جدا کر کے اسکو تڑپنے کیلئے چھوڑ دیا۔ اور حرم مین جا لوٹ مار اور خونریزی شروع کر دی۔ علاءالدین کے دو چھوٹے لڑکون فرید خان اور منگو خان کو قتل کیا۔ اور بہت سے امراء کو تہ تیغ کیا۔ قطب الدین مبارک خلجی کی حکومت چار سال اور چار مہینے رہی۔

ناصرالدین خسرو خان | قطب الدین مبارک شاہ کے بعد خسرو خان نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اور سکہ جاری کرایا۔ اور ناصرالدین کا خطاب اختیار کیا۔ سلطان کی بیوہ سے خود نکاح کیا، اور شاہی حرم کی اور عورتون کو اپنے بھائیون مین تقسیم کر دیا۔ اس کے اعزہ و اقربا اکثر ہندو تھے اس لیئے شعار اسلام تو جاتا رہا۔ اور ہندوانہ مراسم کو بڑی رونق ہوئی، مسجدین مسمار کی گئین، اور بت پرستی شروع کی گئی - - - - - - - - باغ ارم مین آشیانہ زاغ قائم ہوا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۶) آب و ہوا مین اعتدال ہے۔ اور جہان طاؤس بھی اور مار بھی ہیں اس مین شک نہین کہ امیر خسرو کے بعض دلائل آج کل کے لوگ قبول کرنے کے لیئے تیار نہ ہونگے، لیکن جس زمانے مین یہ لکھے گئے، انکے نرالے پن سے لوگ متاثر ہوئے کیونکہ اگر ان کے دلائل اطمینان بخش نہین تو جس شاعرانہ انداز مین لکھے گئے ہین، وہ ضرور دل آویز ہین امیر خسرو علوم و فنون مین ہندوستان کی فضیلت کو تمام ممالک پر ظاہر کرتے ہین، وہ کہتے ہین کہ دانش و معانی ہندوستان مین اندازہ سے باہر ہین۔ یونان حکمت مین مشہور ہے۔ لیکن ہندوستان اس مین بھی تہی مایہ نہین۔ یہان منطق بھی ہے۔ نجوم بھی اور علم کلام بھی البتہ ہندو فقہ سے واقف نہین ہین۔ لیکن وہ طبیعیات، ریاضیات اور ہیئت کے ماہر ہین۔ وہ مابعد الطبیعیاتی علوم نہیں جانتے۔ لیکن مسلمانون کے علاوہ اور قومین بھی ان سے ناواقف ہین، ہندو ہمارے مذہب کے قائل نہین۔ لیکن ان کے بہت سے عقائد ہم سے مشابہ ہین، وہ خداوند تعالیٰ

ایک فرومایہ بادشاہت کے لایق کسی طرح بھی نہ تھا۔ سلطان علاءالدین کے امراے کبار مین غازی الملک حاکم دیپال پور تھا۔ اس نے خسرو خان کی نمک حرامی اور سلطان کے قتل کی خبر سنی تو ملتان واچہ کے حاکم ملک بہرام کے ساتھ ایک لشکر جرار کے ساتھ دہلی کی طرف کوچ کیا۔ خسرو خان نے اس کے خلاف جنگ کی، لیکن شکست کھائی، میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہوا، لیکن دوسرے دن گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس کی حکومت کل چار مہینے اور چند روز رہی،

غیاث الدین تغلق
سنہ ۱۳۲۱ء تا سنہ ۱۳۲۵ء

غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ اس کا باپ ملک تغلق ترک نژاد تھا۔ اور غیاث الدین بلبن کے غلامون مین سے تھا۔ اس کی مان پنجاب کی قوم جاٹ سے تھی۔ غازی ملک شروع سے نہایت خوش قسمت، بلند اقبال اور ہوشیار تھا۔ وہ اپنی شجاعت، دلیری، مردانگی اور فرزانگی کے سبب سے سلطان علاءالدین اور قطب الدین کے عہد مین نامور امراء میں شمار کیا جاتا تھا، جب اس نے اپنی جانبازی سے خسرو خان کو قتل کر کے اپنے پروردۂ نعمت کا حق ادا کر لیا، تو اپنے ساتھیون کو مخاطب کر کے کہا کہ مین نے ایک کافر نعمت کو قتل کر کے حق نمک ادا کر دیا ہے، اب سلطان علاءالدین اور سلطان قطب الدین کی اولاد مین سے اگر کوئی بھی باقی ہو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۷) کی وحدت اس کی ہستی، اس کے قدم، اس کی قدرت ایجاد، اور اس کے رازق، خالق افعال، فاعل مختار، عالم جزو کل ہونے کے قائل ہین، اس طرح وہ ثنوی، عیسائی اور پارسی اور فرقہ مجسمہ، مادہ پرست اور ستارہ پرست وغیرہ سے بہتر ہین۔ وہ پتھر، جانور، آفتاب اور درخت کو ضرور پوجتے ہین۔ لیکن وہ سمجھتے ہین کہ یہ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہین...

پھر عربی، فارسی، ترکی، اور ہندوستان کی زبانون مین ہندوی، سندھی، لاہوری، کشمیری، کبری، دھور سمندری، تلنگی، گجری، معبری، گوری، بنگالی اور اودھی کا ذکر کر کے ....

تو اسی کو بٹھا کر ہم سب اس خاندان کی خدمت کرین لیکن اب ان دونون بادشاہون کی کوئی
اولاد زندہ نہین۔ اس لئے جو بھی حکومت کے لایق ہو، اسی کو تخت پر بٹھایا جائے۔ لیکن تمام
لوگون نے متفق ہو کر کہا کہ تم نے حق نمک ادا کیا ہے۔ اور اپنے ولی نعمت کے خون کا انتقام
لیا ہے۔ اس لئے تم سے زیادہ بادشاہت کا کوئی مستحق نہین، اور یہ کہکر تمام امرا نے اس کے
ہاتھ پر بیعت کر لی اور اسی کے نام سے خطبہ اور سکہ جاری ہوا۔ اس کے عہد مین سارے فتنے
ختم ہو گئے۔ اور جہان داری رونق پذیر ہوئی، اور ایک ہفتہ کے اندر جہانبانی کے کام اس طرح
انجام پائے کہ دوسرے سلاطین برسون مین نہین کر سکتے تھے۔ علاء الدین اور قطب الدین
کی اولاد مین سے جو کوئی بھی کہین باقی رہ گیا تھا۔ اس کے لئے سلطان نے وظایف مقرر کئے،
امرا کو مناصب دیگر اقطاع مرحمت کیا۔ اور ان مین اکثر کو دربار مین کھڑے رہنے کے
بجائے بیٹھنے کی اجازت دی، خسرو خان نے جن لوگون کو روپئے دیئے تھے۔ ان سے واپس
لے کر خزانہ مین داخل کیا، اور روپیہ لینے والون کی سخت سزا کی، خسرو خان نے لشکریون
کو جو رقم دی تھی۔ وہ ان کی تنخواہ مین محسوب کرالی اور جو فاضل رقم ہو گئی اس کو ان کے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۸) سنسکرت کے متعلق کہتے ہین کہ اس مین بھی موتی کی طرح صنعت موجود
ہے، اور عربی سے تو کمتر لیکن فارسی سے بہتر ہے۔

آنست زبانی بہ صنعت دردری　　　　از عربی کمتر و برتر زدری

اس کے بعد ہندوستان کے پرندون اور جانورون کا ذکر ہے۔ وہ کہتے ہین کہ یہان
کے طوطی اور شارک آدمیون کی طرح بول سکتے ہین، کوے مستقبل کی خبر دیتے ہین،
یہان کے طاؤس مین دلہن جیسی رعنائی ہوتی ہے۔ اور اس مین یہ عجیب وغریب بات
پائی جاتی ہے کہ بط یا مور دگس کی طرح اس کے جوڑے جفتی نہین کرتے، بلکہ مادہ نر کی

نام سے لکھ لیا جو رفتہ رفتہ ان سے وصول کی گئی۔ اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے ملک کی سرکشی اور بغاوت بالکل جاتی رہی۔ مغلون کی یورش کے راستے مسدود ہو گئے، سلطان کو تعمیرات سے بھی بڑی دلچسپی تھی، اس نے تغلق آباد کا قلعہ بہت ہی مستحکم بنوایا۔ غرضیکہ بہت ہی نیک، فرشتہ خصلت سلطان تھا۔ زیادہ تر اوقات عبادت مین گذارتا۔ مسکرات کے پاس مطلق نہ پھٹکتا۔ اور ممنوع چیزون سے دور رہنے کا خیال مبالغہ کی حد تک رکھتا۔ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے برابر کوشان رہا۔ اس کے زمانے مین تمام ملک کو امن حاصل تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۹) آنکھون کے آنسو پی لیتی ہے، جس سے وہ انڈے دینے لگتی ہے، یہان کے بگلے تھوڑی سی تربیت پانے کے بعد عجیب و غریب کرتب دکھاتے ہین، یہان کے گھوڑے تال اور سر کے ساتھ ٹاپ مارتے ہین۔ یہان کے بندر دام و درم کی تمیز کر سکتے ہین، یہان کے ہاتھی بظاہر حیوان ہین لیکن عمل مین انسان ہین، . . . .

خسرو ہندوستان کی جادوگری کا بھی ذکر کرتے ہین کہ یہان سانپ کے کاٹے ہوئے مردون کو زندہ کیا جا سکتا ہے، پھر یہان کے لوگ مردون کو قوت گویائی عطا کر سکتے ہین، وہ ایک زندہ انسان کی روح مردہ جسم مین منتقل کر سکتے ہین، اور خیالی ناوک سے کسی آدمی کو مار سکتے ہین۔ یہان کے جوگی حبس دم کی مشق کر کے سو بلکہ دو سو سال تک زندہ رہ سکتے ہین۔ یہ ساری چیزین افسون یا افسانہ معلوم ہوتی ہین۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے، جس کا انکار نہین کیا جا سکتا کہ ہندو اپنی وفاداری مین تلوار اور آگ سے اپنی جان دے سکتا ہے، ایک ہندو عورت اپنے شوہر کی خاطر جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ ہندو مرد اپنے بت یا مالدار آقا کیلئے اپنی جان بھینٹ چڑھا دیتا ہے، اسلام نے ان چیزون کو روا نہین رکھا ہے لیکن یہ بڑی کارگذاری ہے، اگر ہماری شریعت اسکی اجازت دے تو بہت سے لوگ اس سعادت کو حاصل کرنے مین اپنی جانین قربان کرین،

تاجرون اور مسافرون کو آمد ورفت مین بڑی سہولت میسر تھی غلہ بہت ارزان ملتا تھا۔ باغیون، مفسدون، چورون اور رہزنون کو سزا دینے مین پوری کوشش کی۔ اور کچھ روز کے بعد جب لکھنوتی گیا تو وہان ناصرالدین ولد غیاث الدین بلبن حکومت کر رہا تھا۔ لیکن سلطان نے اپنے آقا کے خاندان کی قدر دانی کی خاطر ناصرالدین کو اپنی جگہ پر برقرار اور بحال رکھا۔ وہان سے سنارگاؤن گیا۔ جہان بہادر شاہ نے اس کے خلاف ہاتھی اور فوج لے کر جنگ کی، لیکن سلطان کو فتح حاصل ہوئی، وہان سے واپسی مین سلطان نے ترہت کے قلعہ کی بھی تسخیر کی، اس کے بعد دارالسلطنت دہلی کی طرف مراجعت کی، شاہزادہ الغ خان عرف قمرالدین جونا خان سلطان کا نائب بن کر دہلی ہی مین تھا۔ اس نے تغلق آباد سے تین کروہ پر سلطان کے خیر مقدم کے لئے ایک حسین اور خوبصورت محل بنوایا اور اس مین ضیافت کا سامان کیا۔ سلطان وہان پہونچا تو مجلس آراستہ کر کے داد عیش وعشرت دینے لگا۔ دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے گئے۔ اور جب وہ کھانا تناول کر کے ہاتھ دھونے کے لئے باہر آیا۔ تو یکایک "ارادت الہی" سے وہ محل ہوا کے جھونکون سے خیمۂ حباب کی طرح ٹوٹ کر گرا اور سلطان خاک کی ڈھیر کے نیچے ابدی نیند سو گیا،

دسویں جھلک

محمد شاہ بن تغلق

۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء

از پروفیسر ایشوری پرشاد، الہ آباد یونیورسٹی

محمد شاہ بن[1] تغلق بڑا ہی شکیل اور تنومند سلطان تھا۔ چوگان بڑی مہارت سے کھیلتا۔ نشانہ بازی میں بڑا مشاق، شہسواری کے فن سے پورا واقف اور شکار کا ماہر بھی تھا۔ اسکو فیروز شاہ کی طرح شکار سے غیر معمولی شغف تو نہ تھا۔ لیکن مردانہ کھیلوں اور تفریحوں سے پوری دلچسپی رکھتا۔ ابن بطوطہ اور مسالک الابصار کے مصنف نے اس کے شکار کے دلچسپ حالات لکھے ہیں۔

وہ جس طرح رزم میں اپنی بہادری کے لئے مشہور تھا۔ اسی طرح بزم میں اپنے محاسن کے سبب بڑا محبوب تھا۔ اس کی فیاضی کی تو کوئی حد نہ تھی۔ تمام مورخین حتی کہ برنی بھی اسکی

---

[1] ڈاکٹر ایشوری پرشاد (الہ آباد یونیورسٹی) نے اپنی کتاب "ہسٹری آف دی قرونہ ٹرکس" میں محمد تغلق کی سیرت اور کارناموں کا بڑا ناقدانہ تجزیہ کیا ہے۔ اس کے کچھ حصے کا خلاصہ ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے اس دور کے نظام حکومت، دربار کی شان و شوکت اور تہذیب و تمدن کا بھی اندازہ ہوگا۔ اقتباسات کی تقدیم و تاخیر کرنے میں ہم نے اپنے ذوق کو مختار رکھا ہے۔

دریا دلی اور سخاوت سے متحیر ہین۔ غیر ملکیون کے لئے تو وہ بے حد فیاض تھا۔ برنی کا بیان ہے کہ ہر سال تومانی (دس ہزاری) اور ہزاری امراء اور معزز خواتین دہلی آتے جن کو بے شمار تحائف دئے جاتے۔ برنی یہ بھی لکھتا ہے کہ حاتم جتنا سال بھر مین خرچ کرتا تھا، یہ سلطان ایک وقت مین بخشش و انعام مین صرف کر دیتا۔ ارباب علم وفضل خراسان، عراق، ماوراءالنہر، خوارزم، سیستان، ہری، مصر اور دمشق سے آتے۔ اور انعامات پاکر واپس جاتے۔ برنی نے لکھا ہے کہ ۱۳۴۱ء مین سلطان سرگدواری سے واپس آرہا تھا تو باہر کے کچھ مہمان آئے۔ سلطان سفر مین تھا۔ اسلئے کچھ اور تو نہ کر سکا، لیکن شاہانہ انداز مین ان کی دعوت کی' اگر اس کی فیاضی کی ہر ایک مثال کو قلمبند کیا جائے۔ تو ایک دفتر بے پایان ہو جائیگا۔ برنی نے اس کی فیاضیون کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسے کوئی کسی کے جرم اور قصور کا ذکر کرتا ہو۔ کیونکہ برنی اس طبقہ سے تعلق رکھتا تھا' جو اس قسم کی باتون کو پسند نہ کرتا تھا۔

سلطان جب دارالسلطنت سے کوچ کرتا یا یہان واپس آتا۔ تو اس پر چاندی اور سونا نچھاور کر کے لوگون مین لٹایا جاتا۔ لیکن اس اسراف کے باوجود خزانہ مین کبھی روپیے کی کمی نہین ہوتی۔ بلکہ فتوحات فیروز شاہی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ کو بہت سے ٹیکس کم کرنے پڑے اور ایسے ہی ٹیکس جاری رکھے جس کی شریعت نے اجازت دی تھی۔

سلطان محمد تغلق خیرات تو بکثرت کرتا۔ لیکن گداگری کو پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے محتاجون اور مفلسون کے لئے روزینے اور وظیفے مقرر کر دئے تھے۔ مسالک الابصار کے مؤلف کا بیان ہے کہ روزانہ شاہی باورچی خانہ سے چالیس ہزار فقیرون کو کھانا ملتا تھا۔ ان مین ہر ایک کو ایک درہم اور ۵ رطل گیہون کا آٹا یا چاول ملتا۔ سلطان نے خانقاہون مین جاگیرین وقف کر رکھی تھین تاکہ غربا کی پرورش وہان ہوتی رہے، ان خانقاہون مین شاہی ملازمین کی

نگرانی میں کھانے تقسیم ہوتے تھے۔ متولیوں کی پوری نگرانی کی جاتی تھی اور خیانت و بد دیانتی پر ان کو سزا دی جاتی۔

سلطان دعوتوں اور ضیافتوں میں تو بہت خرچ کرتا لیکن خود اپنی روزمرہ کی زندگی میں سادگی پسند کرتا تھا۔ وہ شراب سے پرہیز کرتا تھا۔ اور ایسے افراد کی صحبت پسند نہ کرتا جو شرعی قوانین کے پابند نہ ہوتے۔ اس نے اپنے امیروں اور سلطنت کے باشندوں کے لئے بھی نشے کی چیزیں ممنوع کر رکھی تھیں، اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرتا تو اس کو سخت سزا بھگتنی پڑتی۔ مسالک الابصار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ دہلی کا ایک معزز درباری میخواری ترک نہ کر سکا تو سلطان نے اس کی تنبیہ کی، پھر بھی وہ باز نہ آیا۔ تو اس کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی۔ برنی سلطان سے کچھ خوش نہ تھا۔ لیکن وہ بھی سلطان کے نجی کردار اور ذاتی اوصاف میں رطب اللسان ہے۔ اس میں ہوا و ہوس نہ تھی۔ عورتوں کی طرف مطلق مائل نہ تھا۔ ابن بطوطہ اور مسالک کے مصنف نے بھی اس کی معصیت کا ذکر نہیں کیا ہے گو یہ وہ لکھتے ہیں کہ وہ بزم نشاط اور رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں اس قسم کی محفلیں شاہانہ لوازم میں داخل ہو کر ضروری ہو گئی تھیں۔ وہ خلوت اور جلوت میں اپنے کسی قول اور فعل میں کبھی بھی غیر سنجیدہ اور غیر متین نہ ہوتا۔ بلکہ ہر موقع پر اپنا وقار قائم رکھتا۔ وہ اورنگ زیب کی طرح متقشف اور نہ ناصر الدین محمود کی طرح راہب تھا، لیکن اپنے عادات و اطوار میں سخت تھا۔ اس کی وجہ سے محل کے اندر بڑی تہذیب اور شائستگی آ گئی تھی۔ جب وہ محل سرا جانے لگتا تو خواجہ سراؤں کو پہلے بھیجکر اطلاع دیدیتا تاکہ بیگمات پردے کی آڑ میں ہو جائیں، وہ ان باتوں میں اتنا سخت تھا کہ عین الملک کی بغاوت کے زمانے میں اس لئے حکم جاری کیا کہ کوئی عورت فوجی کیمپ میں رہنے نہ پائے اور

اس نے خود اس کی پابندی کرنے کی خاطر شاہی حرم کی بیگمات کو کمپیل کے قلعہ مین بھجوا دیا۔

سلطان کا انکسار بھی بے مثل تھا۔ اس کی طرف باپ کے قتل کا جرم منسوب ہے۔ لیکن تخت نشینی کے فوراً ہی بعد اس نے باپ کا نام سکون پر نقش کرایا۔ وہ اپنی ماں کا بڑا احترام کرتا۔ اور اس کی اطاعت گذاری مین کبھی کوئی کوتاہی نہ کی اور وہ جب تک زندہ رہی۔ شاہانہ وقار مین کمی نہین ہونے دی۔ برنی اور ابن بطوطہ دونون سلطان کی ماں کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ بیٹے کی فرمانبرداری کی تعریف بھی کرتے ہین۔ ماں امور سلطنت مین مداخلت کرتی اور بیٹا اس کو روا رکھتا۔ اس کی ماں کا تو ذکر برابر آتا ہے۔ لیکن اس کی کسی ملکہ کا ذکر کہین نہین آتا۔ اس کی ماں دارالسلطنت کے بیرونی مہمانون کو شاہانہ دعوتین دیا کرتی۔ اور ان کو بڑے قیمتی تحفون سے نوازتی تھی، ایک موقع پر وہ بھی سلطان کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئی۔ لیکن سلطان کسی ضرورت سے دارالسلطنت جلد اس کے بغیر واپس چلا آیا۔ لیکن جب وہ پایۂ تخت کو لوٹی تو بیٹے نے بڑے تزک و احتشام سے ماں کا خیر مقدم کیا۔ خود اس کی پیشوائی کیلئے گیا اور گھوڑے سے اتر کر اس کے قدمون کو چوما۔ اس کو سلطان ہی کی طرح تحفے اور نذرانے قبول کرنے کی اجازت تھی۔ جنکی باضابطہ فہرست رکھنے کے لئے کاتب اور اہل کار مامور تھے۔ وہ اپنے بھائیون سے بھی اسی شفقت کے ساتھ پیش آتا۔ اور اس نے مبارک خان کو سلطنت کا سب سے بڑا اونچا انتظامی عہدہ دے رکھا تھا۔ وہ اپنے بوڑھے استاد قتلغ خان کا بھی بڑا احترام کرتا۔ وہ جب اسکے سامنے آجاتے تو وہ اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ برنی کو بھی سلطان کے ان محاسن کی تعریف کرنی پڑی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان کے کردار مین دو خاص باتین تھین۔

خدا کی بندگی اور بڑوں کی نیازمندی۔ وہ درویشوں اور بزرگوں کی صحبت کا تو بڑا گرویدہ تھا
اور ان کی برابر سرپرستی کی۔

دہلی کے سلاطین میں وہ سب سے پڑھا لکھا اور ہنرمند تھا۔ فطرت کی طرف سے اس کو غیر معمولی
حافظہ عطا ہوا تھا۔ اس کا ذہن بھی بڑا رسا اور تیز فہم تھا۔ مختلف قسم کی چیزوں کو اخذ کرنے
کی بھی بڑی صلاحیت رکھتا، جو بھی اس سے ملتا اس کی درّاکی اور ذہانت سے متاثر ہوتا، فنون
لطیفہ کا عاشق ایک جید اہل علم اور ایک ممتاز شاعر ہونے کے علاوہ منطق ہیئت فلسفہ
ریاضی اور طبعیات میں بھی پوری استعداد رکھتا تھا۔ سکندر نامہ، بو مسلم نامہ اور تاریخ
محمودی کا بڑا گہرا مطالعہ کئے ہوئے تھا۔ اور اپنے رقعات میں بڑی آسانی سے ان کے
اقتباسات دیا کرتا۔ اس کے علاوہ فرشتہ کے بیان کے مطابق اس کو شاہنامہ اور امیر
حمزہ کے قصے بھی یاد تھے۔ اس کی سخن سنجی میں اس کا ہمسر کوئی بھی نہ تھا۔ اس کو فارسی اشعار
بکثرت یاد تھے۔ جن کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں برابر استعمال کیا کرتا تھا۔ تشبیہات
اور استعارات میں بھی بڑی مہارت رکھتا۔ اس کی گفتگو میں فارسی زبان کے اساتذہ کے
اثرات نمایاں ہوتے۔ سلطان کے اس وصف کی تعریف کرنے میں اس زمانے کے بڑے
بڑے ادیب بھی مجبور ہوتے، فصاحت اور بلاغت کے ماہرین بھی اس کے خیال کی
بلند پروازی، ذوق کی سلامتی، اور قادر الکلامی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بڑی
دل آویز گفتگو کرتا۔ جس میں پرزور منطقیانہ دلائل ہوتے۔ وہ ارسطو کی منطق اور
فلسفہ پر بھی اچھی نظر رکھتا تھا۔ اس لئے بڑے بڑے علماء اور منطقی بھی اس سے مباحثہ
کرنے میں گھبراتے۔ وہ ممتاز شعراء، ادبا اور ارباب علم سے بحث کر کے ان کو زچ کر دیتا،
برنی اس کا مداح نہیں لیکن پھر بھی وہ اس کی فصاحت، شیریں بیانی اور خوشنویسی کی

مہارت کی تعریف کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ اس کی قابلیت ارسطو، آصف، احمد حسن اور نظام الملک طوسی کو بھی ورطۂ حیرت مین ڈال سکتی تھی۔ اور اس بیان کی تصدیق ابن بطوطہ اور مسالک الابصار کے مؤلف سے بھی ہوتی ہے، مؤخر الذکر لکھتا ہے کہ "سلطان بہت قابل ہے، اسکو کلام پاک و ہدایہ حفظ ہے، وہ فلسفہ اور منطق کا استاد ہے، اور بہت ہی عمدہ خوشنویس ہے۔ ایک اچھا شاعر ہے۔ اس لئے محاسن شاعری کا مداح ہے۔ فارسی زبان کے شعراء سے مذاکرے کر کے ان کی شاعری پر تنقیدین کرتا ہے" وہ فلسفیانہ گفتگو مین بڑے بڑے علماء کو زیر کر سکتا تھا۔ صدر جہان کے یہان روزانہ رات کو فلسفیانہ مذاکرے اور مباحثے ہوتے سلطان اس مین غیر رسمی طریقہ پر برابر شریک ہوتا۔ سعد منطقی، عبید شاعر، نظام الدین انتشار سے اس کے بڑے بڑے علمی تنازعے ہوتے،

ازمنۂ وسطی مین مشرق مین طب کا جاننا ایک اہم وصف سمجھا جاتا تھا۔ سلطان کو بھی اس فن مین درک تھا۔ وہ اطباء سے بحث کرتا، امراض شناخت کرنے کی کوشش کرتا اور نسخے بھی لکھتا۔

ان تمام غیر معمولی اوصاف اور محاسن کے باوجود اس کو ایک معاصر مورخ یعنی ضیاء الدین برنی ظالم اور سفاک حکمران بتاتا ہے، جو معصوم مسلمانون کو قتل کیا کرتا تھا اور جس کے محل کے سامنے خون کی نہر بہا کرتی تھی۔ اس کو توہمات کا بندہ کہا گیا ہے، جو اپنی رعایا کو اپنی طرح طرح کی اسکیمون کو عمل مین لانے کے لئے حکم دیتا، اور جب وہ عدول حکمی کرتی تو ان کو بڑی بے رحمی سے سزا دیتا۔ شاہی احکام کی خلاف ورزی کو نافرمانی، عداوت، مخالفت اور بدخواہی پر محمول کیا جاتا۔ اور اس کا خمیازہ ہزارون آدمیون کو بھگتنا پڑتا۔ برنی سلطان کی فیاضی، اولوالعزمی، اور ذوق علمی کی

مبالغہ آمیز حد تک تعریف کرتا ہے۔ لیکن ہی کے ساتھ جب وہ اس کے برن کے حملہ کا ذکر کرتا ہے تو لکھتا ہے کہ وہان آدمیون کا شکار مویشیون کی طرح کیا گیا۔ وہ قنوج کی مہم کے سلسلہ مین بھی اسی سفاکی کا ذکر کرتا ہے کہ قنوج سے دلمو تک کے علاوقے تاراج کر دیئے گئے۔ اور جو بھی ملا تہ تیغ ہوا۔ برنی کے لب و لہجہ سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان عادۃً قاتل تھا، اس مین رحم مطلق نہ تھا اور وہ ناممکن کو ممکن بنانے مین لگا رہتا ....

فتوحات فیروز شاہی اور سیرت فیروز شاہی کے مطالعہ سے بھی محمد تغلق کے ظلم و ستم کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن جس زمانہ مین یہ دونون کتابین لکھی گئین، اسی زمانہ مین شمس سراج عقیف نے تاریخ فیروز شاہی لکھی، جس مین وہ رقمطراز ہے. کہ سلطان محمد تغلق بڑی "فراست و کیاست" کا بادشاہ گزرا ہے جس نے دہلی مین حکومت کر کے دنیا پر اپنی فہم و دانش اور تدبر کا سکہ جمایا" اسی دور مین مسالک الابصار قلمبند ہوئی اس کا مصنف سلطان کے کسی ظلم و ستم کا ذکر نہین کرتا، وہ تو کسی ہندو کے ساتھ بھی ناروا سلوک کا اشارہ بھی نہین کرتا۔ حالانکہ اس عہد مین ہندوؤن کے ساتھ جو بھی ناروا حرکت کی جاتی، اس کا ذکر مسلمانون کا مذہبی طبقہ بڑی مسرت کے ساتھ کرتا ہے، مسالک الابصار کے مصنف کو سلطان محمد کے کردار کے تمام جزوی واقعات معلوم ہوئے تھے، مگر وہ اس کی کسی سفاکی کا مطلق ذکر نہین کرتا، لیکن مسالک الابصار کا مصنف اس لحاظ سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک غیر ملک مین بیٹھ کر اپنی کتاب قلمبند کی، ابن بطوطہ تو کئی سال سلطان کے ساتھ رہا۔ اس کی شہادت تو مشکوک نہین ہو سکتی، وہ لکھتا ہے کہ سلطان کی سخاوت، شجاعت، سختی اور خونریزی کی حکایات عوام الناس کی زبان زد ہین۔ اس کے باوجود مین نے کوئی شخص اس سے زیادہ متواضع اور منصف نہین

دیکھا۔ شریعت کا پابند ہے۔ اور نماز کی بابت بڑی تاکید کرتا ہے، جو نہین پڑھتا۔ اس کو سزا دیتا ہے، اور منجملہ ان بادشاہون کے ہے جن کی نیک بختی اور مبارک نفسی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ مین اس کے احوال بیان کرنے مین بعض ایسی باتین بیان کرونگا جو عجائبات معلوم ہوتی ہین لیکن مین خدا اور اس کے رسول اور ملائکہ کو گواہ کرتا ہون کہ جو کچھ مین اس کی فوق العادت سخاوت اور کرم سے بیان کرونگا وہ سب کی سب درست ہین، یہ بھی معلوم رہے کہ جو کچھ مین نے لکھا ہے وہ اکثر لوگون کی سمجھ مین نہین آتا اور وہ اس کو مبالغہ خیال کرتے ہین۔ لیکن جو کچھ مین نے لکھا ہے وہ یا تو میرا چشم دید ہے یا مین نے اسکی صحت کی طرف سے اطمینان کر لیا ہے، یا خود میرے سامنے گزرا ہے اور اس کی روایت تمام مشرق مین حد تواتر کو پہونچ گئی ہے[1]،

ابن بطوطہ کہین یہ ذکر نہین کرتا کہ سلطان معصوم مسلمانون کی خونریزی کیا کرتا یا بنی نوع انسان ہی کو ختم کر دینا چاہتا تھا، ہان وہ مجرمون کو سخت سے سخت سزا دیتا، اور اس مین اعلیٰ اور ادنیٰ کی مطلق تفریق نہ کرتا۔ خواہ اہل علم یا اہل تقوی، یا معزز درباری ہی کیون نہ ہو۔ سینکڑون، ... مجرم روزانہ اس کے دربار مین پیش کئے جاتے اور وہ اپنے اپنے جرم کے مطابق سزا پاتے۔ اس کا عدل و انصاف بے مثل تھا۔ وہ مفتیون کے فتاوے پر ہی بھروسہ نہ کرتا۔ اور علماء کو تمام کمزوریون سے بالاتر نہین سمجھتا، اس لئے عدل گستری کے لئے ادنیٰ حکام کو بھی مامور کرتا۔ برنی کو یہی باتین ناگوار تھین جو علماء کو ہر حال مین قابل احترام سمجھتا تھا۔ اور برنی نے سلطان کی ایک دو باتون کو سامنے رکھکر اس کے متعلق ایک عام اور کلی رائے لکھدی ہے'

---

[1] یہ ترجمہ سفرنامۂ ابن بطوطہ کے اردو ترجمہ سے لیا گیا ہے۔

ابن بطوطہ بھی سلطان کی سختی اور خونریزی کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں لکھتا کہ معصومین خواہ مخواہ تہ تیغ کئے جاتے بلکہ وہ تو اس کی تعریف یہ لکھ کر کرتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتا، عدل و انصاف کا تقاضا ہوتا۔ برنی کے بیانات کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان کو بے رحمی سے لذت حاصل ہوتی تھی۔ برنی تو سلطان محمد کو کسی حال میں معاف کرنے کو اس لئے تیار نہیں کہ اسکی وجہ سے علماء کا اقتدار جاتا رہا۔ اور وہ جس کسی کو بھی سزا دیتا۔ اس کو اس کی سفاکی پر محمول کرتا ہے۔ برن اور قنوج کی مہم محض تادیبی کارروائی تھی۔ لیکن برنی نے اس کو "انسان کا شکار" لکھا ہے، ابن بطوطہ نے بھی ان مجرموں کی فہرست دی ہے۔ جن کو سلطان نے سزا دی، ان میں دس میں سات ایسے ہیں جو علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہ زیادہ تر ایسے ہیں جو یا تو سلطان کے دشمن تھے۔ یا غبن اور خیانت میں ماخوذ ہوئے، یا باغیانہ سازشوں میں پکڑے گئے۔ شیخ شہاب الدین، فقیہ عفیف الدین کاشانی، شیخ ہود، شیخ شمس الدین بن تاج العارفین، شیخ علی حیدری اور دہلی کے خطیب الخطباء کو سزا اسلئے ہوئی کہ انھوں نے فرایض کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور باغیانہ سازشوں میں حصہ لیا، سلطان کی سزائیں ضرورت سے زیادہ سخت ہوتی تھیں۔ مثلاً شیخ شہاب الدین کو جو سزا دی وہ قابل اعتراض ضرور ہے۔ لیکن شہاب الدین نے اس کو ظالم کہا تھا۔ حالانکہ یہی شہاب الدین ہیں جن کے ساتھ وہ بڑی نوازشوں کے ساتھ پیش آتا تھا[۱]۔۔۔

---

[۱] ابن بطوطہ نے لکھا ہے، سلطان نے شہاب الدین کو دولت آباد بھیج دیا۔ اور وہ وہاں سات برس تک رہے، پھر ان کو واپس بلالیا۔ اور بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کو عاملوں سے بقایا وصول کرنے کا کام سپرد کیا۔ پھر ان کو وہاں سے بلا بھیجا اور ان کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور ان کو اس محکمہ کا جو عاملوں سے بقایا وصول

از منۂ وسطی مین "ظالم" کا الزام ایک بادشاہ کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ اور جس حکومت مین مذہبی طبقہ کے اثرات زیادہ ہون، وہان اس الزام کے بعد تو بادشاہ کو حکومت کرنے کا حق باقی نہین رہتا، سلطان نے شیخ کو اس الزام سے رجوع کرنے کو کہا۔ لیکن جب انھون نے اس سے انکار کیا تو سلطان نے ان کو صدر جہان کے حوالے کیا کہ وہ اپنے الزام کو ثابت کرین۔ لیکن ان کو جام شہادت پینے کا شوق ایسا تھا کہ اس کی تکلیف گوارا نہین کی، اور بالآخر قتل کئے گئے۔ لیکن اس سے ہرگز ثابت نہین کہ سلطان علماء کے طبقہ سے متنفر تھا۔ وہ تو ان کی صحبت مین برابر شریک ہوتا۔ ان کو اپنے یہان مدعو کرتا۔ ان کا سرپرست رہا۔ لیکن اس کے مزاج مین سختی تھی اور جو کوئی بھی اس کی عدول حکمی کرتا۔ یا عدل گستری مین مزاحم ہوتا تو پھر وہ اس کے قصور کو معاف نہین کرتا۔

برنی نے اس کی طرف مطلق اشارہ نہین کیا ہے کہ آخر وہ علماء کے طبقہ کے افراد کو اتنی سخت سزائین کیون دیتا تھا۔ اس کے عہد مین ایسی مثالین بھی ہین کہ وہ سیاسی مجرمون کے ساتھ بڑی لینت و نرمی سے پیش آیا ہے۔ برنی اور ابن بطوطہ دونون نے ایسے واقعات لکھے ہین کہ سیاسی بغاوتون کے سلسلہ مین سلطان نے بعض باغیون کو یا تو بہت ہلکی سزا دین یا ان کی تقصیر معاف کر دی، وہ نصرت خان اور عین الملک کی بغاوتون کو فرد کرکے ان کے ساتھ جس طرح پیش آیا۔ اور جس طرح اپنی عنایتون سے ان کو نوازا اس کی مثالین اس عہد کے حکمرانون مین کم ملینگی، وہ مذہبی طبقہ کے افراد کی لغزشون کو بھی معاف کیا کرتا تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۰) کرتے ہین دیوان مقرر کر دیا۔ پھر ان کی تعظیم افزائی کی، امیرون کو حکم دیا، کہ ان کے پاس سلام کو جایا کرین، جو کچھ وہ کہین عمل کیا کرین۔ یہان تک کہ بادشاہ کے گھر مین کوئی ان سے اعلیٰ عہدہ پر نہین تھا۔۔۔۔۔ (اردو ترجمہ ص ۱۴۵-۱۴۶)

لیکن جب وہ شرانگیزی پر مصر ہوتے تو پھر ان کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتا، اکثر ایسا بھی ہوا کہ وہ کسی کو اپنا محرم راز بناتا۔ اور اس کے ساتھ امتیازی سلوک کر کے اس کے درجے بلند کردیتا، لیکن اگر وہ اس کا مخالف یا نافرمانبردار ہو جاتا، تو اپنے اقتدار کی خاطر اس سے بڑی سختی سے پیش آتا، اور جب اس کی سلطنت مین ایک عام انتشار پھیلا تو وہ ان لوگون کے خلاف اور بھی سخت ہو گیا جو اس کے حکم کی تعمیل نہین کرتے۔

وہ ایک غیر معمولی دل و دماغ کا حکمران تھا۔ ایک بے قرار ذہن کے ساتھ بہت سے اوصاف کا مجموعہ تھا۔ جس طرح اس کی فیاضی کی انتہا نہ تھی اسی طرح مجرمون کے ساتھ اسکی سختی کی کوئی حد نہ تھی۔ اس لئے بعد کے مورخون نے اس کو اضداد کا مجموعہ کہا ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ برنی نے اس کی سفاکی کے ذکر مین مبالغہ کیا ہے، برنی کو سلطان سے شاید اس لئے نفرت ہو گئی تھی کہ اس نے علماء کے ساتھ جس مین برنی بھی شامل تھا اچھا سلوک نہین کیا، اور پھر سلطان نے اس کے وطن برن پر فوجکشی کی، برنی کا بیان محض ایک نوحہ ہے، سلطان کی پالیسی کا ایک مورخانہ جایزہ نہین، وہ علماء کی اقتدار کا خواہان تھا، جب اس کو اس مین مایوسی ہوئی۔ تو اس نے سلطان کی سفاکی کو نمایان کرنے کی کوشش کی،

سلطان اپنے ابتدائی دور حکومت مین ایک شاندار حکمران تھا۔ جس کے ذہن مین فتح و تسخیر اور ملکی نظم و نسق کے اصلاحات کی بڑی بڑی تجویزین تھین۔ لیکن لوگون کے معاندانہ رویہ اور حکام کی احسان ناشناسی نے اس مین ایک انتقامی جذبہ پیدا کردیا، وہ اپنی سلطنت کی بربادی دیکھ رہا تھا۔ اور اس کو بچانا چاہتا تھا۔ وہ اپنی کبرسنی مین بہت زیادہ سخت ضرور ہو گیا تھا۔ لیکن یہ سختی کسی تلون کی بنا پر نہ تھی۔ بلکہ اس کی حکومت کی ضروریات نے اس کو ایسی پالیسی اختیار کرنے مین مجبور کیا۔ اس کے حکام نے

نافرمانبرداری کی اور ایسے موقع پر اس نے بھی وہی کیا جو تمام مطلق العنان حکمران کیا کرتے ہین،
وہ بغاوت اور اختلال کا سدباب سزا ہی کے ذریعہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک موقع پر
خود ضیاءالدین برنی سے کہا کہ "باغیون، نافرمانبردارون اور مخالفون کا علاج صرف
تلوار ہے۔ مین تو سزا اس لیے دیتا اور تلوار اس لئے استعمال کرتا ہون کہ اس کے ڈر سے
ساری خرابیان دور ہوجائنگی جتنی زیادہ لوگ مخالفت کرین گے اتنی ہی زیادہ مین انکو
سزا دونگا۔ اس نے یہ بھی کہا اگر سلطنت کا حال بہتر۔ اور اس طرح ہو جائے جس طرح
مین چاہتا ہون، تو حکومت تین آدمیون یعنی ولی عہد فیروز۔ ملک کبیر اور احمد ایاز کے سپرد
کر کے خانہ کعبہ چلا جاؤن" ان باتون سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی سختی کسی سنگدلانہ روش یا خون سے پیاس
بجھانے کی خاطر نہ تھی، وہ صرف سرکشون کو سخت سے سخت سزا دینا چاہتا تھا۔ معصومون کا سوال ہی نہین پیدا ہوتا ہے،
ازمنہ وسطی مین مصالحت اور صلح جوئی کوئی چیز نہین تھی اس لئے اس کے ذہن مین بھی مصالحانہ باتین نہین
آتی تھین۔ وہ بادشاہت کی خاطر بغاوت کو کسی حال مین پسند نہین کرتا۔ وہ بغاوت
کے اسباب پر غور و فکر کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوتا۔ اس کے لئے سرکشی ناقابل برداشت
چیز تھی، چاہے اس کے اسباب کچھ بھی ہوتے" اس لئے اگر اس کے خلاف کچھ کہا جا سکتا ہے
تو یہ کہ اس کو اپنے وقار سے ایک غیر معمولی محبت تھی۔ اور اس مین اپنی طاقت کو برقرار
رکھنے کا ایک جذبہ تھا۔ اور اس کو اپنے ایسے معتمد علیہ لوگون سے جنکے ساتھ اس نے بڑی
نوازشین کین ایسی مایوسیان ہوئین کہ اس کو پھر کسی پر اعتماد نہین رہا۔ یہی تمام باتین تھین
جن سے وہ اپنی پالیسی مین سخت اور بہت سخت ہو گیا۔ اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ
ایک بدکیش حکمران تھا جو اپنی پیاس خون سے بجھاتا تھا۔ اور انسانی آبادی کو ختم کرنا
چاہتا تھا۔

سرکشوں کی سزاؤں میں سنگدلانہ روش کے باوجود وہ اپنی عدل گستری کے لیے مشہور ہے۔ معاصر مورخین متفقہ طور پر اس کی عدل پسندی اور غیر جانب داری کے مداح ہیں۔ عدل گستری کے لیے قاضی مقرر تھے۔ ان کی اعانت کے لیے مفتی بھی ہوتے، اس محکمہ کا سب سے بڑا عہدیدار صدر جہاں قاضی القضاۃ کہلاتا۔ اس کے ماتحت قاضی اور نائب قاضی ہوتے، جو دار السلطنت کے علاوہ صوبوں میں متعین کیے جاتے۔ سلطان کا بھائی مبارک خان دیوان خانہ میں قاضی کے ساتھ بیٹھتا۔ اور وہ میر داد کہلاتا اس کا کام تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا میر یا درباری مدعا علیہ ہوتا تو وہ اس کو قاضی کے سامنے لاکر پیش کر دیتا۔ قاضی کا بڑا احترام کیا جاتا۔ اور حکومت کا معزز ترین عہدیدار بھی قانون سے بالا نہیں ہوتا۔ محض بے لاگ عدل گستری کی خاطر سلطان نے میر داد کا عہدہ خاص طور پر قائم کیا تھا۔ وہ عدل نوازی کے سلسلہ میں مشائخ اور علماء کی رو رعایت مطلق نہ کرتا۔ وہ اگر مجرم ہوتے تو ان کو بلا تامل سزائیں دیتا۔ عدل نوازی کی خاطر اس نے اپنے ہی کو عدالت عالیہ بنا لیا تھا۔ ابن بطوطہ اور شہاب الدین دونوں سلطان کی عدل گستری میں مساوات اور غیر جانب داری کے مداح ہیں، تاریخ مبارک شاہی اور ملا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ میں بھی ہے کہ کوشک یعنی شاہی محل کے اندر چار مفتی مامور رہتے، اور جب کوئی فریاد لے کر آتا تو سلطان مفتیوں کو بلا کر مشورے کرتا۔ اور ان کو تنبیہ کر رکھی تھی کہ اگر کوئی معصوم ان کے فتوی کی بدولت تہ تیغ ہوا تو اس کا خون ناحق ان کی گردن پر ہوگا۔ اس لیے مفتیوں سے فرد گذاشت نہ ہوتی، اگر مجرم کا جرم ثابت ہو جاتا، تو آدھی رات ہی کیوں نہ ہوتی وہ تہ تیغ کر دیا جاتا اور اگر ملزم سلطان پر ثابت کر دیتا کہ اس پر الزام بے بنیاد ہے تو وہ فوراً بری کر دیا جاتا۔ یہ بیان ایسے مورخ کا ہے جو سلطان کو خونی بتاتا ہے۔ مسالک کے مصنف

اور ابن بطوطہ دونون نے لکھا ہے کہ سلطان نے ادنی سے ادنی فریادی کو اپنے سامنے آنے کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ مسالک الابصار مین ہے۔

"سلطان ہفتہ مین ہر شنبہ کو دربار عام منعقد کرتا ہے۔ اس دربار کے لئے ایک بہت بڑا ایوان مخصوص ہے، جو ہر قسم کے تکلفات سے آراستہ و پیراستہ رہتا ہے۔ صدر مین ایک نہایت بلند مرصع تخت زرنگار بچھا ہوتا ہے، سلطان اسی پر جلوس کرتا ہے۔ دائین بائین ارباب حکومت ایستادہ ہوتے ہین، پشت پر ہتھیار بند اسلحہ دار اور سامنے ارباب وظایف و اہل مناصب حسب حیثیت و مرتبت کھڑے ہوتے ہین، بیٹھنے کی اجازت صرف عمد یدان یعنی قاضی القضاۃ اور خواتین کو ہوتی ہے، اور ان کے دبیر بھی اپنے اپنے دفاتر سنبھالے موجود ہوتے ہین، دربار کے افتتاح کے موقع پر ایک نقیب بآواز بلند پکارتا ہے، مظلوم مین اپنی فریاد سنائین۔ اہل حاجت اپنی ضرورتین پیش کرین، جسے کوئی شکایت ہو یا ہر وہ شخص جو حاجت مند ہو۔ اس کے لئے اذن عام ہے کہ حاضر حضور ہو جائے، نقیب کے خاموش ہوتے ہی اہل غرض بلا تکلف سامنے آجاتے ہین، اور سامنے کھڑے ہو کر نہایت صفائی سے حالات بیان کرتے ہین، اثنائے بیان مین کسی کو کسی کے روکنے کی مجال نہین، حالات سنکر سلطان خود فرمان قلمبند کرتا ہے"[1]

ابن بطوطہ کا بیان اور بھی زیادہ مستند ہے کیونکہ وہ پایہ تخت کا قاضی رہ چکا تھا، وہ لکھتا ہے۔

۷۴۱ھ ہجری مین بادشاہ نے حکم دیا کہ سوا زکوٰۃ اور عشر کے اور سب محصول

---

[1] یہ اقتباس براہ راست مسالک الابصار کے اردو ترجمے سے لیا گیا ہے دیکھو معارف نمبر ۲ جلد ۲۶

اور ڈنڈ معاف کر دیئے جائین۔ اور خود ہفتے مین دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن انصاف رسانی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان مین بیٹھتا تھا۔ اور اس روز اس کے سامنے فقط حاجب خاص اور سید الحجاب اور شرف الحجاب چار شخص ہوتے تھے، اور سب کو عام اجازت تھی کہ جس کسی کو کسی کی شکایت کرنا ہو، عرض کرے چار امیرون کو چار دروازون پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ مستغیثون کی شکایتین قلمبند کرین، اور ان مین سے چوتھا ملک فیروز شاہ بادشاہ کا چچازاد بھائی تھا۔ اگر پہلے دروازے والا اس کی شکایت لکھ بھیجتا تھا تو فبہا ورنہ وہ دوسرے دروازے والے کے پاس آتا تھا۔ اگر وہ بھی نہ لکھتا تو تیسرے اور چوتھے دروازے والے کے پاس آتا۔ اگر وہ بھی انکار کرتے تو صدر جہان قاضی القضاۃ کے پاس پہونچتا، اگر وہ نہ لکھتا تو بادشاہ کے پاس آنے کی اس کو اجازت ہوتی تھی، اگر بادشاہ کو یقین ہو جاتا تھا کہ ان مین کسی کے پاس وہ گیا تھا۔ اور انھون نے اس کی شکایت نہین لکھی تو ان کو ڈانٹ بتایا کرتا تھا، یہ سب تحریرین بادشاہ عشا کے بعد خود مطالعہ کیا کرتا[1]۔

ممکن ہے کہ بعض فریادیون کو اتنے مدارج طے کرنے مین کامیابی نہ ہوتی ہو، لیکن خود سلطان نے جو نظام قائم کر رکھا تھا اس سے س کی عدل گستری کے جذبہ کا اندازہ ہوتا ہے، سلطان اپنے زمانہ کے لئے موزون نہ تھا، وہ بعض حیثیتون سے اس سے بہت آگے تھا۔ ایک ایسے عہد مین جب کوئی حکومت اپنے خلاف کوئی مقدمہ برداشت نہین کر سکتی تھی۔ اس نے اجازت دے رکھی تھی کہ اس کے خلاف استغاثہ داخل کیا جا سکتا ہے۔ اور ابن بطوطہ نے تین ایسے چشم دید واقعات قلمبند کیے ہین جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ماخوذ ہو کر قاضی کے سامنے حاضر ہوا ہے، ابن بطوطہ لکھتا ہے۔

---

[1] یہ اقتباس سفرنامۂ ابن بطوطہ کے اردو ترجمہ ص ۱۲۹ سے لیا گیا ہے۔

"ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا۔ بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے پیدل قاضی کے محکمہ مین گیا اور وہان جا کر سلام اور تعظیم کی۔ اور قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا کہ جب مین آؤن تو قاضی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو، اور کسی طرح کی حرکت نہ کرے۔ بادشاہ محکمہ مین گیا اور قاضی کے سامنے کھڑا ہوا، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اس کو راضی کر لیا۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی مسلمان نے اس پر کچھ مال کا دعوی کیا جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اسکا مال دیدے۔ بادشاہ نے دیدیا۔ ایک دفعہ ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اس کو مارا ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ یا تو لڑکے کو راضی کرو ورنہ قصاص دو، مین نے دیکھا کہ اس نے دربار مین آکر لڑکے کو بلایا۔ اور اس کو چھڑی دے کر کہا کہ اپنا عوض لے لے اور اس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جیسا مین نے تجھکو مارا تھا۔ تو بھی مار، لڑکے نے ہاتھ مین چھڑی لے کر اکیس چھڑیان بادشاہ کے لگائین یہان تک کہ ایک دفعہ اس کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی"[1]

ممکن ہے کہ ان بیانات کو فرضی قرار دے کر کوئی نظر انداز کر دے لیکن ان سے سلطان کی عدل گستری، غیر جانبداری اور ہندو مسلمان دونون کی شکایتون کو رفع کرنے کی جو خواہش ظاہر ہوتی ہے اس کو کوئی نظر انداز نہین کر سکتا۔ سلطان نے شیخ زادہ جامی کو جس طرح سزا دی ہے۔ اس کا ذکر یحیی سرہندی (مؤلف تاریخ مبارک شاہی) ملا عبدالقادر بدایونی (مؤلف منتخب التواریخ) کے علاوہ خود ابن بطوطہ نے بھی کیا ہے، شیخ زادہ نے سلطان کو ظالم کہا۔ اس کی فریاد سلطان نے صدر جہان سے کی، ابن بطوطہ لکھتا ہے:

---

[1] یہ اقتباس ابن بطوطہ سے لے کر مزید وضاحت کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔

"بادشاہ نے اپنی تلوار نکالی اور صدر جہان کے ہاتھ مین دی اور اس سے کہا کہ مجھے ظالم ثابت کر، اور میری گردن اس تلوار سے اڑا دے۔ شیخ شہاب الدین (یعنی شیخ زادہ جامی) نے کہا کہ جو شخص تجھ پر ظالم ہونے کی شہادت دیگا وہ خود قتل کیا جائیگا۔ لیکن تو خود خوب جانتا ہے کہ تو ظالم ہے"۔

شیخ ظلم ثابت کرنے کے بجائے صرف الزام ہی رکھنے پر مصر ہوئے، چودہ دن تک ان کو فقہاء اور مشائخ کے سامنے لاکر موقع دیا گیا کہ وہ اپنا الزام واپس لین۔ لیکن انھون نے انکار کیا۔ اس پر ان کو جو سزا دی گئی وہ قابل اعتراض ضرور تھی۔ لیکن ازمنۂ وسطیٰ مین مطلق العنان بادشاہون کے یہان بغاوت کے سلسلہ مین ایسی سزائین تعجب انگیز بھی نہین لیکن اس واقعہ کو لکھنے مین کچھ ایسی رنگ آمیزی کی گئی ہے کہ پتہ چلتا ہے کہ علماء کے طبقے نے سلطان کے کردار کو قصداً برا پیش کیا ہے۔

اس عہد کی سزائین عام طور سے وحشیانہ حد تک دی جاتی تھین، لیکن مجرم جو بھی ہوتا، زد مین آجاتا، علم، تقدس، خاندان وغیرہ کا لحاظ نہ کیا جاتا، قانون شکنی اور بادشاہ کی مخالفت جو بھی کرتا سزائین پاتا، ہر موقع پر قرآن کے قوانین کی پابندی نہ کی جاتی۔ جس وقت جیسے مصالح ہوتے ان ہی پر عمل کیا جاتا قتل اور پھانسی ایک عام سزا تھی۔ شہادت اور باضابطہ قانونی کارروائی کا رواج نہ تھا، مقدمے جلد فیصل کر دیئے جاتے۔ کبھی عجلت مین غلطیان بھی ہو جاتین، مثلاً ابن ملک تتار بغاوت کی سازش مین قتل کر دیا گیا تو خواجہ امیر علی تبریزی حاجب نے قاضی کمال الدین سے ذکر کیا۔ کہ یہ نوجوان قتل کا مستحق نہین تھا۔ سلطان محمد تغلق کو بھی یہ خبر پہنچی۔ اس نے حاجب کو بلا کر کہا کہ تو نے اس کے مرنے سے پہلے یہ بات کیون نہین کہی اور حکم دیا کہ دوسو درے اس کو لگائے جائین، وہ قید خانہ مین بھیجدیا گیا۔ اور اس کا تمام مال جلادون کے رئیس کو

دیدیا گیا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ دیوان خانہ مین ہر روز سینکڑون جولان پہنے ہوے مجرم حاضر کئے جاتے ۔ ۔ بعض قتل کئے جاتے۔ بعض کو سزا دی جاتی، اور بعض کو مار پیٹ کی جاتی۔ البتہ غیر ملکیون کو سزا دینے مین نرمی اور لینسنت برتی جاتی۔ اور ابن بطوطہ نے ایسے چند واقعات لکھے ہین جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر غیر ملکی کا جرم سخت بھی ہوتا تو ان کو معاف کردیا جاتا۔

پولیس کا انتظام | پولیس کے محکمہ مین کوتوال کا بڑا اہم عہدہ تھا۔ جو بلبن اور علاؤ الدین کے زمانے سے قائم تھا۔ وہ امن کا ضامن ہوتا۔ اس لئے لوگون پر اس کا بڑا اثر اور رعب رہتا تھا۔ محتسب بھی بلدیہ کا اہم عہدیدار تھا۔ وہ بازار کے نرخ تول مول اور لوگون کے عام عادات و اطوار کا نگران ہوتا۔ ان عہدیدارون کے علاوہ سلطان نے جاسوسون کا ایک جال بچھا رکھا تھا۔ وہ لشکریون اور شہریون کے اندر پھیل کر سلطان کو ان کی رفتار وگفتار سے باخبر رکھتے۔ ادنی درجہ کے جاسوس اپنے حاکم بالا کو اطلاع دیتے اور پھر ان حکام کی اطلاع ان کے افسر اعلیٰ سے ہوکر سلطان تک پہونچتی یہ جاسوس بڑے چست اور چالاک ہوتے۔ اس لئے سلطان اپنے ارد گرد کے تمام واقعات سے باخبر رہتا چھوٹے بڑے تمام امراء کے گھر مین ایسے غلام موجود ہوتے جو ان کی تمام باتون کو سلطان تک پہونچایا کرتے تھے۔ امراء کے حرم مین بعض ایسی کنیزین بھی ہوتین جو یہ کام انجام دیتی تھین وہ مہترانیون اور بھنگیون کو اطلاع کر دیتین جو جاسوسون کے افسر اعلیٰ تک پہونچا دیتی تھین، جاسوسون کی ہیبت اتنی طاری رہتی کہ بڑے بڑے امراء بھی خوفزدہ رہتے۔ غیر ملکیون سے متعلق تمام معلومات مکمل طور پر رکھے جاتے جب کوئی غیر ملکی ملک مین داخل ہوتا تو اخبار نویس اس کا حلیہ۔ لباس۔ اس کے ہمراہیون گھوڑون اور مویشیون کی تعداد لکھ لیتا۔ اور اس کی نقل و حرکت کی نگرانی بڑی احتیاط سے کی جاتی اور اسکی

روداد سلطان کو بھیجی جاتی۔

جیلوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ کیونکہ قیدیوں کی کثرت نہ ہوتی۔ وہ یا تو قتل یا پھانسی کے تختے سے لٹکا دیئے جاتے۔ بڑے بڑے قلعے جیل خانے بنا لئے گئے تھے۔ لیکن ان کا انتظام اچھا نہ ہوتا۔ البتہ سلطان دارالسلطنت کے جیل کی نگرانی خود کرتا۔ وہ قیدیوں کو دیوان خانے میں روزانہ بلاتا۔ اور جمعہ کو ان کو غسل اور حجامت کرنے کی اجازت دیتا۔

نذرانے کا محکمہ

سلطان کی فیاضی تو ناقابل یقین حد تک پہونچی ہوئی تھی جو شخص بھی اسکے سلام کو جاتا۔ اس کے واسطے تحفے لے جاتا۔ اور چونکہ وہ اس کے صلہ میں بہت کچھ دیتا اس لئے سلام کرنے کا رواج عام ہو گیا تھا۔ اور جس کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔ وہ قرض لے کر نذرانے لے جاتے۔ اور چونکہ سب کو معلوم تھا کہ بادشاہ ان تحفوں پر دو چند سہ چند انعام دیتا ہے اس لئے سندھ کے بعض سوداگروں کا یہ پیشہ ہو گیا تھا کہ وہ ایسے اشخاص کو ہزاروں دینار قرض کے طور پر دے دیتے تھے، اور ان کے واسطے تحفوں، خادموں، گھوڑوں اور سواری کا انتظام کر دیتے اور نوکروں کی طرح ان کے سامنے کھڑے رہتے، اور جب وہ سلطان کے سلام سے شرفیاب ہوتے اور ان کو انعام ملتا تو وہ ان کے تمام قرضے ادا کر دیتے اس طرح یہ سوداگر بہت کچھ نفع حاصل کرتے۔ امراء گھوڑے اونٹ اور ہتھیار پیش کرتے۔ علما اور مشائخ کلام پاک، مصلے، تسبیح یا مسواک نذر کرتے۔ غیر ملکی ہندوستان آتے، تو بہت قیمتی تحفے ساتھ لاتے اور انعامات سے لدے ہوئے واپس جاتے۔ نذرانے کی اتنی کثرت ہو گئی تھی کہ ان کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم ہو گیا تھا۔

جب کوئی شاہی نوازش کی بدولت سلام سے سرفیاب ہوتا تو ایک خط خوردہ جاری کی

جاتا کہ حاجب کی شناخت کے بعد مندرجہ رقم شاہی خزانہ سے ادا کی جائے۔ حامل خط
خود اس پر دستخط بناتا اور انعام پانے کی شناخت کرتا، پھر اس پر تین امراء کے علیحدہ علیحدہ
دستخط ہوتے، ابن بطوطہ کے وقت یہ تین امراء حسب ذیل تھے (۱) خان اعظم قتلغ خان (۲) سلطان
کا قدیم اتالیق جو خریطہ دار بھی تھا اور (۳) امیر نکبہ جو شاہی دوات دار تھا۔ ان تینوں کے
دستخط کے بعد یہ خط دیوان وزارت کے پاس جاتا جس کی ایک نقل متصدی رکھ لیتے،
پھر یہ دیوان اشراف کے پاس پہونچتا، یہاں بھی اس کی ایک نقل رکھ لی جاتی، پھر یہ دیوان
نذر کے یہاں آتا۔ جہاں اس کی نقل درج ہوتی، پھر ایک پروانہ جاری کیا جاتا جس میں
شاہی خزانچی کو ادائگی کی ہدایت ہوتی، وہ رقم کا اندراج کر کے ادا کر دیتا۔ یہ پروانے سلطان کے
حضور میں برابر پیش کئے جاتے، اتنے مدارج اسی لئے رکھے گئے تھے کہ کوئی خیانت اور بدعنوانی
نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ پورے محکمہ میں کوئی بدعنوانی نہ ہوتی ہوگی، جب
کوئی غیر ملکی نذرانے پیش کرتا تو وہ عام دربار میں قبول کئے جاتے، سلطان خود ان کا جائزہ
لیتا اور غیر ملکی کے مرتبے کے مطابق صلہ دیا جاتا۔

سلطان اپنی حکومت کے عہدیداروں کو انعامات دینے میں بھی بڑا فیاض تھا۔
موسم گرما و سرما میں فوجی اور انتظامی حکام کے پاس خلعت بھیجا جاتا۔ اور یہ حکام شہر سے
باہر نکل کر خلعت لانے والوں کا خیر مقدم کرتے

نظام مال | سلطان نے تخت نشینی کے فوراً ہی بعد نظام مال میں ایک نئی روح پھونک دی
برنی کا بیان ہے کہ روزانہ سو دو سو احکام مقطعوں اور والیوں کے نام جاری ہوتے، اور
ان کی فوراً تعمیل ہوتی، یہ احکام دیوان طلب حکام توقیع کے پاس جاتے، وزیروں،
والیوں، متصرفوں کو حکم تھا کہ دیوان وزارت کو آمد و خرچ سے برابر مطلع رکھیں حتی کہ

اقطاع یعنی صوبون مین بھی اس کے نفاذ مین کوتاہی نہ ہوتی۔ حساب کی جانچ پڑتال بڑی احتیاط سے کی جاتی، اور ایک دانگ اور درہم بھی بقایا مین نہ چھوڑا جاتا۔ دوری اور مسافت کارکردگی مین مانع نہ ہوتی۔ کوئی نافرمان یردار خوط (ہندو زمیندار) دفتر مین نہ رکھا جاتا۔ بقایا کی وصولی بڑی سختی سے کی جاتی، عاملون سے وصولی کے لیے علیحدہ عہدیدار ہوتا، اراضی مختلف شعبون مین منقسم ہوتی، ہر شقہ مین ایک شقدار ہوتا۔ وہ آب کی زمینین ایک ہزار یا ایک سو گاؤن مین منقسم تھین جو بالترتیب ہزارہ اور صدی کے نام سے یاد کی جاتی تھین۔ ابن بطوطہ نے امروہہ کے ہزارہ کا ذکر کیا ہے، جہان عزیز خمارہ والی خراج کے عہدہ پر مامور تھا۔ اس کے ماتحت ڈیڑھ ہزار گاؤن تھے، جن کی آمدنی ساٹھ لاکھ تھی۔ آمدنی مین سے اس کو اس کا ۱/۲ حصہ ملتا تھا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک چودھری ہوتا ہے اور وہ ہندوؤن مین سے بڑا آدمی ہوتا ہے اور ایک متصرف ہوتا ہے جو خراج جمع کرتا ہے، صدی اور ہزارہ سے شقہ بڑا ہوتا۔ برنی کا بیان ہے کہ مرہٹون کا پورا علاقہ چار شقون مین تقسیم تھا۔ صوبون مین آمدنی نائب سلطان کے ذریعہ وصول کی جاتی، جو اپنے علاقہ کے تمام اخراجات کے لیے رقم رکھکر فاضل رقم مرکزی حکومت کو بھیجدیتا۔ فارم کا نظام قائم تھا۔ اور کبھی کبھی نیلام مین ایسے بولی بولنے والون کو علاقے دیدیے جاتے جو اہل نہ ہوتے۔ برنی اور ابن بطوطہ دونون نے لکھا ہے کہ شہاب سلطانی نصرت خان حاکم بیدر نے تین کرور ٹنکے کا غبن کیا۔ دولت آباد ایک ہندو کو سترہ کرور کے عوض مین دیدیا گیا۔ لیکن وہ اس کی ادائگی نہ کرسکا۔

قحط | لیکن قحط کی وجہ سے سلطان کے تمام مالیاتی نظام مین خلل پڑگیا، اس لیے قحط کے سلسلہ مین بڑے بڑے جرات مندانہ اقدام کیے گئے، کاشتکارون کو قرض دیے

جو ستر لاکھ کے قریب تھے کنوئین کھودوائے، بنجر زمینون کو قابل کاشت بنانے کی کوشش کی، اور پھر زراعت کا ایک محکمہ قائم کیا۔ جس کے لئے ایک عہدیدار مقرر کیا تھا کہ وہ زراعت کی ترقی کی نگرانی کر سکے۔ اس سلسلہ مین سلطان نے جو کچھ کیا اس کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو پھر اسکی ذات سے جو بہت سی غلط فہمیان ہین وہ بڑی حد تک دور ہو جائین، اور یہ الزام کہ وہ انسان کا شکار کیا کرتا تھا۔ غلط ثابت ہو۔ قحط کی شدت کو روکنے کے لئے اس نے اپنا دربار سرگدواری (ضلع فرخ آباد) منتقل کر دیا جہان وہ اس کے سدباب کے لئے ڈھائی سال مقیم رہا۔ اور جب ۱۳۴۱ء مین دہلی واپس آیا تو تین چار سال تک زراعت کی ترقی کی تدبیرون مین لگا رہا۔ اس نے سوندھار یعنی تقاوی تقسیم کئے، اور زراعت کی دیکھ بھال کے لئے ایک شاہی حاکم امیر کوہی کے نام سے مقرر کیا۔ یہ قحط تقریباً سات سال تک جاری رہا۔ جس سے لوگون کی مصیبتین بہت زیادہ بڑھ گئین، لیکن سلطان نے ان کی پریشانیون کو دور کرنے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ خود ضیاءالدین برنی کا بیان ہے کہ سلطان نے زراعت کی ترقی کے لئے بہت سی تدبیرین اختراع کین۔ جو زراعتی تدبیر سلطان کے ذہن مین آتی اس کا نام اسلوب رکھتا۔ اگر یہ تمام اسلوب حقیقت بن جاتے، اور لوگ اس کو عمل مکن بناتے، تو پھر زراعت کو بڑا فروغ ہوتا خزانے مین روپیے بھر جاتے، فوجون کی اتنی کثرت ہو جاتی کہ دنیا کا چوتھائی حصہ فتح کیا جا سکتا تھا۔ زراعت کے لئے ایک خاص محکمہ (دیوان) بنایا گیا۔ جو دیوان امیر کوہی کے نام سے موسوم ہوا۔ اور اس مین بہت سے عہدیدار بھرتی کئے گئے۔ تیس تیس کروہ کے دائرے بنائے گئے کہ ان مین ایک بالشت زمین بھی بنجر نہ رہ جائے۔ اور غلے کی پیداوار کی نوعیت بھی بدل دی گئی گیہون کی جگہ جو، جو کے بجائے اوکھ اور اوکھ کے بدلے انگور اور کھجورین لگائی گئین، سو شقدار

مقرر کئے گئے۔ لیکن وہ سب لالچی، بے ایمان اور کاہل ثابت ہوئے۔ انھون نے وعدے کئے کہ تین سال مین وہ تین لاکھ بگھے زمین کی کاشت، اور ایک ہزار سوار مہیا کرینگے۔ اس کیلئے انھون نے باضابطہ تحریری معاہدے بھی کئے۔ اور حکومت کی طرف سے انکو انعام مین گھوڑے خلعت۔ اور نقد دے کر نوازا گیا۔ ہر تین لاکھ بگھے زمین کے لئے پچاس ہزار ٹنکے پیشگی دیئے گئے لیکن انھون نے زمین کی کاشت کرنے کے بجاے ساری رقم اپنی ضروریات مین صرف کر دی، سلطان نے اس طرح ستر لاکھ سوندھار (تقاوی) تقسیم کئے جن مین ۱/۱۰۰ بلکہ ۱/۱۰۰۰ حصہ بھی وصول نہ ہو سکا،

ٹیکس | زراعتی آمدنی کے علاوہ آمدنی کے اور بھی ذرائع تھے۔ سلطان نے ٹیکس کے معاملہ مین ایسی پالیسی اختیار کی جو مذہبی گروہون کی خواہش سے مختلف تھی مذہبی طبقہ صرف چار ٹیکسون کے لئے مصر ہوتا۔ خراج، زکوٰۃ، جزیہ اور خمس۔ لیکن سلطان نے علماء کے مشورے کا مطلق خیال نہین کیا، اور بہت سے ٹیکس لگائے مصر کے خلیفہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لینے کے بعد ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ۷۴۱ھ مین سلطان نے حکم دیا کہ زکوٰۃ اور عشر کے سوا اور سب محصول اور ڈنڈ معاف کر دئے جائین، ابن بطوطہ کے بیان کی تصدیق عین الملک ملتانی کے ایک مکتوب سے ہوتی ہے، جس مین وہ لکھتا ہے کہ سلطان نے بہت سے محاصل مثلاً مندوہ، تکہ، مال موجود، چھاباز ار، زیاب، گزارہ، خراج متفرقہ وغیرہ معاف کر دیئے، لیکن یہ پتہ نہین چلتا کہ یہ محاصل عارضی یا دائمی طور پر معاف ہو گئے تھے۔ کیونکہ سیرت فیروز شاہی مین ایسے بہت سے محاصل کے نام ہین، جو فیروز شاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد معاف کر دیئے تھے۔ اس کی تصدیق فتوحات فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے، سیرت فیروز شاہی کے مؤلف نے حسب ذیل

محصولات کا ذکر کیا ہے:۔

۱	متدوسی برگ	بازار پر	ٹیکس
۲	دلالت بازارہا	دلالی پر	"
۳	جزآری	قصائیون پر "	"
۴	امیری طرب	رقص و موسیقی پر "	"
۵	گل فروشی	عطریات " "	"
۶	جزیہ تنبول	پان " "	"
۷	چانکری یا چنگی غلہ	غلہ " "	"
۸	کتابی	کتابون کی بکری	"
۹	نیلگری	نیل پر	"
۱۰	ماہی فروشی	مچھلی "	"
۱۱	ندافی	دھنیاون "	"
۱۲	صابن گری	صابن سازی	"
۱۳	ریشمان فروشی	ریشم "	"
۱۴	روغن گری	گھی "	"
۱۵	خضراوات	سبزی "	"
۱۶	قمار خانہ	جوابازی "	"
۱۷	نخود بریان گری	بھنے ہوئے غلہ	"
۱۸	تہ بازاری	دکانون "	"

۱۹ چھابا یا چھاپہ — اسٹامپ پر ٹیکس

۲۰ چرائی — چراگاہ " "

۲۱ گھری — گھرون " "

۲۲ دال گانہ — مہاجنون " "

۲۳ مرسومات دادبگی — دادبک کی فیس

۲۴ کوتوالی — کوتوالی کی فیس

۲۵ احتسابی — بازار کے محتسب کی فیس

ان کے علاوہ جنگی سے بھی آمدنی ہوتی تھی۔ ابن بطوطہ جب پہلی دفعہ ملتان پہونچا تو لکھا ہے کہ اس زمانہ مین اس جگہ ہر ایک تاجر سے چوتھائی مال بطور محصول لے لیا کرتے تھے، اور ہر گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ ابن بطوطہ کے اسباب کی تلاشی بڑی سختی سے لی گئی تھی۔ لیکن وہ خود لکھتا ہے کہ اس کے ہندوستان پہونچنے کے دو برس بعد سلطان نے یہ محاصل معاف کر دیئے تھے۔

شرعی قوانین کے لحاظ سے میدان جنگ مین حاصل کئے ہوئے مال غنیمت مین ⅕ حصہ حکومت اور ⅘ لشکریون کا ہونا چاہیے۔ مذہبی طبقہ اسی کے لئے مصر ہوتا۔ بعض سلاطین علماء کے اس فتوی کو تسلیم کر لیتے، لیکن علاءالدین نے اس کی پابندی نہین کی، محمد تغلق علاءالدین ہی کی تقلید مین مال غنیمت کا ⅘ حصہ تو بیت المال کیلئے مخصوص کر لیتا اور ⅕ لشکریون کو دیتا۔

نظام فوج | حکومت فوجی مطلق العنانی پر قائم تھی۔ اسی لئے ایک کثیر لشکر ضرورۃً رکھا جاتا۔ اس کے بغیر اتنی بڑی سلطنت کا نظام ممکن نہ تھا۔ سلطان کی یہ سلطنت اکبر کے

امپائرسے بڑی تھی۔ مسالک الابصار کے مؤلف کا بیان ہو کہ شاہی لشکر مین نوے ہزار سوار تھے۔ جن مین کچھ تو سلطان کے پاس رہتے۔ اور کچھ صوبون مین متعین تھے۔ تین ہزار ہاتھی تھے۔ جن کے ہودج پر چھ سے دس تک فوجی بیٹھ سکتے تھے۔ بیس ہزار ترک ملوک تھے جو سلطان کے جلو مین رہتے۔ اور میدان جنگ مین سلطان کے آگے ہوتے۔ ان کے علاوہ دس ہزار خواجہ سرا۔ ایک ہزار نیزہ باز۔ ایک ہزار شمقدار اور دو لاکھ غلام تھے ممکن ہے کہ ان تعدادون کے لکھنے مین کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو لیکن اس مین شک نہین کہ شاہی فوج بڑی طاقتور اور مستحکم تھی۔ برنی کا بیان ہے کہ سلطان نے جب خراسان کی مہم کی تیاری کی تو تین لاکھ ستر ہزار سوار دیوان عرض مین بھرتی کئے گئے۔ اور ایک سال تک ان پر لاکھون اور کرورون شاہی خزانے سے خرچ کئے گئے۔ صوبون کی فوجین ان کے علاوہ تھین۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ قراجل کی مہم مین ملک نکبہ کی نگرانی مین ایک لاکھ سوار اور پیدل تھے۔ لشکر تمام قومون پر مشتمل ہوتا۔ اس مین ترک، خطائی، ایرانی اور ہندوستانی سب ہی ہوتے۔ ان مین تربیت یافتہ سوار اور پیدل کے علاوہ پہلوان اور تیرانداز بھی تھے جنکو تیرآزمائی مین بڑی مہارت تھی۔ غیر ملکی بھی فوج مین بکثرت ہوتے۔ اسی لئے امیر صدہ سلطنت کے ہر حصے مین دکھائی دیتے۔ ضرورت کے وقت سلطان صوبون سے بھی لشکر طلب کر لیتا تھا۔ برنی اور ابن بطوطہ دونون نے لکھا ہے کہ عین الملک کی بغاوت کو فرو کرنے کے سلسلہ مین سمانہ۔ امروہہ۔ برن۔ کول اور اور احمد آباد سے فوجین بلائی گئین۔

انتظامی اور فوجی عہدے ملے جلے تھے۔ پھر بھی مسالک الابصار کے مؤلف نے فوجی عہدون کے سلسلہ مین خان، ملک، امیر، سپہ سالار اور جند کا ذکر کیا ہے۔

سب سے بڑا فوجی عہدیدار خان تھا جس کے نیچے ملک، پھر امیر، پھر سپہ سالار پھر جند ہوتے خوانین کی تعداد اتنی تھی۔ ان کو جاگیر ملتی جس کی سالانہ آمدنی دو لاکھ ٹنکے ہوتی۔ ایک ٹنکہ آٹھ درہم کے برابر ہوتا۔ خان کے ماتحت دس ہزار سوار ہوتے، ملک کو جاگیر سے پچاس ساٹھ ہزار ٹنکے کی سالانہ آمدنی ہوتی، اس کے ذمے ایک ہزار سوار ہوتے۔ امیر کی جاگیر کی سالانہ آمدنی تیس چالیس ہزار ٹنکے تھی۔ اس کے ماتحت ایک سو سوار ہوتے، سپہ سالار کی آمدنی میں ہزار اور جند کی ایک ہزار ٹنکے تھی۔ عام لشکریوں اور مملوکوں کو جاگیر نہیں دی جاتی۔ ان کو تنخواہ شاہی خزانہ سے ملتی۔ جاگیر میں کمی اور اضافہ سلطان کی خواہش پر ہوتا رہتا۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سلطان امیر بخت شریف الملک سے ناراض ہوا تو اس کی جاگیر چالیس ہزار سے کم کر کے ایک ہزار کر دی۔ عام لشکریوں کی تنخواہ پانچ سو ٹنکے تھی۔ لیکن ان کو کھانا، لباس اور گھوڑوں کے لئے چارے بھی دیئے جاتے۔ مسالک الابصار کے مولف نے جن عہدوں کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ۔ بخشی، نائب فوج اور عارض ممالک بھی ہوتے۔ بخشی تنخواہیں تقسیم کرتا۔ نائب فوج میدان جنگ میں لشکر کا نگران اعلیٰ ہوتا۔ عارض ممالک فوج کا معائنہ کرتا۔

چودھویں صدی عیسوی تک توپوں کا رواج نہ تھا۔ لیکن آتشیں گولے آتشیں تیر، سنگ مغربی منجنیق، عرادہ وغیرہ کا استعمال تھا۔ فوج کا سب سے بڑا سہارا ہاتھی پر ہوتا۔ اور سوار مردانہ نبرد آزمائی کے لئے موزوں سمجھے جاتے۔ تیر اندازی کی مشق عام تھی۔ ابن بطوطہ نے اس عہد کے چالاک اور مشاق تیر اندازوں اور نشانہ بازوں کا ذکر کیا ہے، اس نے ملتان میں ایسے بہت سے کمان باز اور شہسوار دیکھے جو طرح طرح کے کرتب دکھاتے تھے۔ جس قدر کمال اور مہارت کوئی ان کھیلوں میں دکھاتا تھا

اسی قدر اس کے عہد میں ترقی ہوتی تھی ، سلطان جس طرح میدان جنگ میں جاتا اس کا ذکر مسالک الابصار کے مصنف نے کیا ہے ۔ اس سے اس کی فوجی شوکت و حشمت کا اندازہ ہوگا ۔ سلطان خود قلب فوج میں ہوتا ۔ اس کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ۔ جن میں دو خصوصیت کے ساتھ نہایت مرصع اور مطلا ہوتے ۔ اس کے گرداگرد ائمہ اور علماء اور ان کے آگے پیچھے تیر انداز ہوتے ۔ میمنہ اور میسرہ پر سوار کھڑے کئے جاتے ۔ ان کے سامنے ہاتھیوں کا جھنڈ ہوتا ۔ ان پر برجوں سے ڈھکے ہوئے آہنی ہودج رکھے جاتے ۔ جن پر تیر انداز سوار رہتے ۔ ان ہی برجوں کے ہر سمت میں سوراخ بنے ہوتے جن سے تاک تاک کر دشمنوں پر نشانے لگائے جاتے اور ان ہی ہودجوں میں روغن نفط ہوتا جو شیشہ کی نلکیوں سے دشمنوں پر اچھالا جاتا جس سے شعلے پیدا ہوتے ۔ ہاتھی کے آگے اچھے لباس میں ملبوس اور پورے طور پر مسلح پیدل غلام راستہ صاف کرتے چلتے ۔ میمنہ اور میسرہ کے سوار اس طرح مل کر دشمنوں پر حملہ کرتے کہ کسی کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کی گنجایش نہ ہوتی ۔

سلطان اپنے لشکر کی کارکردگی اور اس کے حسن انتظام کی نگرانی خود کرتا ، اسکی حکومت کے نصف دور تک اس کی فوج کی کارکردگی میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ۱۳۴۲ء تک اس کی فوج جہاں بھی گئی ، فتح و کامرانی کا پرچم لہراتی ہوئی واپس آئی لیکن رشک حسد اور پھر ہندوستانی اور غیر ملکی امراء کی باہمی چشمک نے شاہی فوج کو نقصان پہنچایا ، پھر قحط اور سلطان کی بعض اسکیموں کی ناکامی کی وجہ سے ملکی نظم و نسق میں جو خلل پڑا اس نے بھی شاہی لشکر کے نظام میں انتشار پیدا ہوا ۔ اچھے جنرل بھی کم ہوتے گئے ۔ اور یہ کمی محمد تغلق کے بعد اور بھی بڑھتی گئی ۔

نظام حکومت حکومت کی بنیاد جاگیردارانہ نظام پر تھی ۔ سلطان اسکا حاکم اعلیٰ تھا ۔ وہ

وہ سارے اقتدار، عدل اور انصاف کا سرچشمہ سمجھا جاتا۔ اس کی حکومت مطلق العنان ضرور تھی۔ لیکن حکومت کے تمام ادارے اچھی طرح منظم تھے اور یہ زیادہ تر ایرانی طرز کے تھے۔ اور ان کی کارکردگی کا انحصار حکمران کی ذاتی صلاحیتوں اور سرگرمیوں پر ہوتا، سلطان اپنے اختیارات میں تو مطلق العنان تھا۔ لیکن وہ ایک مجلس شوریٰ برابر رکھتا۔ برنی نے اس مجلس کے افراد کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ان ہی لوگوں نے سلطان کو بعض غیر مذہبی روش اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ اس مجلس کے افراد کے علاوہ سلطان کے اردگرد امراء بھی ہوتے۔ جو اپنے بڑے بڑے عہدوں کے لحاظ سے مناسب مشورے دیا کرتے۔

سلطان کو سلطنت کے ابتدائی انتظام کی تکمیل کر لینے کے بعد یہ خیال ہوا کہ ملک میں جتنے امراء رہ گئے ہیں وہ سلطنت چلانے کے لئے بہت زیادہ موزوں نہیں، اس لئے وہ خراسان۔ عراق۔ ایران۔ بخارا، سمرقند وغیرہ کے بہترین دماغوں کا طلب گار رہا، اور ان کو بلا کر اہم عہدے دیئے۔ سلطان کی نیت تو بخیر تھی۔ لیکن اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلا، وہ غیر ملکی اور ہندوستانی امراء میں توازن باقی نہ رکھ سکا۔ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عین الملک کی بغاوت ہندوستانی اور غیر ہندوستانی جذبات کے ابھرنے ہی پر ہوئی۔ سلطان کے عہد حکومت میں امراء کی باغیانہ روش ہی کے سبب بڑا انتشار رہا۔

پوری سلطنت صوبوں میں تقسیم تھی۔ ہر صوبہ ایک نائب وزیر کی نگرانی میں تھا۔ جو صرف سلطان کا جوابدہ ہوتا۔ انتظامی اور فوجی عہدوں میں تفریق نہیں تھی، امیر صدہ کے ماتحت سو لشکری بھی ہوتے۔ اور وہ صوبوں میں محاصل بھی وصول کرتا،

مسالک الابصار کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان کے نائب کا خطاب امیر یہ ہوتا، وہ خوانین میں سے منتخب کیا جاتا۔ اور اس کی جاگیر میں عراق جیسا علاقہ ہوتا۔ عمال شاہی میں ایک وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا۔ اس کے چار سکریٹری (کاتب سر) ہوتے جو دبیر کہلاتے، پھر ہر دبیر کے ماتحت ... ۳۰ منشی ہوتے، دبیر کی سب سے کم تنخواہ دس ہزار ٹنکے سالانہ ہوتی، دبیر کو بڑی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ سفراء، فضلاء، شعراء، اور غیر ملکی سیاح اسی کے سپرد کیے جاتے۔ مسالک الابصار کے مصنف نے بہت سے عہدوں کا ذکر نہیں کیا۔ ابن بطوطہ اور برنی کے مطالعہ کے بعد حسب ذیل عہدوں کا پتہ چلتا ہے۔ عہدوں کی کثرت تھی۔ لیکن ہر محکمہ میں سلطان کی نگرانی میں پوری مستعدی اور کارکردگی سے کام ہوتا۔

(۱) نائب سلطان، سلطان کی غیر حاضری میں اس کی قائم مقامی کرتا۔

(۲) قاضی القضاۃ، عدل و انصاف کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔

(۳) امیر کوہی، زراعت کا نگران ہوتا۔

(۴) میرداد یا امیرداد قاضی کے سامنے بڑے سے بڑے ملزم امراء کو لاکر حاضر کر دیتا۔

(۵) باربک دربار میں امراء کا تعارف کرتا تھا۔

(۶) میر عرض کے یہاں درخواستیں پڑتی تھیں۔

(۷) عرض ممالک لشکر اور لشکریوں کا معائنہ کرتا تھا۔

(۸) مستوفی تمام اخراجات کو آڈٹ کرتا تھا۔ وہ دیوان رسالہ (مراسلات) اور دیوان بندگان (غلاموں کا محکمہ) کی بھی نگرانی کرتا۔

(۹) بخشی فوج، لشکر میں تنخواہیں تقسیم کرتا۔

(۱۰) میر عمارت، حکومت کا انجینیر ہوتا۔

(۱۱) شرف الملک مالیات کا ناظم ہوتا۔

(۱۲) وکیل در شاہی محل کا کلید بردار ہوتا۔

(۱۳) دیوان اشراف، محاسب اعلیٰ ہوتا۔

(۱۴) میر آخور شاہی اصطبل کا نگران ہوتا۔

(۱۵) امیر شکار شاہی شکارگاہ کا مہتمم ہوتا۔

(۱۶) حاجب کی وہی حیثیت ہوتی جو انگلستان کے کابینہ مین لارڈ چمبرلین کی ہے۔

(۱۷) امیر فیلان ہاتھیون کا نگران ہوتا۔

(۱۸) اخبار نویس تمام غیر ملکیون کی آمد و رفت، ان کے حلیے اور لباس وغیرہ کا اندراج کرتا۔

(۱۹) شیخ الاسلام مذہبی امور کا نگران ہوتا۔

محکمۂ مال مین حسبِ ذیل عہدہ دار تھے۔

(۱) شقدار

(۲) عامل

(۳) محصّل

(۴) خوط

(۵) مقدم

(۶) چودھری

(۷) پٹواری

(۸) خزانچی

(۹) دیوان استخراج (عاملون سے بقایا وصول کرتے)

(۱۰) فوجدار بھی محکمۂ مال ہی کا ایک افسر تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک مجسٹریٹ کی بھی ہوتی۔

دربار اور محل مین حسب ذیل عہدہ دار تھے۔

(۱) داد بک (؟)

(۲) باربک

(۳) نائب باربک

(۴) حاجب الحجاب

(۵) سر دوات دار۔ سلطان کے قلمدان کا محافظ ہوتا۔

(۶) سر جامدار، سلطان کے سر پر چوری یعنی مورچھل ہلاتا رہتا۔ تاکہ مکھیان نہ آنے پائین۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اس عہدہ پر ملک قبولہ مامور تھا۔ جو ۳۶ لاکھ سالانہ اپنی فوج اور خانگی ضروریات مین خرچ کرتا تھا۔

(۸) شربدار شاہی مشروبات کا نگران ہوتا۔

(۹) مہردار شاہی مہرون کا محافظ ہوتا۔

(۱۰) نائب حاجب

(۱۱) خریطہ دار سلطان کے مکتوبات کا محافظ ہوتا۔ الیٹ نے اس کو سلطان کے روپون کا کیسہ بردار بتایا ہے۔

(۱۲) متصدی شاہی محل کے دروازے پر بیٹھتے اور وہ باہر آنے جانے والے

کا اندراج کرتے رہتے، وہ کسی کو محل کے اندر، داخل نہ ہونے دیتے جب تک کہ وہ اس کا نام و پتہ نہ لکھ لیتے۔ اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ ہوتے تو ان کی تعداد اور آمد و رفت کا وقت بھی لکھتے۔ سلطان ان تمام اندراجات کو خود دیکھتا، اس کا رجسٹر شاہی خاندان کا کوئی فرد سلطان کے سامنے پیش کرتا۔ اگر شاہی محل کے دروازہ پر کوئی واقعہ ہو جاتا تو اس کی بھی تفصیل اس مین لکھ دی جاتی۔

(۱۴) چاشنی گیر سلطان کے خورد و نوش کے تمام سامان کو دستر خوان پر چننے سے پہلے چکھ لیتا۔

(۱۵) نقیب النقبا ایک طلائی عصا ہاتھ مین لے کر محل کے آنے جانے والون کی نگرانی کرتا۔

(۱۶) پردہ دار شاہی محل کے دربانون کا افسر ہوتا۔ اس عہدہ پر بھی امراء ہی مامور کئے جاتے۔

(۱۷) خطیب الخطبا۔ نماز با جماعت کا امام اور خطیب ہوتا۔

(۱۸) رسول دار یا حاجب الارسال دربار مین آنے والون کو حاجب سے تعارف کراتا۔

(۱۹) بشمقدار غالباً شاہی کفش بردار ہوتے۔ مسالک الابصار کے مؤلف کا بیان ہے کہ ایک ہزار مسلح بشمقدار سلطان کے جلو مین پا پیادہ چلتے۔

(۲۰) میر مجلس دربار کو منعقد کراتا۔

(۲۱) ناظر باغات، شاہی باغات کا نگران ہوتا۔

(۲۲) خزائن الخاص۔ شاہی جواہرات کا محافظ ہوتا (۲۳) شحنۂ بازار، بازار کا

نگران ہوتا۔

عدل اور پولیس کے محکمون مین حسب ذیل عہدیدار تھے، (۱) قاضی القضاۃ یا صدر جہان
(۲) قاضی (۳) مفتی (۴) میرداد جو بڑے بڑے ملزم امراء کے قضیے طے کرانے مین قاضی
کا معاون ہوتا۔ (۵) نائب قاضی (۶) مفتی دیوان سیاست سزاؤن کے احکام کی تعمیل
کرتا (۷) کوتوال، پولیس کا حاکم اعلیٰ ہوتا (۸) محتسب بازار کے مول تول اور عوام الناس
کے اخلاق کا نگران ہوتا۔ دار السلطنت کے تمام واقعات سے اپنے کو باخبر رکھتا (۹) حاکمان
کی حیثیت مجسٹریٹ کی ہوتی، (۱۰) منہی جاسوس ہوتے، جو لشکریون اور تمام شہری آبادی

؎۱ سلاطین دہلی کے عہد مین جو نظام عدل تھا۔ اس کی وضاحت جناب محمد بشیر احمد
صاحب۔ آئی۔ سی۔ اس نے اپنی کتاب دی ایڈمنسٹریشن آف جسٹس ان مڈیول انڈیا
مین کی ہے۔ ہم اس کا خلاصہ ذیل مین درج کرتے ہین۔

محکمۂ قضا مرکز، صوبون (اقطاع)، سرکار، اور لشکر مین قائم تھا۔ مرکز مین اس
محکمہ کی حسب ذیل عدالتین تھین (۱) دیوان مظالم۔ اس مین فوجداری کے مقدمات
کی اپیل ہوا کرتی تھی۔ یہ صدر جہان کے ماتحت ہوتا (۲) دیوان رسالت اس مین دیوانی
کے مقدمات کی اپیل ہوتی۔ یہ بھی صدر جہان کے ماتحت تھا (۳) شاہی دربار جس مین
سلطان خود تمام مقدمات کی سماعت کرتا (۴) قاضی القضاۃ کی عدالت (۵) صدر
جہان کی عدالت جس مین مذہبی امور کے جھگڑے طے کئے جاتے (۶) دیوان سیاست
ایک عارضی عدالت تھی جس کو محمد تغلق نے فوجداری کے مقدمات کی سماعت کیلئے
قائم کیا تھا۔

سلطان دیوان مظالم اور دیوان رسالت کا صدر ہوتا۔ مگر ان دونون عدالتون

مین خفیہ طور پر پھیلے ہوتے۔ کوئی عہدہ خاندانی نہ تھا۔ ہر عہدہ پر تقرر کارکردگی کا لحاظ رکھ کر کیا جاتا۔ اس کے لئے سلطان محمد نے وسط ایشیا کے ملکون سے اچھے لوگون کو مدعو کیا کیونکہ ہندوستان مین اچھے حکام کی بڑی کمی ہو گئی تھی۔ علاؤالدین کے عہد کے مدبر وزراء اور فوجی عہدیدار مر چکے تھے۔ قطب الدین مبارک اور خسرو کے دور مین حوصلہ افزائی کر کے خاطر خواہ لوگ پیدا نہ کئے جا سکے۔ تغلق شاہ کو کچھ لایق آدمی مل گئے تھے۔ لیکن اس کو بھی کمی محسوس ہوئی تھی۔ سلطان محمد تغلق نے اپنی جانشینی کے وقت یہ کمی اور زیادہ پائی۔ حکومت چلانے کے لئے اس کو خاطر خواہ افراد نہین ملے۔ اس لئے پہلے تو وہ اعلیٰ طبقے اور غیر ملکیون کی طرف مائل ہوا، لیکن جب اس مین وہ ناکام رہا تو پھر اس نے ادنیٰ درجے کے لوگون کو بڑھانا شروع کیا، ضیاء الدین برنی کو سلطان سے اس کی بھی بڑی شکایت ہے۔ وہ برہم ہے

(بقیہ حاشیہ ص، ۲۳۵) مین جا کر بہت کم بیٹھتا۔ وہ اپنے دربار مین جب عدل و انصاف کیلئے عدالت کرتا۔ تو نئے اور اپیل کے مقدمات دونون کی ساعت کرتا۔ اس کے معاون دو مفتی ہوتے۔ جو اس دور کے ممتاز فقیہ ہوتے۔

۱۲۰۶ء سے ۱۲۴۸ء تک قاضی القضاۃ ہی محکمۂ عدل و انصاف کا نگران اعلیٰ ہوتا۔ ۱۲۴۸ء مین سلطان ناصر الدین نے صدر جہان کا ایک نیا عہدہ قائم کیا۔ جو قاضی القضاۃ سے اونچا عہدہ سمجھا جاتا۔ سلطان ناصر الدین ہی نے دیوان مظالم قائم کیا۔ اور اس کا صدر صدر جہان کو بنایا۔ وہ مذہبی امور کا بھی نگران اعلیٰ ہوتا۔ وہ قاضیون کا بھی تقرر کرتا۔ سلطان علاؤالدین نے قاضی القضاۃ اور صدر جہان دونون عہدون کو ایک ہی آدمی کے سپرد کیا۔ لیکن فیروز تغلق کے عہد مین پھر یہ علیحدہ کر دیا گیا۔ طبقات ناصری مین صدر جہان کے فرائض لکھے ہوئے ہین۔ جو یہ تھے (۱) قضا (۲) خطابت (۳) امامت (۴) احتساب کل امور شرعی، بر بنائے

کہ خواجہ جہان احمد ایاز کے ایک غلام مقبول کو سلطان نے گجرات کا نائب وزیر مقرر کیا جو ایک اہم اور ذمہ دار عہدہ تھا۔ وہ سلطان کو ایران کے ممتاز بادشاہوں جمشید اور کیخسرو کا مدمقابل قرار دیتا ہے۔ لیکن اس تقرر کے سلسلہ میں اس کی فہم ودانش پر حیرت کا اظہار کرتا ہے اور پھر لکھتا ہے کہ اس رویہ نے امراء کو بددل بنا کر بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ لیکن برنی کا غم وغصہ کچھ زیادہ صحیح نہیں۔ ممکن ہے کہ سلطان سے اس طبقہ کے افراد کے انتخاب میں کچھ غلطیاں ہوئی ہوں، لیکن اس پالیسی کو احمقانہ فعل قرار دینا۔ بالکل غلط ہے، کیونکہ خود مقبول کا تقرر آگے چل کر نامناسب ثابت نہیں ہوا، اس نے اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ اور فیروز شاہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۶) بیان کے مطابق وہ تعلیمی اور قانونی امور کی بھی نگرانی کرتا۔ اسی کے محکمہ کی طرف سے فضلاء اور غرباء کو وظایف دیئے جاتے، صوبہ میں صدر جہان کا نائب صدر صوبہ اور سرکار میں صدر سرکار کہلاتا۔ صدر جہان کا کوئی تعلق دیوان سیاست سے نہ ہوتا جس کو محمد تغلق نے عارضی طور پر قائم کیا تھا۔ اور اس کے جانشین نے ختم کر دیا تھا۔

قاضی القضاۃ دیوان مظالم یا دیوان رسالت میں ان تمام مقدمات کی اپیل سنتا جو صوبوں اور سرکاروں سے آتے۔ اس کے معاون کچھ قاضی بھی ہوتے۔ قاضی القضاۃ شیخ الاسلام سے علیحدہ عہدہ تھا۔ شیخ الاسلام کا کوئی باضابطہ عہدہ نہ تھا۔ قاضی القضاۃ متقی ترین افراد میں سے منتخب کیا جاتا۔ اس کی سب سے بڑی استعداد یہ ہوتی کہ وہ صحیح فتاوی دینے کے لائق ہوتا۔ اگر کہیں انتخاب غلط ہو جاتا۔ تو عوام کی طرف سے بڑی شورش ہوتی، یہ عہدہ زندگی بھر کیلئے کسی کو دیا جاتا۔ سلطان اس کو معزول اور برطرف کر سکتا تھا۔ تخت نشینی کے وقت قاضی القضاۃ سلطان سے حلف اٹھواتا۔ سلطنت میں جب کسی قانون کی تدوین ہوتی تو اس سے ضرور مشورہ لیا جاتا۔ کبھی کبھی وہ سفارت پر بھی بھیجا جاتا۔ اور تعلیمی اداروں کا نگران

تغلق کے عہد مین بڑا عروج حاصل کیا جیسا کہ شمس سراج عفیف اور عین الملک ملتانی نے ذکر کیا ہے، تو خداللہ کر تو مقبول کا حریف اور مخالف بھی رہا۔

سلطان نے شاہی ملازمتون کے سلسلہ مین پرانی روایات کا زیادہ لحاظ نہین رکھا۔ وہ دو وجوہ سے غیر ملکیون کو عہدون پر مامور کرتا رہا۔ ایک تو یہ کہ حکومت کا نظم و نسق بہتر ہو، اور دوسری یہ کہ وہ اسلامی ممالک مین مشہور ہو۔ لیکن اس کے پیش نظر پہلی وجہ زیادہ رہی، جب کوئی پردیسی آتا تو سلطان اس سے وعدہ لیتا کہ وہ اس کی ملازمت مین داخل ہو جائیگا، ورنہ اس کو آگے سیاحت کے لئے جانے نہ دیا جائیگا۔ یہ وعدہ تحریری طور پر قلمبند کر دیا جاتا۔ قاضی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۷) بھی بنا دیا جاتا۔ قاضی القضاۃ "افاضل روزگار" مین سے ہوتے، اس لئے بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے، وہ اپنے فیصلون مین بڑے آزاد ہوتے، سلطان جلال الدین خلجی نے قاضی جلال الدین پر بغاوت کا الزام رکھ کر اس کو موت کی سزا دینی چاہی، لیکن قاضی القضاۃ نے اس کو بری کر دیا۔ محمد تغلق نے ایک بار قاضی القضاۃ کی عدالت مین ایک مقدمہ دائر کیا۔ لیکن قاضی القضاۃ کا رنگ دیکھ کر مقدمہ واپس لے لیا، قاضی القضاۃ کی غیر جانب داری سے اس محکمہ کا بہت وقار تھا۔ نالایق قاضی کی تضحیک کی جاتی۔ اور کبھی ان کا قتل بھی ہو جاتا۔ لیکن قاضی نالایق کم ہوتے۔ اور الفنسٹن نے بھی لکھا ہے کہ قاضی القضاۃ بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ اور ان کا بڑا اثر ہوتا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ قاضی القضاۃ کی کتنی تنخواہ ہوتی، ابن بطوطہ محض ایک قاضی تھا۔ لیکن اس کی تنخواہ بارہ ہزار دینار سالانہ تھی، کبھی قاضی کو جاگیر بھی اسی قیمت کی دی جاتی۔ ظاہر ہے کہ قاضی القضاۃ کی تنخواہ اس سے زیادہ ہوتی ہوگی۔

قاضی القضاۃ کی عدالت مین مفتی، پنڈت، محتسب اور داد بک بھی ہوتے، مفتی مذہبی

کی شہادت ہوتی، اور پردیسی اس پر دستخط کرتا، پردیسون کے لئے بڑے بڑے عہدون کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، سلطان ان پردیسیون کی طرف کچھ ایسا مائل ہو گیا تھا کہ پھر زیادہ احتیاط و تمیز سے کام نہ لیتا جب ابن بطوطہ کو اس نے دہلی کا قاضی مقرر کیا تو اس نے سلطان کی خدمت مین عرض کیا کہ وہ تو امام مالک کا پیرو ہے، اور تمام اہل شہر حنفی ہین، لیکن سلطان نے اس عذر کی سماعت نہین کی اور بہاء الدین ملتانی اور کمال الدین بجنوری کو اس کی اعانت کے لئے مقرر کیا۔

سلطان کی نیت تو بخیر تھی۔ لیکن اس پالیسی کے نتائج اچھے نہین نکلے۔ اس کی سلطنت مین ہندوستانی اور پردیسی امرا کے دو گروہ ہو گئے۔ اور سلطان نے نظم و نسق کو بہتر بنانے کی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۸) فتاوے دیا کرتا۔ جن کی مدد سے قاضی القضاۃ مقدمے فیصل کرتا تھا۔ اگر مفتی اور قاضی القضاۃ مین کچھ اختلاف ہوتا۔ تو اس کی اپیل سلطان کے یہان ہوتی۔ مفتی اپنے علم مین ممتاز ہوتا۔ ہندوون کے مذہبی قوانین بتانے کے لئے برہمن مقرر کئے جاتے جو پنڈت کہلاتے، اس کی وہی پوزیشن ہوتی جو مفتی کی تھی، محتسب اخلاق عامہ کا نگران ہوتا۔ اور اس سلسلہ کے مقدمے اسی کے ذریعہ قاضی القضاۃ کے یہان پیش کئے جاتے، داد بک کا ذکر آگے آئیگا۔

صوبون (اقطاع) مین حسب ذیل عدالتین تھین۔

(۱) عدالت ناظم صوبہ (۲) عدالت قاضی صوبہ (۳) دیوان صوبہ (۴) صدر صوبہ۔ ناظم صوبہ سلطان کا نمایندہ ہوتا۔ وہ سلطان ہی کی طرح مقدمے کی سماعت کر سکتا تھا۔ اس کے فیصلہ کی اپیل سلطان کے یہان ہوتی۔ ناظم زیادہ تر انتظامی امور مین مشغول رہتا۔ اس لئے عدل و انصاف کے فرائض قاضی القضاۃ ہی کو انجام دینے پڑتے۔ صوبہ کا قاضی صوبہ کے ناظم کے بعد سب سے زیادہ معزز ہوتا۔ اس کے فیصلہ کی اپیل ناظم کے یہان ہوتی۔ وہ اس کی بھی نگرانی

غرض سے یہ پالیسی اختیار کی تھی۔ لیکن ان دونون گروہون کی ریشہ دوانیون اور خود غرضانہ سازشون سے ہر طرف جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے اور نظم و نسق مین انتشار پیدا ہو گیا۔

صوبائی حکومت کا انتظام سلطنت مختلف اقلیم یعنی صوبون مین منقسم تھی۔ برنی نے بارہ بلاد (صوبون) کا ذکر کیا ہے۔ (۱) دہلی (۲) گجرات (۳) مالوہ (۴) دیوگیری (۵) تلنگ (۶) کنپلہ (۷) دہور سمندر (۸) معبر (۹) ترہت (۱۰) لکھنوتی (۱۱) ستگانو (۱۲) سنار گانو لیکن مسالک الابصار مین حسب ذیل ۲۳ صوبون کا ذکر ہے۔

(۱) دہلی (۲) دیوگیری (۳) ملتان (۴) کہرام (۵) سمانہ (۶) سیوستان (۷) اوچہ (۸) ہانسی (۹) سرستی (۱۰) معبر (۱۱) تلنگ (۱۲) گجرات (۱۳) بداؤن (۱۴) اودھ (۱۵) قنوج (۱۶) لکھنوتی (۱۷) بہار (۱۸) کڑہ (۱۹) مالوہ (۲۰) لاہور (۲۱) کلانور

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۹) کرتا کہ جہان جہان قاضی متعین ہین، وہ اپنے فرائض پوری کارکردگی سے انجام دے رہے ہین۔ قاضی صوبہ ترقی کر کے قاضی القضاۃ بن سکتا تھا۔ اس کی اعانت کے لیے بھی مفتی، پنڈت، محتسب اور داد بک ہوتے برنی کے بیان کے مطابق داد بک کا کام یہ تھا کہ چھوٹے بڑے جو بھی ہون ان کو عدالت مین حاضر کرے۔ اور وہ مقدمات کے کاغذات کی ترتیب بھی دیتا دیوان صوبہ مال کے مقدمات کی سماعت کرتا، اور اس قسم کے سارے مقدمات اسی کے یہان طے ہوتے، اس کے فیصلون کی اپیل صوبون کے گورنر یا سلطان کے یہان ہوتی۔ صدر صوبہ صدر جہان کا نمائندہ ہوتا۔ اور وہ مذہبی امور کی نگرانی کرتا۔ وہ قاضی صوبہ کے ساتھ عدالت مین بیٹھتا اور مذہبی اور تعلیمی امداد و اوقاف اور وظائف کے قضیے کے سلسلہ مین اپنے فیصلے دیتا۔ یہ تمام امور قاضی کے حدود اختیارات سے باہر ہوتے۔

(۲۲) جاجنگر (۲۳) دہور سمندر۔

ہر صوبہ مین نائب سلطان ہوتا۔ وہ اس علاقہ کا سب سے بڑا ناظم اعلیٰ۔ فوجی عہدیدار اور عدل و انصاف کا اعلیٰ افسر ہوتا۔ وہ سلطان ہی کی طرح مطلق العنان بن کر حکومت کرتا، اس کی تنخواہ اس علاقہ کے محصولات ہی سے دی جاتی۔ اس کے علاقہ کے نظم ونسق کے اخراجات کے بعد جو رقم باقی رہجاتی وہ دار السلطنت کو بھیجدی جاتی۔ سلطنت یہان کے علاقے کو تسخیر کر کے قائم کی گئی تھی۔ اس لئے ملکی باشندے اپنے کو آزاد کرنے کی فکر مین لگے رہتے، پایہ تخت مین رہ کر کوئی بغاوت اچھی طرح فرو نہین کی جاسکتی تھی اسی لئے نائب مقرر کئے جاتے، لیکن مصالح کی خاطر ان کا تقرر مختصر مدت کے لئے ہوتا۔ اور سلطان جب چاہتا انکو بلالیتا،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۰) سرکار مین قاضی۔ فوجدار، صدر، عامل اور کوتوال ہوتے۔ سرکار کے قاضی کا تقرر صدر جہان قاضی صوبہ کی سفارش یا خود آزادانہ طور پر کرتا۔ اس کے یہان عقد و نکاح کا اندراج ہوتا۔ وہ اوقاف کے مقدمے کی سماعت کرتا بغیر وصیت کئے ہوئے مرنے والون کی جائدادون، نابالغون گم شدون اور مجنونون کے سلسلہ کے جھگڑے چکاتا۔ وہ جیلون کی بھی نگرانی کرتا۔ اس کے یہان مفتی۔ پنڈت۔ محتسب اور داد بک کے علاوہ کاتب، فقیہ، ناظر، محرر، برق انداز محافظ اور اخبار نویس بھی ہوتے۔ پرگنون مین قاضی پرگنہ اور کوتوال اور شقہ دار ہوتے، کوتوال چھوٹے قسم کے فوجداری مقدمات طے کرلیتا تھا۔ شقہ دار محکمۂ مال کا عہدیدار تھا لیکن وہ جرائم کے انسداد مین اعانت کیا کرتا تھا۔ گاؤن مین پنچایت تھی۔ پنچایت کا سرپنچ صوبہ کے ناظم یا فوجدار کی طرف سے مقرر ہوتا۔ وہ گاؤن کے امن وامان کی نگرانی اور مقامی مقدمات کی سماعت کرتا، سکندر لودی نے میر عدل کا ایک نیا عہدہ قائم کیا تھا۔ اس کو قاضی کی طرح تمام اختیارات نہ تھے، وہ دیوانی کے مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔ لشکر کا قاضی قاضی عسکر کہلاتا،

سلطان صوبون کے نظم ونسق مین بہت چوکنا رہنے کی کوشش کرتا۔ اور ہر جگہ اس کا رعب اور احترام قائم رہا۔ نائب اور دوسرے فوجی عہدیدار سال مین دوبار شاہی خلعت پاتے، اور جب خلعت کا قاصد کہین پہونچتا تو اس کا خیر مقدم خلعت پانے والے شہر سے باہر نکل کر کرتے، قاصد کے پاس پہونچکر اپنی سواری سے اتر جاتے اور خلعت کو اپنے کاندھون پر رکھکر شہر کے اندر لاتے۔

سلطان صوبے کے بہتر نظم ونسق کی خاطر ممتاز سے ممتاز نائب کو بھی علیحدہ کرنے مین تامل نہ کرتا۔ قتلغ خان کو اس لیے واپس بلا لیا کہ اس کے کارکنون کا رویہ اچھا نہ تھا۔ صوبون مین باہمی رشک وحسد کی وجہ سے انتظام مین خلل پڑتا رہتا۔ رشوت ستانی کا بازار بھی گرم رہتا۔ پھر یہ نائب جس شاہانہ کروفر سے زندگی بسر کرتے اس کو نباہنے کے لیے طرح طرح کی تدبیرین اختیار کرتے رہتے۔ لیکن سلطان نالائق اور بے ایمان نائب کو ضرور ہٹا دیتا، بیانہ کے نائب ملک ماجر ابن ابورجاء کی ظالمانہ روش کے خلاف جب وہان کے لوگون نے فریاد کی تو سلطان نے اسکو عہدہ سے ہٹا کر قید کر دیا۔

ہر نائب کی نگرانی مین ایک لشکر ہوتا جس کے اخراجات صوبے کی آمدنی سے پورے کئے جاتے۔ نائب ضرورت کے وقت مرکزی حکومت کو بھی فوج بھیجا کرتا تھا۔ سلطان کو اپنے ابتدائی دور حکومت مین صوبون کے نظم ونسق پر بڑا قابو رہا۔ نائب، والی، متصرف اور دوسرے کارکن سے فرو گذاشتین نہین ہوتین۔ فرامین اور احکام کی تعمیل اچھی طرح ہوتی، اور بڑی استقامت پیدا ہو گئی تھی، خراج اور تحائف اس کثرت سے دہلی مین پہونچتے تھے کہ اس سے پہلے کسی اور عہد مین نہین پہونچے۔ لیکن جب امراء نے باغیانہ روش اختیار کی تو سلطان صورت حال پر قابو نہ پا سکا۔

ڈاک کا انتظام | سلطنت کے مختلف حصے سوارون اور پیدل سپاہیون کے ذریعہ ڈاک کے
منسلک تھے۔ یہ نظام علاء الدین خلجی ہی کے زمانے سے تھا۔ غیاث الدین تغلق کے عہد مین
بارش کی وجہ سے ڈاک کا انتظام ایسا معطل ہوگیا تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات
کی خبر باہر بھیجی نہ جا سکتی، ابن بطوطہ اور مسالک کے مصنف نے سلطان محمد تغلق کے دور کی
ڈاک کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ ان کی تصدیق تاریخ مبارک شاہی کے مؤلف سے بھی
ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے۔ کہ ۷۲۷ھ مین سلطان دیوگیری روانہ ہوا، اس نے دہلی سے دیوگیری
تک ہر کروہ پر دھاوہ قائم کیا۔ اور دھاوہ کے آدمیون کو ان کی تنخواہ کے صلہ مین قابل کاشت
زمین دی، ڈاک کے لے جانے والے کو الاغ کہتے تھے، جو ایک دھاوہ سے دوسرے دھاوہ
تک جاتا تھا، ہر منزل پر ایک ایک کوشک کی تعمیر کی گئی تھی، اور ایک خانقاہ مین مسافرون
کے لئے ایک شیخ کے ذمہ کھانے پینے اور پان وغیرہ کا انتظام تھا۔ سڑک کے دونون طرف
درخت لگائے گئے تھے جو اب تک باقی ہین" تاریخ مبارک شاہی سے لیکر یہ باتین
اور مورخون نے بھی لکھی ہین۔ ڈاک کو برید کہتے تھے۔ جو ڈاک گھوڑے پر جاتی اس کو
الاغ (الاق) کہتے اور پیدل آدمیون سے پہونچائی جاتی وہ دھاوہ کہلاتی۔ گھوڑے
حکومت کے ہوتے۔ اور ہر چار میل پر بدلے جاتے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ پیدلون کی
ڈاک کا یہ انتظام ہے کہ ایک میل مین جس کو کروہ کہا جاتا ہے تین چوکیان ہرکارون
کی ہوتی ہین، اس چوکی کو داوہ کہتے ہین۔ ہر ایک تہائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤن آباد
ہوتا ہے۔ گاؤن کے باہر ہرکارون کے لئے برجیان بنی ہوتی ہین۔ ہر ایک برجی مین
ہرکارے کمر کسے بیٹھے رہتے ہین، ہر ایک ہرکارہ کے پاس ایک چھڑی دو گز لمبی ہوتی ہے،
جس کے سرے پر تانبے کے گھنگرو بندھے ہوئے ہوتے ہین، جب شہر سے ڈاک چلتی ہے تو

تو وہ ایک ہاتھ مین خطوط (لفافہ) رکھ لیتا ہے اور دوسرے ہاتھ مین چھڑی، اور تمام طاقت خرچ کرکے دوڑتا ہے۔ دوسرا ہرکارہ اس کے گھنگروون کی آواز سن کر تیار ہو بیٹھتا ہے، اور لفافہ لے کر دوڑ پڑتا ہے، اس طرح جہان کہین خط پہنچانا ہوتا ہے، پہنچا دیتے ہین، یہ ڈاک گھوڑون کی ڈاک سے بھی جلدی جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی اس ڈاک کے ذریعہ سے خراسان کے تازہ میوہ جات بھی بادشاہ کے لئے تھالیون مین پہونچائے جاتے ہین، اور کبھی کبھی کسی سنگین مجرم کو بھی چارپائی پر اٹھا کر اس طرح چوکی بہ چوکی ہرکارے لے جاتے ہین، جب بادشاہ (یعنی سلطان محمد تغلق) دولت آباد مین تھا تو اس کے لئے دریائے گنگ کا پانی جو ہندوؤن کے جاترا کی جگہ ہے، ڈاک مین لے جایا کرتے تھے۔ دولت آباد دریاے گنگ سے چالیس دن کے فاصلے پر ہے[1]۔ مسالک الابصار کے مصنف نے لکھا ہے کہ دور دراز ممالک سے سلطان تک جلد تر خبر پہونچانے کا انتظام نہایت معقول ہے، تمام

---

[1] یہ ترجمہ ابن بطوطہ کے اردو ترجمہ سے لے کر یہان درج کیا گیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ ابن بطوطہ نے سلطان قطب الدین خلجی کے ذکر مین لکھا ہے کہ دولت آباد دہلی سے چالیس منزل ہے اور تمام راستے پر بید مجنون اور قسم قسم کے درخت دو رویہ لگے ہوئے ہین، چلنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ باغ کے درمیان چلا جاتا ہے، اور ہر ایک کوس مین تین چوکیان ڈاک کے ہرکارون کی ہین اور ہر چوکی پر ہر چیز جس کو مسافر کی ضرورت ہوتی ہے، ملتی ہے، گویا وہ بازار مین جا رہا ہے اور اسی طرح سے یہ سڑک تلنگانہ اور معبر کے ملک تک چلی گئی ہے جو دہلی سے چھ مہینے کا راستہ ہے، ہر ایک منزل پر بادشاہی منزل ہے اور مسافرون کے لئے سراے ہے، کچھ ضرورت نہین کہ مسافر اپنے ساتھ زادراہ اٹھاتا پھرے (اردو ترجمہ ص ۸۰)

ممالک سے قصر سلطانی تک پختہ مکان بنائے گئے ہین جن کے ذریعہ مصر و شام کی طرح ڈاک کا نہایت عمدہ انتظام ہے۔ اگرچہ ان ممالک مین ڈاک کا انتظام اس لیئے زیادہ بہتر ہے کہ آبادیان ایک دوسرے سے دور نہین ہین لیکن ہندوستان کی حالت اس سے مختلف ہے، وہان نہایت دور دور پر آبادیان قائم ہین لیکن اس دشواری کے باوجود ہر چار فرلانگ پر ایک مکان بنا ہوا ہے، اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچنے کے لیئے دس دس ہرکارے مقرر ہین جو خطوط فرامین اور دوسری مرسلہ اشیا نہایت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتے ہین اور پھر اسی ترتیب سے نہایت سرعت کے ساتھ وہ ڈاک قصر شاہی سے دوسرے مقام تک پہونچ جاتی ہے، ڈاک کے اس راستہ مین ہر جگہ مناسب موقع سے مسجدین، بازار اور کنوین موجود ہین، [۱] مسالک الابصار ہی سے خبر رسانی کا ایک اور عجیب و غریب طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ دولت آباد اور دہلی کے درمیان خاص خاص مقام پر نقارے رکھے گئے تھے، جب ایک شہر مین سلطان ہوتا اور دوسرے شہر کا دروازہ کھولا یا بند کیا جاتا تو نقارہ پر چوب پڑتی تھی، دوسرا نقارچی اپنا نقارہ بجاتا، اسی طرح شہر کے بند ہونے اور کھلنے کا حال سلطان کو معلوم ہو جاتا، [۲]

ابن بطوطہ اور مسالک الابصار کے مصنف کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد مین ڈاک کا نظام پہلے سے بہت بہتر ہو گیا تھا۔

---

[۱] یہ عبارت مسالک الابصار کے اردو ترجمہ سے لی گئی ہے۔

[۲] نقارے کی آوازون کی نو قسمین ہوتی۔ فتح، شکست، خوف، رنج، دشمنون کے حملے، امداد کی درخواست، بغاوت، قتل، ڈاکہ، ولی عہد کی ولادت، شادی، موت، جشن وغیرہ کے لیئے خاص خاص آوازین مقرر تھین۔

دربار۔ اور دوسرے مشرقی بادشاہون کی طرح سلطان محمد تغلق کے دربار مین بھی بڑی شاہانہ شان وشوکت تھی جو از منۂ وسطیٰ کی حکومت کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی، مسالک الابصار کے مصنف نے تو لکھا ہے کہ دربار شاہی اپنے عظمت و جلال اور اس کے ضبط و نظم مین ساری دنیا مین بے نظیر ہے۔ (وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ دنیا نے اس سے پہلے صرف دو نظارے دیکھے تھے، ایک سکندر ذو القرنین کے وقت مین اور دوسرے ملک شاہ بن الپ ارسلان کے عہد مین اور اب وہی شان وشوکت، جاہ و جلال اور کروفر محمد بن تغلق کے عہد حکومت مین نظر آتا ہے)

سلہ اس عہد کے ہندوستان کی تہذیب اور معاشرت کا نقشہ ان سیاحون نے خوب کھینچا ہے جو سلطان محمد کے دور مین یہان آئے ان کی تفصیلات مسالک الابصار مین موجود مین جس کے کچھ اقتباسات ہم ذیل مین درج کرتے ہین:۔

مسالک الابصار مین لکھا ہے کہ زمین کی وسعت، دولت کی بہتات اور لشکر کی کثرت کے اعتبار سے ہندوستان ایسی عظیم الشان سلطنت ہے کہ اس کے مقابلہ مین روے زمین پر کوئی دوسری سلطنت نہین۔ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ جس کے سمندرون سے موتی نکلتے ہین۔ جس کی زمین سونا اگلتی ہے جس کے پہاڑون مین یاقوت اور الماس کی کانین ہین، جن کے درختون مین عود اور کافور لگتا ہے، جس کے شہر بڑے بڑے بادشاہون کے پایہ تخت ہین، جس کے وحشی جانورون مین ہاتھی اور گینڈے جیسے جانور پائے جاتے ہین، جس کے لوہے سے ہندی تلوار بنتی ہے، جس مین لوہے، پانے اور سیسے کی کانین ہین، جہان زعفران کی کاشت ہوتی ہے، جس کی بعض وادیون مین نئے نئے میوے پیدا ہوتے ہین، جس کی خوبیان بہت زیادہ ہین، جس کے نرخ سستے ہین، جس کی فوجین بے شمار ہین، اور جس کے شہر اور علاقے بے حد ہین، جن کے درمیان کہین ویرانہ نہین،

سلطان کے دربار مین بارہ سو فلسفی، دس ہزار بازدار، تین ہزار شکار کو گھیر گھار کر لانے والے، بارہ سو ارباب نشاط، ایک ہزار غلام، اور ایک ہزار عربی، فارسی اور ہندوستانی شعرا تھے، ممکن ہے کہ یہ تعداد لکھنے مین کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو، لیکن ان سے دربار کی شوکت کا اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے۔ یہ تمام لوگ اپنے اپنے فن کے ماہر تھے، اور ان کو سلطان خاطر خواہ تنخواہون اور تحفون سے نوازا کرتا تھا۔ ان مین سے بعض کو تو جاگیرین دیجاتین جنکی آمدنی بیس ہزار سے چالیس ہزار ٹنکے تک ہوتی انعامات اور تحایف علیحدہ دیئے جاتے، شاہی دسترخوان پر لوگ باری باری

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۶) عبد الرحیم قلیفشی غرناطی نے تحفۃ الالباب مین لکھا ہے۔ کہ ہندوستان کے پہاڑون اور جزیرون مین ایسے درخت ہین جن سے عود اور کافور پیدا ہوتا ہے۔ اور سب طرح کی خوشبوئین بھی مثلاً لونگ، جائفل، بلچھڑ، الائچی، دارچینی، تیزپات، کبابہ، جوتری اور طرح طرح کی جڑی بوٹیان، اس کے علاوہ ہندوستان مین مشکی ہرن بھی ہین، اور طرح طرح کے یاقوت بھی۔

مسالک الابصار مین ہے کہ ہندوستان مین طرح طرح کے غلے مثلاً گیہون، چاول، جو، چنا، مسور، ماش، لوبیا، اور تل وغیرہ پیدا ہوتے ہین۔ لیکن باقلہ کم پایا جاتا ہے، میرا خیال یہ ہے کہ باقلے کی کمی اس سبب سے ہے کہ یہان حکیم زیادہ ہین اور حکیمون کے نزدیک باقلہ عقل کو کند کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے پیشواؤن نے اسے حرام کر دیا ہے، ہندوستان مین میوے بھی ملتے ہین، مثلاً انجیر، انگور، انار جو بڑا اور میٹھا ہوتا ہے، بڑا لیمون اور کاغذی لیمو، گولر، کالا شہتوت، کھٹ مٹے کیلے، شفتالو، نارنگیان، خربوزے، تربوز، ککڑیان، کھیرے اور پھوٹ، یہ سب ہندوستان کے میوے ہین۔ مگر انجیر اور انگور بہ نسبت اور میوؤن کے کم پائے جاتے ہین، یہی ہندوستان مین بھی ہوتی ہے، اور باہر سے بھی آتی

بلائے جاتے، دبیر، فقہا، اور دوسرے سرکاری حکام بھی مدعو ہوتے، شعراء کی باریابی سال مین کئی مرتبہ ہوتی۔ وہ عیدین اور رمضان مبارک کی پہلی تاریخ کو ضرور حاضر ہوتے، لڑائی کی فتح کے موقع پر وہ تہنیت کے قصائد پیش کرتے، بدر چاچ کے قصائد مین سلطان کے جلال وعظمت کی تصویرین ملتی ہین۔

دربار عام | سلطان دو دربار منعقد کرتا۔ دربار عام اور دربار خاص، دونون مین اس کے جاہ وجلال اور شوکت وعظمت کے مظاہرے ہوتے، مسالک کے مصنف نے لکھا ہے کہ سلطان تغلق کو ایک کھلے ہوئے میدان مین دربار عام کا ایک خصوصی اجلاس کرتا اور عوام سے ان کی شکایتون اور فریادون کی عرضیان قبول کرتا۔ دربار عام کے دو اجلاس صبح اور شام منعقد

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۷) جاتی ہے، امرود اور سیب بھی پیدا ہوتے ہین، مگر بہی سے مقدار مین کم پائے جاتے ہین، ان سب کے علاوہ ہندوستان مین ایسے میوے بھی ہوتے ہین، جو مصر وشام، اور عراق مین نہین ہوتے ہین، مثلاً آم، مہوا، لوکاٹ، اور کسیرو وغیرہ .... اور ناریل جسے ہند کا اخروٹ کہنا چاہئے، لاجواب میوہ ہے، وہ سبز ہوتا ہے۔ اور دودھ سے بھرا ہوتا ہے ناریل اور کیلے دہلی مین اور اس کے گرد و نواح کی نسبت کم ہین۔ مگر دہلی مین یہ پھل دور سے بہت آتے ہین۔ دہلی کے نواح مین گنا بہت ملتا ہے، اور بہتات کے سبب اس کی بے قدری ہے۔ ایک قسم کا کالا گنا بھی ہوتا ہے، جس کا چھلکا سخت ہوتا ہے، وہ چوسنے ہی کے مصرف کا ہے، رس نکالنے کے مطلب کا نہین، اس قسم کے گنے کا مول تول کھیت پر نہین ہوتا۔ باقی قسم کے گنون سے گڑ بنتا ہے، جو مصری سے سستا ہوتا ہے، اور جس سے بورا بنتی ہے، اس مین مٹھاس کم ہوتی ہے، اور دیکھنے مین سفید میدہ سا معلوم ہوتا ہے، دہلی کے نواح مین چاول بھی ملتے ہین، اور وہان شلجم، گاجر، کدو، بیگن، ہلیون، سونٹھ،

ہوتے۔ ابن بطوطہ دربار عام کے خصوصی اجلاس کا تو نہیں لیکن انصاف کے دربار کا ذکر کرتا ہے جس میں چند ممتاز ارکان سلطنت شریک ہوتے۔ ابن بطوطہ نے دربار عام کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے جو صبح و شام محل ہزار ستون میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا کرتا تھا۔ مسالک الابصار کے دیوان عام کا خصوصی اجلاس اور ابن بطوطہ کا دربار انصاف دو علٰحدہ چیزیں معلوم ہوتی ہیں گو دونوں کے کام یکسان نظر آتے ہیں۔ دربار انصاف کی حیثیت سپریم کورٹ کی تھی، جس میں چند محدود عہدیدار ہوتے۔

دربار عام کے خاص اجلاس میں تمام ممتاز امراء اور ارکان سلطنت ہوتے۔ اس میں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۸) کی بھی پیداوار ہے، سونٹھ جب سبز ہوتی ہے تو لوگ اسے گاجر کی طرح پکاتے ہیں، مزے میں لاجواب ہوتی ہے۔ وہاں چقندر بھی ہوتا ہے، سیم کی پھلیاں بھی اور پودینہ بھی اور قسم قسم کے پھول جیسے گلاب نیلوفر، بنفشہ، بید سادہ، نرگس اور گل ہندی ...... روغن زیتون وہاں پیدا نہیں ہوتا باہر سے آتا ہے، شہد کثرت سے پایا جاتا ہے شمعیں صرف بادشاہ کے محل میں جلتی ہیں۔ ہر شخص ان کو آسانی سے حاصل نہیں کرسکتا چرنے والے جانور جیسے گائیں بھینسیں، بھیڑیں، اور بکریاں بے شمار ہیں، اور پرندے مثلاً مرغ اور کبوتر بھی بکثرت ہیں، بطخ کے سوا جو کم پائی جاتی ہے بہت سی قسم کے پرندے تو ایسے ہیں جنھیں کوئی مفت بھی نہیں پوچھتا۔ ہندی مرغ بڑے جثہ کا پرندہ ہے اور اپنے بڑے جثہ کے سبب بطخ کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب پرندے بہت سستے بکتے ہیں

مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے باشندے نہایت تیز عقل مند اور ہنرمند ہیں اور سب قوموں کے مقابلے میں اپنے نفسوں پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں، اور اپنے معبودوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں کرتے ہیں،

بیٹھنے کی اجازت صرف صدر جہان، خوانین اور دو دبیر کو ہوتی، جس محل مین یہ دربار ہوتا اس مین پے درپے سات پھاٹک تھے، کسی کو ہتھیار بند ہو کر جانے کی اجازت نہ تھی۔ پھاٹک کے ہر شخص کی جامہ تلاشی بڑی احتیاط سے لی جاتی، پہلے دروازہ پر نفیری۔ نقارہ اور سرنا والے ہوتے۔ جس وقت کوئی امیر یا بڑا ادمی آتا تو وہ نقارہ اور نفیری بجانا شروع کر دیتے۔ اور بجانے مین یہ آواز نکالتے کہ فلان شخص آیا۔ جو شخص محل مین جاتا وہ تیسرے دروازہ سے پا پیادہ ہو جاتا اور نفیری اور نقارے ساتوین دروازہ تک اسی طرح بجتے رہتے، کسی کے ساتھ خاص رعایت ہوتی تو وہ ساتوین دروازہ تک گھوڑے پر جاتا۔ اور اس کے لئے بھی نفیری اسی طرح بجائی جاتی۔ اور جب تمام امرا، جمع ہو جاتے تو عام لوگون کو اپنے اپنے معروضات پیش کرنے کو

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۴) محمد بن عبدالرحیم غلنیشی غرناطی نے تحفۃ الالباب مین لکھا ہے کہ ہندوستانی علوم و فنون کے اعتبار سے دنیا بھر مین سب سے زیادہ ماہر ہین۔ طب مین بھی، ریاضی مین بھی اور طرح طرح کی صنعتون اور کاریگریون مین بھی۔

ابو صفا عمر شبلی کا بیان ہے کہ ہندوستانی خوب ہین، وہ نہ شراب پیتے ہین اور نہ کسی نشیلی چیز کا استعمال کرتے ہین۔ وہ تو پان ہی کھا کھا کر اپنا جی خوش کر لیتے ہین، اور پان ہے بھی عمدہ چیز اور حلال بھی ہے۔ اس مین حرام کا کوئی شبہہ تک نہین۔ پھر لطف یہ کہ پان کے اندر بہت سے مصالحے پڑتے ہین جو بہت ہی مزے کے ہوتے ہین، شراب مین تو ایسے ذائقے کی ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ علاوہ ذائقے دار مصالحون کے پان مین اور چند خوبیان ہین؛ اول تو اس کے کھانے سے منہ مین خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے، تیسرے سانس کی آمد رفت مین آسانی پیدا ہوتی ہے، دل کو فرحت ہوتی ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پان کے کھانے سے نہ عقل بگڑتی ہے نہ ذہن خراب ہوتا ہے، نہ کھانون کا

کہا جاتا، تمام لوگ درخواستین حاجب کو دیتے۔ وہ بادشاہ کے حضور مین پیش کرتا۔ قاضی، وزراء، اور دبیر ایک علحدہ کمرہ مین بیٹھتے جو فرامین پر اپنے دستخط ثبت اور مخفی باتون کا اندراج کرتے رہتے۔ دربار ختم ہو جاتا تو حاجب درخواستون کو دبیر کے حوالے کر دیتا جس کے ذریعہ آخری احکام جاری ہوتے۔

سلطان دربار عام مین ایک شہ نشین پر بیٹھتا۔ اور جب وہ بیٹھ چکتا۔ تو حاجب اور نقیب بسم اللہ کہتے، سلطان کے سامنے وزیر کھڑا رہتا۔ اس کے پیچھے اس کے دبیر، حاجبون کا سردار، اور اس کے نائب، حاجب خاص، نائب حاجب خاص، وکیل در اور اس کا نائب، شرف الحجاب، سید الحجاب اور نقیب وغیرہ ہوتے، نقیبون کی تعداد سو تک ہوتی، سلطان کے پیچھے ملک قبولہ ہوتا۔ جو ایک بہت ہی متمول اور با اثر امیر تھا۔ وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۰) مزہ زائل ہوتا ہے، خاطر تواضع کے موقعون پر ہندوستان مین پان سے بڑھ کر کوئی چیز نہین سمجھی جاتی۔ یہان تک کہ مہمان کی مہمانی مین۔ کھانے پینے کی کل نعمتین مٹھائیان۔ شربت، پھول اور خوشبوئین وغیرہ غرض دنیا کی کل اچھی چیزین موجود کر دی جائین، مگر پان نہ دیا جائے تو ایسی مہمانی قابل ذکر اور قابل قدر نہین سمجھی جاتی یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے رئیس اپنی محفلون مین جب کسی کو سرفراز کرنا چاہتے ہین تو اس کو اپنے ہاتھ سے پان دیتے ہین ....

مسالک الابصار کے ایک راوی کا بیان ہے کہ ہندوؤن کو روپیہ پیدا کرنے اور جمع کرنے کا شوق ہے، جب وہ آپس مین ملتے ہین تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہین "کہو" تم نے کتنی روکڑ اکٹھی کر لی، کوئی کہتا ہے کہ میرے گھرانے مین میرے دادا کے وقت سے روپیہ جمع ہو رہا ہے، اور مین روپیہ جمع کرنے والون کی دوسری پشت مین ہون

مورچھل ہلایا کرتا تھا۔ سلطان کے دائین بائین جانب دو سو نوجوان شمشیر، سپر، تیر اور کمان سے مسلح ہو کر اس کی حفاظت کے لئے متعین ہوتے۔ ان کے علاوہ دربار عام مین قاضی القضاۃ۔ خطیب، فقہا، سادات، شیوخ سلطان کے بھائی، داماد، معزز امراء، بیرونی مہمان، سفراء، اور دوسرے فوجی عہدیدار بھی ہوتے۔

اور جب تمام ارکان و اعیان سلطنت جمع ہو جاتے تو ساٹھ گھوڑے سلطان کے سامنے لائے جاتے، ان کی زین اور لگام سفید اور سیاہ رنگ کے طلائی کامون سے مرصع ہوتی۔ ان مین سے آدھے دائین اور آدھے بائین جانب کھڑے کئے جاتے، پھر تیس تربیت یافتہ ہاتھی پیش کئے جاتے۔ ان پر ریشمی جھولین پڑی ہوتین۔ ان کے دانتون پر

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۱) اور کوئی کہتا ہے کہ میرے خاندان مین میرے پردادا کے وقت سے روپیہ جمع ہوتا چلا آیا ہے، اور مین روپیہ جمع کرنے والون کی تیسری پشت مین ہون، جو روپیہ کئی پشتون سے جمع ہوتا آ رہا ہے، اس کا شمار کیا بتاؤن، ہندوؤن کی عادت ہے کہ روپیہ جمع کرنے کی غرض سے اپنے گھرون مین گڑھا کھود لیتے ہین۔ دیوارون مین موکھے سے بنا لیتے ہین، جن کا منہ بند کر دیتے ہین۔ بس ایک چھوٹا سا سوراخ کھلا رہنے دیتے ہین جس کے ذریعہ اس مین روپیہ ڈال تو سکین، مگر نکالنا ممکن نہ ہو، اور لین دین کے وقت وہ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہین۔ اس خوف سے کہ کہین کھوٹا مال نہ آ جائے، وہ نہ تو چاندی سونے کی بنی ہوئی چیز لیتے ہین، اور نہ ٹکڑے لیتے ہین، تو چاندی سونے کے سکے لیتے ہین۔ ہندوون کی بعض بستیون مین یہ دستور ہے کہ جب کسی گھر مین اشرفیون کی ایک دیگ بھر جاتی ہے تو گھر کا مالک چھت کے اوپر ایک جھنڈا گاڑ دیتا ہے اس طرح سے دس دس جھنڈیان تک گڑ جاتی ہین۔ بعض مکانون کی چھتون پر دس سے بھی

لوہے چڑھے ہوتے، اور جب حاجب بسم اللہ کہتا، تو یہ ہاتھی سلطان کے سامنے جھک جاتے، ان کے پیچھے شاہی غلام شمشیر اور سپر سے مسلح کھڑے رہتے۔

شاہی دعوت | شاہی مطبخ بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر قائم تھا اور سلطان کی دعوت میں ہر جماعت کے ممتاز افراد شریک ہوتے تھے، شیخ ابو بکر بن خلال برمی نے مسالک الابصار کے مصنف کو بتایا کہ شاہی باورچی خانہ کیلئے دو ہزار بھیڑیں اور ڈھائی ہزار گائیں روزانہ ذبح کی جاتی تھیں، علمائ امراء اور اعیان سلطنت سب ہی دسترخوان پر شریک رہتے، مہمانوں کی بڑی تواضع کی جاتی، ابن بطوطہ اور مسالک الابصار کے مصنف دونوں نے دو قسم کی دعوتوں کا ذکر کیا ہے ایک عام اور ایک خاص، خاص دعوتوں میں سلطان کا چچا زاد بھائی ملک فیروز اور دوسرے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۲) زیادہ وجھنڈیاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔

مسالک الابصار میں لکھا ہے کہ عام طور سے ہندوستان کی عورتوں کو ترکی اور قبچاقی عورتوں کی نسبت زیادہ حسین اور ملیح بتایا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ حسن و ملاحت کے علاوہ بعض خوبیاں ہندی عورتوں میں ایسی ہیں، جو کسی اور ملک کی عورتوں میں نہیں پائی جاتیں ہندوستان کی اکثر عورتیں سبزہ رنگ ہوتی ہیں اور بعض گورے رنگ کی ہوتی ہیں، ان کے گورے رنگ میں سرخی جھلکا کرتی ہے اور باوجودیکہ لوگوں کے پاس ترکی، قبچاقی، رومی اور دوسری عورتیں موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی حسن و خوبی میں ہندی عورت کو نہیں پہنچتی، میرے خیال میں دنیا کے کسی خطہ کی عورت ہندی عورت کے مقابلہ میں بڑھ نہیں سکتی، اور بڑھ سکتی ہے۔ ہندی عورت سے تو کوئی ہندوستان ہی کی عورت بڑھ سکتی ہے، یہ عورتیں تمام دنیا کی عورتوں سے صرف حسن و ملاحت ہی میں بڑھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ ان میں اور بے شمار خوبیاں ہیں جن کے لئے تحریر کے دامن میں گنجائش نہیں۔

ممتاز امرا مثلاً عماد الملک سرتیز، امیر مجلس اور ایسے بیرونی مہمان ہوتے جن کی طرف سلطان خاص طور پر مائل ہوتا۔ ان کے علاوہ دو ہزار علما، اور فقہا بھی شریک رہتے جن سے سلطان مذہبی اور فقہی مذاکرے کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عام دعوت مین مسالک الابصار کے مصنف کے بیان کے مطابق بیس بیس ہزار آدمی شریک رہتے۔ مدعوئین دربار عام کے وسیع کمرہ مین جمع ہوتے یہان شاہی ملازمین ان کے لئے کھانے لاتے۔ دعوت شروع ہونے سے پہلے نقیب النقبا طلائی عصا لئے ہوئے وسیع کمرے مین داخل ہوتا۔ اس کے پیچھے اس کے نائب اور نقیب ہوتے جو آتے ہی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۳) مسالک الابصار مین لکھا ہے کہ ہندوستان کے باشندون کا پہناوا زیادہ تر سفید لباس ہے۔ رنگین اور اونی کپڑے جیسے بانات، مخمل، شال وغیرہ باہر سے لائے جاتے ہین۔ اور یہان چوگنی، پچگنی قیمت پر بکتے ہین، علماء، اولیا اور صوفیہ زیادہ تر اونی کپڑے پہنتے ہین۔ اور بادشاہ، خان، ملک اور فوج کے سب افسر سر سے پاؤن تک تاتاری کپڑے پہنتے ہین۔ ان کے جسم پر اسلامی طریقہ کی اور خوارزمی فیشن کی قبائین ہوتی ہین جو کمر پر سے تنگ ہوتی ہین، ان کے سرون پر پانچ چھ گز کپڑے کی پگڑیان ہوتی ہین جو ان کے لمبے قدون پر چھوٹی معلوم ہوتی ہین، ایسی پگڑیون کو عمامہ کہنا موزون نہین ہے۔ ناصر الدین محمد بن جشتی جو زمردی کے لقب سے مشہور ہے اور جو دو مرتبہ ہندوستان آچکا ہے اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے دربار مین رہ چکا ہے، کہتا تھا کہ ہند مین ہم شاق عام طور سے سفید لباس پہنتے ہین، مگر خاص خاص لوگ، افسر اور عہدے دار وغیرہ تاتاری ملکون کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے ہین جن پر سنہرا کام کیا ہوا ہوتا ہے، بعضون کے لباس مین سب جگہ نہین تو صرف آستینون پر کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ بعضون کے لباس مین مغلون کی طرح پیٹھ پر اور گلے

بسم اللہ زور سے کہتے یہ آواز سن کر سلطان کے علاوہ اور تمام لوگ کھڑے ہو جاتے۔ اور جب کھانے دسترخوان پر چن دیئے جاتے تو نقیب صف بنا کر کھڑے ہوتے، اور ان کا سردار سلطان کی مدح شروع کرتا۔ اس کے بعد وہ زمین بوس ہوتا اس کی تقلید اور دوسرے نقیب اور مہمان بھی کرتے، نقیب النقبا جب تک سلطان کی مدح بیان کرتا رہتا، پوری خاموشی رہتی، تمام مہمانوں کی فہرست متصدی تیار کرتے، اس فہرست کو شاہی خاندان کا کوئی فرد سلطان کی خدمت میں پیش کرتا جس کو دیکھکر وہ کسی امیر کو دعوت کا نگران مقرر کرتا۔ تمام مہمانوں کی جگہیں مقرر ہوتیں۔ مرکز میں قاضی، خطیب، شیوخ، سادات، علما اور سلطان کے اعزہ و امراء

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۴) چاروں طرف چوڑا چوڑا زردوزی کا کام ہوا ہوتا ہے۔ گلے پر جو کام کیا جاتا ہے۔ وہ جواہرات سے سجایا جاتا ہے، اور اس میں یاقوت اور ہیرے ٹانکے جاتے ہیں ان کے سر کے بالوں کی لٹیں آگے سے گندھی اور بٹی ہوئی لٹکتی رہتی ہیں۔ جس طرح سے کہ مصر کے سپاہیوں کا دستور ہے، بالوں کی لٹوں کو گندھا ہوا رکھنے کے لئے موباف کی طرح ریشمیں کپڑا استعمال کرتے ہیں اور اپنی کمروں میں سونے۔ چاندی کی پٹیاں لگاتے ہیں یا کوڑا باندھ لیتے ہیں یا تیر لٹکا لیتے ہیں۔ تلواریں تو کمر سے دوران سفر کے وقت باندھتے ہیں، گھر پر بہر وقت تلوار باندھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ فوجی عہدہ داروں ہی کی طرح ملکی اور مالی افسروں اور وزیروں اور منشیوں کا لباس ہوتا ہے، فرق اتنا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی کمر میں پٹیاں نہیں نکالتے، فوجیوں کی شان پٹیوں سے ہوتی ہے تو وزیروں اور منشیوں کا امتیاز ان رومال سے ہوتا ہے جس کو وہ صوفیوں کی طرح اپنی پگڑیوں پر باندھ لیتے ہیں، اس قسم کی بندش اور وضع کو شملہ کہتے ہیں، قاضی اور علما لشکریوں کی طرح چست لباس پہنتے ہیں۔ زرہ بکتر لگائے رہتے ہیں، قاضیوں، عالموں اور لشکریوں کے علاوہ عام لوگ بھی

ہوتے۔ شربت دار سونے چاندی اور تانبے کے پیالے لیکر پہلے آتے، ان سب مین طرح طرح
کے شربت ہوتے، اور جب یہ مشروبات تقسیم کردیئے جاتے تو حاجب بلند آواز مین بسم اللہ
کہتے، اور دعوت شروع ہوجاتی، اور جب کھانا ختم ہوجاتا تو پان اور سپاری تقسیم کی جاتی۔
اور ہر شخص کو تھوڑی سپاری اور پان کے پندرہ بیڑے ملتے جو سرخ ریشمی ڈورے سے
بندھے رہتے۔ حاجب کی آواز پر سب کھڑے ہوجاتے، دعوت کا جو امیر نگران ہوتا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۰) چست کپڑے پہنتے اور زرہ بکتر لگائے دیکھے جاتے ہین۔

مسالک الابصار مین لکھا ہے کہ ہندوستان مین دودھ گھی کی ایک ایسی افراط ہے کہ
کوئی انھین مفت بھی نہین پوچھتا۔ اور ہندوستان کے بازارون مین کھانے پینے کی چیزون کی
بہت دوکانین ہین، جہان قسم قسم کے کھانے موجود رہتے ہین، جیسے شامی کباب اور سیخ
کے کباب، پلاؤ، قورمہ اور طرح طرح کے سالن اور بیسٹھ قسم کی مٹھائیان اور طرح
طرح کے شیرے جو دہلی کے سوا کہین اور نہین پائے جاتے (مسالک الابصار کے مزید
اقتباس کے لیے دیکھو پروفیسر آغا مہدی حسین کی کتاب سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق
ص ۲۰۹-۲۳۷)

اس دور کے کچھ اور معاشرتی حالات ابن بطوطہ کے حسب ذیل بیانات سے
معلوم ہوتے ہین۔

عید کی پہلی رات کو بادشاہ اپنی طرف سے امیرون، مصاحبون، مسافرون، متصدیون،
حاجیون، نقیبون، افسرون، غلامون اور اخبار نویسون کے لئے ایک ایک خلعت
ہر ایک کے درجہ کے موافق بھیجتا ہے، جب صبح ہوتی ہے تو ہاتھی سجائے جاتے ہین،
ان پر ریشم کی طلائی اور جڑاؤ جھولین ڈالی جاتی ہین۔ ان مین سے سو ہاتھی خاص بادشاہ

آخر مین زمین بوس ہوتا۔ اور اسی طرح تمام مہمان بھی زمین بوسی کرتے۔

حکومت کا انحصار ان ادارون پر تھا۔ جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اور یہ ادارے ایسے لوگون مین چلتے رہے جو مخالف بن کر رہے۔ سلطان ان ادارون کی نگرانی خود کرتا تھا، جس کے لئے وہ خیالات مین وسعت پیدا کرنے والی تعلیم اور عملی تجربے کی بنا پر بہت ہی موزون تھا۔ اس کے زمانہ مین نظام سلطنت مین خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ اور علاؤ الدین نے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۶) کی سواری کے ہوتے ہین، ان سب پر ایک ایک چھتر ہوتا ہے۔ جو ریشم کا بنا ہوا اور جواہرات سے جڑا ہوا ہوتا ہے، ہر ایک چتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ اور ہر ایک ہاتھی پر ایک ریشمی گدی مرصع بہ جواہرات رکھی جاتی ہے، ایک ہاتھی پر بادشاہ سوار ہوتا ہے۔ اور اس کے آگے زین پوش جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہوتے ہین، ایک علم مطلا برچم کے لے جاتے ہین، ہاتھی کے آگے غلام اور ملوک پیادہ پا چلتے ہین، ان مین سے ہر ایک کے سر پر چاچی ٹوپی یعنی شاشیہ ہوتی ہے۔ اور کمر پر مطلا پیٹی، بعض پر جواہرات لگے ہوئے ہوتے ہین۔ اور بادشاہ کے آگے آگے نقیب بھی ہوتے ہین جو تعداد مین تین سو ہوتے ہین۔ ان مین ہر ایک کے سر پر پوستین کی کلاہ ہوتی ہے۔ کمر مین طلائی پیٹی ہاتھ مین تازیانہ جس کا دستہ سونے کا ہوتا ہے اور صدر جہان قاضی القضاۃ کمال الدین غزنوی اور صدر جہان قاضی القضاۃ ناصر الدین خوارزمی اور تمام قاضی ذی رتبہ پردیسی عراقی خراسانی، شامی، اور مغربی سب ہاتھیون پر سوار ہوتے ہین۔ اس ملک مین سب پردیسیون کو خراسانی کہتے ہین۔ اور موذن بھی ہاتھیون پر سوار ہوتے ہین۔ اور تکبیر کہتے جاتے ہین۔ بادشاہ اس ترتیب سے محل شاہی کے دروازے سے نکلتا ہے اور لشکر باہر منتظر ہوتا ہے۔ ہر ایک امیر اپنی فوج کو لئے

جو سانچہ اور ڈھانچہ بنایا تھا۔ اس مین کافی فروغ ہوا مغلون کے حملے رک گئے تھے جنکی وجہ سے امن وامان قائم ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ پھر حکومت کے ادارے کے ارتقا مین کس قدر خود بخود تقویت پہونچتی رہی۔ سلطان محمد کے دربار کی شہرت بیرونی ممالک مین بھی پہونچ گئی تھی۔ اور ایشیا کے بہت سے ملکون سے سیاح اس کے دربار کی شوکت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۷) علٰحدہ علٰحدہ کھڑا ہوتا ہے، اور ہر ایک کے ساتھ نوبت نقارے والے بھی ہوتے ہین، سب سے پہلے بادشاہ کی سواری بڑھتی ہے، بادشاہ کے آگے وہ لوگ جن کا ذکر مین کر آیا ہون اور قاضی اور موذن ہوتے ہین، جو تکبیر پڑھتے جاتے ہین، بادشاہ کے پیچھے باجے والے ہوتے ہین، اور ان کے پیچھے بادشاہ کے خدمت گار، پھر بادشاہ کے بھائی مبارک خان کی سواری مع اس کی فوج اور باجے کے ہوتی ہے، اس کے بعد بادشاہ کے بھتیجے بہرام خان کی سواری، اس کے بعد بادشاہ کے چچازاد بھائی ملک فیروز کی، پھر ملک مجیر ذی الرجا کی، پھر ملک قبولہ کی، یہ امیر بادشاہ کا نہایت مقرب اور منہ چڑھا ہے، اور بڑا دولت مند ہے، مجھ سے اس کا دیوان ملک علاوالدین مصری جو ابن سرستی کے نام سے زیادہ مشہور ہے، ذکر کرتا تھا کہ اس کا اور اس کے لشکر اور خادمون کا خرچ چھتیس لاکھ روپیے سالانہ ہے، پھر ملک نکبہ کی، پھر ملک بغرا کی، پھر ملک مخلص کی، پھر خطیب الملک کی پھر ہر ایک کے لشکر اور باجے والون کی یہ لوگ جن کے نام مین نے لیے وہ امیر مین جو ہمیشہ بادشاہ کی خدمت مین رہتے ہین اور عید کے دن بادشاہ کے ساتھ نوبت نقارہ لے کر چلتے ہین، اور باقی امیر بغیر نوبت کے جاتے ہین، اور وہ درجہ مین چھوٹے ہوتے ہین، اور ہر ایک شخص عید کے دن جلوس مین مع اپنے گھوڑے کے زرہ پوش ہوتا ہے جب بادشاہ عید گاہ کے دروازے پر پہونچتا ہے، تو سب وہین کھڑے ہو جاتے ہین قاضی

وعظمت کا تماشہ دیکھنے آتے تھے، اور ان مین بہت سے توشاہی ملازمت مین داخل
ہوگئے تھے، لیکن وہ وفاداری سے اپنے فرائض انجام دینے کے بجائے جھگڑے اور فساد
کی بناڈالتے رہتے، ملکی اور غیر ملکی امراو کی علیحدہ علیحدہ جماعتین قائم ہوگئین اور جو امراء
اعزاز سے محروم ہوجاتے وہ سلطان کی مخالفت پر آمادہ ہوجاتے، اور جب بادشاہت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۸) موذن اور بڑے بڑے امیر اور ذی رتبہ پردیسی پہلے داخل ہوتے ہین بادشاہ پیچھے آتا ہے
اور امام نماز شروع کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، نماز ہوجاتی ہے تو بادشاہ نیزہ سے
اونٹ کو نحر کرتا ہے اور اس سے پہلے اپنے کپڑون پر ایک ریشمی لنگی اوڑھ لیتا ہے تاکہ
کپڑون پر خون کی چھینٹین نہ پڑین، یہ قربانی کرکے بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوکر واپس محل مین
آجاتا ہے۔

عید کے دن تمام دیوان خانہ مین فرش بچھایا جاتا ہے اور طرح طرح کی آراستگی
کی جاتی ہے اور دیوان خانہ کے صحن مین بارگہ (بارگاہ) کھڑی کرتے ہین، وہ ایک
بہت بڑا خیمہ ہوتا ہے، جو بہت سے موٹے موٹے کھمبون پر کھڑا کیا جاتا ہے، اور اس کے چارون
طرف اور خیمے ہوتے ہین اور ریشم کے بوٹے جن مین رنگ برنگ کے ریشمی پھول بڑے چھوٹے
ہوتے ہین لگائے جاتے ہین اور ان درختون کی تین صفین دیوان خانے مین بناتے ہین،
درختون کے درمیان ایک سونے کی چوکی رکھی جاتی ہے، اس پر ایک گدی ہوتی ہے
جس پر رومال پڑا ہوتا ہے۔ دیوان خانہ کے صدر مین ایک بڑا تخت رکھا جاتا ہے، یہ تخت
خاص سونے کا ہے، اس مین جو اہرات جڑے ہوتے ہین، اس کا طول ۲۰ بالشت اور
عرض اس سے نصف ہے، علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہوتے ہین، جب دیوان خانہ مین لگاتے ہین
تو ٹکڑون کو جوڑ لیتے ہین، ایک ایک ٹکڑے کو کئی کئی آدمی اٹھاتے ہین جب اس کے

کو اپنے امراد کی وفاداری سے پوری قوت پہونچنے کی ضرورت تھی، اس وقت ان کی سازشون سے کمزور ہو رہی تھی، اور آگے چلکر ان امراد کی وجہ سے جو مشکلات پیدا ہوئین ان کے خلاف بادشاہت کو دو قرن تک برابر جنگ کرنی پڑی۔

لیکن پورے نظام سلطنت کا گر امطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمانون کی حکومت اب ایک مرتب شکل مین ہو گئی تھی، اور مسلمانون کی فوج سے وہ پہلا سا متعصبانہ جوش د

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۹) اوپر ایک کرسی بچھاتے ہین، اور بادشاہ کے سر پر چھتر لگاتے ہین جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو نقیب اور حاجب بلند آواز سے بسم اللہ کہتے ہین، پھر ایک ایک شخص سلام کے واسطے آگے بڑھتا ہے، سب سے پہلے قاضی، خطیب، علماء، سادات، مشائخ اور بادشاہ کے بھائی اور نزدیکی رشتہ دار آگے بڑھتے ہین، ان کے بعد پردیسی، پھر فوج کے بڑے بڑے افسر، پھر بوڑھے غلام، پھر فوج کے سردار، ہر ایک سہولت کے سلام کرکے واپس آتا ہے، اور اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے، یہ بھی دستور ہے کہ عید کے دن جن لوگون کے پاس جاگیرین یا دیہات ہین وہ کچھ اشرفیان لاتے ہین اور رومال مین باندھ کر جس پر دینے والے کا نام ہوتا ہے، سونے کے تھالون مین جو اس مطلب کے واسطے رکھے ہوئے ہوتے ہین، ڈالتے جاتے ہین، اس طرح بہت سا مال جمع ہو جاتا ہے، اس مین بادشاہ جس کو چاہتا ہے، بخشش کرتا ہے جب سلام ہو چکتا ہے تو کھانا آتا ہے، عید کے دن بڑی انگیٹھی بھی باہر نکالتے ہین، وہ برج کے شکل کی خالص سونے کی بنی ہوتی ہے، اس کے بھی ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہین، جب باہر نکال کر رکھتے ہین تو ٹکڑے جوڑ لیتے ہین، اس مین تین خانے ہوتے ہین، اس مین فراش داخل ہو کر عود، الائچی، اور عنبر جلاتے ہین، اس کی خوشبو سے تمام دیوان خانہ مہک اٹھتا ہے، غلامون کے ہاتھون مین سونے اور

وخردش بھی جاتا رہا تھا۔ ان کے برتاؤ مین سختی باقی نہین رہ گئی تھی زندگی جب پر امن ہو گئی تو سیاسی فرائض کی نوعیت بھی بدل گئی۔ اور ترقی پسند خیالات بھی پیدا ہوتے گئے، ہندوؤن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جانے لگا اور حکمران طبقہ کو بھی رواداری اور معاشرتی یگانگت کا احساس پیدا ہوتا گیا۔ ایک ترقی یافتہ سلطنت مین طرح طرح کے مسائل اٹھتے ہین'

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۰) چاندی کے گلاب پاش ہوتے ہین، وہ حاضرین پر گلاب اور پھولون کے عرق چھڑکتے ہین، یہ بڑا تخت اور انگیٹھی فقط عید کے دن باہر نکالے جاتے ہین، عید کے دن بادشاہ ایک تخت پر جلوس کرتا ہے وہ تخت بھی زرین ہے، یہ جلوس بارگہ مین ہوتا ہے بارگہ کے تین دروازے ہوتے ہین، بادشاہ انکے اندر بیٹھتا ہے، اول دروازے پر عماد الملک سرتیز کھڑا ہوتا ہے۔ دوسرے دروازہ پر ملک نکبہ اور تیسرے دروازہ پر یوسف بغرا اور دائین بائین اور امیر کھڑے ہوتے ہین، بارگہ کا کوتوال ملک طغی ہے، اس کے ہاتھ مین سونے کی چھڑیان ہوتی ہین اور اس کے نائب کے ہاتھ مین چاندی کی، یہ دونون اہل دربار کو اپنی اپنی جگہ بٹھاتے ہین۔ حاجب اور نقیب بھی اپنی اپنی جگہ پر ہوتے ہین، اس کے بعد گانے والے اور گانے والیان آتی ہین، سب سے پہلے وہ کنیزین آتی ہین جو اس سال لڑائی مین پکڑی گئی ہون، وہ اپنا گانا بجانا اور ناچ دکھاتی ہین، اور راگ سناتی ہین، انکو بادشاہ اپنے بھائی بندون، دامادون اور شہزادون مین تقسیم کر دیتا ہے، یہ جلوس عصر کے وقت ہوتا ہے' اس کے دوسرے دن کا جلوس عصر کے بعد اسی ترتیب سے ہوتا ہے، عید کے تیسرے دن بادشاہ کے رشتہ دارون کے نکاح ہوتے ہین، اور ان کو جاگیرین انعام مین ملتی ہین، چوتھے دن غلام آزاد کئے جاتے ہین، پانچوین دن لونڈیان آزاد کی جاتی ہین، چھٹے دن غلامون اور لونڈیون کے نکاح ہوتے ہین اور ساتوین دن خیرات تقسیم کی جاتی ہے (سفرنامۂ ابن بطوطہ، اردو ترجمہ، ۱۰۸-۱۰۴)

جن کی وجہ سے ایک حکمران کو ایسی پالیسی اختیار کرنی پڑی کہ وہ خود بھی رہے، اور دوسروں کو بھی رہنے دے، اسی لئے سلطان محمد نے ہندوؤں کے خلاف کوئی ناز یبا روش نہیں اختیار کی، بلکہ اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ان کو عہدے دیئے، اس نے ستی کی رسم پر بھی قدغن لگایا، جو اس کی روشن خیالی کی دلیل ہے،

گیارہویں جھلک

فیروز شاہ تغلق

سنہ ۱۳۵ء ۔ سنہ ۱۳۸۸ء

از ڈاکٹر ایشوری پرشاد ٹوپا، ریڈر ہسٹری آف انڈین کلچر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

فیروز شاہ تغلق نے حکمرانی مین اشوک کے اصولون کو اختیار کیا تاکہ سیاست کے برے اثرات زائل ہو کر عام لوگون کی فلاح و بہبود کا ایک نیا معاشرتی اور سیاسی نظام قائم ہو جائے، اس کی حکمرانی کی بنیادی باتون مین انسانیت کے اچھے پہلو زیادہ نمایان کئے گئے، یعنی اس کی سیاست مین نرمی لطف و کرم اور رحم دلی غالب رہی، اس نے اپنی بادشاہت کا اولین فرض یہ قرار دیا تھا کہ انسانون کو غیر معمولی سزائین نہ دی جائین، اور ان کو غیر قانونی طور پر قتل نہ کیا جائے، اس کے عہد سلطنت مین انسانیت کو بہیمانہ قوتون پر غلبہ حاصل ہوا،

لہ یہ اقتباس ڈاکٹر ایشور ٹوپا جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی کتاب "پولٹکس ان پری مغل ٹائمیس" سے لیا گیا ہے، سر تیج بہادر سپرو نے اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، جس مین فاضل مؤلف کی لیاقت، صلاحیت اور زاویۂ نگاہ کی پوری داد دی ہے، ذیل مین ہم فیروز شاہ تغلق کے رفاہ عام کے کامون کی تفصیل بھی درج کرتے جاتے ہین، تاکہ فیروز شاہ تغلق کی رعیت پروری کا اندازہ بھی ہوتا جائے،

تمدن کے ضروری اجزا، مین چند ایسی چیزین ہین جن سے تمام مخلوق یکسان طور پر

خود اس نے انسانوں کی خاطر سیاست کی تمام غیر منطقیانہ یاتون اور لاقانونیت کے خلاف جنگ اور ان کے پیدائشی حقوق کی حفاظت کی، اس طرح وہ اپنی رعایا کا سچا محافظ بن گیا تھا، انسانی خدمت اور انسانی فلاح کا جو تخیل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تھا۔ اسی کو اس نے عملی جامہ پہنایا، اس کی دلی خواہش ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کی تھی، مگر اسی کے ساتھ ریاست کے اخلاقی اور ثقافتی عناصر کو بھی نمایان کرنے کی فکر مین رہا۔ اس کی حکومت عملی اور نظری حیثیت سے اسلامی طرز کی تھی، مگر اس کی اصلی غرض و غایت رعایا کی فلاح و بہبود تھی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۳) فائدہ اٹھاتی ہے، اور اس مین امیر و غریب، ہندو اور مسلمان کی کوئی تفریق نہین ہوتی، ان ہی چیزون کو رفاہ عام سے تعلق ہوتا ہے، مسلمانون، خصوصاً فیروز شاہ تغلق نے اپنے دور حکومت مین رعایا کے آرام و آسایش کے لئے ہندوستان مین نہایت وسیع پیمانے پر تمدن کے جن ضروری اجزاء کو ترقی دی ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

شفاخانے ہندوستان کے اسلامی عہد حکومت مین سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے ایک بہت بڑا شفا خانہ جس کو صحت خانہ بھی کہتے تھے، قائم کیا، اور اس مین بہت سے طبیب، جراح اور کحال مقرر کئے، مریضون کی دوا اور غذا کا انتظام کیا۔ اور شفا خانے کے مصارف کے لئے بہت سے دیہات وقف کئے، تاریخ فیروز شاہی جلد دوم (ص ۵۹ ۳۵۳) مین صرف ایک شفا خانہ کا حال لکھا ہے، لیکن تاریخ فرشتہ (جلد اول ص ۱۵۱) مین ہے کہ فیروز شاہ نے پانچ شفا خانے قائم کئے تھے۔

مہمان خانے فیروز شاہ نے مسافرون کی راحت و آسایش کی خاطر دہلی اور فیروز آباد مین ۱۲۰ خانقاہین اس غرض سے قائم کی تھین کہ مسافر ہر خانقاہ مین تین روز تک جو شرعی مدت ہے، قیام کر سکین، اس طرح ایک مسافر ۱۲۰ خانقاہون مین تین تین

تمام امور اسلامی نقطۂ نظر سے طے پاتے تھے، لیکن ایسے تمام جبری قوانین ختم کر دئے گئے تھے۔ جن سے لوگ پریشان اور عاجز تھے، اور ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دیدیا گیا، اور اسلامی قوانین کے ذریعہ رعایا کی فلاح اور خوشحالی مین اضافہ کیا گیا۔ سیاست مین اسلامی اور اخلاقی روح پھونکی گئی، اور سزائین محض اس لئے دی جاتی تھین کہ وہ اسلامی قوانین جن سے فلاح ہوتی تھی برقرار رہین، اور جو شخص ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا تھا اس کو کلام پاک اور قاضیون کے فیصلہ کے مطابق سزا دی جاتی۔

ریاست کی آمدنی بعض ایسے محصولون سے بھی ہوتی تھی جو غیر اسلامی تھے، فیروز شاہ نے ایسے کل ٹیکس بند کر دئے جو تفریحی، غیر قانونی اور غیر منصفانہ تھے، اور صرف ان ہی محصولون کی آمدنی سرکاری خزانے مین لی جاتی تھی، جو شرعی اور فقہی قوانین کی رو سے جائز تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۴) روز قیام کر کے سال بھر کی پوری مدت بسر کر سکتا تھا، کیونکہ سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہین، اور وہ ۱۲۰ خانقاہون کے سہ روزہ قیام سے پورے ہو جاتے ہین، ان تمام مہمانون کے متولی اور عہدہ دار حکومت کی طرف سے مقرر ہوتے تھے، اور ان کے مصارف سرکاری خزانے سے ادا ہوتے تھے (عفیف ص ۳۰۳)

محتاجون کی امداد فیروز شاہ تغلق نے نادار لڑکیون کے نکاح کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا، اور اس مین متدین اور ایماندار عہدہ دار مقرر کئے اور حکم دیا کہ جن نادار اشخاص کے یہان بالغ لڑکیان ہون وہ اس محکمہ مین آکر اس کی اطلاع دین اور وہ اس محکمہ کے عہدہ دار اس کی پوری تحقیق کر کے ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب مالی امداد دین، اس مالی امداد کے تین درجے مقرر کئے گئے تھے، (۱) درجہ اول، پچاس ٹنکہ نقرئی (۲) درجہ دوم تیس ٹنکہ نقرئی (۳) درجہ سوم پچیس ٹنکہ نقرئی، چنانچہ اس محکمہ کے قائم ہو جانے کے بعد ہزارون محتاجون

اور اگر کوئی محصل غیر شرعی ٹیکس وصول کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی۔ اس لیے اس کی حکومت مین آمدنی کے صرف یہ چار شرعی ذرائع تھے۔

(۱) خراج (۲) زکوۃ (۳) جزیہ (۴) خمس۔

خراج اس ٹیکس کو کہتے تھے جو مسلمان اور ہندو مزارعین دونون سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس مین کھیتون کی پیداوار کا دسوان حصہ لیا جاتا ہے، زکوۃ صرف مسلمانون سے لی جاتی، اس کی رقم غریب مسلمانون ہی پر صرف کی جاتی تھی۔

جزیہ اس ٹیکس کو کہتے تھے جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے اس خدمت کے معاوضہ مین وصول کرتی کہ وہ ہندوؤن کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کرتی رہے جزیہ لینے کے بعد ریاست ذمہ دار ہوتی کہ کوئی ذمی کسی حیثیت سے بھی نہ ستایا جائے اور وہ بالکل

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۵) اور بیوہ عورتون نے اپنی اپنی لڑکیون کے نام سرکاری رجسٹر مین درج کرائے اور مالی امداد حاصل کی (عفیف، ص ۳۴۹)

نہرین ہندوستان جیسے زرعی ملک کے لیے نہرین سب سے زیادہ ضروری ہین، اور فیروز شاہ تغلق نے متعدد نہرین جاری کین، اس نے ۷۵۵ھ مین جب دلی کے پاس دریائے جمنا کے کنارے فیروز آباد کو آباد کیا تو ستلج سے جھجھر تک جس کی مسافت ۴۸ کوس ہے ایک بڑی نہر نکالی، اور ۷۵۷ھ مین دریائے جمنا سے ایک نہر نکال کر اس کے ساتھ سات نہرین اور ملا دین، اور ان کو ہانسی تک لے گیا۔ اور اس کے بعد حصار فیروزہ کے نام سے ایک حصار قائم کیا اور اس حصار کے نیچے محل کے پاس ایک تالاب کھدوایا، اور اس کو نہر کے پانی سے پر کیا، آب گھگر سے ایک اور نہر نکالی اور اس کو حصار سرستی سے آگے نہر سر کھترہ تک پہونچایا، اور اس جگہ فیروز آباد کے نام سے ایک شہر آباد کیا، اور جمنا سے ایک نہر نکال کر اس شہر کے تالاب مین

محفوظ و مصئون زندگی بسر کرے، اس کو سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہو، اور وہ مذہبی اور معاشرتی مراسم کے ادا کرنے مین بالکل آزاد ہو، جزیہ لینے کے بعد اسلامی ریاست ہر طرح سے ذمیون کی جان و مال کی نگرانی کرتی تھی اور اسلامی فوج جنگ کے موقع پر اور دوسرے نازک موقعون مین ان کی پوری حفاظت کرتی تھی، اور ایسا کرنا اس کے مذہبی فریضہ مین داخل تھا۔ ذمیون سے جزیہ وصول کیا جاتا وہ گویا اس خون کی قیمت ہوتی جو مسلمان ذمیون کی مدافعت مین بہاتے تھے۔ اگر کوئی اسلامی ریاست ذمیون کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو جاتی تو اس کو جزیہ وصول کرنے کا بھی حق نہ رہ جاتا، اسلامی تاریخون مین ایسی بہت سی مثالین ہین کہ جب کوئی ریاست ذمیون کی نگہبانی کرنے سے مجبور ہو گئی تو جزیہ کی رقم انکو واپس کر دی گئی ہے، ذمیون کو اپنی خواہش سے فوج مین داخل ہونے کا پورا حق حاصل تھا، لیکن جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ جبری بھرتی سے مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے، لیکن اگر اپنی مرضی سے وہ فوج مین بھرتی ہو جاتے تو جزیہ معاف کر دیا جاتا، جزیہ ان ہی بالغ مرد ذمیون سے لیا جاتا جو جسمانی حیثیت سے تندرست اور دماغی اعتبار سے صحیح ہوتے، اور جزیہ کی رقم ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتے، جزیہ ادا کرنے اور لینے مین باہمی سمجھوتہ بھی ہو جاتا، پھر جزیہ متمول طبقہ سے ۴۸ درہم، متوسط لوگون سے ۲۴ درہم اور غریبون سے ۱۲ درہم لیا جاتا تھا

بقیہ حاشیہ ص ۲۶۶) ملا یا ذ فرشتہ جلد اول ص ۱۴۶) اس نے اپنے دور حکومت مین ڈیڑھ سو کنوئین بھی کھدوائے تھے (فرشتہ ج ا ص ۱۵۱) ایک سو پل بھی بنوائے، اور پچاس بند بھی بندھوائے (فرشتہ ج ا ص ۱۵۱)

فیروز شاہ کو باغات کے لگانے کا بھی غیر معمولی شوق تھا۔ اطراف دہلی مین ایک ہزار سے زیادہ باغ لگوائے تھے، اور ہر باغ کے صحن چمن کو آراستہ و پیراستہ کیا تھا،

بچے، بوڑھے، عورتین، فاتر العقل، فقیر، اندھے، اپاہج اور راہب جزیہ سے مستثنیٰ تھے، البتہ دولت مند اندھون، اپاہجون اور راہبون سے لیا جاتا تھا، جزیہ نقد اور جنس دونون مین ادا کیا جا سکتا تھا، مسلمان فقہا سیاسی ضروریات کے مطابق جزیہ کے معانی و مطالب مین ردو بدل کرتے رہے، اور وہ جزیہ کی اصلی غرض و غایت کو نظر انداز کر کے اس کو مسلم ریاست کے سیاسی مفاد کیلئے استعمال کرتے رہتے تاکہ غیر مسلم رعایا بالکل اختیار اور قابو مین رہے، اہل تحقیق کا خیال ہے کہ بعض فقہا نے جزیہ کا غلط استعمال کیا، قاسم الغازی نے کلام پاک کے ان مفسرون کی سخت نکتہ چینی کی ہے، جنھون نے کلام پاک کی آیت ۹ - ۲۹ کی عجیب و غریب تفسیر کر کے فضول گوئی سے کام لیا ہے، اور ان آیات قرآنی کے متعصبانہ اور تشددانہ معانی بتائے ہین قاسم الغازی کا خیال ہے کہ ان آیات قرآنی کا ہر گز یہ منشا نہین ہے کہ ذمیون کو سیاسی اقتصادی مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے تابع بنا کر ان کو گری ہوئی حالت مین رکھا جائے، اسلام کے کسی قانون نے اس تشدد کی اجازت نہین دی ہے، اگر کسی نے یہ تشدد کیا ہے تو اس کی ذمہ داری فقہا پر ہے۔

ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ مین ہندو سرکاری اور فوجی ملازمتون مین اسی طرح داخل ہو سکتے تھے، جس طرح مسلمان، فیروز شاہ سے پہلے تو شاید ہندوؤن پر جزیہ لگایا بھی نہین گیا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۷) اس کے علاوہ جب اس نے شہر حصار فیروزہ آباد کو آباد کیا تو نہایت کثرت سے درخت اور باغات لگوائے، جن مین ہر قسم کے پھول اور پھل پیدا ہوتے تھے، اور باغات سے جو محصول وصول ہوتا تھا۔ اس کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تنکہ تھی، ان باغات مین مختلف قسم کے انگور پیدا ہوتے تھے، اور ایک پیسہ سیر کے حساب سے فروخت ہوتے تھے، شمس سراج عفیف نے ان باغون کے یعنی پھلون کے نام بھی

اس زمانہ کی تاریخی کتابوں میں جزیہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اگر کہیں یہ عائد بھی کیا گیا تو اسلامی قانون کے مطابق اس پر عمل نہیں ہوا، کیونکہ خالص اسلامی طرز کی ریاست ہی نہیں قائم ہوئی، فتوحات فیروز شاہی کے مطالعہ سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ سے پہلے کسی حکمران نے اسلامی روایات و قوانین کی پابندی نہیں کی، پورے ملک نے اسلامی قوانین کی جزئیات کا خیال کئے بغیر حکومت ہوتی رہی، سلاطین مسلمان ضرور تھے لیکن ان کی حکومت نظری اور عملی دونوں حیثیت سے غیر اسلامی تھی، حکمرانی کا ایک نظام ضرور قائم تھا۔ لیکن اس کو اسلامی نظام نہیں کہا جا سکتا بعض مسلمان سلاطین کی خواہش ضرور تھی کہ ان کی حکومت اسلامی طرز کی ہو، لیکن ان کی خواہش عمل میں اس لئے نہ آسکی کہ ان کے ذہن میں اسلامی حکومت کا واضح اور صاف تصور ہی موجود نہ تھا، پھر سیاسی حالات بھی کچھ ایسے پریشان کن رہے کہ وہ اسلامی طرز کی حکومت قائم نہ کر سکے، ازمنہ وسطی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فیروز شاہ نے حکومت اور حکمرانی کو اسلامی طرز کے مطابق بنانا چاہا، اسی لئے اس نے جزیہ عائد کیا۔ فتوحات فیروز شاہی میں ہے کہ ہندوؤں اور بت پرستوں نے ذمی کی حیثیت سے زر ذمہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور نئی حکومت نے ان کی حفاظت اور نگہبانی کی ذمہ داری لی اور ان کو مذہبی مراسم ادا کرنے کی پوری آزادی عطا کی جزیہ کی رقم

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۸) لکھے ہیں، مثلاً سدا پھل، جنھری، نارنگ، سکندر ادل، ان کے علاوہ ہر قسم کے پھول، گنے، اور پونڈے بھی تیار ہوتے تھے، جن میں نہایت لطافت پائی جاتی تھی (تاریخ فیروز شاہی از عفیف ص ۱۲۷)

بے روزگاری کا انسداد بیروزگاری سے مختلف اخلاقی برائیاں مثلاً گداگری، رہزنی اور چوری وغیرہ پیدا ہوتی ہیں، سب سے پہلے تغلق شاہ نے اس طرف توجہ مبذول کی اور

پہلے چالیس، بیس اور دس ٹنکے رکھی گئی تھی۔ پھر کم کر کے دس ٹنکے اور پچاس جیتل کر دی گئی۔

خمس کا اسلامی قانون یہ ہے کہ فتوحات کے مال غنیمت میں ⅕ ریاست کا حق ہے۔ اور ⅘ فوجوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس پر عمل نہیں کیا، فیروز شاہ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے ریاست صرف ⅕ ہی حصہ لیا کرے۔

فیروز شاہ کی حکومت کی اسپرٹ میں رعایا کی حفاظت مضمر تھی، وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ اس کے اس جذبہ کا ایک بین ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس نے رعایا کو دو کروڑ ٹنکے کی معافی دی۔ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک مرتبہ جب بڑی تباہی آئی تو حکومت کی طرف سے رعایا کو دو کروڑ ٹنکے قرض دئے گئے، فیروز شاہ کے عہد میں جب اس قرض کی وصولی کا سوال اٹھا تو معلوم ہوا کہ اگر یہ قرض وصول کیا گیا۔ تو رعایا کی زبوں حالی اور بے چارگی اور بڑھ جائیگی۔ اس لیے یہ کل قرض معاف کر دیا گیا، اور رعایا کے اطمینان کے لئے قرض کے سارے کاغذات ان کے سامنے شاہراہ عام پر جلا کر خاکستر کر دئے گئے۔ عوام کے ساتھ انتہائی ہمدردی کے مظاہرہ کا یہ عجیب وغریب

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۰) رعایا کے ہر فرد کو کسی نہ کسی کام میں لگانا چاہا۔ لیکن اس کا مقصد خود غرضی یعنی کسی سیاسی شورش کا دبانا نہ تھا۔ بلکہ محض رعایا کی بہبودی مدنظر تھی۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے اس صیغہ کو اور بھی ترقی دی، اور کوتوال کو حکم دیا کہ شہر میں جس قدر بیکار لوگ ہوں، دربار میں حاضر کئے جائیں۔ اس کے حکم کے بعد کوتوال شہر نے ہر محلہ دار کو طلب کیا، اور ان سے ہر ایک کے حالات دریافت کئے، اور محلہ داروں نے بڑے بڑے شرفاء کو جو ناداری سے کسی کو منہ تک نہیں دکھلا سکتے تھے، کوتوال کے سامنے پیش کیا کوتوال نے ان لوگوں کے نام اور حالات لکھے، اور ان کو دربار میں حاضر کیا۔ اور فیروز شاہ نے ہر ایک کو

طریقہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ مین عوام کو مطمئن اور خوشحال بنانے کا کتنا غیر معمولی جذبہ موجود تھا۔ اس قسم کی شاہانہ نوازشون سے رعایا کے دلون مین بھی تشکر اور وفاداری کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا تھا جس سے دونون کے تعلقات استوار رہتے تھے۔

فیاضی اور رحمدلی کا شاہانہ مظاہرہ، زراعت اور لگان کے سلسلہ مین بھی کیا جاتا تھا، کسان ریاست کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہین، اس لیۓ ان کے دکھ، درد دور کرنے سے دوررس نتائج پیدا ہوتے تھے، فیروز شاہ نے دیہی آبادی کی بدحالی اور مصیبت کم کرنے کے لئے تمام غیر دانشمندانہ قوانین بالکل ختم کر دیئے اور اس کا بڑا لحاظ رکھا گیا کہ لگان کھیتون کی پیداوار اور کسانون کی مالی حالت کے مطابق وصول کیا جائے۔ اور کسی حال مین ان پر بار نہ ہونے پائے چنانچہ ایسے تمام لگان ختم کر دئے گئے جن مین کچھ زیادتی تھی، فیروز شاہ سے پہلے یہ رواج تھا کہ کسانون کو صرف ایک گائے رکھنے کا حق حاصل ہوتا تھا، فیروز شاہ نے اس رواج کو بھی ختم کر دیا۔ اور زراعت کی ترقی اور رعایا کی خوشحالی کیلئے نئے نئے قوانین بنائے گئے اور اس کی خاص طور سے نگرانی رکھی گئی تاکہ حکومت کے واجب الادا لگان سے زیادہ رقم وصول نہ کی جائے۔ اگر قانون کے خلاف ورزی کی وجہ سے کسانون کو

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۰) کسی نہ کسی کام سے لگا دیا۔ (عفیف ص ۳۴۴)

مسجدین فیروز شاہ نے نہایت کثرت سے مسجدین نو اپنی اور سلاطین گذشتہ کی تعمیر کردہ عمارتون کی مرمت و اصلاح کروائی، ان تمام عمارتون کی صحیح تعداد تو معلوم نہین، تاہم فرشتہ کو جو تعداد معلوم ہو سکی تھی۔ وہ حسب ذیل ہے۔

مسجد ۴۰، مدرسہ ۳۰، خانقاہ ۲۰، محل ۱۰۰، شفاخانہ ۵، مقبرہ ۱۰۰، حمام ۱۰
ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے رفاہ عام کے کامون کی مزید تفصیل استاذی المحترم

نقصان پہونچتا تو فوراً تاوان ادا کیا جاتا۔

فیروز شاہی عہد مین عدل و انصاف کی حکومت تھی اور کسی شخص کو بھی دوسرے پر ظلم و تعدی کرنے کا حق نہ تھا۔ تمام ملک مین مکمل امن و سکون تھا۔ اس سے ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ لوگون کی زندگی مین خود بخود ترقی ہوتی گئی، اور اعلیٰ و ادنیٰ ہر طبقہ کے لوگ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرنے لگے، چیزون کی فراوانی تھی۔ اور وہ سستے دامون ملتی تھین، اس لئے عام رعایا فارغ اور دولت مند ہوگئی۔ فیروز شاہ کا یہ کارنامہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قوانین کی بدولت تھا جو اس نے اپنی ریاست اور بادشاہت کے لئے اختیار کئے تھے۔

امن پسند فیروز شاہ عوام کا نگہبان اور بہی خواہ ضرور تھا۔ لیکن اپنے مذہبی عقائد مین رجعت پسند تھا۔ اس مین سلطان محمد تغلق کی طرح مذہبی رواداری نہ تھی۔ وہ اسلام کے راسخ العقیدہ گروہ کو پسند کرتا تھا۔ اس لئے مذہبی خیالات و اعتقادات مین آزادی کا قائل نہ تھا، اسلئے یہ کہنا مشکل ہے، فیروز شاہ نے مذہب مین رجعت پسندانہ خیالات خود ہی اختیار کئے تھے، یا علماء کے بڑھتے ہوے اثرات کی وجہ سے اس کو مجبوراً یہ روش اختیار کرنی پڑی، ہمنا مسلم ہے کہ فیروز شاہ کے ذہن و تخیل پر علماء بہت حاوی تھے۔ اس لئے اس کی بادشاہت بھی ان کے اثرات کی تابع رہی۔ مسلمانون کے بدعتی گروہ کو بڑی سخت سزائین دی گئین،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۱ ہو) مولانا عبد السلام ندوی مرحوم کے مضمون "اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے" کے مطالعہ سے معلوم ہوگی، جو جولائی، اگست، ستمبر سنہ ۱۹۴۹ء کے معارف مین کئی قسطون مین شایع ہوا تھا۔

شمس سراج عفیف فیروز شاہی عہد کے عمدہ نتائج کو اس طرح قلمبند کرتا ہو کہ اس کے عہد مین تاجر خوشحال تھے۔ بازار عمدہ اسباب تجارت سے معمور تھے، پیشہ ور لوگ نہایت

کیونکہ علماء کے نقطۂ نظر سے اس گروہ سے غیر اسلامی رسم و رواج کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کمزور ہوتی جارہی تھی، جس مسلمان کے خیالات مین کفر یا گمراہی نظر آتی یا جو لوگون کو الحاد و اباحت کی طرف مائل کرتا یا خدائی اور پیغمبری کا دعویٰ کرتا۔ یا بد اخلاقی اور ضلالت کی طرف رجحان رکھتا اس کو بھی غیر معمولی سزائین دی جاتین، چنانچہ بعض گمراہ پیشوا یا تو جلا وطن کر دیئے گئے یا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۲) اطمینان سے اپنے پیشون مین مصروف رہتے، اور شہرون کی رونق بڑھتی جارہی تھی۔ مزدورون کو پوری اجرت ملتی۔ اور ان کی اقتصادی حالت بہتر تھی، فقر او غربت سے نجات پا گئے تھے، غیر مسلم جن مین ذمی و آمانی داخل ہین چین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ تخت گاہ دہلی مین ایسی بے فکری تھی کہ اس کی نظیر کسی اور دور مین نہین ملتی (عفیف قسم دوم، سترھوان مقدمہ) عفیف کا یہ بھی بیان ہے کہ زراعت کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآب کے ۵۲ پرگنے تھے۔ اور تمام پرگنون مین ایک گاؤن بھی غیر آباد نہ تھا۔ اور ایک بچہ زمین کاشت سے خالی نہ تھی، صوبہ سامانہ مین ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤن آباد ہو گئے تھے، ارزانی کی یہ کیفیت تھی کہ دہلی مین ایک من گیہون ۸ جتیل، ایک من جوار اور جو ۴ جتیل مین عام طور سے فروخت ہوتا تھا۔ ایک سوار اپنے گھوڑے کے لئے دس سیر دلا ہوا غلہ ایک جتیل مین خرید لیتا تھا۔ گھی ڈھائی جتیل کا ایک سیر اور شکر ۳ یا ۳½ جتیل کی ایک سیر ملتی تھی، اگر کبھی امساک باران ہوتا تو ایک ٹنکہ فی من سے زیادہ کبھی نرخ نہ بڑھتا۔ (عفیف صفحہ ۲۹۵)

پروفیسر رام پرشاد ترپاٹھی فیروز شاہی عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ فیروز شاہ کا اہم اور پائدار کارنامہ نہرون کی کھدائی ہے۔ اور مشرقی پنجاب کے ان علاقون کی سیرابی جہان پانی کی کمی کے سبب زراعت ممکن نہ تھی، نہرون کے عملی فوائد اور

علماء کے فیصلہ کے مطابق سولی پر چڑھا دیئے گئے، اور تمام ملحدانہ تحریرین جلا کر ضایع کر دی گئین، کوئی فعل ایسا نہ ہونے دیا جاتا جو اسلامی قوانین و روایات کے خلاف ہوتا، مسلمانون کی مذہبی زندگی کی اصلاح ریاست کے نقطۂ نظر سے کی گئی، ظاہر ہے کہ ہندوؤن کے بعض شعبہ ہائے زندگی پر بھی اس کا بلا واسطہ اثر پڑا وہ ذمی تھے۔ اس لئے ریاست کو

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۳) کنوؤن اور نہرون کے کھدوانے کے مذہبی ثواب سے مسلمان اچھی طرح واقف تھے، سلاطین دہلی مین غیاث الدین تغلق غالبًا پہلا حکمران ہے جس کے دل مین نہرون کے کھدوانے کا خیال پیدا ہوا، اور اس نے شاید چھوٹے پیمانہ پر اس کام کی ابتدا بھی کی لیکن کوئی حکمران فیروز شاہ کی طرح اس کام کی طرف سنجیدگی سے مائل نہین ہوا۔ اسکو نہر کھدوانے مین دلی مسرت ہوتی، اور بڑی دلچسپی سے اس نے اس کو اپنی حکومت کا اہم کام بنا دیا، ایک سو میل تک زمینین اس کی دو نہرون راجیوہ اور الغ خانی سے سیراب ہوتین۔

اس دانشمندانہ کام کے ظاہری فوائد بہت جلد نمودار ہوئے، نہرون کے کنارے نئی زراعتی آبادیان قائم ہوگئین، دوآب مین شقہ اور اقطاع کے دیہاتون کے علاوہ ۵۲ گاؤن آباد ہو گئے، سکروڈہ اور کھرلہ کے پہاڑی علاقہ سے کول تک زراعت مین ترقی ہوگئی، اور عفیف کے اس بیان مین بڑی سچائی ہے کہ کوئی گاؤن اور زمین کا کوئی چپہ غیر آباد نہین رہا۔ فیروز شاہ نہرون سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کی فکر مین لگا رہا۔ اس نے بہتر قسم کی پیداوار مثلاً گیہون، گنا، مسور پیدا کرنے کی کوشش کی، اور پھل اور پھول کے عمدہ قسم کے پودے لگائے۔

محمد تغلق نے دوآب مین پانچ یا دس فی صدی زیادہ ٹیکس بڑھانے کی سعی کی تھی، جو عام طور سے لوگون نے ناپسند کیا۔ فیروز شاہ نے تمام ناپسندیدہ محصولون کو ختم کر دیا۔ اور پرانے علاقون پر مزید ٹیکس عائد کرنے کے بجائے اس نے کچھ ایسے ذرایع اختیار کئے جو لوگون کی نظرون مین مقبول بھی تھے،

ان کی مذہبی زندگی میں مداخلت کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ ان کے حقوق محفوظ تھے لیکن اسلامی روایت کے مطابق کسی اسلامی حکومت کے اندر مسلمانوں کی آبادی میں ہندوؤں کو مندر بنانے کا حق نہ تھا۔ تغلق پور، صالح پور اور کوہانہ کو خود فیروز شاہ نے آباد کیا تھا، اس لئے جب وہاں ہندوؤں نے مندر بنائے تو ان کو فیروز شاہ نے منہدم کرا دیا۔ پھر اس کا سبب یہ بھی تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۴) اور مفید بھی، اس نے مزید ٹیکس کا بار (۱) فصل کی اچھی اور عمدہ پیداوار پر ڈالا (۲) حق شرب لیا۔ یعنی جو زمینیں، نہروں سے سیراب ہوتی تھیں ان سے ٹیکس کے علاوہ سینچائی کا محصول لیا۔ جو ۱/۱۰ ہوتا۔ (۳) باغوں سے بھی آمدنی حاصل کی، خود فیروز شاہ کے باغات دہلی کے قریب ۱۲۰۰ جو ارمیں بارہ سو تھے۔ جن سے ایک لاکھ اسی ہزار ٹنکے کی آمدنی ہوتی۔ اس طرح دوآب کی آمدنی خاطر خواہ طریقہ پر بڑھ گئی۔ فیروز شاہ کی نہروں اور اس کے ذریعہ سینچائی سے اور فوائد بھی ہوئے، دہلی کا صوبہ متمول ہو گیا۔ اور غلہ میں سخت ضرورت کے وقت بھی خود کفیل رہا، قحط کے موقع پر دہلی دوسرے صوبوں کی محتاجی سے آزاد ہو گیا۔ نہروں سے قحط پر قابو پانے میں بھی مدد ملی، ("مسلمانوں کے نظام سلطنت کے کچھ پہلو" از ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی صفحہ ۲۸۸-۲۸۶)

پروفیسر اشیر بادی سری واستوا لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی ہے کہ فیروز شاہ میں بہت سے اوصاف تھے۔ وہ دل کا اچھا تھا، گو مدبر نہ تھا۔ وہ اپنے عقائد میں راسخ اور خیالات میں مخلص تھا۔ اور اس کے دل میں عوام کی فلاح کی برابر خواہش رہی اور دہلی کے کسی سلطان نے اس سے پہلے اور اس کے بعد رعایا کی مادی خوشحالی کیلئے اتنے کارنامے انجام نہیں دیئے جتنے کہ اس نے دیئے۔ اس کی پالیسی سے زراعت میں ترقی، اور لوگوں کی اکثریت کو راحت اور فارغ البالی حاصل ہوئی۔ اس زمانہ میں جو ممکن صورت ہو سکتی تھی اس کے ذریعہ اس نے تجارت کو آزاد رکھا جس سے چیزوں میں ارزانی پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی نے

کہ یہ مندر بداخلاقی کے اڈے بن گئے تھے، ان کے میلون مین ہندو اور مسلمان دونون شریک ہوتے تھے، عورتین بھی آتی تھین، اس لئے یہ مندر عبادت گاہ کے بجائے شیطنت کے مرکز بن گئے تھے، اس لئے فیروز شاہ نے اسلامی اور اخلاقی جذبہ کے ماتحت ان مخرب اخلاق اڈون کو منہدم کرادیا، یہ الگ سوال ہے کہ فیروز شاہ کو عوام کی بداخلاقی دور کرنے کا حق تھا یا نہین، حقیقت یہ ہے کہ فیروز شاہ نے جو کچھ کیا، اس مین مذہبی جنون کو دخل نہ تھا، بلکہ محض عوام کے اخلاق کو سنوارنے کے لئے ایسا کیا تھا، اگر اس مین مندرون کے انہدام کرنے کا جذبہ ہوتا تو ہندوستان کے سارے مندرون کو مسمار کرادیتا، لیکن اس نے ایسا نہین کیا، بلکہ ذمیون کے حقوق کی بنا پر باقی اور تمام مندر محفوظ رہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۵) ہی بہت صحیح لکھا ہے کہ عوام ایک حکمران کے متعلق اپنی خوشحالی کو دیکھ اور محسوس کرکے ہی رائے قائم کر سکتے ہین اس لحاظ سے قدیم اور جدید مورخون نے فیروز شاہ کے متعلق جس زرین رائے کا اظہار کیا ہے، اس سے کوئی تعجب نہین ہوتا ہے، سلطان کے بے شمار خیرات و مبرات کے کارنامون نے اسکی شہرت کو چار چاند لگائے، اس نے بے روزگاری کا انسداد کیا، خیرات کا محکمہ قائم کیا، مدارس کھولے، ان کے اخراجات خود برداشت کئے، علماء وصلحا کو وظائف اور روزینے دیئے، مسافرون کی راحت و آسایش کے سامان مہیا کئے، حکومت کے ملازمون سے نرمی اور فیاضی کا برتاؤ کیا۔ ان تمام باتون نے تمام لوگون کے دلون مین یہ خیال پیدا کردیا تھا کہ سلطان لوگون کی فلاح وبہبود کا واقعی نگہبان ہے' (دی ڈلہی سلٹینٹ، ص ۲۴۳)

بارہویں جھلک

آخری تغلق اور سادات سلاطین

از درگا پرشاد بن راجہ دھنپت رائے بن راجہ پرم وھن سندیلوی

سلطان تغلق شاہ ۱۳۸۸ء

سلطان فیروز شاہ کے بعد اس کا پوتا یعنی فتح خان کا لڑکا تخت پر ۱۳۸۸ء مین بیٹھا۔ اور غیاث الدین تغلق کا لقب اختیار کر کے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور خطبہ پڑھوایا۔ ملک فیروز علی کو خان جہان کا خطاب عطا کر کے اپنا وزیر بنایا لیکن بہت جلد ابوبکر شاہ بن ظفر خان بن فیروز شاہ باربک نے اس کو مغلوب کر کے تخت اپنے لئے حاصل کر لیا۔ غیاث الدین تغلق شاہ کی حکومت کل پانچ مہینے اور چند روز رہی۔

سلطان ابوبکر شاہ ۱۳۸۹ء تا ۱۳۹۰ء

سلطان ابوبکر شاہ تخت پر بیٹھا تو ملک رکن کو وزیر بنایا لیکن امیران صدہ سلطان ابوبکر سے برگشتہ ہو گئے تو انھون نے فیروز شاہ کے لڑکے محمد کو نگر کوٹ سے طلب کر کے دہلی پر لشکر کشی کی، کئی بار شکست کھا کر سلطان ابوبکر ۱۳۹۰ء مین قتل ہوا، اس کی حکومت کل ڈیڑھ سال تک رہی۔

سلہ یہ اقتباس راجہ درگا پرشاد بن راجہ دھنپت رائے بن راجہ پرم وہن سندیلہ ضلع ہردوئی کی نوشتہ تاریخ ہند گلستان ہند سے لیا گیا ہے، یہ کتاب فارسی زبان مین ہے، جو ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی کے موقع پر لکھی گئی تھی، اقتباس مین صرف ضروری اور مفید باتین لی گئی ہین اور بقیہ حذف کر دی گئی ہین۔

ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ ۷۹۵ھ ۱۳۹۰ء	محمد نے ناصر الدین کا لقب اختیار کیا۔ ۷۹۳ھ میں نرسنگھ، راٹھور نے اس سے اعلان جنگ کیا تو سلطان نے اس کے خلاف اپنی فوج

بھیجی، جنگ ہوئی، لیکن پھر صلح ہو گئی تو نرسنگھ، راٹھور دہلی بھی آیا۔ ۷۹۵ھ میں نا ہر نے علم بغاوت بلند کیا تو سلطان اس کو فرو کرنے کے لئے گیا۔ راستہ میں وہ بیمار پڑ گیا، لیکن بیماری کے باوجود کوٹلہ کے مقام پر نا ہر کو شکست دی ربیع الاول ۷۹۶ھ میں اس کی وفات ہو گئی، اسکی حکومت چھ سال اور سات مہینے تک رہی

سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ، ۷۹۵ھ ۱۳۹۵ء	ناصر الدین محمد شاہ کے بعد اس کا بڑا لڑکا ہمایوں سکندر شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا، اس نے اپنے باپ ہی کے عمال اور حکام کو

برقرار رکھا، اور سب کے ساتھ بڑی نوازش کے ساتھ پیش آتا رہا، لیکن ایک مہینہ کے بعد ہی اس کی اچانک وفات ہو گئی۔

ناصر الدین محمود شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ، ۸۱۶ھ، ۷۹۵ھ ۱۳۹۵ء	سکندر کی وفات کے بعد امراء میں اس کے جانشین منتخب کرنے میں بڑے مباحثے ہوتے رہے، اور اختلاف

بڑھا۔ آخر خواجہ جہان نے محمود شاہ کو ناصر الدین کے لقب سے تخت پر بیٹھایا، اس کے عہد میں ہر جگہ اختلال رہا۔ . . . . اسی کے عہد میں تیمور کا حملہ ہوا، جس نے اپنی ۲۴ سالہ حکومت میں ماوراء النہر، خوارزم، ترکستان، خراسان، عراق، آذربائجان، فارس، مازندران، کرمان، دیاربکر، خوزستان، شام، روم، زابلستان کو فتح کر کے اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔ ہندوستان کی سیاسی زبوں حالی کی خبر اس کو ملی تو اسکی بھی تسخیر کا عزم کیا، پہلے اپنے پوتے شاہزادہ مرزا جہانگیر کو بھیجا، اور پھر خود ایک بڑی فوج لے کر سندھ کو عبور کیا، اور پانی پت[۱] کے پاس ہندوستان کے ہندو راجاؤں کے ساتھ

---

[۱] تاریخ مبارک شاہی میں ہے کہ یہ جنگ فیروزآباد میں ہوئی۔ صفحہ ۱۶۵

ناصرالدین محمود کے خلاف ایک بہت بڑی لڑائی لڑا، سلطان ناصرالدین محمود شاہ ملو اقبال خان کے ساتھ مقابلہ پر آیا تو دونوں طرف سے شجاعت اور مردانگی خوب خوب دکھائی گئی، لیکن بالآخر صاحبقران یعنی تیمور کو فتح ہوئی، اور محمود شکست کھاکر کوہستان کی طرف بھاگا، اور تیمور کو بے انتہا دولت ملی .... مولانا ہاتفی نے اس جنگ کی جو منظوم تاریخ لکھی ہے اس کا صرف وہ حصہ جس کا تعلق ہندوستانی فوج سے ہے، ذیل میں درج کیا جاتا ہے، (تاکہ یہ اندازہ ہو کہ اس زوال پذیر خاندان کی فوج کی حشمت وشوکت کیا تھی) حالانکہ مولانا ہاتفی نے ہندوستانیوں کو اپنا دشمن سمجھکر تحقیر سے کام لیا ہے۔

دلیران دہلی بخواب فراغ	کہ باد سحر گشت شمع وچراغ
چو دانست علوی دہلی طراز	کہ آمد بدروازہ ہا ترکتاز
بگفتہ بہ پیوند بر گرگدن	خم روے شیران روئین بدن
برآرند آواز شور از نفیر	درآرند جوشش بدریاے قیر
ز دہلی برون راند سالار ہند	کہ آسان کنند کار دشوار ہند
با دو صد ہزار اژدہاے سیاہ	ازان ہریک آشوب صد رزمگاہ
شدہ جمع گردن فرازان ہند	ز دریا چہ گنگ تا آب سند
شہید ہزاری چو فیروز شاہ	ملمع نطاق ومرصع کلاہ
بہ نزدیک میدان گہ جائے کرد	دہلی زد سراپردہ برپائے کرد
. . . .	. . . .
ز سوئے دگر کشور آرائے ہند	طراز ندہ مسند آرائے سند
میان بستہ در لشکر آراستن	غلو کردہ در کارکین خواستن

ز حد سراندیپ تا آب سند — سپاہی بر آراست سالار ہند

سپاہان ہندی کشیدند صف — کف آوردہ ہر لب کنارہ بکف

ہمہ کج زبان و ہمہ کج نہاد — ہمہ کارشان بر خلاف مراد

بآن شوکت آمد سوے رزمگاہ — کہ در ہیچگہ نیامدہ ہیچ شاہ

دلیران گجراتی و دہلوی — برافروختہ رایت خسروی

جرس ہاے ہندی خروشان شدہ — ز قطران یکے دجلہ جوشان شدہ

دو صف را مسافت چو نزدیک شد — ازان چشمہ خورشید تاریک شد

ز ہر دو طرف از زوے ستیز — نہ راے مدارانہ فکر گریز

دلیران بمیدان خروشان شدند — ز غیرت چو دریاے جوشان شدند

. . . .

سلطان ناصر الدین محمود شکست کھا کر گجرات کی طرف چلا گیا اور ملو اقبال خان نے برن کی طرف راہِ فرار اختیار کی، امیر تیمور نے دیپال پور، ملتان اور لاہور کی ایالت سید خضر خان کو عطا کی، اور خود سمرقند کی طرف روانہ ہوا، . . . . تیمور کی واپسی کے بعد اقبال خان نے دہلی پر پھر قبضہ کیا اور ناصر الدین محمود کو واپس بلایا لیکن اقبال خان نے اس کو کچھ اختیارات نہیں دیئے، اس لئے کچھ ہی دنوں کے بعد وہ آزردہ خاطر ہو کر قنوج چلا گیا۔ اقبال خان نے سید خضر خان کے خلاف ملتان میں ایک جنگ کی، لیکن مارا گیا، محمود تغلق اس کی وفات پر دہلی آیا۔ اور خضر خان سے لڑتا رہا۔ لیکن جب محمود تغلق کی وفات ہوئی، تو دہلی کے تخت پر خضر خان ہی کا تصرف ہو گیا۔ اور اسی کے بعد سلاطینِ سادات کی حکومت شروع ہوئی '

خضر خان سید ۱۴۱۴-۲۱ء

خضر خان سید تھا۔ اس کے باپ کا نام سلیمان تھا۔ ملتان کے حاکم ملک مردان نے فیروز شاہی عہد میں ملک سلیمان کو متبنی کر لیا تھا، ملک مردان کی وفات کے بعد ملتان میں وہ اس کا وارث ہوا، سلیمان کی وفات کے بعد خضر خان ملتان میں اسکی جگہ پر بیٹھا۔ جب امیر تیمور ہندوستان آیا، تو خضر خان نے اس کی طرف سے مفید کارنامے انجام دیئے، جن سے خوش ہو کر امیر تیمور نے لاہور (دیپال پور ملتان) وغیرہ عطا کیا اور جب ناصر الدین محمود کا انتقال ہوا تو دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ اپنی سخاوت، شجاعت، حلم، حیا، صلاح، اور تقوی میں پورا سید تھا۔ ملک داری اور حق شناسی کی پوری استعداد رکھتا تھا، لیکن امیر تیمور کا ادب کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ شاہ کا لقب استعمال نہیں کیا اور شروع میں سکے اور خطبہ میں امیر تیمور اور بعد میں شاہرخ کے نام کا استعمال کرتا رہا اور شاہرخ کی خدمت میں نذرانے برابر بھیجتا رہا۔ اس نے سرکشوں اور باغیوں کو زیر کر کے اپنا مطیع بنا لیا تھا۔[۱]

معز الدین مبارک شاہ بن خضر خان ۱۴۲۱-۳۴ء

خضر خان نے اپنی زندگی ہی میں مبارک شاہ کو اپنا ولی عہد بنا لیا۔ اس لئے وہی تخت پر بیٹھا اس نے دربار کے امراء ملوک، اکابر اور مشائخ کے وظائف اور جاگیروں کو ویسے ہی برقرار رکھا اور تمام ملکی اور مالی معاملات میں باپ ہی کی روش اختیار کی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن وہ اپنے وزیر سرور الملک سے

---

[۱] تاریخ مبارک شاہی میں ہے "خضر خان۔ ۔ ۔ ۔ سخی و شجاع و حلیم و کریم و متواضع و مقبول القول و صادق الوعد و متقی بود و این مجموع اوصاف حضرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم است کہ در ذات حمیدہ صفات می شد" (ص ۱۸۲) اور دوسرے مورخین بھی لکھتے ہیں کہ خضر خان نے نہایت استقلال سے ہر ایک کو اپنا مطیع کر لیا جو لوگ

پال کہتری اور میراں صدر کی سازش سے شہید ہوا، نہایت عاقل بادشاہ تھا۔ اور بادشاہت کے تمام اچھے اوصاف سے متصف تھا۔ اپنی حکومت کے زمانے میں کبھی کوئی فحش لفظ یا گالی اپنی زبان پر نہیں لایا، تاریخ مبارک شاہی اسی کے نام پر لکھی گئی ہے، اس کی مدت حکومت تیرہ سال، تین مہینے اور اٹھارہ روز رہی۔

سلطان محمد شاہ بن فرید خان ابن خضر خان ۸۳۷-۴۵ھ ۱۴۳۴-۴۵ء

...... اس کی حکومت میں جا بجا بغاوتیں ہوتی رہیں ... اور محمود خلجی نے مالوہ سے دہلی کی تسخیر کے لئے کوچ کیا، سلطان محمد مضطرب ہو کر ملک بہلول (لاہور کے گورنر) سے مدد طلب کی، وہ آٹھ ہزار جرار سوار کے ساتھ سلطان کی مدد کیلئے پہونچا، سلطان خود تو جنگ پر نہیں گیا، امراء اور ملوک کو بہلول لودی کے ساتھ لڑائی کے لئے بھیجا، ملک بہلول نے اس لڑائی میں بڑی شجاعت اور مردانگی دکھائی۔ لیکن محمود خلجی جب مغلوب ہونے کو تھا تو سلطان کی طرف سے صلح کا پیام پہونچا، جس کی خبر بہلول کو نہ ہوئی۔ محمود خلجی نے اس کو غنیمت سمجھکر صلح کر لی اور اپنے وطن کو لوٹا۔ لیکن بہلول کو خبر ہوئی تو اس کو بڑا رنج ہوا، اور اس نے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۱) صاحبقران کے آنے سے دہلی خالی کر گئے تھے، اس کے عہد میں آکر نئے سرے سے آباد ہوئے اور مرفہ الحال رہکر دعائے دولت میں معروف اور اپنے پیشہ اور کشت میں مشغول تھے، یہ شخص راست باز، پاکیزہ طینت، عالی ہمت، فراخ حوصلہ، شجاع اور سخی تھا۔ ایک دلیل اس کی اصالت اور پاکی نسب کی یہ ہے کہ باوجود حاصل ہونے رتبہ جہانداری کے بادشاہ کا لقب اپنے خطاب میں نہ لایا، رایات اعلیٰ کا خطاب پسند فرمایا، سات برس ۲ مہینے عدل و معدلت میں بسر کر کے ملک جاں کو رحلت ہوا، (سیر المتاخرین اردو ترجمہ از گوکل پرشاد ص ۱۷۱-۱۷۲) پروفیسر آینگر نے اپنی تاریخ ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے کہ سید خضر خان نے ایک سچے سید کی طرح زندگی بسر کی۔

محمود خلجی کا تعاقب کیا۔ اور اس کے مال و اسباب کو برباد کر دیا اور محمود خلجی بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ ملک بہلول کی یہ جرأت اور بہادری کی خبر سلطان کو ہوئی تو بہت خوش ہوا، اور اپنا فرزند بنا کر خانخانان کا خطاب دیا۔ اور اس کا رتبہ تمام امراء سے بلند کیا۔ افغان بہلول لودی ہی کے گرد جمع ہونے لگے اور اس کو بادشاہت کی ترغیب و تحریص دلائی، مگر قبل اس کے کہ وہ تخت حاصل کرے سلطان کی وفات ہوگئی، اس کی مدت حکومت تقریباً بارہ سال رہی۔[1]

علاء الدین بن سلطان محمد شاہ بن فرید خان بن خضر خان سنہ ۱۴۴۵-۱۴۵۱

.... اس سلطان کی آٹھ سالہ حکومت میں بڑی طوائف الملوکی رہی اور وہ خود دہلی چھوڑ کر بدایوں چلا گیا۔ اور اسی کو اپنی مملکت کا دار السلطنت بنا لیا.......... اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر بہلول خان لودی نے دہلی پر قبضہ کر لیا، اور جب بہلول نے سلطان علاء الدین کو دہلی آنے کی دعوت دی تو اس نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تم کو اپنا لڑکا بنایا تھا، تم میرے بڑے بھائی ہو، میں دہلی کی سلطنت تم کو نذر کرتا ہوں اور میں بدایوں ہی پر قناعت کر لونگا سلطنت تمہیں مبارک ہو"۔ بہلول لودی اس خط سے مطمئن ہو کر سریر آرائے سلطنت ہوگیا۔ اور اس کے بعد خضر خان کی نسل ختم ہوگئی۔

---

[1] اس کے دور حکومت میں ہر جگہ بڑی شورش اور بغاوت رہی۔ لیکن مبارک شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ

• محمد شاہ بن فرید شاہ بن خضر شاہ بادشاہے حلیم و کریم بود اوصاف حمیدہ در ذات ستودہ صفات او موجود۔ و ہمہ خصائل نامحمود از طبع گزیدہ او مفقود آثار پادشاہی و جہانداری در ناصیۂ مبارک او ظاہر و انوار فضل الٰہی و اسرار نامتناہی از طلعت میمون او باہر۔ (ص ۲۳۶)

تیرہویں جھلک

لودی خاندان

از پروفیسر ایم، ایس راما سوامی آینگر مہاراجہ کالج وزیاگرم

بہلول لودی ۸۹-۱۴۵۱

علاؤالدین[1] نے جس وقت بہلول کو بدایون کے علاوہ پوری سلطنت حوالے کی تھی اس وقت دہلی کی سلطنت میں آس پاس کے گاؤں کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ ملتان، سنبھل، میوات اور گوالیار سب ہی جگہ کے حاکم آزاد ہو چکے تھے، لیکن ان میں سے اکثر بہلول کے حامی تھے۔

بہلول ایک مضبوط اور طاقتور حکمران ہوا، اور اس نے اپنی ۳۸ سالہ حکومت میں بڑی سرگرمی اور کامیابی سے مقامی سرداروں کو فرو کیا۔ جونپور کے حکمران سے لڑکر اس کی حکومت کو ختم کیا، اور جب ہندو اور راجپوت میواڑ کی رہنمائی میں پھر سے ابھر رہے تھے، تو بہلول نے دہلی کی عظمت اور اسلام کی شوکت کچھ حد تک پھر سے قائم کر دی، وہ اچھے کردار کا انسان تھا۔ اور سادہ زندگی بسر کرتا، غریبوں کے لئے بڑا رحمدل تھا۔

---

[1] اس باب میں اقتباسات پروفیسر ام۔ اس۔ راماسوامی آینگر کی "ہسٹری آف انڈیا" سے لئے گئے ہیں، جو انھوں نے راؤ صاحب سی۔ اس۔ سری نواس اچاری کے ساتھ مل کر لکھی، اور مدراس سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

اور سختی سے عدل گستری کرتا۔ اس کا وقت زیادہ تر جنگ مین گزرا، اس لیے حکومت کے نظم
ونسق کو زیادہ بہتر طریقہ پر استوار نہ کر سکا، لودی عام افغانون کی طرح جمہوریت کو پسند کرتے
تھے، بہلول بھی اپنے کو اپنے قبیلہ کا محض سردار سمجھتا تھا۔ اور ان سے برادرانہ سلوک کرکے
ان سے بڑی آزادی سے ملا کرتا تھا۔ اس کا اس کی حکومت پر اچھا اثر پڑا،

محمود شرقی نے دہلی پر یورش کی تو بہلول نے اس کو مراجعت کرنے پر مجبور کیا،
اس فتح نے اس کی قوت کو اور بڑھایا، اس کا رعب جاگیردارون اور راجپوتون پر پڑا، ملتان
اور سندھ پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا، اس کی جنگ جونپور سے برابر جاری رہی، لیکن
حسین شاہ شرقی (۱۴۵۸-۱۴۷۹ء) کو بالآخر سپر ڈالنا پڑا، اور بہلول نے ۱۴۷۹ء مین
جونپور پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کو افغان امرا کی نگرانی مین دیدیا، لیکن جب حسین شاہ نے
پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کی تو بہلول نے جونپور کو اپنے لڑکے
باربک شاہ کے حوالہ کرکے کالپی، دھولپور، اور گوالیار کو بھی اس کے زیر اثر کر دیا۔[1]

سکندر لودی
۱۴۸۹-۱۵۱۷ء

بہلول لودی کا جانشین اس کا لڑکا نظام خان ہوا، اس نے سکندر لودی
کا لقب اختیار کیا[2] امرا نے باربک شاہ کے مقابلہ مین اسی کی حمایت کی

[1] راجہ درگا پرشاد گلستان ہند مین لکھتے ہین کہ سلطان بہلول ایک ایسا بادشاہ تھا۔ جو تمام اچھے
اوصاف سے آراستہ اور صفات جہانداری سے پیراستہ تھا۔ وہ مشایخ اور علمار کی صحبت مین
رہتا، افغان امرا سے برادرانہ سلوک رکھتا۔ ان کے سامنے تخت پر نہ بیٹھتا، اور جب
دہلی کا خزانہ اس کے ہاتھ لگا تو اس نے تمام لودی افغانون کو برابر حصے دیئے، اور خود بھی
تمام افغانون ہی کی طرح حصہ لینے پر اکتفا کیا، (ص ۲۰۴)

[2] راجہ درگا پرشاد لکھتے ہین کہ سلطان سکندر ایک عالم فاضل، عادل اور باذل بادشاہ تھا،

اس نے سرکش سرداروں کو دبایا، جو پور میں اپنے بھائی کی بغاوت فرو کی۔ اور حسین شاہ شرقی کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کر کے دہلی کی سلطنت کی سرحد بنارس اور بہار تک بڑھا دی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۵) اس کے عہد حکومت میں علم و ہنر کو بڑی ترقی ہوئی، ادنی، اعلی، وضیع اور شریف سب اپنے اپنے درجہ کے مطابق مشغول رہے، ہندوؤں نے اسی زمانہ میں فارسی پڑھنا شروع کیا۔ سلطان اپنی رعایا اور لشکر کے تمام احوال سے اس طرح واقف رہتا کہ لوگوں کو گمان تھا کہ اس کو اجنہ خبر کیا کرتے ہیں، وہ جہاں لشکر بھیجتا، صبح اور شام دونوں وقت فرمان کے ذریعہ ہدایت دیا کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں غلہ بہت سستا ہو گیا تھا۔ وہ علاء الدین خلجی ہی کی طرح اجناس کے نرخ پر نظر رکھتا۔ اور کسی قسم کی چیرہ دستی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ مظلوموں کی دادرسی کے لیے پورا اہتمام کر رکھا تھا۔ (گلستان ہند صفحہ ۲۰۶) اس کا معمول تھا کہ روزانہ مغرب کے بعد حرم سرا میں جاتا۔ اور ایک گھنٹہ قیام کر کے خلوت خاص میں جاتا اور وہاں لوگوں کے استغاثے سنتا، اس نے ایک قاضی کے علاوہ بارہ علما بھی صرف مقدمات فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کئے تھے، دریا خان وکیل کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ عدالت کے اندر پہر رات گئے بیٹھا رہے کہ شاید اس وقت تک کوئی مستغیث آ جائے، وہ انصاف کرنے میں بڑی کاوش کرتا۔ اور بڑی ہوشمندی کا ثبوت دیتا۔ تیموری دور کے مورخوں نے بھی اس کی عدل نوازی کی تعریف کی ہے، طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں اس انصاف پسندی کے قصے منقول ہیں (طبقات اکبری جلد اول ص ۱۷۱، تاریخ فرشتہ ص ۱۸۶) ایک بار کسی سید نے شکایت کی کہ میاں ملک جاگیردار نے اس کی زمین چھین لی ہے، بادشاہ نے تحقیقات کا حکم دیا لیکن دو مہینے تک یہ مقدمہ فیصلہ نہ ہو سکا، سلطان کو معلوم ہوا تو وہ برہم ہوا، اور

اس نے بنگال کے حکمران سے صلح کرکے اپنی مشرقی سرحد کو محفوظ کر لیا، لیکن پھر بھی وہ افغانون سے مطمئن نہین تھا اس لئے اپنا پایہ تخت آگرہ کو بنالیا جہان سے وہ آس پاس کے علاقون

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۶) اس کے حکم سے اس روز تین پہر تک عدالت جاری رہی، یہ مقدمہ مستغیث کے حق مین فیصلہ ہوا، سکندر لودی نے میان ملک سے باز پرس کی، اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، سلطان نے تین بار سب کے سامنے اعتراف جرم کرا کے اس کو نادم کیا، اور اس کو جاگیر سے محروم کر دیا، . . . . . ایک بار سنبھل مین کسی شخص کو پندرہ ہزار اشرفیون کا دفینہ مل گیا، حاکم سنبھل نے سلطان کو اس کی خبر دی، لیکن اس نے فرمان جاری کیا کہ دفینہ پانے والے کو دے دیا جائے کیونکہ یہ دفینہ جس نے عطا کیا ہے، وہ بہتر جاننے والا ہے، اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیون دیتا۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ ہم مین سے کون کس چیز کا مستحق ہے . . . . . . وہ طبعاً بہت ہی مذہبی واقع ہوا تھا۔ اس لئے اس کی کوشش تھی کہ کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو، اس نے مزارون پر عورتون کا جانا، سالار مسعود کی چھڑیان نکالنا، تعزیہ داری وغیرہ ممنوع قرار دیا، اسی طرح ہندوؤن کے بعض مراسم پر قدغن لگایا، لیکن اس قدغن سے علماء متفق نہ تھے، طبقات اکبری (ص ۳۲۶ ج ۱) مین ہے کہ تخت نشینی سے پہلے اس نے ہندوؤن کو . . . . . ایک حوض کے پاس جمع ہو کر نہاتے دیکھا، شاید اشنان کا کوئی میلہ ہو، علماء کو بلا کر پوچھا کہ کیا شرعاً یہ روا رکھا جا سکتا ہے؟ علماء نے جواب دیا کہ حوض مین غسل کرنا یا جو رسم پرانی ہے، اس کو ختم کرنا آپ کے لئے مناسب نہین، اسی طرح پرانے بت خانون کو ویران کرنا جائز نہین، شہزادہ نے خنجر پر ہاتھ رکھ کر کہا تم طرفداری کر رہے ہو" لیکن علماء نے جواب دیا کہ "جو شرع مین ہے اس کو صاف صاف بیان کر دیا ہے، حق بات کہنے مین کوئی ڈر نہین" اس کے بعد شہزادہ کو اطمینان ہو گیا۔

خصوصاً آمادہ اور گوالیار کے حاکمون کو نسبتہ آسانی سے قابو مین رکھ سکتا تھا۔ اس طرح آگرہ کو پہلی دفعہ سیاسی اہمیت حاصل ہوئی ورنہ اس سے پہلے یہ محض قلعہ بیانہ کا ایک

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۷) سلطان سکندر لودی ہی نے، ہندوؤن کو فارسی پڑھنے کی ترغیب دی پہلے اس نے برہمنون کو آمادہ کیا، لیکن انھون نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ ہمارا کام پوجا پاٹ کرنا ہے، پھر چھتریون سے کہا، انھون نے جواب دیا کہ ہمارا کام لڑنا ہے، پھر دیش سے کہا انھون نے یہ کہہ کر پہلو بچایا کہ ہم صرف تجارت کرنی چاہتے ہین۔ آخر کار کایستھون نے فارسی سیکھنا شروع کیا، اور پھر کچھ دنون کے بعد وہ اس زبان مین مسلمانون کی ہمسری کا دعوی کرنے لگے، سکندر لودی ہی کے زمانے سے وقتاً عہدے پاتے رہے،

پروفیسر سری رام شرما (بمبئی یونیورسٹی) "ڈیسی کریسنٹ ان انڈیا" مین لکھتے ہین کہ سکندر لودی ایک ہندوستانی کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا .... وہ ہندوؤن کے معاملات مین متعصب تھا .... لیکن اس تعصب کو نظر انداز کر دیا جائے تو وہ ایک اچھا اور لائق حکمران تھا۔ وہ پہلا حکمران ہے جس نے آگرہ کو اپنا دوسرا پایہ تخت بنایا۔ اور اس نے کیتھار کے گنگاپار کے علاقے (روہیلکھنڈ) کے نظام حکومت کو خاطر خواہ بنیاد پر قائم کیا، اس نے سارے نظام مین مرکزیت پیدا کی، وہ اپنے صوبے کے حاکمون ہی پر نظر نہین رکھتا، بلکہ جاگیرداروں کو بھی قابو سے باہر ہونے نہین دیا، وہ اپنی عظمت و شوکت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی سلطنت کے ہر حصہ مین اپنے فرامین کو پڑھوا تا، تاریخ داؤدی مین ہے کہ وہ روزانہ اشیا کے نرخ کو معلوم کرتا، یا اس کی سلطنت مین جہان بھی کچھ ہوتا اس سے باخبر رہتا اس کو اور کہین کوئی غلطی نظر آتی تو اس کی فوراً تحقیقات کراتا، حساب کی جانچ پڑتال بڑی سختی سے کرتا، اور اس مین کسی کی رعایت

لی حصہ تھا۔ سکندر لودی کا زیادہ وقت باغیوں، نروار اور چندیری کے ہندوؤں کو دبانے میں گذرا، اس کی وفات ۱۵۱۷ء میں ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۸) نہ کرنا۔ غریبوں اور تاجروں کے مفاد کا لحاظ ہمیشہ رکھتا، غلہ پر سارے محصولات ختم کر دیئے، اور زراعت کو بڑی ترقی دی، وہ ہر سال غربا کی ایک فہرست تیار کرتا، اور انکی احتیاج کے مطابق ان کے لئے چھ مہینے کا سامان بہم کرا دیتا۔ عیدین، عاشورہ اور بارہ وفات کے موقع پر قیدیوں کو رہائی دی جاتی، البتہ ایسے قیدی نہ رہا کئے جاتے جو خیانت اور غبن کے جرم میں قید کئے جاتے، کسی کو جابرانہ طور پر اس کی جاگیر سے محروم نہیں کیا جاتا۔ (ص ۱۵۳)

پروفیسر ایشوری پرشاد (الہ آباد یونیورسٹی) رقم طراز ہیں کہ سلطان سکندر لودی متعصب ضرور تھا......... لیکن اگر اس کے مذہبی تعصب کا جائزہ ہم اپنے عہد کے معیار سے لیں تو یہ سخت ناانصافی ہوگی، اس زمانہ میں یورپ میں بھی مذہبی رواداری نہ تھی، کیتھولک کے گرجاؤں کے پادریوں کی طرف سے الحاد کے انسداد کے لئے کیا کیا، اقدام نہیں کئے گئے، سکندر لودی کی وفات کے چار سال کے بعد ہی کا واقعہ ہے کہ چارلس پنجم نے ریفارمیشن کے بانی کو اپنے حدود سلطنت سے نکال کر قدیم گرجاؤں سے اپنی مذہبی عقیدت کا ثبوت دیا (ہسٹری آف مڈیول انڈیا ص ۵۵۳)

پروفیسر آشیر بادی سری واستو (آگرہ یونیورسٹی) لکھتے ہیں کہ سلطان سکندر سلطنت کے ضبط و نظم میں صرف سخت ہی نہ تھا، بلکہ اسلامی معیار کے مطابق سب کے ساتھ مساویانہ طور پر عدل و انصاف کو راہ دیا، اسی لئے وہ امن و امان قائم رکھنے میں کامیاب رہا، اس کے عہد میں خوشحالی رہی، جس کا سہرا کچھ حد تک اسی کے سر ہے، اس نے غلہ پر سے محصول اٹھا لیا، اور تجارت پر کوئی سخت پابندی نہیں رکھی،

وہ انصاف پسند، دیانت دار اور فیاض حکمران تھا۔ اس نے امراء کو قابو میں رکھا، اور تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے، اس نے زراعت اور تجارت کو فروغ دیا، بددیانتی اور غبن کا انسداد کیا، مگر وہ ہندوؤں کے معاملات میں تعصب کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسکی صحبت علماء کے ساتھ رہتی۔ ان سے مذہبی مناظرے کیا کرتا تھا۔ اور اپنی حکومت میں مذہبی رنگ پیدا کیا، وہ علوم و فنون کا بھی سرپرست تھا، خود بھی فارسی میں شاعری کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنی مضبوط حکومت کے ذریعہ ملک میں امن قایم کیا۔ اور اپنی مساعی جمیلہ سے امراء کو سرکش ہونے نہیں دیا۔ وہ لودی خاندان کا سب سے اچھا حکمران تھا، اس کے باپ نے سلطنت کی عمارت کو نامکمل چھوڑا تھا۔ لیکن اس نے اس کو مکمل کر دیا[1]

ابراہیم لودی ۲۶-۱۵۱۷ء

اس کے جانشین ابراہیم لودی نے اپنے مزاج کی تیزی سے تمام امراء کو اپنا مخالف بنا لیا[2] اور بہت سے لودی، لوہانی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۹) اس کے عہد میں کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی سستی رہیں۔ (دی سلٹینیٹ آف دہلی ص ۲۷۰) [2] راجہ درگا پرشاد لکھتے ہیں کہ ابراہیم لودی میں خلاق پسندیدہ اوصاف پسندیدہ تھے، لیکن اپنی ناتجربہ کاری اور بے عقلی میں اپنے خاص لوگوں اور افغانوں کے ساتھ اس طرح پیش آیا اور ان کے لئے ایسے کلمات استعمال کرنے شروع کئے جو ایک بادشاہ کے لئے بالکل موزوں نہیں، اس نے سب کو اپنی اطاعت گذاری کا حکم دیا، صرف چند امراء کو دربار میں بیٹھنے کی اجازت تھی، بقیہ ہاتھ باندھے تخت کے سامنے کھڑے رہتے، وہ زبان سے تو کچھ نہ کہتے، لیکن اندرونی طور پر آزردہ خاطر رہتے، اور وہ سلطان کے اقتدار کے استیصال کی فکر میں لگے رہے۔ (صفحہ ۲۰۸) لیکن اسلامک کلچر حیدرآباد دکن (اکتوبر ۱۹۲۵ء) کے ایک مضمون نگار نے اپنے مقالہ لودی سلطنت کے زوال میں ابراہیم لودی

اور فرملی قبیلے اس کے قابو سے باہر ہوگئے، اور اس کے لئے اس وسیع سلطنت

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۰) کی ذمہ داری" مین دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس خاندان کا خاتمہ افغان امرائ
کی وجہ سے ہوا، جو ایک مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہنا کسی حال مین پسند نہین کرتے تھے،
ان امراء نے اپنے وقار کا ایک غلط قسم کا تصور قائم کر لیا تھا، جن کو زائل کرنا آسان نہ تھا ان کے
دلون سے تاج وتخت کی عظمت جاتی رہی تھی، اور وہ اپنے اقتدار کے زعم مین خود غرض، حاسد اور
ایک دوسرے سے متنفر ہوگئے تھے، بہلول نے ان کو ایک وفاق مین منسلک کرنا چاہا تھا، لیکن
اس کوشش سے نقصانات زیادہ اور فوائد کم پہونچے، بہلول نے ان کو جو رعایت دی تو اس سے
تمام امراء بہت طاقتور بن گئے تھے، فرملی، لوہانی اور لودی بادشاہ کو محض اپنا ایک ساتھی، یا
ایک بڑا جاگیردار سمجھنے لگے تھے اور وہ متحد ہوکر بڑے سرکش ہوجاتے، اور پوری ریاست ان ہی
کے رحم وکرم پر ہوجاتی، سلطان کو اپنی فوج پر کوئی اختیار نہ تھا، آدھی سلطنت فرملی کی جاگیر مین
تھی، اور بقیہ آدھی افغانون کے قبضہ مین تھی، اور یہ تمام جاگیردار اپنی اپنی جاگیرون کو بادشاہ
کی فیاضی کا نتیجہ نہین سمجھتے، بلکہ ان کو غلط فہمی تھی کہ انھون نے ان کو اپنی تلوارون کے بل بوتے
پر حاصل کیا ہے، ابراہیم لودی کو ایسے ہی امراء سے واسطہ پڑا، داؤدی نے لکھا ہے کہ اس کا ذہن
رسا تھا، حسین وجمیل ہونے کے علاوہ بلند اخلاق کا بھی حامل تھا، وہ امراء کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرنا
اور بادشاہت کے وقار کو بڑھانا چاہتا تھا، اور جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے وہ اپنے باپ اور دادا
دونون کی روایت کے خلاف اعیان سلطنت مین کسی قسم کی تفریق نہین پسند کرتا، خواہ
وہ اس کے قبیلہ یا دوسرے قبیلہ کے کیون نہ ہون، وہ بار عام مین کہا کرتا کہ بادشاہ کا کوئی رشتہ
دار یا قبیلہ نہین ہوتا۔ اس کے نزدیک سب ہی حکومت کے خدمت گذار اور رعایا ہین،
اس نے اعلان کیا کہ بادشاہ ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ ہے، کسی کو اس کی عدول حکمی کرنے کا

کو جو مشرق میں بنگال تک اور جنوب مشرق میں بندھیلکنڈ تک پھیلی ہوئی تھی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۱) حق نہیں، افغان امراو کی سیاست میں جو روگ لگ گیا تھا، اس کا علاج بس یہی تھا کہ مرکز سے گریز کے جو رجحانات پیدا ہو گئے تھے ان کو روکا جائے کیونکہ اسی کی وجہ سے عام انتشار تھا۔ اور افغان امراء میں سرکشی تھی اُسی اصول پر کار فرما ہونے سے مرکزی حکومت میں استحکام اور استقلال پیدا ہو سکتا تھا لیکن یہ اصول افغان امراو کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابراہیم نے صحیح صورت حال کا اندازہ کیا جو اس کے تدبر کی دلیل ہے، وہ ناکام رہا، لیکن اس کی ناکامی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس کے اصول میں خامی تھی، بلکہ وہ ناگزیر حالات پر قابو پانے میں قاصر رہا۔ اس کا راستہ صحیح تھا لیکن وہ صورت حال کو یکایک بدل نہ سکا، پروفیسر رام پرشاد ترپاٹھی نے لکھا ہے کہ اس کی روش افغان امراو کے لیے ناپسندیدہ تھی، لیکن یہ بہت صحیح اور سوچی سمجھی ہوئی تھی، ابراہیم نے امراء کو اپنا مخالف بنانا پسند نہیں کیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ان کا اقتدار ان سے اچانک نہیں چھینا جا سکتا ہے، وہ ان کو تدریجاً کمزور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسکی وجہ سے اس میں اور امراء میں بڑا تصادم ہو گیا۔ اس نے اس تصادم کا مقابلہ جرأت سے کیا۔ لیکن سلطنت میں ایسا غیر معمولی اختلال پیدا ہو چکا تھا۔ کہ اس کا تدبر اس کے کام نہ آیا، مورخین لکھتے ہیں کہ اس کو اپنی رعایا کا بڑا خیال تھا، واؤد ہی کا بیان ہے کہ اس کے زمانے میں غلہ کی فراوانی تھی۔ اشیاء کی قیمت بھی کم رہی، اس نے حکم دے رکھا تھا کہ کاشتکاروں سے اجناس قبول کر لیے جائیں، لیکن امراو نقد روپئے ہی کے حریص رہے اس کا حکم اسی نقطہ نظر سے تھا کہ ریاست کی فلاح کاشتکاروں کی خوشحالی اور آسودگی ہی پر منحصر ہے، لیکن امراء اس کے تمام لائحہ عمل کو ناکام بناتے رہے

سنبھال لنا مشکل ہوگیا۔ . . . . بالاخر بابر نے اس سلطان کو پانی پت کے میدان مین زیر کرکے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۲) ابراہیم مذہب مین روشن خیال تھا۔ اس نے مذہب کی آڑ لے کر کبھی غیر مسلمون کے خلاف جنگ نہین کی بلکہ اس نے رواداری کا ثبوت دیا، انغانون نے ایک پیتل کے بیل کی مورت کو شاہی (؟) دروازہ پر توڑ کر ہٹا دیا تھا۔ تو اس نے بغدادی دروازہ پر پھر سے اس کو نصب کروایا۔ اور اس کی پرستش داؤدی کے بیان کے مطابق اکبر کے عہد تک ہوتی رہی، مختصر یہ کہ ابراہیم نے ایک ایسی مضبوط مرکزی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی، جو تخریبی عناصر سے پاک ہو، اور خیر سگالی، رواداری، اور اطاعت گزاری پر مبنی ہو، لیکن یہ تاریخ کا ایک المناک حادثہ ہے کہ ایسے بلند تخیل کا حکمران ناکام رہا۔

چودہویں جھلک

سلاطین دہلی پر ایک عام تبصرہ

از پروفیسر سری رام شرما بمبئی یونیورسٹی

سیاسی نظام کی اچھائی اور برائی کا انحصار غلبہ و اقتدار کی قوت پر نہیں، بلکہ ملک کے اچھے نظم و نسق پر ہے، لیکن ملک کا نظم و نسق ہر زمانہ کے لئے یکساں نہیں ہو سکتا، بلکہ زمانہ اور ماحول کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے مغلوں سے پہلے سلاطین دہلی نے جو نظم و نسق قائم کیا، اس کو اسی زمانہ کے معیار کے مطابق پرکھنا چاہیئے۔ یہ سلاطین ہندوستان میں فاتح بن کر آئے تھے

سلہ یہ اقتباسات پروفیسر سری رام شرما کی کتاب دی کریسنٹ ان انڈیا سے لئے گئے

ذیل میں ہم پروفیسر ایشوری پرشاد کی "ہسٹری آف میڈیول انڈیا" کے آخری باب میں "میڈیول سولیزیشن" کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے، اس کے بعض حصے کے اقتباسات بھی پیش کرتے ہیں۔ تاکہ پروفیسر موصوف نے سلاطین دہلی کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے، اس کی بھی جھلک سامنے آجائے۔

.... یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسلمانوں کی فتح و تسخیر ہندوستان کے لئے ایک مصیبت تھی، حالات و واقعات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کی آمد اس لحاظ سے تو مصیبت ضرور تھی کہ ہندوؤں کی آزادی جاتی رہی اور ایک بیرونی قوم کی حکومت

ضرور داخل ہوئے۔ لیکن مفتوحین سے ان کا میل جول جیسے جیسے بڑھتا گیا۔ ان دونون کے
جنگجویانہ جذبات مٹ کر خوشگوار تعلقات پیدا ہوتے گئے۔ معاشرتی اور ثقافتی امتزاج کے ساتھ
سیاسی تعلقات کا بہتر ہونا ضروری تھا۔ اس لئے مسلمان حکمران سیاسی نظم ونسق کو جلد سے
جلد بہتر بنانے کی کوشش مین لگے رہتے۔ اور بلبن کے زمانہ سے بابر کے عہد تک ان فرمانرواؤن
کی یہی کوشش رہی کہ حکومت کی سرحدون کی توسیع کے ساتھ ملک کے عام نظم ونسق مین ترقی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۴) شروع ہو گئی۔ لیکن مسلمانون نے اپنی رعایا کے ساتھ رواداری کا ثبوت
دیا۔ اسپین کے فلپ ثانی نے یہ اعلان کیا تھا کہ مسیحیت کے منکرون پر حکومت کرنے سے
حکومت نہ کرنا بہتر ہے۔ ملکہ ایلزبتھ نے آئرلینڈ کے رومن کیتھولک پر کیا کیا ظلم نہ ڈھائے،
لیکن اسی عہد کے حکمران مسلمانون مین شیر شاہ اور اکبر نے مفاد عامہ کی خاطر مذہبی رواداری
کا سبق پڑھایا۔ دوسرے مذاہب کے پیروون کی جانب خیر خواہی اور خیر سگالی کا ہاتھ بڑھایا،
ہندو راجاؤن زمیندارون نے برابر مسلح بغاوتین کین، طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی
اور تاریخ مبارک شاہی مین ایسے بہت سے واقعات ملتے ہین کہ ہندوون نے کس کس
طرح سلاطین دہلی کی حکومت کا قلع قمع کرنے کی کوشش کی۔ جب کبھی ان کو موقع مل جاتا
وہ برسرپیکار ہو جاتے، انتظام حکومت کو معطل کر دیتے، اور مرکزی حکومت کی عدول
حکمی کے لئے تیار رہتے، اس لئے مسلمانون نے ان کو دبایا ضرور لیکن ان کو دبانے مین
ہندوون کی اسپرٹ اور مردانگی کا بالکل استیصال نہین کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ خیال
کرنا بھی صحیح نہین ہے کہ مسلمان حکمران وحشی تھے۔ اور متمدن نظام حکومت کے آرٹ سے
واقف نہ تھے، ازمنۂ وسطی مین ایسے بہت سے افراد پیدا ہوئے۔ جن پر زمانہ فخر کر سکتا
ہے بلبن اور علاء الدین خلجی بہادر سپاہی بھی تھے، اور اچھے قسم کے مدبر بھی، محمد تغلق

ترقی ہوتی رہے۔ اور اس نظام کا اچھا یا برا ہونا سلاطین اور ان کے صوبے (اقطاع) کے گورنروں (مقطع یا اقطاع دار) کے ذاتی اوصاف و کردار پر بھی منحصر تھا۔

ہندوستان کے ان فاتحون مین جو پہلا لایق، منتظم اور مدبر فرمانروا پیدا ہوا وہ غیاث الدین بلبن تھا۔ اس نے ناصر الدین محمود کے وزیر اعظم کی حیثیت سے بیس سال تک حکومت کی، پھر خود بیس برس تک تخت دہلی پر جلوہ افروز رہا۔ اس چالیس سال (۱۲۴۶-۱۲۸۶ء)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۵) اور ابراہیم شاہ شرقی علوم و فنون کے بہت بڑے سرپرست گذرے ہین ناصر الدین محمود اور فیروز تغلق بڑے عابد اور صلح کل حکمران تھے، الغ خان ظفر خان اور ملک کافور بہت بڑے سپہ سالار ہوئے۔ ان کی شخصیتین ازمنہ وسطی کی تاریخ مین بڑی ہی دلچسپ ہین، اس عہد کے بعض حکمرانون نے اپنی ریاست کو سیکولر یعنی غیر مذہبی بنانے مین بھی دلیرانہ اقدام کیا اگو اس مین کامیابی نہین ہوئی، مگر انھون نے اس بات کی اہمیت پر کافی زور دیا کہ حکومت کو پارٹی بندی اور باہمی جھگڑون سے بلند رہنا چاہئے۔ اور ریاست کے مفاد کو مذہبی راسخ العقیدگی پر ترجیح دینی چاہئے۔ لیکن وہ اس زمانہ کے تخیل کے لئے موزون نہ تھا، مغلون نے اس تخیل کو عملی جامہ پہنایا۔ لیکن ان کو بھی اس کوشش مین زیادہ کامیابی نہین ہوئی۔ ان کی حکومت ان کے پیشروؤن کے طرز حکمرانی سے زیادہ بہتر تھی، انھون نے اپنی وسیع سلطنت کے لئے ایسے ضوابط و قوانین نافذ کئے، جن سے ان کی روشن خیالی کا اندازہ ہوتا ہے، اور وہ ایسے کامران بھی رہے جس سے ان کی حکومت کی تاریخ مین شوکت و رفعت پیدا ہو گئی، لیکن ان کے پیشروؤن نے جو کچھ کیا۔ ان کو نہ سراہنا ناانصافی ہو گی، انھون نے راہین کھولین، اور ایک ایسے ملک مین اپنی تہذیب اور تمدن کو روشناس کرنے کی کوشش کی جو بالکل

کی مدت مین وہ پورے ہندوستان پر چھایا رہا۔ اس نے تین بڑے کام انجام دیئے، اپنی سلطنت کو تاتاریون کی غارت گری سے محفوظ رکھا، باغی گورنرون (اقطاع دارون) کو پسپا کیا۔ اور ہندوؤن کو قابو مین رکھا۔ ان کامون کے علاوہ اس کے اور بھی کارنامے ہین۔ برنی کا بیان ہے کہ اس نے بادشاہت کی عظمت وشوکت کو اس طرح قائم رکھا کہ اس سے زیادہ برقرار رکھنا ممکن نہ تھا۔ اور بدایون کے ملک بق بق اور اودھ کے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۶) اجنبی اور مخالفانہ عناصر سے بھرا تھا۔ تاہم انھون نے یہان کے لوگون کا ذہن ایسے معاشرتی نظام کے لیئے تیار کیا جو ان کے لیئے بالکل نیا تھا۔ (ڈیول انڈیا ص ۵۳-۲۴۸)

سلاطین دہلی اپنے کو اسلام کا نمایندہ کہتے تھے، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ انھون نے اسلامی قوانین کے پابند ہو کر حکومت کی یا مطلق العنان حکمران رہے؟ ان سوالات کا جواب ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی کی حسب ذیل تحریرون مین ملیگا۔

"یہ نہین کہا جاسکتا ہے کہ سلاطین دہلی نے شرع کا اقتدار اعلی تسلیم نہین کیا، اور نہ ان کے زمانہ مین شرع محض ایک افسانہ بن کر رہا۔ انھون نے اپنی عام روش مین شریعت کا لحاظ ضرور رکھا، کچھ ایسے سلاطین ضرور ہوئے جنھون نے شریعت کی خلاف ورزی کی، لیکن بہت سے ایسے سلاطین بھی ہوئے جنھون نے شرعی قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کیا، ظلم و تعدی کی صورت مین شرعی قوانین کا لحاظ ضرور کیا جاتا۔ محمد بن تغلق ایک ملزم کو قتل اسی وقت کراسکا جب وہ فقہا کو اپنے بہتر منطقیانہ اور فقہی دلائل کے قائل کرسکا۔ اور اگر کوئی سلطان غیر شرعی فعل کا مرتکب ہوتا تو اس کے خلاف احتجاج ہوتا۔ رائے عامہ مشتعل ہوجاتی جس سے سلطنت کی پائداری مین فرق آجاتا، علاوہ ازین

ہیبت خان جیسے جلیل القدر امراء کو جس طرح اس نے کوڑے لگوا کر ذلیل و خوار کیا، اس کی انصاف پسندی اور عدل پروری کی دلیل تھی، اور اس نے عدل و انصاف کی جو روایت قائم کی ، بعد کے مسلمان سلاطین بھی اس کے پابند رہے ، محمد تغلق نے اپنے بھتیجے کو جو سزا دی اور گجرات کے احمد شاہ نے اپنے داماد کو جو پھانسی دی وہ بہت سی مثالوں میں سے ایک دو مثالیں ہیں ۔ ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قانون کے سامنے سب چھوٹے بڑے برابر تھے ، اور گو بعض سزائیں وحشیانہ تھیں ۔ لیکن وہ بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۷) کے بارہ میں مشہور ہے کہ اس نے شرع کی خلاف ورزی کی ، لیکن اس الزام کا تجزیہ بڑی احتیاط سے کرنے کی ضرورت ہے ، اس نے قاضی مغیث سے جو گفتگو کی اس کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے لیکن اس کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاں تک شرع کی پابندی کی ضرورت کا سوال ہے ، قاضی اور سلطان میں کوئی اختلاف نہ تھا ۔ سلطان کا بیان ہے کہ اس نے ملکی مصالح کی خاطر کچھ ایسے کام ضرور کئے جو نادانستہ طور پر شرع کے مطابق ہو گئے ۔ لیکن اس نے بعض موقع پر شرع کا نفاذ محض اس کے احترام کی خاطر کیا ۔ لیکن سلطان اور قاضی میں سزاؤں کی نوعیت ، مال غنیمت کی تقسیم اور شاہی اخراجات کے سلسلہ میں اختلاف آرا پیدا ہوا ، سلطان نے اس کو قبول کیا کہ اس کی سزائیں سخت ہوتی ہیں ۔ لیکن یہ محض ملک کی بے جا سرکشی کو دبانے کی خاطر دی جاتی ہیں اور شرع ایسے لوگوں کی پاسداری بھی نہیں کرتی جو خواہ مخواہ ایک جائز حکمران کی عدل حکمی کریں ، یا اس کے نظام حکومت میں مزاحم ہوں ، کیونکہ دار الاسلام کو اپنی حفاظت بھی کرنی ضروری ہے ، سلطان کو دیوگیر میں جو مال غنیمت ملا تھا ۔ اس کے متعلق اختلاف کی گنجائش ہو سکتی تھی ، علاء الدین اس مہم پر اپنی شہزادگی کے زمانہ میں ۔ ۔ ۔ ۔

بہرحال قابل تعریف ہین، محمد تغلق کو معلوم ہوا کہ شہزادہ مسعود کی مان کی عصمت محفوظ نہین رہی تو اس نے اسلام کے قانون کے مطابق اس کو سنگسار کرا دیا، گشتاسپ کی بے وفائی اور غداری پر اس کو جو سزا دی، وہ بڑی ہی عبرت ناک ہے، فیروز شاہ نے بعض سزاؤن کو ہلکا کر کے انصاف مین رحم کی آمیزش کی، اس سے عدل و انصاف کے نظام مین ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوئی، اور گو فیروز شاہ قدامت پسند حکمران تھا، پھر بھی اس کی وجہ سے اس جنگجو یا نہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۸) سلطان جلال الدین کی مرضی کے خلاف کیا تھا۔ اور حکومت کو اسکے اخراجات برداشت نہین کرنے پڑے، علاؤالدین کا یہ کہنا تھا کہ اس نے یہ دولت اپنی ذاتی کوشش سے حاصل کی تھی، اس مین حکومت کی کوئی مدد شامل نہ تھی، اس لئے وہ اس کا بلا شرکت غیرے مالک تھا۔ قاضی مغیث شاہی اخراجات کے سلسلہ مین ضرورت سے زیادہ سختی کو راہ دینا چاہتے تھے، انھون نے خلفائے راشدین کی مثالین پیش کین، جو غربت کی زندگی کو پسند کر کے بیت المال پر کسی قسم کا بار ڈالنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے، . . . . یہ نصب العین لوگون کے ذہن سے جاتا رہا تھا، . . . . لیکن بہت کم فقہاء نے شاہی اخراجات کو کم کرنے پر زور دیا ہے، کیونکہ شاہی دربار کی شان و شوکت بھی اپنی قدر و قیمت رکھتی ہے، علاؤالدین پر اسراف بے جا کا الزام نہین رکھا جاتا کیونکہ اقتصادی کفایت شعاری مین، اس کا نام محتاط سلاطین کی فہرست مین لیا جا سکتا ہے، اور پھر اس نے قاضی مغیث سے صاف طور پر یہ کہدیا کہ قاضی مغیث مین علم سے بے بہرہ ہون، کوئی کتاب تو نہین پڑھی ہے، لیکن مین مسلمان ہون، اور مسلمانون ہی کی نسل مین سے ہون اس کے بعد اس نے یہ بھی کہا کہ مین شریعت سے تو ناواقف ہون، لیکن مفسدون کے خلاف

عہد میں یہ تبدیلی ہوئی

بلبن کے بعد علاء الدین خلجی پر نظر پڑتی ہے، اس نے ملک کے نظم ونسق میں طرح طرح کے تجربے کیئے۔ جن کو یہاں دہرانا ممکن نہیں ہے، اس نے اپنی حکومت کو سیکولر (غیر مذہبی) بنانے کی کوشش کی، اور فوجیوں کو جاگیر دینے کے بجائے نقد رقم دینے کا رواج جاری کیا۔ فوجوں کے لیئے باضابطہ رجسٹر اور ان کی حاضری اور غیر حاضری کے اندراج

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۹) میری سختی مذہب کے روایات کے احترام ہی میں ہے، ان باتوں سے کبھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ سلطان علاء الدین نے شرع کو نظر انداز کیا، اور جب اس کو بڑی ضرورت تھی تو بھی اس نے شرعی حد سے تجاوز نہیں کیا اور پیداوار کی لگان کی شرح نصف سے زیادہ بڑھنے نہیں دی، اس کی اقتصادی اصلاحیں اسلامی حسبہ کے نظام کی اعلیٰ کارکردگی کے مطابق تھیں، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نیا مذہب قائم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس مذہب کی موت ایک نوزائیدہ مردہ بچہ ہی کی طرح ہو گئی، کیونکہ اس کا خیال صرف اس کے چند رازدار ساتھیوں ہی تک محدود رہا۔ اور مورخین تو اس کا بھی ہم کو یقین دلاتے ہیں کہ بعد میں اس کے خیالات کی پوری اصلاح ہو گئی تھی۔ برنی کا بیان ہے کہ وہ حضرت نظام الدین اولیا کا بڑا معتقد تھا۔ مولانا شمس الدین ترک ایک بڑے فاضل پیر دینی فقیہ تھے، انھوں نے سلطان کو ایک مکتوب لکھا۔ اور انھوں نے اس کا انتظام کیا کہ مکتوب سلطان تک پہونچنے سے پہلے وہ ہندوستان چھوڑ دیں، اس مکتوب میں بڑی صاف گوئی سے کام لیا گیا ہے، لیکن مولانا نے سلطان کی توجہ اس کی صرف دو کمزوریوں کی طرف دلائی ہے، ایک تو یہ کہ وہ نماز کا پابند نہیں، دوسری یہ کہ

کا طریقہ جاری کیا ۔ فوجی گھوڑون کی شناخت کے لیے ان کو داغ دینے کا قانون بنایا ، بازارون کے نرخ پر پابندی عائد کی ۔ اور اس کے لیے محتسب مقرر ہو گئے ، شراب اور دوسری منشیات کی خرید و فروخت بالکل بند کرا دی ، ان تمام امور مین اس کی نیت کچھ بھی رہی ہو ، لیکن ان سے ملک کے نظم و نسق مین خاطر خواہ ترقی ہوئی ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۰) اس نے ایک نااہل کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کر رکھا ہے ، اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق ایسے حکمران گزرے ہین ، جو سلاطین دہلی مین سب سے زیادہ خود رائی اور آزادی خیال کے لیے نمایان رہے ۔

ان سلاطین کے ہاتھون مین بڑے اختیارات رہے ، اس سے عام طور سے خیال ہوتا ہے کہ وہ مطلق العنانی کے مجسمے تھے ، لیکن عملی حیثیت سے مطلق العنانی کا خیال یا تو ان سلاطین کے خواب یا بیوقوفون کے وہم و گمان مین رہا ۔ تمام سیاسی طاقتون کا دار و مدار حکومت کے مضبوط اجزائے پر ہوا کرتا ہے ۔ اور یہی ابتدائی اصول سلاطین دہلی کے زمانہ مین بھی کارفرما رہا ۔ گو نوعیت ذرا جداگانہ تھی ۔

سلطان کو قانون سازی کا اختیار بہت ہی کم تھا ۔ وہ مسلمانون اور ہندوؤن کے ذاتی اور مذہبی قوانین مین کسی قسم کی مداخلت نہین کر سکتا تھا ۔ اور اگر کرتا تو اس زمانے کے لوگ اپنی جانین نہ دے کر اس کی مخالفت کرتے ، اس معاملہ مین سلاطین کو اپنی مجبوری اور بے بسی کا پورا احساس تھا ، کچھ ایسے سلاطین بھی تھے جو ہندوؤن کے بعض مراسم کو پسند نہین کرتے تھے ۔ لیکن ان مین دخل دینا مناسب نہین سمجھتے تھے ، اسی طرح وہ بلا تامل شریعت کی خلاف ورزی نہین کر سکتے تھے ۔ وہ مسلمانون کا اعتماد اور جذبہ اطاعت گذاری اسی وقت

غیاث الدین تغلق نے کوئی نئی بات تو نہین کی، لیکن اس کے مختصر عہد حکومت مین امن
اور خوشحالی رہی، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حکومت کے تمام شعبون کو خراب
عناصر سے پاک کر دیا، اس نے نہ خود کوئی ایسا کام کیا اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دیا جس سے
ملک کی ترقی مین رکاوٹ پیدا ہو، یا ملک کو کوئی نقصان پہنچا ہو، سرکاری مال گذاری کی تحصیل
مین اس کا رویہ اعتدال اور انصاف پر مبنی تھا۔ اس نے ڈاک کا انتظام از سر نو قائم کیا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۱) حاصل کر سکتے تھے جب کہ وہ شرعی قوانین کا احترام کرتے رہتے، مثلاً ناصر الدین
خسرو کی حکومت اسی لئے ختم ہو گئی کہ اس نے اپنے ساتھیون سے مل کر اسلام کی تذلیل شروع
کر دی تھی اور مسلمانون کی رائے عامہ کو اپنے خلاف کر لیا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ مین مذہب جس طرح
لوگون کے ذہن و دماغ پر چھایا رہا، اس کا اندازہ آج کل کے لوگ مشکل ہی سے کر سکتے ہین
اسی لئے بعض سلاطین کو شرعی قوانین پر واقعی ایمان تھا اور ان کی وہ محافظت کرنے پر
مجبور تھے، اور بعض سلاطین تو اس فرض کو انجام دینے ہی مین اپنی سعادت اور عبادت
سمجھتے پھر ظاہر ہے کہ اس کے ذریعہ لوگون کی مدح و تحسین حاصل کرنے کی خواہش بھی
ضرور رہی ہو گی، یہ نفسیاتی قوتین سلاطین کو غیر ذمہ دار ہونے سے برابر روکتی رہین، اور
یہ بیرونی پابندیون سے زیادہ موثر تھین۔

ایک تنہا آدمی مختار کل بن کر حکومت نہین کر سکتا، کسی ایک آدمی کے لئے پوری
آبادی پر اپنے حکم کا نفاذ کرنا ممکن نہین۔ یہ نفاذ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب لوگون کی
حمایت حاصل ہو جو دو قسم کی ہو سکتی ہے، کچھ چھوٹی جماعت ایسی ضرور ہوتی ہے جس کے
با اثر افراد اپنی پوری صلاحیت، لیاقت اور استعداد کے ساتھ ایک حکمران کے سرگرم
حامی بنے رہتے ہین اور آبادی کا بڑا حصہ احکام مان کر اور ٹیکس ادا کر کے بلا واسطہ

پولیس اور عدالت کا انتظام اتنا بہتر اور مکمل تھا کہ کوئی بھیڑیا بھیڑ یا بھیڑ کے بچہ پر حملہ کرنے کی جرات نہین کر سکتا تھا۔ اگر اس کا جانشین اس کے لڑکے محمد کے بجائے اس کا بھتیجا فیروز ہوتا تو ملک بہت سی خطرناک غلطیون اور برائیون سے محفوظ رہتا، گو محمد ایک منچلا فرمان روا تھا، پھر بھی اس نے حکومت مین بہت سی اصلاحین کین، وہ اپنے سکہ کی پالیسی اور دار الحکومت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلنے کی کوشش مین ناکام ضرور رہا، تاہم ملک کے نظم ونسق

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۲) حمایت کرتا رہتا ہے۔ سلاطین دہلی کو امرا پر اعتماد کرنا پڑتا تھا۔ اور امرا بھی ان کے ساتھ اشتراک کرتے رہتے، پھر سلاطین علما و صلحا، اور فقہا کا بھی تعاون حاصل کرتے کیونکہ ان کا اثر مسلم عوام پر بہت ہوتا۔ حکومت کے شعبون مین ایسے بہت سے عہدیدار تھے جو اپنے تجربات اور فنی معلومات سے فائدے پہونچاتے رہتے، سلاطین کے لیئے زمین کے کاشتکارون، ہندو کسانون، ان کے نمایندون، گاؤن اور قبیلون کے سردارون کو فراموش کر دینا ممکن نہ تھا، حکومت کی طاقت مسلمان لشکری تھے، جو سلطان کے لیئے اپنا خون بہایا کرتے تھے۔ کوئی سلطان ان مین سے کسی کو نظر انداز کر کے کامیاب نہین ہو سکتا تھا اور اس کو اپنی مقصد برآری ان ہی کی حمایت سے ہوتی رہتی تھی۔ عوام اگر مخالف ہو جاتے تو ان کی مخالفت رائگان نہ جاتی۔ معاصر اہل قلم نے شاہی اختیارات کے حدود کو تسلیم کیا ہے۔ محمد بن تغلق کی مشکلون اور ناکامیون کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے برنی نے دو مرتبہ بیان کیا ہے کہ اس کے افعال نے ایک عام بے چینی پیدا کر دی تھی، علاء الدین کی اصلاحین اس لیئے کامیاب ہوئین کہ اس کو ماہرون اور تجربہ کارون کی حمایت حاصل تھی، محمد بن تغلق نے جب ضرورت سے زیادہ ٹیکس کا بار ڈالا تو دوآب کے کسانون نے اس کے خلاف بغاوت کی، اور وہان آمدنی بالکل وصول نہ ہو سکی، ظلم کی بستی

مین اس کی خدمات پر پردہ نہین ڈالا جاسکتا۔ اس نے دہلی سے دیوگیری تک سات سو میل
کی ایک شاہراہ بنا دی جس مین راہگیرون کے لیے ہر قسم کی سہولت اور راحت مہیا کی گئی
تھی، جس کو نظم و نسق کا غیر معمولی کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ جب قحط پڑا تو اس نے قحط زدہ
علاقون کو مصائب سے جس طرح بچایا ہے، اس سے اس کی نیت کے اخلاص کا اندازہ
ہوتا ہے، سرگدواری مین اس نے بڑا کیمپ قایم کیا۔ جہان سے بڑی فیاضی سے امداد
پہونچائی۔ پھر زمینون کے بندوبست کے لیے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا اور زراعت کی
ترقی کے لیے بھی فیاضی سے کام کیا، ان تمام باتون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمان سلاطین
کی نیت کس طرح بدلتی جارہی تھی، وہ اس ملک کو صرف لوٹنے گھسوٹنے کی سرزمین
نہین تصور کرتے تھے۔ محمد تغلق نے کبھی لوٹ گھسوٹ کی کوشش نہین کی، اور نہ اس نے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۳) زیادہ دنون تک چل نہین سکتی۔ ہان اگر لوگ بزدل ہون تو اور بات ہے
لیکن ازمنۂ وسطیٰ کے ہندوستانی بزدل نہین کہلائے جاسکتے، کیونکہ وہ زیادہ تر جنگجو، سرکش اور باغی رہے ہیں،
یورپ کے جاگیردارانہ نظام کے زمانے مین امراء شاہی اختیارات کو روکنے مین اتنے
اثر انداز نہین ہوے جتنے ہندستان کے امراء رہے۔ یہان مسلمانون کی حکومت قائم ہوئی
تو یہان کے اجنبی باشندے رفتہ رفتہ ان سے مانوس ہوئے، پھر منگولون کے حملے برابر جاری رہے
جو دارالسلطنت تک آجایا کرتے تھے، ان مشکلات مین امراء کو ناراض کرنا آسان نہ تھا،
اور اگر وہ ناراض ہوجاتے تو اس کے برے نتائج پیدا ہوتے کیونکہ ان مین بعض قبیلون
کے سردار تھے، اور اپنے پیچھے ایک مستقل جماعت رکھتے تھے، کوئی سلطان جبراً ان کو
اپنی خواہش منوا نہین سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے کو حکمران کے برابر ہی سمجھتے تھے، اور
ان کو خیال رہا کہ وہ جب چاہین ایک نئے شاہی خاندان کی بنا ڈال سکتے ہین، سلاطین

کفر کو مٹانے کا تہیہ کیا۔ اپنے نقطۂ نظر سے ایک بہتر اور مثالی قسم کی ریاست قائم کرنے کی دھن میں لگا رہا اگرچہ اس کو اپنی بے صبری اور بد احتیاطی کی وجہ سے اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی، لیکن اس ناکامی کے المناک پہلو کے باوجود وہ علاءالدین خلجی کی طرح ملاؤں کے نظریۂ حکومت کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ اور ملک کے نظم و نسق میں وسیع المشرب ہونے کا ثبوت دیا۔ اس نے ستی کی رسم کو روکوا دیا، غربا کی امداد کے لیے پوری سہولت پہنچائی، اسکول اور اسپتال قائم کیے، صنعت و حرفت کی سرپرستی کی، اور ان کاموں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے نظم و نسق میں روشن خیالی پیدا کرنے کی کوشش کی، اور جو پالیسی علاءالدین نے شروع کی تھی، غیاث الدین تغلق نے اس کو برقرار رکھا۔ اور محمد تغلق نے آگے بڑھایا اور فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودھی کے زمانے میں منتہائے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۴) کی صلاحیت و کردار کے لحاظ سے ان کے تعلقات کی نوعیت ہوتی، بہلول لودی نے غایت انکسار میں اپنی پگڑی امرا کے پاؤں پر رکھدی تو وہ سب کے سب اس کے حامی ہو گئے، لیکن ابراہیم لودی نے ان کو ناراض کر دیا تو سلطنت کھو بیٹھا، امرا میں اتحاد ہوتا تو اسلام کی خدمت کے جذبہ ہی کی بنا پر ہوتا۔ دہلی ہی کی ایک سلطنت تھی جو منگولوں کی غارت گری سے محفوظ رہ گئی تھی۔ خلافت کی سرزمین ان کے وحشیانہ حملوں سے تہ و بالا ہو چکی تھی۔ امرا کو بھی یہ احساس تھا کہ دین ایک حکومت کے بغیر فروغ نہیں پا سکتا، اور ایک حکومت دین کے بغیر صحیح راستہ پر چل نہیں سکتی، ان کو یہ بھی احساس تھا کہ ایک قوم پر جب دوسروں کی حکومت ہو جائے، تو وہ محض ایک لاش ہے، ان ہی احساسات کی بنا پر امرا سلاطین کی اطاعت کرتے رہے، لیکن جب سلاطین

فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودی مذہبی حیثیت سے تنگ نظر ضرور تھے۔ لیکن ان کی مذہبی تنگ نظری ملک کے نظم ونسق کو سیکولر (غیر مذہبی) رکھنے مین حائل نہین ہوئی فیروز نے سزاؤن کی متشددانہ صورتون کو ختم کرادیا۔ بے روزگاری دور کردی مسلمانون پر مختلف ٹیکس کے بار ہلکے کر دیئے شہرون کا بڑا اچھا انتظام کیا اور ملک کی خوشحالی خاطر خواہ طریقہ پر بڑھادی، یہان تک کہ ضروریات زندگی کی تمام چیزین نہ صرف دار السلطنت بلکہ پورے ملک مین فراوانی کے ساتھ میسر ہو جاتی تھین، ایسے قوانین بنائے جن سے رعایا مطمئن اور آسودہ حال ہوتی گئی۔ ان کے گھر غلہ کے انبار، مال واسباب، گھوڑون اور فرنیچر سے بھر گئے، ہر ایک کے پاس سونا اور چاندی وافر مقدار مین رہتی تھی، ہر عورت کے پاس زیور ہوتا تھا۔ اور ہر گھر مین اچھے کپڑے پلنگ اور بستر ہوتے تھے۔ غرض دولت کی فراوانی اور راحت وآسایش کے سامان ہر شخص کو میسر تھے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۵) ان کے ان جذبات کے مطابق نہ ہوتے تو وہ ان کے خلاف بغاوت کر بیٹھتے، اس مین شک نہین کہ کچھ امرا ایسے بھی تھے جو خود غرض بنکر رہے۔

اصولی حیثیت سے سلطان انتخاب ہی کے ذریعہ تخت نشین ہوتا۔ امرا، علما، اور فضلا کسی ایک پر متفق ہو جاتے، تو وہ سلطان اعلان کر دیتا، اور پھر سب اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ اس مین شک نہین کہ بعض اوقات یہ انتخاب محض نام کو ہوتا، کیونکہ ہونے والا سلطان اپنا حق فتح کے ذریعہ یا اپنے لشکریون کی قوت پر پہلے ہی قائم کر لیتا لیکن اس کو بھی قانونی وارث ہونے کے لئے فقہا اور عوام کی حمایت حاصل کرنا ضروری تھا، اور اس کو بھی فراموش نہین کرنا چاہئے کہ سلاطین اسلام کے پیرو ہونے کے ساتھ ہی ترک بھی تھے، وہ اپنے قبائلی روایات اور مراسم سے بھی متاثر تھے، امرا، خاندانی وراثت کو تسلیم نہین کرتے تھے، اسی لئے بعض سلاطین کے جانشین ان کے لڑکے نہین ہوئے، گو اس کی کوشش ضرور ہوتی کہ انتخاب شاہی خاندان ہی

سلطنت دہلی کے جلیل القدر سلاطین مین آخری نام سکندر لودی کا ہے،
اس نے ملک کے نظم ونسق کو زیادہ مرکز کے ماتحت کر دیا، وہ اپنے فرامین ملک کے زیادہ سے زیادہ
حصے مین تشہیر کراتا تھا، سرکاری آمدنی وخرچ مین بڑی سختی سے احتساب کرتا تھا۔ تاجرون
اور کسانون کے مفاد کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا تھا۔ غربا کو بروقت امداد پہونچاتا۔ خوشی اور تہوار کے
دن قیدیون کو چھوڑتا تھا۔ سلطنت کے واقعات سے باخبر رہتا، اس کے زمانہ مین کوئی شخص
اپنی جاگیر سے بے جا طریقہ پر محروم نہین ہوا، اور دیرینہ رسم ورواج کو بھی ترک نہین ہونے
دیا گیا، ملک کی یہ عام خوشحالی بابر کے حملہ تک قائم رہی اگرچہ سکندر کے جانشین کے عہد
مین بڑا سیاسی انتشار رہا پھر بھی تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۶) کے افراد مین سے ہو، لیکن خاندانون کی تبدیلی ملک کے لئے مناسب
رہی، اور یہ تبدیلی ملک کے فلاح وبہبودی کی خاطر ہوئی، جلال الدین خلجی ایک فاتح تھا، لیکن
اس کا بھی انتخاب رسمی طور پر عمل مین آیا۔ ترک خلجیون کو پسند نہین کرتے تھے عوام بھی جلال الدین
کی طرف مائل نہ تھے، اسی لئے عوام کی ایک بڑی تعداد نے اس کے لئے حلف وفاداری
نہین اٹھایا۔ لیکن پھر ہم لوگون نے اس سے تعاون کرنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔۔ بہت سے
نااہل سلاطین معزول کئے گئے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بادشاہت کوئی مقدس چیز
نہین سمجھی جاتی، اگر وہ نالائق ہوتا تو فوراً تخت سے اتار دیا جاتا، ایسی مثالین بھی ہین کہ
لایق سلاطین کے خلاف بغاوتین ہوئین، لیکن ان بغاوتون کو حمایت کم حاصل رہی، کچھ
مثالین ایسی بھی ہین کہ کمسن لڑکے تخت پر بٹھائے گئے، لیکن یہ زیادہ تر سازش کرنے
والون کے سبب سے حکمران بنے، مگر ان کی تخت نشینی بھی انتخاب ہی کے رسمی طریقہ
سے ہوتی۔ اس مین شک نہین کہ جانشینی کا کوئی خاص اصول نہ تھا۔ اس کے نقائص اپنی جگہ

سلطان ابراہیم کے زمانے کی غیر معمولی چیز یہ ہے کہ اس کے عہد مین غلہ، کپڑا اور بازار کی ہر چیز اتنی سستی تھی کہ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد کے سوا اس کی مثال نہین ملتی۔ دس من اناج ایک بہلولی مین مل جاتا تھا۔ اور اتنی ہی رقم مین پانچ سیر صاف مکھن اور دس گز کپڑا خرید جا سکتا تھا۔ ہر چیز کی بہتات تھی، اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ عام طور سے بارش ٹھیک اور ضرورت کے مطابق ہوتی تھی جس سے فصل بہت اچھی ہوتی تھی، اور غلہ کی پیداوار دس گنا زیادہ بڑھ گئی تھی، ایک معزز آدمی کی تنخواہ پانچ ٹنکے ماہوار ہوتی تھی، اور سوار ۲۰ سے لے کر ۳۰ ٹنکے تک ماہوار تنخواہ پاتا تھا، اگر کوئی مسافر دہلی سے آگرہ جاتا تو خود کھاتا اور اپنے گھوڑے کو کھلاتا پلاتا، ایک بہلولی مین منزل مقصود تک پہونچ جاتا۔

ممکن ہے مذکورۂ بالا بیان مین کچھ مبالغہ ہو، کیونکہ تاریخ داؤدی ایک افغان کی تصنیف ہے، اور اس نے پٹھانون کے زرین ماضی کے ذکر کرنے مین کچھ غلو سے کام لیا ہو، پھر بھی اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ بلبن کے عہد مین جو نظم ونسق قائم ہوا، اس مین اتنی ترقیان ہوئی تھین کہ خلجیون، تغلقون اور لودیون کے دور مین ملک اور ملک کے عوام دونون مین خاطر خواہ خوشحالی رہی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۷) جگہ پر مسلم ہین، لیکن اس کے بڑے فوائد یہ بھی تھے کہ کچھ ایسے افراد تخت نشین ہوئے جو بہت ہی نمایان اور کامیاب رہے، اس زمانہ کے مشکل حالات مین بادشاہ بننا کوئی آسان کام نہ تھا، خاتم العقل اور راحت پسند حکمران زیادہ دنون تک برداشت نہین کئے جا سکتے تھے، کیونکہ حکومت کو ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی جو پوری احتیاط سے فرائض کو انجام دیسکتا، بادشاہ کے انتخاب کا طریقہ غیر واضح اور عاجلانہ ضرور تھا۔ لیکن اسی کے ذریعہ خاص وقت کیلئے موزون حکمران حاصل ہو جاتا۔

("سلاطین دہلی کا نظام سلطنت" باب ۳ صفحہ ۴۵ - ۴۳)

پندرہوین جھلک

ہندوستانی تہذیب اور اسلام

جناب ان۔ سی مہتا صاحب آئی۔ سی۔ ایس

یہ حقیقت[۱] اکثر نظر انداز ہو جاتی ہے کہ خیالات خواہ کتنے ہی اعلیٰ ہون، اسی حد تک قابل قدر ہین جب تک کہ وہ قابل عمل ہون، یہ صحیح ہے کہ ساتوین صدی مین اسلام نے جن خیالات کی اشاعت کی، ان سے ہندوستان، ایران، روم اور یونان کے قدیم تمدن ناواقف نہ تھے، اسلام تخیل کی کوئی جدت نہین، بلکہ اس کے لئے باعث فخر یہ بات ہے کہ اس نے اپنے پیش کردہ خیالات کو لوگون کے دلون مین اتار کر ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ توحید کا مسئلہ اہل ہند کے لیے

---

[۱] اس باب مین اقتباسات جناب ان۔ سی۔ مہتا کے مضمون "ہندوستانی تہذیب اور اسلام" سے لئے گئے ہین۔ ان۔ سی مہتا حکومت برطانیہ کے عہد کے بڑے مشہور آئی سی ایس، اور علم دوست تھے۔ وہ کئی کتابون کے مصنف بھی ہین۔ ان کے مذکورہ بالا مضمون کا اردو ترجمہ کانپور کے مشہور ماہانہ اردو رسالہ زمانہ مرتبہ دیا نرائن نگم (جولائی ۱۹۳۵ء) مین شایع ہوا تھا۔ یہ اقتباسات اردو ترجمہ ہی سے مستعار ہین۔

ڈاکٹر سید عابد حسین نے اپنی فاضلانہ کتاب "قومی تہذیب کا مسئلہ" مین ایک باب "اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کا سابقہ" بھی قائم کیا ہے۔ ذیل مین ہم اس باب سے بھی

کوئی نئی چیز نہ تھی، لیکن یہاں بت پرستی انتہا تک پہونچ گئی تھی۔

اسلام کی قوت اس کی سادگی اور وحدت میں ہے، اور سب سے زیادہ اس کی دعوت عمل اُس تنبیہ میں مضمر تھی کہ قول و عمل کی مطابقت ضروری ہے، اس کی رواداری عام تھی۔ اسلامی اخوت نسل اور مراتب کی برتری تسلیم نہ کرتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اسلام ہمیشہ بت پرستی، باطل توہمات اور مذہب کی شکل میں چھپی ہوئی بربریت کو گوارا کرنے سے منکر رہا، چنانچہ دائرۂ اسلام میں جو شخص داخل ہو جاتا تھا۔ اس کو عبادت اور دیگر معاملات میں عملی طور پر مکمل مساوات حاصل ہوتی تھی، صرف خدائے واحد اور اس کے رسول پر ایمان لانا اسلام کی عظیم الشان برادری میں (جو ملکی اور نسلی امتیازات سے بالاتر ایک حقیقی اور واقعی وجود رکھتی تھی) شامل ہونے کے لئے کافی تھا۔ رسول عربی کا ارشاد یہ تھا کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور سب مساوی ہیں۔ ہادی اسلام کی سادہ تعلیم سے ایران، ہندوستان میں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۵) کچھ اقتباسات پیش کرتے جاتے ہیں ڈاکٹر صاحب موصوف مختلف پہلوؤں کو سامنے کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

آئیے، اب ذرا یہ دیکھیں کہ ہندوؤں سے جن پر آبادی کا بڑا حصہ مشتمل تھا، سلطنت دہلی کا کیا تعلق تھا۔ اور کیسا سلوک رہا۔ اور ہندوستانی قومیت کے حق میں یہ عہد کیسا ثابت ہوا، آٹھویں صدی سے دسویں صدی تک جنوب کو چھوڑ کر تقریباً سارے ہندوستان میں راجپوتوں کی حکومت تھی، اور ان کی سپہ گری اور بانکپن کی خوشنما تہذیب کا دور دورہ تھا۔ اس زمانے میں ہندو معاشرے میں ذاتوں کی تقسیم و تفریق انتہا کو پہونچ گئی۔ بھی پرانے چھتری اور ویش بھی شودروں کی طرح ذیلی ذاتوں میں بٹ کر اپنی حیثیتوں کو کھو چلے تھے، صاحب اقتدار طبقوں یعنی راجپوتوں اور براہمنوں کی بھی

چین اور قسطنطنیہ کی قدیم تہذیبیں جیسی حیرت زدہ رہ گئی ہونگی، اس کا آج اندازہ کرنا مشکل ہے، مردون سے نصف ہی سہی، مگر عورتون کو حق وراثت دیا گیا۔ غلامون کو وہی خوراک اور لباس دینے کی تاکید تھی جو مالک استعمال کرتے تھے، اور علم کی طلب مین چین تک پہونچنے کی نصیحت کی گئی ہے،

میرا عقیدہ ہے کہ اس نئے مذہب کے پیرو سرحد سے داخل ہونے کے بعد ہندوستان کو اپنے خیر مقدم کے لئے تیار پاتے، اگر وہ ملک کی دولت پر قناعت کر لیتے اور سلطنت مین اپنے عملی اخلاقیات کو دخل نہ دیتے کیونکہ ان کی اخلاقی تعلیم اپنی سادگی کے باوجود قدم قدم پر ہندو مذہب کے نظام سے متصادم ہوتی تھی۔ آیئے آج ہم ان مسائل پر نظر ڈالین جن مین آج سے ہزار برس پہلے ایک شائستہ ہندو کو مسلمان بدیسیون کی دخل اندازی ناگوار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۲) نہ جانے کتنی ذاتین اور گوتین بن گئی تھین، خصوصاً راجپوتون کی قبائلی روح اس قدر قوی تھی کہ خود ان کے اندر اتحاد کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس انتہائی انتشار کی حالت مین ہندوستان کی قومی اور سیاسی وحدت کا تصور خواب مین بھی نہین آسکتا تھا۔ اسی تفریق اور انتشار کی وجہ سے مسلمان حملہ آورون کو ہندوستان مین قدم جمانے کا موقع مل گیا، محمود غزنوی کے حملون کا تو کبھی متحدہ مقابلہ ہوا ہی نہین، محمد غوری کے مقابلہ مین راجپوت حکمرانون نے عین وقت پر ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی کوشش کی مگر اس مین کچھ زیادہ کامیابی نہین ہوئی، قنوج کا طاقتور راجہ بالکل الگ رہا، اور مجموعی طور پر شاید ہندوستان کی پوری قوت مدافعت کے دسوین حصے سے بھی کام نہین لیا جاسکا۔

مسلمانون کی مستقل حکومت شمالی ہند مین قائم ہونے کا ردعمل ہندوون پر وہی

ہوتی ہوگی۔ عورت کو ہندو "شکتی" یعنی قوت،، کا مظاہرہ سمجھتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے بموجب دیوتا وہیں رہتے ہیں جہاں عورت کا احترام کیا جاتا ہے، اگرچہ ہندو طاقت کے اس مجسم مظاہرے کو دیوی مانتے تھے، لیکن معاشرتی نظام میں وہ اس کی جداگانہ حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے خصوصاً اس حالت میں جب کہ وہ کسی کی بیٹی یا کسی کی بیوہ یا بیوی ہو، اس کو مرد کی محبت آمیز نگرانی میں رکھنے کے بجائے وراثت کے جداگانہ حقوق دے دینا گویا دیوی کو اس کے تخت اعلیٰ سے اتار دینا تھا۔ اسی طرح شوہر کی چتا پر زندہ جل مرنا ایک ہندو بیوہ کے لئے کارِ عظیم سمجھا جاتا تھا، جو زن و شوہر کی محبت کو تقدس کے درجے تک پہونچا دیتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس رسم کی بدولت عورتوں کی بے نفسی اور ایثار سے ان کی برتری مسلم ہوگئی۔ مگر اس مسئلہ میں بھی ہندوؤں کو مسلمانوں کا زاویۂ نظر تنگ اور مادیت پرست معلوم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۱) ہوا جو ہنوں اور گرجروں کی فتوحات کا آٹھویں صدی میں ہوا تھا، ان کے جسم فاتح قوت کے آگے جھک گئے، مگر ان کی روحیں نسلی اور مذہبی خودبینی اور بیگانہ وشی کے حصار میں اس طرح محصور ہو کر بیٹھ گئیں کہ بظاہر ان میں اور مسلمانوں میں کسی قسم کا میل جول ناممکن نظر آنے لگا، ملچھ کا لقب جو پہلے ہنوں اور گوجروں کے لئے استعمال ہوا تھا۔ اب مسلمانوں کے لئے استعمال ہونے لگا، اور راسخ العقیدہ ہندو ان کے سائے سے پرہیز کرنے لگے، عام ہندوؤں کی یہ بیزاری تو زیادہ تر تعصبات پر مبنی اور جذباتی رنگ کی تھی، لیکن اونچے طبقوں کی کشیدگی صرف مذہبی یا نسلی تعصب کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس سے زیادہ ٹھوس بنیاد پر قائم تھی۔

ہندو راجاؤں اور چھوٹے مقامی رئیسوں کو یہ اندیشہ تھا کہ مسلمان حکمران ان کے مقبوضات کو چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیں گے، اور یہ چیز نہ صرف ذاتی اغراض

ہوتا ہوگا، مسلمانوں کی نظر میں عورتوں کی محبت و وفاداری کی یہ آتشین آزمائش کوئی وقعت نہ رکھتی تھی، لیکن اور معاملات کی طرح اس بارہ میں بھی ہندو اور عیسائی مذہب کے برعکس اسلام کی تعلیم زیادہ عملی اور دنیاوی ضروریات کے مطابق ہے، اسلام کو ہندوستان آئے ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ گذر چکے ہیں، لیکن وراثت کا مسئلہ جہاں تک ہندو عورت کا تعلق ہے ابھی تک ضروری سمجھا گیا ہے اور نہ عملی سیاسیات میں شامل ہو سکا ہے، حالانکہ عورت کا مرد کی طرح وراثت میں حصہ چاہنا، ایسا دعویٰ ہے جس کے جائز ہونے کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، ہندو ذہنیت ایک چاپلوس ذہنیت ہے، وہ یا تو آپ کا دعویٰ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے، یا منطق کے آخری حدود تک استدلال کرتی ہے، مگر اسی حالت میں جبکہ قول اور عمل کی مطابقت کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

ہندوؤں کے لئے عقائد اور عبادات میں تمام آزادیاں جائز ہیں، اسلام کو عمل پر اتنا اصرار نہ ہوتا تو ہندو مذہب عرب کے نئے دین کو جذب کر لیتا، اسلامی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۲) کی بنا پر بلکہ اصولاً بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی، وحدانی ریاست کا تصور جو مسلمانوں نے اسلام کی تعلیم سے اور ایران کی مثال سے اخذ کیا تھا، ہندوستانی روایات کے بالکل خلاف تھا، اس لئے ہندوستانی ذہن اسے کس طرح قبول کر سکتا تھا۔ راجپوتوں میں قبائلی روح اس قدر قوی تھی کہ ان کی چھوٹی بڑی ریاست اپنے اقتدار اعلیٰ کو جان کے برابر عزیز رکھتی تھی، اور کسی مرکزی قوت کی اطاعت کے لئے تیار نہ تھی، اب رہے دوسرے ہندو رئیس تو ان کے لئے مرکزی حکومت کے ماتحت ہونا کوئی نئی بات نہ تھی، لیکن ریاست کے جس تصور سے وہ مانوس تھے، وہ وفاقی سلطنت کا تھا، جو ماتحت ریاست سے محض حلف اطاعت اور خراج لے کر اس کو اندرونی معاملات میں آزاد چھوڑ دیتی تھی۔ ایک وحدانی ریاست کے جو ان کی

عقائد کا کوئی جز ایسا نہین ہے جو آج سے ہزار برس پہلے کے راسخ العقیدہ ہندوؤن کے لئے ناقابل قبول ہوسکتا تھا، لیکن عہد حاضر کے اشتراکی کی طرح مسلمانون نے رسول خدا کی سادہ اور صریح تعلیم کو روزمرہ زندگی کے ساتھ مربوط کرنا ضروری سمجھا۔ مسلمانون کی فلسفیانہ دلچسپیان محدود تھین، اسلام کی تعلیم خدا کی یکتائی پر سیدھا سادہ اعتقاد سکھاتی تھی، اس مین شنکراچاریہ مت کی وحدت الوجود کی سی موشگافیان نہین ہین، اس مین تصوف کی جوگل کاریان ہین وہ بعد کی چیزین ہین، جو ایران اور ہندوستان مین مقبول ہوئین، رسول عربی کا پیغام عام انسانون کے لئے تھا۔ ان کو نفسیات انسانی مین غیرمعمولی بصیرت حاصل تھی، وہ سمجھتے تھے کہ انسان کا جمود فطری مطالبات ہی سے شکست ہوسکتا ہے، رفعت کے مدارج عمل صالح ہی سے طے ہوسکتے ہین۔ . . . .

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۳) حکومت کا ایک سرے سے خاتمہ کرنا چاہتی تھی وہ دل وجان سے مخالف تھے۔

برہمنون کے طبقے کو بھی انقلاب حکومت سے کچھ کم نقصان نہین پہونچا تھا۔ اگرچہ سلطنت دہلی نے ہندوؤن کو مذہبی آزادی دی تھی، ان کے شخصی قانون کو تسلیم کیا تھا اور اس قانون کے نفاذ کے لئے عدالتون مین پنڈتون کا تقرر کیا تھا۔ لیکن برہمنون کے جو مستقل حقوق تلف ہوگئے تھے۔ ان کی تلافی اس سے کسی طرح نہین ہوسکتی تھی۔ پہلے وہ ان ریاستون مین جن کی جگہ دہلی سلطنت نے لے لی تھی، دربارون مین پروہت اور جوتشی اور عدالتون مین منصف کی حیثیت سے دخیل تھے۔ سرکاری ب اوقاف خیرات وحسنات کے محکمے ان کے ہاتھ مین تھے۔ قانون ان کے مستقل حقوق اور اختیارات کو تسلیم کرتا تھا۔ ریاست ان کی حفاظت کی ضامن تھی۔ انقلاب

ہندوستان کی دولت سے لبریز مندر مسلمانون کو ظلمت کدے نظر آئے، انکو مسمار کر دینا، اور مسمار شدہ مندرون کے ملبے منقش ستونون اور مرصع پتھرون سے مسجدین تعمیر کرنا دور اول کے مسلمانون کو ناجائز نہین معلوم ہوا، جس بات کو ہندو مذہبی بے حرمتی سمجھتے تھے، وہ مسلمانون کے نزدیک تبلیغ کا ایک مفید اور بہتر طریقہ تھا۔ مسلمانون کا جوش بت شکنی اسلامی نقطۂ نظر سے ایک ثواب کا کام تھا جس کی وجہ سے صدیون کی گندگی آن واحد مین دور ہو جاتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ مذہب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، کیونکہ مذہب کا اثر زندگی پر ہزار صورتون سے ہوتا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہون کی بت شکنی کو تو سب جانتے ہین۔ مگر یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ایک متقی مسلمان فرمان روا فیروز تغلق بڑے احترام اور احتیاط کے ساتھ اشوک کے فرمان کا ستون میرٹھ سے دہلی لے گیا تھا۔ شاید یہ پہلا سلطان تھا۔ جس نے ہندوستان

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۴) حکومت نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے نجی اثر اور نفوذ کو بھی کم کر دیا، مسلمانون مین مذہبی پیشہ اون کی کوئی الگ ذات یا طبقہ نہین تھا۔ ان کی مثال سے ہندوؤن کے دل مین بھی برہمنون کی عظمت بہت کم ہو گئی، شاید یہی وجہ ہے کہ سلطنت دہلی کے علاقے سے برہمن بڑی تعداد مین ملک کے دوسرے حصون مین خصوصاً جنوبی ہند مین جہان ہندوؤن کی حکومت تھی چلے گئے ہون۔

اب رہے عام ہندو (یعنی متوسط طبقے اور نچلے طبقے کے لوگ تاجر، کاریگر، دیہاتی شرفا (خوط اور مقدم) کسان اور مزدور، ان کا رویہ ریاست کے ساتھ کچھ اور رہا اور عام مسلمانون کے ساتھ کچھ اور، ریاست سے ان کا تعلق صرف اتنا تھا کہ اس کو لگان اور محصول ادا کر دیتے تھے، اور اس سے ملک مین امن و امان قائم رکھنے کی

کے آثار قدیمہ سے دلچسپی کی، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میسور کے حیرت انگیز مندر ابھی تک بت شکن ہاتھون سے محفوظ رہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اجنتا اور ایلورا کے برہمنی اور بودھی آثار کے تحفظ مین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانون کے بھی ہاتھ ہین، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ہمکو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اسلام نے ہندوستان مین کوئی نئی قوم لاکر آباد نہین کی، اسلام یہان صرف ایک نورانی مشعل لایا تھا، جس نے زمانہ قدیم مین جب کہ پرانے تمدن انحطاط پذیر ہو رہے تھے اور پاکیزہ مقاصد محض ذہنی معتقدات بن کر رہ گئے تھے، انسانی زندگی کو چھائی ہوئی ظلمتون سے پاک کر دیا، دیگر ممالک کی طرح ہندوستان مین بھی سیاست سے زیادہ خیالات کی دنیا مین اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو آج کی وسیع اسلامی دنیا بھی ایک روحانی برادری ہے، جس کو توحید اور مساوات کے مشترک عقیدے کا ایمانی رشتہ باہم منسلک کئے ہوے ہے، بدقسمتی سے اس ملک مین اسلام کی تاریخ صدیون تک حکومت سے وابستہ رہی، جس کی وجہ سے اسلام کی اصلی نوعیت پر پردہ پڑ گیا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۵) توقع رکھتے تھے، اجنبی حکمرانون سے ابتدا مین جو وحشت ہوتی ہے اس کے دور ہو جانے کے بعد وہ چار و ناچار ان کے ساتھ نباہ کرنے پر تیار ہو گئے اس لئے کہ انھین حکومت سے شکایت کی کوئی خاص وجہ نہین تھی، مجموعی طور پر مسلمان حکمران امن و امان قائم رکھتے تھے، انصاف کے ساتھ حکومت کرتے تھے، اور انھون نے ہندو رعایا کو مذہبی اور تہذیبی آزادی دے رکھی تھی، یہ ضرور ہے کہ انھون نے ریاست کا قانون بدل کر اسلامی قانون رائج کر دیا تھا، لیکن ہندوستان مین یہ کوئی نئی بات نہین تھی کہ حکمران طبقہ اپنا مذہبی قانون جاری کرے، ہندو اور بودھ فرمانروا بھی یہی کرتے آئے تھے، بلکہ سلاطین دہلی نے تو اتنی رواداری برتی

اور اس کے فیوضِ نگاہوں سے مخفی ہوگئے۔

تین چار صدی کے اندر، اسلام کا مشرق میں ایشیا کے بیشتر حصے یعنی جاوا، ساترا اور چین تک، پھر مغرب میں ہسپانیہ اور ہنگری کی حدود تک پھیل جانا کوئی اتفاقی امر نہ تھا مصر، ایشیا کوچک اور ایران کے قدیم تمدن پہلے ہی سرنگون ہو چکے تھے، قدیم آئین کا سرمایۂ حیات ختم ہو چکا تھا۔ اور نئے مذہب کے جوش و قوت سے دنیا حیرت زدہ ہوگئی،

ہندوستان میں داخل ہوتے وقت اگر مسلمانوں کی شمشیر آبدار، اور ان کی مسلمہ شجاعت اسلام کے ہمرکاب نہ ہوتی تو اس کا عروج کون سی صورت اختیار کرتا؟ یہ سوال ہے جس کا خیال کرنا ہی بے سود ہے، ممکن تھا کہ سارا ہندوستان نئے دین کے دائرے میں داخل ہو جاتا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ ہندو دھرم کے گھنے جنگل میں اسلام کا وجود ہی گم ہو جاتا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۶) کہ صرف قانون عام جاری کیا اور شخصی و مذہبی امور میں ہندوؤں کے دھرم شاستر کے اصول کو جاری رکھا اور اس کے نفاذ میں مدد دینے کے لئے ملک کی مرکزی عدالت اور صوبوں کی عدالتوں میں پنڈت مقرر کئے، اگر کوئی بادشاہ ہندو رعایا پر بے جا سختیاں کرتا تھا تو وہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی تھی، جو عموماً خود حکمران یا اس کے خاندان کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوتا تھا۔

ایک لحاظ سے ہندوستانی ذہن کو سلطنت دہلی کا دل سے خیر مقدم کرنا چاہیے تھا، ہندوستان کی ملکی روح ابتدا سے سیاسی وحدت کی آرزو رکھتی ہے، یہ روح ناموافق حالات میں دب جایا کرتی ہے، مگر کبھی فنا نہیں ہوتی۔ راجپوتوں کے ذہن میں صدیوں سے سیاسی وحدت کا تصور سویا ہوا تھا مسلمان حکمرانوں نے اسے پھر جگایا، اور ایک حد تک حقیقت کا جامہ بھی پہنا دیا، مگر اس سیاسی وحدت کی قدر

اس سے قطع نظر کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوتی، یہ یقینی ہے کہ اچھوتوں کا مسئلہ حل ہو گیا ہوتا، چھوت چھات جو سوامی ویویکانند کے قول کے بموجب ہندو مت کی مخصوص شان ہے، مٹ گئی ہوتی، اور ہندو عورت اقتصادی آزادی کے مرتبے تک پہونچ گئی ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہندو مذہب کا اصلی جوہر مختلف طبقوں کا فرق مراتب ہے، جو خاندان کی بنیاد پر مبنی ہے۔ عملی حیثیت سے ہندو ذہنیت بادشاہ اور کسان کی مساوات کا تصور نہیں کر سکتی، برہمن اور شودر عمرانی مراتب کے اعتبار سے ایک زینے کی بالائی اور زیرین سیڑھی پر کھڑے تھے، جن کے لئے مقام کا باہمی تبادلہ ممکن نہ تھا، یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی کسی شاعر، کسی مہاتما اور کسی مصلح قوم کی آواز ان ذلیل قوموں کی حمایت میں بلند ہو جاتی تھی مگر ان کی پستی کی کوئی تلافی نہ ہو سکی، اسلام کا اصولی اعتقاد یہ تھا کہ معاشرتی اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۷) ہندو جماعت اس وجہ سے نہیں کر سکتی تھی کہ وہ ریاست کو اپنی ریاست نہیں سمجھتی تھی، یوں تو مطلق العنان شاہی ریاست کو کوئی جماعت بھی اپنا نہیں سمجھتی، چنانچہ جس معنے میں موجودہ زمانے کی جمہوری ریاست قومی کہلاتی ہے، اس معنے میں سلطنت دہلی کو مسلمان بھی اپنے قومی ریاست نہیں کہہ سکتے تھے، پھر مسلمانوں کو اس ریاست کے حکمرانوں سے ہم مذہبی کا اور بعض کو اتحاد نسل کا تعلق تھا، مگر ہندوؤں کو اس سے کسی قسم کا لگاؤ نہ تھا، اور نہ ان سے اس کی توقع ہو سکتی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لیکن ہندو سلطنت دہلی سے کتنے ہی بددل کیوں نہ ہوں، عام مسلمانوں سے ان کے تعلقات خاصے خوش گوار ہو گئے، جب انھوں نے دیکھ لیا کہ مسلمان ہندوستان کو اپنا وطن بنا کر یہاں رہنے آئے ہیں، ان کے دل بڑی حد تک نسلی تعصب کے جذبے سے پاک ہیں، اور مذہبی تعصب اور فتح مندی کا غرور رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا

مذہبی تمام امور میں مسلمان بلالحاظ قومیت و حرتبت کامل مساوات رکھتے ہیں، اور اسلام کو اس مساوات پر اتنا اصرار تھا کہ اس میں کسی قسم کے سمجھوتے کی گنجایش ہی نہ تھی، مگر یہ بنیادی اصول ہندو تمدن کی تخئیل کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔ اور اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ اشاعت مذہبی میں اسلام کی فتحیابی کا باعث پست اقوام کا اس میں بخوشی داخل ہونا تھا، مسلمانوں میں انسان کی قیمت اس کی ذاتی خوبیوں سے لگائی جاتی ہے اور قومیت اور نسب کے اتفاقی پہلوؤں پر چنداں توجہ نہیں کی جاتی، لہذا اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد پست قوموں کے لوگوں کو ایک نیا مستقبل پیش نظر ہوا ہوگا، تلوار کی قوت، حکومت کا زور، اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے طرز عمل سے اس بارہ میں مزید امداد ملی، اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، لیکن گمان غالب یہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۸) تو ان کی وحشت مسلمانوں سے گھٹتی گئی، ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی منافرت کو دور کرنے اور انھیں ایک دوسرے سے قریب تر لانے میں خود مختار مسلمان حکمرانوں (مثلاً بنگال اور دکن کے فرمانرواؤں) کے علاوہ مسلمان صوفیوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔

حضرات صوفیہ نے اسلام کے عقیدۂ توحید کو ہندوؤں کے سامنے وحدت الوجود کے رنگ میں پیش کیا۔ اس عقیدہ میں ہندوؤں کو اپنے ویدانت کے فلسفے کی جھلک نظر آئی اور اس نے ان کے دلوں کو اپنی طرف کھینچا، اس سے بھی زیادہ کشش ان کے لئے اسلام کے معاشرتی نظام میں تھی جو اخوت اور مساوات کی اساس پر تعمیر ہوا تھا۔ غرض صحبت سے ہندو تو اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے، انھیں بھی مسلمانوں سے پہلی سی وحشت نہیں رہی،

اگر یہ مزید امداد نہ ہوتی تو اسلام اور بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اشاعت پاتا۔ ہندو قوم میں نیچ ذاتوں کا ایسا جم غفیر موجود ہے اور ہندو تمدن کے اندر ان کا مستقبل اسقدر مایوس کن ہے کہ وہ ہر مذہب میں جہاں مساوات اور آبرو ملنے کی امید ہو، زبردست کشش محسوس کرتے۔

اسلام اور شمشیرِ اسلام کی مسلسل کامیابی دیکھ کر اہل ہند اپنے اندرونی حالات کا جائزہ لینے لگے' اس سے سب سے زیادہ صدمہ کثیر التعداد معبودوں کی پرستش کو پہونچا۔ ابھی تک انکا عقیدہ اہل ملک کی ضروریات کا کفیل تھا، اور اس کی بدولت برہمنوں کو معاش کا عمدہ وسیلہ حاصل تھا۔ آٹھویں صدی میں عربوں کی آمد سے لیکر سولہویں صدی تک جب مغلوں نے ہند میں قدم رکھا مختلف قسم کی مذہبی تحریکات نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان تمام تحریکوں کی کم و بیش یہی غایت تھی کہ عوام الناس کا درجہ بلند کیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان تحریکوں کے ذریعہ نیچے طبقہ کے لوگ بھی محسوس کرنے لگے کہ جذبۂ صادق کی بدولت ہم بھی اعلیٰ سے اعلیٰ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۹) جو ہندو مسلمان ہو جاتے تھے، ان کی چھوت تو اپنے سماج سے ان بن رہتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ مصالحت ہو جاتی تھی، اور وہ باہر کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان رابطہ کا کام دیتے تھے۔

ہندو بھگتوں نے جس طرح بھکتی کی تحریک میں اسلام اور ہندو دھرم کے اذعانی عقائد اور ظاہری رسوم و عبادات سے قطع نظر کر کے دونوں کے باطنی مذہبی شعور، کو سمو دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس سے بھی مصالحت کی ایک عام فضا پیدا ہو گئی جس نے ہندو مسلمانوں میں میل جول پیدا کرنے میں بڑی مدد دی۔

بھکتی تحریک کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پاک نفس عارفوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی یہ کوشش تھی کہ مذاہب کے ظاہری ڈھانچوں کو چھوڑ کر خالص روحانی و ارادت قلب کی بنیاد

شرفاء کے ہمسر ہو سکتے تھے، بھگتی کا مذہب جس کے معنے عشقِ الٰہی کے ہین، اسلام ہی کے سبب
ہر دلعزیز ہوا، اس مذہب مین نہ پابندی رسوم کی پوری اہمیت تھی، نہ شاستر دانی کی اور نہ اسکو
مورتون اور عالی شان مندرون کی ضرورت تھی سیدھی سادی بھگتی پر سب کچھ منحصر
اور ایک رحمٰن ورحیم معبود پر ایمان کافی تھا، اس مین اسلام کا صاف اثر نظر آتا ہے۔

کثیر التعداد لوگون کے قبول اسلام نے ہندو تمدن کو اپنی پوری مدافعانہ قوت سے
کام لینے پر مجبور کر دیا۔ ہندو مذہب کی اس خصوصیت نے کہ وقت ضرورت وہ ہر قالب
اختیار کر سکتا ہے، اپنی انتہائی استعداد دکھا دی، چنانچہ اسلام کی توحید کی بھی اس مین
گنجایش نکل آئی، جین مذہب والے بڑے قدامت پسند ہین، مگر انھون نے بھی عقائد
کی از سر نو تسکین کی، سترھوین صدی مین لونکا شاہ نے ایک نئے فرقے کی بنا ڈالی جو
استھانک وسی کہلاتا ہے اور جس نے مندر اور مورت دونون کو خیرباد کہہ دیا، یہ صوفی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۰) پر ایک ایسا مذہب قائم کرین، جس مین ہندو باطنیت اور اسلامی
تصوف کا جوہر گھل مل کر ایک ہو جائے، اور سارا ہندوستان مذہبی وحدت کے رنگ
مین رنگ جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ محض باطنی احساس کسی مذہبی نظام کی تعمیر کے لئے
کافی نہین، وہ واردات قلب جو مذہب کی جان ہین، ہر داخلی کیفیت کی طرح آناً فاناً گذر
جاتے ہین انہین پائدار شکل مین لانے کے لئے رسمی مذہب کے محسوس پیکر کی ضرورت
ہوتی ہے، عالم خارجی مین جس طرح روح کا بغیر جسم کے، جوہر کا بغیر عرض کے ظہور مین
آنا محال ہے، اسی طرح مذہب کی نمود بغیر اصول وعقائد، رسوم وعبادات کے نہین
ہو سکتی، چنانچہ اس مذہبی روح نے بھی جسے ان عارفون کی تعلیم نے پیدا کیا تھا، تھوڑے ہی
دنون مین محسوس خارجی شکل اختیار کر لی، ان کے الگ الگ فرقے بن گئے، جن مین

مشرب فرقہ اب تک موجود ہے۔ مگر جو فرقے زیادہ اہمیت رکھتے ہین وہ راما نند، کبیر اور نانک جیسے جہان گرد فقرا اور کلاونتون کی بدولت جاری ہوئے، ہندو قوم کی نیچ ذاتون مین اس جدید تبلیغ نے نئی زندگی پیدا کر دی، اس کے فیض سے قدیم روایات سے بھی تعلق قائم رہا اور ان کے مردانہ وار اوصاف بھی از سر نو زندہ ہو گئے .... مختصر یہ ہے کہ اسلام نے ہندو سماج کے وجود اور اس کی قدیم تنظیم کو چیلنج دیا مگر ہندو مذہب کی صلح جوئی اور جدید تجربون کی عادت نے کچھ دنون کے لئے طوفان کی شدت مین بہت تخفیف کر دی، البتہ اس کوشش مین اس کو قوم کے اندر تبدیلیان کرنا پڑین، اسی سلسلہ مین آریہ سماج کا ذکر بھی ضروری ہے، کیونکہ گو یہ تحریک دیر مین رو نما ہوئی، مگر اس کا وجود بھی ہندو قوم کے تنزل اور اسلام کی طبعی قوت کا رہین منت ہے۔

اسلامی عقائد کی سادگی کے علاوہ جو چیز ہر غیر مسلم کو متاثر کرتی تھی اور اب تک کرتی ہے، وہ حلقہ بگوشان اسلام مین ضبط و تنظیم کا قوی احساس ہے، یہ تنظیم کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۱) رسمی مذاہب کے کل لوازم موجود تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ ان بزرگون کی کوششین بیکار گئین وہ مذہب کو رسوم و قیود سے آزاد نہین کر سکے، لیکن انھون نے مذہبی زندگی کے جمود کو توڑ کر اس مین روانی اور تازگی، حرکت اور زندگی پیدا کر دی، وہ سطح کے اوپر اسلام اور ہندویت کے دھارے کو نہین ملا سکے، لیکن انھون نے یہ محسوس کرا دیا کہ سطح کے نیچے کہین نہ کہین ان دونون کے سوتے ضرور ملتے ہین، ان کے فیض سے ہندوستان مین مذہبی مصالحت اور رواداری کی ایسی فضا پیدا ہو گئی۔ جیسی عہد وسطیٰ مین دنیا کے کسی اور ملک مین مشکل سے نظر آئیگی، (چوتھا باب ص ۱۰۹-۱۰۳-۱۶-۱۱۵)

ساتھ ہر موقع پر نظر آتی ہے۔ خواہ وہ عبادت کے وقت ہو یا کسی قومی تقریب میں ہو، تنظیم کے بغیر جماعت کے ساتھ عبادت قدرتی طور پر محال ہے۔ اس سے زیادہ قابل لحاظ یہ ہے کہ نماز باجماعت ذہنیت کے حقیقی انقلاب کا ثبوت ہے۔ کیونکہ نماز کے وقت اسلامی مساوات محض کتابی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اسلام کے دیگر اصولوں کی طرح یہ بھی ایک عملی چیز ہے، اور اب تک اسلام کی یہ خصوصی شان غیر متغیر اور نمایاں حالت میں ہے، ہادی اسلامؐ نے صحیح فرمایا تھا کہ خدا کی ساری زمین مسجد ہے۔ چنانچہ اس میں جو آنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے، اور اندر داخل ہونے کے بعد کسی قسم کا فرق مراتب جائز نہیں۔ بہ الفاظ دیگر نماز باجماعت سے فرد واحد ایک وسیع ترملی اور روحانی وجود میں داخل ہو جاتا ہے۔

اسی اندرونی تنظیم کا یہ نتیجہ تھا کہ تین تین چار چار سو جانبازوں کی مختصر جماعت عرب کے ریگستان سے نکلتی تھی اور اپنے سے زیادہ دولت مند اور قدیم تر مگر کمزور قوموں کے قلعے پاش پاش کر دیتی تھی۔ اسلام کی زیر نگین جماعتیں مسلم قوت کا راز جلد سمجھ گئیں اور بعض نے سبق لے کر نمایاں کامیابی بھی حاصل کی، مثال کے طور پر خالصہ اور آریہ سماج کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی ایک خاص شان کو خود مسلمان بھی اکثر محسوس نہیں کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ نماز باجماعت کی طرح ان کے تیوہار اور ان کا متبرک رمضان کا مہینہ بھی اسی نہج پر ترتیب دیا گیا ہے کہ جماعت کے تمام افراد زیادہ استحکام کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں، عید کی نماز کی طرح روزے اور تیوہار بھی اجتماعی زندگی کے اہم جزو ہیں، ان مواقع پر ملی احساس بڑھ جاتا ہے، عمل میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، اور اس

ارشاد نبوی کی تعمیل کہ ہر مسلمان کو بھائی سمجھو، آسان اور ممکن العمل نظر آتی ہے۔ اسلام نے عبادت مین جو اتحاد ساتوین صدی مین پیدا کر دیا تھا۔ ہندو آج تک اس کی پیروی نہ کر سکے، ہندو مذہب کا نام لینے والون مین سب سے زیادہ معصوم گروہ کو اب تک مندرون مین داخل ہونے کی اجازت نہین ہے، مذہبی امور مین جمہوریت کی لہر دوڑی تو دوسری فضائین بھی متحرک ہونے لگین، . . . .

سولھویں جھلک
سلاطین دہلی کی حکومت کے نتائج

از اے۔ سی چٹرجی، آئی۔ سی۔ ایس

اس[1] دور میں ایک مشترکہ زبان وجود میں آئی جس کو انگریز ہندوستانی کہا کرتے ہیں۔ یہ زبان ہندی ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے جو دہلی اور اس کے اطراف واکناف میں بولی جاتی تھی۔ اس میں فارسی الفاظ اور محاورے زیادہ استعمال کئے جانے لگے تھے، جہاں تک ہم کو معلوم ہے، اس دور میں یہ زبان ادبی اظہار خیال کا ذریعہ نہیں تھی' پہلے پہل یہ صرف آپس کی گفتگو کے لیے استعمال کی جاتی تھی اور وقت کی ضروریات کے مطابق اس کے اندر کانٹ چھانٹ ہوتی رہی، جب ترکوں نے جنوبی ہند کو فتح کیا تو یہ مشترکہ زبان یہاں بھی فروغ پانے لگی تھی۔

---

[1] یہ اقتباسات اے۔ سی۔ چٹرجی کی "اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا" سے لئے جا رہے ہیں جو انھوں نے ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ کے ساتھ مل کر ۱۹۳۶ء میں لکھی تھی۔ اے۔ سی چٹرجی اپنے زمانے کے مشہور آئی۔ سی۔ ایس تھے، اور انگریزوں کی حکومت کے دور میں لندن میں ہائی کمشنر بھی مقرر ہوئے تھے، تاریخ ہند سے ان کو بڑی دلچسپی تھی کئی کتابیں لکھیں۔ مذکورۂ بالا اقتباس ہم نے اے شارٹ ہسٹری آف انڈیا کے اردو ترجمے سے مستعار لئے

پورے ہند مین بنگال ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہان اس مشترکہ زبان کو مقبولیت حاصل نہین ہوسکتی تھی، کیونکہ یہان ترکون کی تعداد زیادہ نہ تھی، اگرچہ بنگال کی ایک بڑی آبادی مسلمان ہوگئی تھی، لیکن یہان کے حکمرانون کو ہر معاملہ مین اصلی باشندون سے مدد لینی پڑتی تھی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صوبون کی بہ نسبت بنگال مین زیادہ ہندو حکومت کے عہدون پر فائز تھے، اس لئے یہان فارسی یا ہندوستانی کو فروغ نہین ہوسکا، جو ان کو شمال مغربی علاقہ ہند مین حاصل ہوا تھا۔ اور بعض حکمرانون نے تو بنگالی زبان کی سرپرستی کی تھی اور ان کے زمانہ مین بہت سی ادبی کتابین اس زبان مین لکھی گئی تھین، عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ یہان حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ حاکم اور محکوم ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوگئے اور تمام ترک علاقون مین بنگال ہی ایک ایسا علاقہ تھا، جہان پُر اثر طریقہ پر ایک مخلوط تمدن ترقی کرنے لگا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۵) جو محبی جناب محمد یوسف کوکن صاحب لکچرار مدراس یونیورسٹی وسابق رفیق دار المصنفین نے کیا ہے، اور مدراس یونیورسٹی سے ۱۹۵۲ء مین شائع ہوئی ہے۔

؎ ڈاکٹر تاراچند اپنی مشہور کتاب "ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات" مین لکھتے ہین:۔

عام لوگون کی ضروریات سنسکرت زبان سے پوری نہین ہوتی تھین۔ اس لئے خیالات کے اظہار کے لئے نئی نئی زبانین پیدا ہونے لگین، شمالی ہند مین ہندی، مغرب مین مرہٹی اور مشرق مین بنگالی ...... نے جنم لیا۔ اور یہ علمی زبانین بھی بنتی گیئن، جن کی ترقی و فروغ مین ہندو اور مسلمان دونون کا حصہ تھا، پھر ایک نئی

ہندوؤن مین اب بھی قانون، فلسفہ اور دوسرے متعلقہ مضامین کا مطالعہ جاری تھا۔ لوگ حسب دستور کتابین لکھتے چلے جا رہے تھے لیکن ان مین سنہ تصنیف اور مقام تصنیف کا کوئی ذکر نہین ہوتا تھا۔ اس لئے ان کے متعلق تصریحی طور پر کچھ کہنا بہت دشوار ہے ہم یہ قیاس کر سکتے ہین کہ ترکون کے زمانے مین سنسکرت کی تعلیم کے اہم مرکز وہی رہے ہونگے جو انگریزون کے ابتدائی دور حکومت تک باقی تھے جیسے گنگی کے قریب ندیا اور گنگا کے کنارے بنارس جہان برہمن مندرون اور مٹھون مین بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے ۔ . . . . ان برہمنون نے نئے خیالات کا کوئی پرچار نہین کیا۔ بلکہ وہ پرانی کتابون ہی کی تفسیر و تشریح کرتے رہے، اس سے زیادہ ان کے متعلق کچھ معلوم نہین ہے۔

سنسکرت کا خیالی ادب ختم ہو رہا تھا۔ یا مر چکا تھا۔ . . . . البتہ ہر جگہ مادری زبانون کو بڑی ترقی ہو رہی تھی۔ ابتدا مین صرف مذہبی کتابین لکھی گئین،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۶) زبان کی تشکیل ہوئی۔ مسلمانون نے ترکی اور فارسی دونون زبانون کو چھوڑ کر ہندوؤن کی زبان اختیار کی، اور فن تعمیرات اور مصوری کی طرح اپنی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے زبان کو بھی اپنے ڈھنگ کے مطابق بنانا شروع کیا، جس سے ایک نئی علمی زبان پیدا ہوئی جس کا نام اردو رکھا گیا، اور ہندو مسلمان دونون نے اسکو اپنی زبان قرار دیا۔ جس طرح ایک خاص قسم کے علمی خیالات کے لئے ہندی بھاشا استعمال کی جاتی تھی، اسی طرح اردو مین بھی ہندو مسلمان دونون اپنے خاص خاص خیالات و جذبات کا اظہار کرنے لگے (ص ۱۳۶)

پروفیسر سی۔ اس۔ سری نواس اچاری اور پروفیسر ام۔ اس۔ رام سوامی

اس دور میں چند تاریخی مثنویاں بھی ملتی ہیں۔جن میں راجپوت بہادروں کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔درباری شاعروں نے ان راجپوتوں کو زندۂ جاوید بنانے کی کوشش کی ہے،جنھوں نے ترکوں کا کامیاب مقابلہ کیا تھا،موجودہ راجپوت روایت کا ماخذ یہی تاریخی مثنویاں ہیں'یہ اب تک راجپوتوں کے دلوں کو گرما رہی ہیں،اور ان میں قومی جوش اور ولولے پیدا کررہی ہیں۔.........

اس دور میں مذہبی حالت پر کچھ لکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم تبدیل مذہب کے متعلق کچھ بحث کریں۔اس بات کا کہیں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ترکوں نے انفرادی یا اجتماعی طریقہ پر ہندو مذہب کو قبول کیا ہو،یا ان کے بعض قبیلے اور خاندان ہندو بن کر کسی ذات میں شامل ہو گئے ہوں،مگر یہ یقینی ہے کہ بہت سے ہندوؤں نے اپنے فاتحین کے لائے ہوئے مذہب کو قبول کرلیا تھا۔کہیں کہیں جبراً مسلمان بنانے کے واقعات مذکور ہیں۔مگر اس قسم کے واقعات شاذ و نادر ہی ہیں کشمیر کے اندر جب کہ وہاں کی ایک بڑی آبادی مسلمان ہو چکی تھی اسکندر (۱۳۹۰ء سے ۱۴۱۴ء)

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۷) آئنگر اپنی "تاریخ ہند" میں لکھتے ہیں کہ چودھویں صدی سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاط پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔جس سے ہندو مت اور اسلام کے درمیان مصالحانہ فضا پیدا ہوئی .... ہندو عورتیں حرم کے اندر داخل ہوئیں،نومسلموں نے بھی مسلمانوں کے معاشرے پر اثر ڈالے،ہندو وزارت کے عہدے پر مقرر ہوئے اور وہ دفتروں میں بھی کام کرنے لگے،ہندو کاریگر اور ہنرمند عمارتوں کے بنوانے میں استعمال کئے گئے،بعض ہندوانہ خیالات سے صوفیہ بھی متاثر ہوئے،ان تمام باتوں نے ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کیا'

نے جو آگے چل کر بت شکن کے نام سے مشہور ہوا، باقی آبادی کو بھی اس پر مجبور کیا کہ وہ بھی مسلمان ہو جائین،
ورنہ موت کے لئے تیار ہو جائین۔ ان ہی دنون مین بنگال کے اندر بھی مذہب کی بنا پر سختی کی جانے
لگی تھی۔ اس سے بعض لوگون نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بنگال کے اندر اسلام کو تلوار کے زور سے
پھیلایا گیا ہے۔ ایک صدی بعد سکندر لودھی نے بھی اپنی سلطنت مین جبری طور پر مذہب
اسلام کو فروغ دینے کی کوشش کی، ان یکے دکے واقعات کے سوا اسلامی تاریخون مین کچھ
مزید واقعات کی تصریح نہین ملتی، اگر جبراً مسلمان بنانے کی عام طور پر کوشش کی جاتی تو مسلمان
مورخین اور وقائع نویس ضرور ان باتون کو اپنی کتابون مین نقل کرتے، اس سے ہم یہ نتیجہ
نکالنے پر مجبور ہین کہ ہند کے باشندون نے اکثر برضا و رغبت اسلام قبول کیا تھا، حکومت
کی طرف سے کسی پر کوئی دباؤ نہین ڈالا جاتا تھا۔

اس دور مین اسلام کی اشاعت کا اندازہ ہند کی موجودہ صورت حال سے کیا
جا سکتا ہے، ہند کے شمال مغربی خطہ یعنی کشمیر، مغربی پنجاب، سرحد اور سندھ مین

(بقیہ حاشیہ ص ٣٢٨) بعض سلاطین مثلاً فیروز اور سکندر لودی نے سنسکرت کی کتابین فارسی
مین ترجمہ کرائین، اعلیٰ ذات کے ہندوون نے فارسی سیکھی اور اسلامی علوم و فنون کا
مطالعہ کیا، ہندو مسلمانون کے اس میل جول اور روزمرہ کی ضروریات زندگی کی بنا پر
ایک مشترکہ زبان اردو وجود مین آئی، پہلے تو لشکریون کی زبان رہی، جس مین عربی، فارسی،
ترکی، مغربی ہندی اور دہلی کی مقامی بولی کا امتزاج تھا، لیکن درباری شاعرون اور
مورخون کی تحریرون کی وجہ سے یہ ایک علمی زبان بن گئی، ...... اس کی صرف
و نحو اور ساخت ہندی ہے، الفاظ زیادہ تر فارسی کے ہین، لیکن یہ بالآخر ہندی ہی
ہو جاتی ہے، یہ سلاطین دہلی کے زمانہ مین پیدا ہوئی، اور اس زبان کے سب سے پہلے

مین چوتھائی سے زیادہ آبادی مسلمان ہو گئی ہے، اسی طرح بنگال مین آدھے سے زیادہ لوگ مسلمان
ہین، اس کے شمال اور مشرقی اضلاع مین یہ تناسب کچھ اور بڑھا ہوا ہے' باقی صوبون مین
مسلمان اقلیت مین ہین، یہان دس مین ایک یا اس سے بھی کم تعداد مین مسلمان ہین،
ان کی ایک بڑی تعداد شہرون اور قصبون مین رہتی ہے، ہند کے شمال مغربی حصہ مین
مسلمانون کی اکثریت کی وجہ یہ ہوئی کہ مغرب کی طرف کے بہت سے مسلمان یہان آکر
بس گئے تھے، اور مقامی باشندون نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر بنگال کی یہ شکل نہ تھی،
یہان صرف مقامی باشندون نے اسلام اختیار کر لیا تھا۔ اس بات کی پوری تحقیق نہین ہو سکی
کہ بنگال مین اسلام کے پھیلنے کے کیا اسباب تھے، یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ اس مختصر سی کتاب
مین اس پر تفصیلی بحث کرنے کی گنجائش نہین ہے، ظن غالب یہ ہے کہ ہندو مت کی پابندیون
نے بنگال کی نیچ ذاتون کو اس نئے مذہب کے قبول کرنے پر آمادہ کر دیا تھا، آٹھوین صدی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۹) مشہور لکھنے والے امیر خسرو تھے، جن کی فارسی تصانیف مین بہت سے
ہندی الفاظ ہین (ص ۳۲-۳۳)

ہندوستان کے مشہور مورخ سر جدوناتھ سرکار نے اپنے ایک مضمون "اسلام ان انڈیا" مین لکھا ہے کہ "مسلمانون نے دس تحفے ہندوستان کو دیئے جن مین ہندوستان
کی ایک لنگوا فرینکا بھی ہے جو ہندوستانی یا ریختہ کے نام سے مشہور ہے"
عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اردو مین فارسی و عربی کے الفاظ زیادہ ہین، لیکن پروفیسر
رگھوپتی سہائے فراق الہ آباد یونیورسٹی نے بتایا ہے کہ اردو لغت مین پچپن ہزار الفاظ
ہین جن مین چالیس ہزار خالص ہندی کے ہین، تیرہ ہزار الفاظ عربی اور فارسی کے ہین،
اور بقیہ سب سنسکرت کے ہین، تیرہ ہزار عربی اور فارسی الفاظ مین سے پانچ ہزار الفاظ تھے

سے لے کر بارھوین صدی تک بنگال پر پال خاندان کی حکومت تھی جو بودھ مت کا پیرو تھا۔ ان کے زمانہ مین نیچ ذاتون کو بڑی آزادی حاصل تھی، اور جب سین خاندان کے لوگ جنوب کے طرف سے بنگال مین داخل ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ہندو مت اور اس کی تمام معاشرتی پابندیان بھی لے آئے، جن سے نیچ ذاتون کے جذبات کو ہمیشہ ٹھیس لگتی تھی، اور جب بارہوین صدی مین اسلام آزادی اور مساوات کا ڈنکا بجاتا ہوا بنگال مین پہونچا تو عوام کی طبیعتین خود بخود اس کی طرف مائل ہوگئین، اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے چلے گئے، یہ ایک ایسا بڑا سبب ہے کہ اس کے ہوتے کسی دوسرے سبب کی تلاش کی حاجت نہین۔

دوسرے صوبون مین لوگ فرداً فرداً مسلمان ہوتے جا رہے تھے، ان مین سے اکثر تو صدق دل سے اسلام قبول کرتے تھے، اور بعض سماجی اور اقتصادی مراعات کی خاطر اس نئے مذہب کو قبول کر رہے تھے، مثلاً ہم یہ جانتے ہین کہ دہلی کے اطراف واکناف کے چند ہندو خاندانون نے محض اس بناء پر اسلام قبول کر لیا تھا کہ ترک بادشاہون نے سرکاری عہدون پر ان کو فائز کیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے اسباب بھی ہونگے، جن کی تصریح تاریخون مین نہین ملتی،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۰) سیکھنے مین کوئی محنت کرنی نہین پڑتی، اور اگر دو ہزار اور الفاظ پر قدرت حاصل کر لی جائے تو اردو پر عبور حاصل ہوجاتا ہے، ۱۹۳۸ء مین حکومت بہار نے ہندوستانی ڈکشنری کمیٹی مقرر کی تھی، جس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد تھے، اس کمیٹی کی رپورٹ یہ تھی کہ اردو اور ہندی زبانون کے نوے فی صدی الفاظ ایسے ہین جو دونون کے لئے مشترک ہین۔

بسا اوقات ایک ذات سے تعلق رکھنے والے خاندان کے خاندان اور گروہ کے گروہ
بیک وقت مسلمان ہو جاتے تھے، اور اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ان کی معاشرت
مین کچھ زیادہ فرق نہین ہوتا تھا، وہ پرانی رسمون اور پرانے خیالات کے اب بھی عادی ہوتے
تھے، شادی بیاہ کے ہندوانہ رسوم اور ذات پات کی پابندیان ان کی اولاد مین جاری ہین،
ان کی وجہ سے اسلام اپنی اصلی شکل مین باقی نہ رہا، ایک عالمگیر برادری کی بجائے کئی برادریان
وجود مین آئین، جن مین باہم کلی مساوات کا اصول نہین برتا جاتا، عقیدے کے لحاظ سے سب
ایک ہین، مگر بعض سماجی پہلوؤن سے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی جاتی ہے۔

ہندی اسلام کی ایک نمایان خصوصیت پیر پرستی ہے اجو اگرچہ دوسرے اسلامی
ملکون مین بھی پائی جاتی ہے، لیکن وہ کسی شرعی اصول پر مبنی نہین ہے اولیاے ہند کی کرامتون
کے قصے اتنے مشہور ہو گئے ہین کہ ان سے حقیقی حالات کا پتہ چلانا بہت ہی مشکل ہے مگر
ہم یہ جانتے ہین کہ ترکون کی حکومت کے قیام سے پہلے بہت سے بزرگ وادی گنگا کے
مختلف مقامات مین پھیل گئے تھے، ان مین سے بعض کا مقصد مذہب اسلام کی تبلیغ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۱) رام بابو سکسینہ اپنی تاریخ ادب اردو مین لکھتے ہین کہ عام طور پر لوگ
اردو کو فارسی کی ایک شاخ خیال کرتے ہین، اس وجہ سے اس کی ابتدا مسلمان حملہ
آورون کی فوج اور مسلمان سلاطین ہند کی دار السلطنت مین پڑتی ہوئی معلوم ہوتی
ہے، اردو کے فارسی نژاد ہونے کی غلطی عام لوگون کو اس وجہ سے بھی محسوس ہوتی ہے،
اس مین فارسی لفظ (بظاہر) بکثرت ہین، اور اس کی شاعری کی بحرین اور اس کا رسم الخط
بھی مثل فارسی کے ہے، اسی غلطی کی بناء پر عام لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ اردو مسلمانون
کی زبان ہے، بمقابلہ ہندی کے جو ہندوون کی مخصوص زبان سمجھی جاتی ہے، اور اسی

اور اشاعت تھا، اور بعض اپنی قسمت آزمائی کے لیئے یہان آئے تھے، عوام مین انکو بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی انکی وفات کے بعد ہر سال شاندار طریقہ پر ان کا عرس منایا جاتا اور اب بھی منایا جارہا ہے، اور بعد مین آنے والے بہت سے مسلمان مبلغین کو بھی مختلف مقامات اور خاص کر بنگال مین بڑا تقدس حاصل ہو گیا تھا ان کے مزار آج تک بھی مسلمانون اور ہندوؤن کے مرجع اور مرکز بنے ہوئے ہین، ہندو بھی مسلمانون کی طرح ان سے منتین اور مرادین مانگتے اور ان پر نذرین چڑھاتے ہین، ہند کے مسلمان عالم بلاشبہہ خداپرستی اور پیرپرستی مین فرق کرتے ہین، مگر عوام کے نزدیک اس فرق کی کوئی اہمیت نہین ہے۔

اس زمانہ مین چند ایسے ہندو پیدا ہوئے جنھون نے مذہبی خیالات مین ایک زبردست انقلاب پیدا کیا، ان کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے بہتر ہے کہ ہندو مت کی ترقی کی سرگزشت بیان کی جائے، بھکتی کا نظریہ مدتون ہندوؤن کے ہان موجود تھا، اور سب سے پہلے رامانج نے اس کی پرزور تبلیغ کرنی شروع کر دی تھی، آگے چل کر

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۲) غلطی فہمی سے ایک عرصۂ دراز سے سخت مقابلہ اور مباحثہ درمیان معاونین اردو اور طرفداران ہندی کے ان دونون زبانون کی عمدگی اور خوبی اور نیز ان کی استعداد قبولیت عامہ کی نسبت چلا آتا ہے، اور اس بحث مین لوگ ایک معمولی بات یعنی زبان اردو کی اصل کو نظرانداز کر جاتے ہین، حقیقت یہ ہے کہ زبان اردو اس ہندی یا بھاشا کی ایک شاخ ہے جو صدیون تک دہلی اور میرٹھ کے اطراف مین بولی جاتی تھی، اور جس کا تعلق شورسینی پراکرت سے بلاواسطہ تھا، یہ بھاشا جس کو مغربی کہنا بجا ہے زبان اردو کی اصل اور ماں سمجھی جا سکتی ہے (باب پہلا زبان اردو اور اسکی اصل)

یہ نظریہ پورے شمالی ہند مین قبول عام حاصل کرچکا تھا، اس نظریہ کے پھیلنے کا ہمین علم نہین ہے، لیکن پندرہوین صدی مین ان نظریون کے علمبردارون نے شاعری کو ابلتے ہوئے جذبات سے اتنا پُر کردیا کہ ہندی ادب کی تاریخ مین یہ ایک بہترین زمانہ متصور ہونے لگا، ایک طرف مادری زبانون مین مختلف ادبی کتابین لکھی جانے لگین تو دوسری طرف عام ہندوؤن کے عقائد و خیالات مین ایک نئی روح پیدا ہوگئی، یہان ہم ان تمام لوگون کے نام نہین لکھ سکتے، جنھون نے نئے خیالات کی اشاعت مین حصہ لیا۔ البتہ ہم ان مین سے صرف پانچ کا ذکر کرینگے، جنھون نے عوام اور خواص مین مقبولیت اور شہرت حاصل کی، یعنی رامانند، میرا بائی، نانک، چیتن اور کبیر، رامانند ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جو رامانج کے پیرو تھے، لیکن وہ ان سے الگ ہوکر شمالی ہند مین چلے گئے، اور بنارس مین بیٹھ کر بھگتی کے نظریہ کی اس طرح تبلیغ کی کہ وہ خود ایک نئے فرقہ کے بانی ہوگئے، ان کے پیروؤن نے ان کے نئے خیالات کی اشاعت کی اور ہندی شاعری کو ان سے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۳) مذکورۂ بالا بیان کی مزید وضاحت ڈاکٹر سید عابد حسین کی حسب ذیل تحریر سے ہوجائیگی۔

گنگا اور جمنا کے بیچ کا خطہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ جو مدھیہ پردیش کہلاتا ہے، شمالی ہند کا دل ہے، ہرش وردھن سے لے کر آخری راجپوت راجہ جے چند کی وفات تک چند سو سال کے عرصے مین مختلف حکمران خاندان قنوج کی راجدھانی سے اس علاقے پر بلکہ اکثر اوقات کل شمالی ہند پر حکومت کرتے رہے۔ اور یہان کی زبان مختلف مقامی بولیون کے پہلو بہ پہلو شمالی ہند کی مشترک زبان رہی، یہ زبان جو پہلی، دوسری اور تیسری پراکرت کے واسطے نکلی تھی، شورسینی اپ بھرنش کہلاتی

مالامال کر دیا۔

میرا بائی ان ہی کے ایک پیرو کی شاگرد تھین، انھون نے ہندی گجراتی مین بہتر مین گیت لکھے ہین، وہ ایک راجپوت شاہزادی تھین جو قسمت سے مجبور ہو کر اپنے وطن چتوڑ سے بھاگ نکلی تھین، ایک مدت تک در بدر شہر بہ شہر پھرتی رہین آخر انھون نے راما نند کے ایک شاگرد کا دامن تھاما اور ان کے خیالات کی تبلیغ شروع کی،

نانک پنجاب کے رہنے والے تھے، انھون نے ہندی اور پنجابی مین بہت سے بھجن لکھے، اور پنجاب مین ان کا پرچار کیا۔

چیتن بنگال کے رہنے والے تھے، انھون نے بنگالی زبان مین بہت سی کتابین لکھین، اور بنگالی ادب پر بہت بڑا اثر ڈالا،

کبیر کے متعلق اتنے قصے مشہور ہو گئے ہین کہ ان کے حسب و نسب کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے، مگر اتنا معلوم ہے کہ وہ بنارس کے ایک جولاہے خاندان سے تھے، اگر وہ مسلمان

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۴) تھی اور گجرات و مغربی پنجاب سے لے کر بنگال تک لنگوا فرینکا (عام بول چال کی زبان) اور مشترک ادبی زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ گیارھوین صدی مین جب کہ ہندوستان مین شمال مغرب سے ترک ایرانی مسلمانون کی لہر آنی شروع ہوئی تو شمالی ہند مین انتشار کا دور دورہ تھا۔ قنوج کی ریاست بہت پہلے اپنی سیاسی عظمت اور اقتدار کھو چکی تھی، اور اس کی حیثیت بہت سی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستون مین سے ایک رہ گئی تھی، اور اس کے آثار نظر آنے لگے تھے کہ سیاسی وحدت کے خاتمے کے بعد مشترک ادبی زبان زیادہ دنون تک باقی نہین رہیگی، شورسینی اپ بھرنش مقامی زبانون مین تحلیل ہونی شروع ہو گئی تھی، جو اپنی اپنی جگہ ادبی زبان بننے کا خواب دیکھ رہی تھین۔

نہ بھی ہون تو کم از کم اتنا ضرور تھا کہ وہ مسلمانون سے گھر میل جول رکھتے تھے، رامانند کی تعلیمات نے ان کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا اور نئے عقیدہ کی بنیاد پر انھون نے ہندو مت اور اسلام کو ایک دوسرے سے ملانے کی بڑی کوشش کی ہندی زبان مین کثرت سے ان کے بہترین اشعار موجود ہین۔ ان کے ساتھ سولھوین صدی کے بہترین شاعر تلسی داس کو بھی شامل کر لینا چاہیئے، جس نے ان نئے عقائد و خیالات کی روشنی مین رام کی کہانی دوبارہ پیش کی تھی،

ادبی لحاظ سے یہ دور شمالی ہند کا ایک اہم دور تھا۔ اس دور مین شاعری کا بہترین حصہ وجود مین آیا جس سے آج بھی قریے اور دیہات کے لوگ لطف اندوز ہوتے ہین۔ مذہبی حیثیت سے نئے نئے خیالات کا پرچار ہونے لگا تھا۔ اور مندرون کی قربانی کے مراسم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۵) چونکہ ان مین "شورسینی اپ بھرنش" کے ورثے کے طور پر بہت سی مشترک خصوصیات موجود تھین، اس لئے ماہرین لسانیات نے انھین ایک ہی مجموعی نام مغربی ہندی سے موسوم کیا ہے، یہ زبانین حسب ذیل ہین۔

(۱) کھڑی بولی (۲) ہریانی، جاٹو یا بانگرو (۳) برج بھاشا (۴) قنوجی، (۵) بندیلی،

آگے چل کر پہاڑی اور راجستھانی بولیان مغربی ہندی کے دائرہ اثر مین آگئین، ان مین کھڑی بولی خاصی اہمیت رکھتی ہے، اس لئے کہ وہ تاریخی حالات کی مدد سے رفتہ رفتہ لنگوا فرینکا کے طور پر وسیع تر علاقے مین پھیلتی چلی گئی اسی کی بنیاد پر اس ادبی زبان نے نشو و نما پائی جو آج ہندی اور اردو کی دو الگ الگ شکلون مین سارے شمالی ہند مین رائج ہے اور حکومت کی سرکاری زبان مقرر کی گئی ہے۔

ان کا گہرا اثر ہوا، ہاتھا۔ پندرہوین اور سولہوین صدی کے ادبی اور مذہبی لٹریچر کو ہم بلا شبہہ انگلستان کے اسی دور کے لٹریچر سے تشبیہ دے سکتے ہین، جس مین انجیل گھر گھر پھیل گئی تھی، اور سب لوگ اس سے جوش، جذبہ اور اطمینان حاصل کر رہے تھے، آج بھی ایک جاہل اس دیوی یا اس دیوتا کی رسمی طور پر پوجا کرتا ہے، مگر اس کا دل و دماغ ایک بلند ترین ہستی پرمیشور کی طرف لگا رہتا ہے، اور ایک خدا کا یہ تخیل درحقیقت اسی دور کے ادب کی پیداوار ہے۔

بھکتی کا عقیدہ شیو یا وشنو پر جاکر ختم ہوتا ہے، جنوبی ہند مین شیو کو زیادہ مقبولیت حاصل تھی، شمالی ہند مین اس کی اتنی اہمیت نہین تھی، بلکہ اس کے بجائے کرشن اور رام کی پوجا ہوتی تھی، جو وشنو کے دو بڑے اوتار مانے جاتے تھے، ان دونون کی پرستش مین ایک فرق ہے، وہ یہ کہ کرشن کے مسلک مین جذبات زیادہ ہین، اس زمانہ کی نظمون مین کرشن کی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۶) کھڑی بولی ذیل کے علاقون مین مادری زبان کی حیثیت سے رائج ہے، گنگا کے مشرق مین ضلع رام پور، ضلع بجنور، ضلع مرادآباد مین، گنگا اور جمنا کے درمیان ضلع میرٹھ، ضلع مظفر نگر، ضلع سہارن پور، اور ضلع دہرہ دون کے میدانی علاقے مین اور جمنا کے مغرب مین شہر دہلی، شہر کرنال، ضلع انبالہ کے مشرقی حصہ مین۔

جب سلطنت دہلی کی بنیاد پڑی اور وہ کم و بیش مستقل طور پر شمالی ہند مین حکومت کرنے لگی تو سیاسی وحدت کی بنیاد پر ایک مشترک زبان بننے کا عمل از سر نو شروع ہوگیا مگر فرق اتنا تھا کہ پراکرت کے زمانے اور اپ بھرنش کے زمانے مین ایک ہی زبان لنگوا فرینکا اور مشترک ادبی زبان دونون کا کام دیتی تھی، اب ان دو مقصدون کے لئے دو الگ الگ زبانون کی ضرورت پڑی، مشترک ادبی زبان کی حیثیت رفتہ رفتہ فارسی نے

عاشقانہ زندگی کا مرقع کبھی کھینچا گیا ہے، جو حقیقت مین مجازی ہے، نفسانی جذبات اور خالص محبت کے درمیان حد فاصل قائم کرنا بہت دشوار ہے، اس قسم کی شاعری سے بسا اوقات بد اخلاقی کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف رام کی تعلیم روحانیت سے لبریز ہے، اور سارا ادب اخلاق اور ضبط نفس کے اصولون سے بھرا ہوا ہے، شمالی ہند مین ان ہی دو اوتارون کی پوجا نہین ہوتی ہے، کبیر بھینٹ چڑھانے کی رسم کے جتنے مخالف تھے، اتنا ہی وہ اوتار کے اصولون کے بہت سخت منکر تھے، . . . .
. . . . انھون نے سچی وحدانیت کی تعلیم دی اور ایک اعلیٰ ذات کا تصور پیش کیا۔ جو اللہ اور رام دونون کو اپنے اندر شامل کر لیتا ہے، پنجاب کے اندر نانک نے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۷) اختیار کی جسے سلطنت دہلی نے سرکاری زبان بنایا تھا۔ لیکن بدیسی ہونے کی وجہ سے یہ لنگوا فرینکا نہین بن سکتی تھی، اور قدرتی بات تھی کہ اس منصب پر مغربی ہند کی بولیون مین سے جو سلطنت کی راجدھانی دہلی کے آس پاس بولی جاتی تھین، کوئی بولی فایز ہوتی ۔

شہر دہلی مین اُس وقت بھی آج کی طرح چار بولیون کے علاقے آکر ملتے تھے، قدیم کھڑی بولی، ہریانی، برج بھاشا، اور میواتی، اس لئے غالباً شہر کے اندر یہ چارون بولیان بولی جاتی ہونگی، لیکن شہر کے متوسط طبقے کے شرفا کی زبان جسے امیر خسرو نے زبان دہلوی کے نام سے موسوم کیا ہے، قدیم کھڑی بولی تھی، جس مین ہریانی کا بھی کچھ میل تھا۔

سلطنت دہلی کے بانی قطب الدین ایبک کے ساتھ جو مسلمان اور نومسلم فوجین پنجاب سے آئی تھین ان کی بولی پنجابی تھی، جو ان بولیون سے بہت قریب تھی، چنانچہ اسکے بھی بہت سے لفظ زبان دہلوی مین داخل ہو گئے، اس زبان دہلوی کو جسے فارسی کتابون

اسی قسم کی تعلیم دی، جو زیادہ تر کبیر کی تعلیمات سے ماخوذ تھی۔

اب اس سوال کا کوئی واضح جواب نہین دیا جا سکتا ہے کہ یہ زبردست روحانی تحریک اسلامی اثرات کا نتیجہ ہے، اس مین کوئی شبہہ نہین کہ کبیر اور اس کے پیرودن کے تعلقات مسلمانون کے ساتھ بالکل ظاہر تھے، ہند کے اندر اسلام کوئی پوشیدہ مذہب نہین تھا۔ ہر ایک شہر اور قصبہ مین مسلمان اپنی مسجدونین جمع ہوتے تھے، اور ان کے منارون سے ہر روز پانچ دفعہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی تھی، جس کو ہندو اور مسلمان دونون سنتے تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۸) مین ہندی اور ہندوی بھی کہا گیا ہے، شاہی فوجون بیوپاریون، اور سادھوؤن نے آیندہ صدیون مین شمال مغرب مین پنجاب، مشرق مین بہار اور جنوب مین راجستھان، وسط ہند اور دکن تک پہونچا دیا اور اس نے بہت جلد لنگوا فرینکا کی حیثیت حاصل کر لی لیکن ادبی زبان کی حیثیت سے شمالی ہند مین فارسی کے آگے اسکا چراغ نہ جل سکا، اور سترھوین صدی سے پہلے اس کے نمونے بہت کم ملتے ہین، ان مین امیر خسرو کی منظوم پہیلیان وغیرہ بہت مشہور ہین، جن کا بڑا حصہ مشتبہ سہی، لیکن کچھ حصہ ضرور مستند ہے، بھگتی کے مشہور علم بردار نامدیو کے کلام مین زبان ہندوی یا کھڑی بولی برج بھاشا کے ساتھ، کبیر کے دوہون مین اودھی کے ساتھ، اور گورونانک کے کلام مین پنجابی کے ساتھ ملی ہوئی نظر آتی ہے، اس دوران مین اکبر اور جہانگیر کے عہد مین کوئی تین چوتھائی صدی تک دار السلطنت دہلی کے بجائے آگرہ رہا آگرہ کی سیاسی مرکزیت کی وجہ سے اس زمانے مین برج بھاشا کو فروغ حاصل ہوا، اور چونکہ کرشن بھگتی کے بہت بڑے مبلغ ولبھ اچاریہ نے متھرا کو اپنی تحریک کا خاص مرکز بنایا تھا، اور ان کے پیرو برج بھاشا کے ذریعہ سے تبلیغ کرتے تھے، اس لیے اس کی مقبولیت اور بڑھ گئی اور ہندی شاعری

اور توحید خداوندی کا نقش خود بخود لوگون کے دلون مین جاگزین ہوتا جارہا تھا۔ ابتدا
مین ہندوؤن کو یہ آواز بری لگتی رہی ہوگی، مگر بعد مین وہ اس سے مانوس ہوگئے ہونگے
اور ان مین ایک وسیع نقطہ خیال پیدا ہوگیا ہوگا۔ جو یقیناً قدیم برہمنون کی تعلیم کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) کی اقلیم مین اس کا سکہ چلنے لگا، زبان دہلوی یا کھڑی بولی
لنگوا فرنیکا کے منصب پر قائم رہی، مگر اس پر برج بھاشا کا بڑا گہرا اثر پڑا۔

تاریخی حالات نے اسی کھڑی بولی کو جو شمالی ہند مین سترہوین صدی کے شروع
تک محض بول چال کی زبان تھی۔ دکن اور گجرات مین کوئی دو سو سال پہلے ادبی زبان
کی حیثیت دے دی تھی۔ ان علاقون مین یہ زبان علاءالدین خلجی اور دوسرے شاہان
دہلی کے لشکریون، ہندو سادھوؤن اور مسلمان صوفیون کے ذریعہ سے پہونچی۔ دکن مین
بہمنی سلطنت اور اس کی جانشین ریاستون کے زیرسایہ اور گجرات مین مقامی مسلمان
بادشاہون کے دربار مین اسے وہ قدر و منزلت نصیب ہوئی جو دہلی کے شہنشاہی
دربار مین نہین ہوئی تھی، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دکن اور گجرات کے مسلمان حکمرانون کو دہلی
کی مرکزی قوت سے الگ ہو جانے کے بعد اپنی سلامتی اس مین محسوس ہوئی کہ جن ہندو
سپاہیون اور دوسرے ملازمون کو وہ اپنے ساتھ دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقون سے
لے کر آئے تھے، ان کے ساتھ اتحاد اور یکجہتی کا مضبوط رشتہ قائم کرین، اور اس کی
ایک موثر تدبیر یہ بھی تھی کہ ان پر اپنی زبان فارسی ٹھونسنے کے بجائے ان کی کھڑی بولی کو
اپنانے کی کوشش کرین، چنانچہ اسی سازگار فضا مین کھڑی بولی فارسی رسم الخط کو
اختیار کرکے شعر و ادب کی زبان بن گئی، بول چال کی زبان سے ادبی زبان بننے
کے سلسلہ مین اسے اونچے خیالات ادا کرنے کے لئے نئے الفاظ اور تراکیب کی

خلاف تھا، غالباً سیاسی حالات کی تبدیلی نے بھگتی کا پرچار کرنے والون کے لئے راستہ صاف کر دیا ہوگا، اس سے زیادہ کچھ نہین کہا جا سکتا، ورنہ بھگتی کا عقیدہ یقیناً اسلام سے پہلے کا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۰) ضرورت تھی جو اس نے زیادہ تر فارسی سے اور کچھ سنسکرت سے لین، ظاہر ہے، ماحول کے اثر سے دکن مین مرہٹی الفاظ اور گجرات مین گجراتی الفاظ اور ترکیبین بھی کھڑی بولی مین شامل ہوگئین (رسالہ آجکل جنوری ۱۹۵۵ء)

ان تاریخی حقایق کو سامنے رکھ کر ہندستان کے محبوب وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے فرمایا ہے کہ اردو ہماری زبان ہے، اس کی نشو و نما ہمارے ملک مین ہوئی اور اس نے ہمارے عوام کے کلچر کے خزانے مین اضافہ کیا ہے۔

سترہویں جھلک

سلاطین دہلی کے زمانے میں ہندوؤں کے عام حالات

از جناب کے، ایم، پینکر صاحب

اگر مسلمانوں کے پہلے دور (۱۲۱۰-۱۲۰۶ء) کے درباری مورخین کے صرف بیانات پر بھروسہ کیا جائے تو ہندوؤں کے حالات کا صحیح اندازہ نہ ہو سکیگا، یہ مورخین خصوصاً برنی اپنے ہیرو کو اسلامی محاسن اور راسخ العقیدگی کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی خاطر برابر فکر مند رہا، اور جب مورخین یہ لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کو ناپاک بتوں کو شکست، ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام اور تہ تیغ کیا گیا۔ تو ان کے لکھنے کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان سلاطین کے شاندار کارناموں اور کافروں کے خلاف ان کے جوش وخروش کے اظہار کی شہرت اسلامی ممالک میں ہو، فتح وتسخیر کے زمانے میں تو ہندوؤں کو صعوبتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑا، وہ یکایک بڑے علاقے سے اپنے سیاسی اقتدار سے محروم کر دئے گئے، ان کے مذہب کو بھی تحقیر سے دیکھا گیا اور ان کی عبادت گاہیں بھی

ؔ یہ اقتباسات جناب کے۔ ام۔ پانیکار (یا پینکر) کی کتاب "اے سروے آف انڈین ہسٹری" سے لئے گئے ہیں، کے۔ ام۔ پانیکار صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں تاریخ کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں، اور حکومت ہند کی طرف سے وہ بڑے بڑے۔۔۔ عہدوں پر

برباد کی گئیں، لیکن جونہی فتح وکامرانی کا جوش و خروش ختم ہوتا، اور ملک کی اقتصادی بحالی کا مسئلہ سامنے آتا تو بڑے سے بڑے پُرجوش اور متعصب سلاطین کو بھی مفید روش اختیار کرنی پڑتی، مسلمان حملہ آور اپنے ساتھ کاشتکار نہیں لائے تھے، دہلی پر فوج کے ذریعہ قبضہ ہوا تھا اور فوج ہی نے گنگا کی وادی کے راجاؤں کو شکست دی تھی، مسلمان سلاطین کے لیے لشکریوں کے ذریعہ زمین کی کاشت کرانا ممکن نہ تھا، زمین امراء میں جاگیر کے طور پر تو ضرور تقسیم کر دی گئی تھی۔ لیکن کاشتکار ہندو ہی رہے، اس کی کبھی فکر نہیں کی گئی کہ ہندو زمینداروں اور کاشتکاروں کو مسلمان بنالیا جائے، اور نہ اشاعت اسلام کی کبھی کوشش کی گئی، کیونکہ دوآب میں مسلمانوں کی حکومت سات سو برس رہی، لیکن یہاں اب بھی ہندوؤں ہی کی غیر معمولی اکثریت ہے[1]، نظام اراضی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی، اس لئے گاؤں میں ہندوؤں کی زندگی ویسی ہی رہی جیسی کہ پہلے تھی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۳) فائز رہ چکے ہیں، ان کی مذکورۂ بالا کتاب ۱۹۵۴ء میں شایع ہوئی تھی جب کہ وہ مصر میں ہندوستان کی طرف سے سفیر تھے۔

[1] استاذی المحترم علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ اپنے ایک مضمون ہندوستان میں اسلام کیونکر پھیلا میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سیلاب درۂ خیبر سے ہوکر آیا اور پنجاب سے کبھی آسام تک پہونچ گیا۔ مگر درحقیقت ان کی قوت کا مرکز صوبہ آگرہ، دہلی، اودھ، بہار اور دکن رہا۔ مگر دیکھو کہ یہی وہ مقامات ہیں جہاں آج بھی مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ کم ہے، یعنی آٹھ سو برس کے بعد بھی وہاں ۱۵ فی صدی سے

اور اس کو بھی تسلیم کرنا صحیح نہین کہ ہندوون کے ہاتھ سے تجارت چھین لی گئی، مسلمان حملہ آور فوجی ہی رہے، وہ تجارت کو پسند نہ کرتے تھے، ہندوستان کا تجارتی کاروبار ہنڈی اور قرض کے ذریعہ ہوتا تھا جو مسلمانون کے لئے عجیب پیچیدہ چیز تھی۔ حکومت یا سرکاری عمال کی وجہ سے تاجرون پر بڑا بار ضرور پڑتا۔ لیکن بنئیے اس زمانہ مین بھی سوسائٹی کے ضروری اجزا اسی طرح رہے جیسے کہ آج کل ہین،

ہندو سوسائٹی جون کی تون محض اس لئے رہی کہ حکومت کا مقامی نظم ہندوون ہی کے ہاتھون مین رہا۔ اونچے عہدیدار تو مسلمان ہوتے، لیکن نیچے کے تمام عہدے ہندوون ہی کو دیے جاتے، پٹواری، محاسب، خزانچی اور اسی طرح اور عہدیدار ہندو ہی ہوتے گورنر اور دوسرے بڑے عہدون پر مسلمان مامور کئے جاتے ۔ ۔ ۔ اسی نظام کی بنا پر التمش اور علاء الدین خلجی دونون نے ایک مختصر مدت مین ان بحال کرکے اپنی اپنی شاہی حکومتون کی عمارتین کھڑی کرلیں اور اسی نظام کی بدولت صوبائی گورنر قلیل فوج کی مدد سے آسانی سے صوبون مین حکومتین قائم کرلیتے، مثلاً

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۳) زیادہ نہ بڑھ سکے، برخلاف اس کے جہان ان کا اقتدار حکومت زیادہ مضبوط نہ تھا۔ وہان وہ حیرت انگیز اکثریت رکھتے ہین، بنگال، کشمیر، اور سندھ جیسے دور دراز اطراف مین ان کی تعداد اپنے ہمسایون سے زیادہ ہے، دکن پر مسلمانون کا ہمیشہ قبضہ رہا، بہمنی سلطنت پوری قوت سے مسلط تھی، اس کے بعد پانچ اسلامی سلطنتین ایک ہی زمانہ مین قائم ہوئین، اور پھر نظام حیدرآباد کی سلطنت قائم ہے تاہم مسلمانون کی تعداد سب سے زیادہ کم ہے، سب اہل تاریخ مانتے ہین کہ راجپوتانہ کی ریاستون کو کلی طور سے کوئی مسلمان بادشاہ زیر نہ کرسکا، انگریزون کے

بختیار خلجی بنگال پر تھوڑی سی فوج لیکر حملہ آور ہوا اور وہان اس نے ریاست بنالی،
سلاطین کی مطلق العنانی کا اثر زیادہ تر امرا اور درباریون پر پڑتا، سلاطین اگر کسی مہم
پر نہ جاتے تو دربار کی سازشون کے استیصال مین زیادہ تر مشغول رہتے۔ ریشہ دوانیون
کی وجہ سے خون ریزی اور ہلاکت ہوتی رہتی لیکن یہ زیادہ تر مسلمان امرا ہی مین محدود رہتین صوبے
کے گورنر بغاوت کرتے رہتے، جس کو بڑی سختی سے فرو کیا جاتا جیسا کہ غیاث الدین بلبن نے
بنگال کی بغاوت کو فرو کیا تھا۔ لیکن اس قسم کی سختیون کا بار بھی مسلمان امرا ہی کو برداشت
کرنا پڑتا۔ عام طور سے عوام محفوظ رہتے البتہ جب مرکزی حکومت کمزور ہو جاتی تو اس
کمزوری کا خمیازہ دیہی آبادی کو بھگتنا پڑتا۔

اور اگر تحقیق کی جائے تو یہ کہنا بھی غلط ہو گا کہ مسلمان حکمران ہندو مذہب کو تحقیر کی
نظر سے دیکھتے تھے، علاء الدین خلجی اور فیروز تغلق متعصب حکمران سمجھے جاتے ہین، لیکن
ان دونون نے بھی ہندوؤن کے مذہبی پیشواؤن کی بڑی عزت اور توقیر کی، جینیون کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۴) عہد تک وہان کے ہندوون کے ہاتھون مین مسلمان بادشاہون
کے مقابلہ کے لیے تلوارین تھین، مگر یا این ہمہ ان کی کوئی ریاست آج ایسی نہین جہان
تھوڑے بہت مسلمان نہ ہون، سیلون اور برما پر کبھی مسلمانون نے قبضہ نہین کیا، مگر وہان
مسلمانون کی خاصی تعداد ہے۔ . . . .

ہندوستان مین اسلام کی اشاعت کا سب سے پہلا اور قدیم سبب عربون
اور ہندوؤن کا تجارتی میل جول تھا۔ عرب تاجرون اور سواحل ہند کے سوداگرون
مین باہمی تعلق نہایت قدیم زمانہ سے قایم تھا۔ بلکہ اس کا آغاز اسلام سے بہت
پہلے ہو چکا تھا۔ البتہ اسلام کے بعد عرب قوم کی تنظیم نے ان تعلقات کو اور

ماخذ سے پتہ چلتا ہے کہ علاء الدین نے اچاریہ مہاسین کو کرناٹک سے اپنے دربار میں مدعو کیا، اس سے مذہبی مناظرے کیے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرقہ دیگمبر جین کے پیشوا پورنا چندر جوہی ہی میں رہتے تھے، اور سوئتمبر یوگی رام چندر سوری کی پذیرائی سلطان علاء الدین کے یہاں بہت تھی، غیاث الدین تغلق کے عمال میں دو جین تھے، جن کا اثر سلطان پر بہت تھا، فیروز تغلق رتن سیکھر شاعر کا بڑا احترام کرتا۔

مفتوحہ علاقوں میں ہندوؤں کو ضرور دبا کر رکھا گیا، سیاسی اقتدار جس سے عزت اور وقار حاصل ہوتا ہے ان سے ضرور جاتا رہا تھا، وہ بڑے بڑے عہدوں سے بھی محروم کر دیئے گئے تھے، ان کو ٹیکس بھی زیادہ دینا پڑتا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ان کی زندگی ان کے لئے سخت ہو گئی تھی۔ برنی کے بیان کے مطابق تو ہندوؤں کے لئے سوائے عاجزی اور اطاعت گذاری کے کوئی چارۂ کار نہ تھا . . . . لیکن دوسرے مورخوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوآب کے بڑے بڑے زمیندار برابر بغاوت کرتے رہے، برنی کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۵) زیادہ مستحکم اور مضبوط کر دیا، اب عرب تاجر پہلے کی طرح صرف رومی مال واسباب اور عربی مصنوعات و پیداوار ہی ہندوستان نہیں لانے لگے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنی سب سے بڑی دولت اور اپنی سب سے قیمتی متاع جو ورثہ میں اپنے پیغمبر عربی کے وسیلہ سے ان کو ملی تھی، وہ بھی رفتہ رفتہ اپنے ساتھ لانے لگے، اور یہاں سے اب وہ صرف مسالوں، خوشبوؤں، تلواروں اور کپڑوں کا ذخیرہ ہی نہیں . . . . . . بلکہ نو مسلموں کی کچھ تعداد بھی اپنے ساتھ لے جانے لگے، ملیبار، سندھ، گجرات، کچھ، کوکن، سواحل، بنگال اور جزایر ہند کی قوموں نے ان کو فرشتہ رحمت سمجھ کر قبول کیا، عربی سفرناموں اور جغرافیہ کی کتابوں میں ان مقامات کے نام اور انکے حالات بکثرت مذکور ہیں، ملیبار میں

مذہبی جذبات کو عمل مین اسی وقت لایا جاسکتا تھا کہ جب سرکاری حکام کی بہت بڑی تعداد ہوتی، لیکن یہ تعداد ہندوون کے بغیر بڑھائی نہین جاسکتی تھی۔

اور تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ ڈیڑھ سو برس تک جب شمالی ہند مین اسلام کی فتح و تسخیر جاری تھی، تو اس وقت ہندو مذہب مین بڑی تقویت آتی جارہی تھی، کوئی ہندو مسلمان ہوجاتا تو اس کے لئے سارے دروازے کھل جاتے، اسکو بڑے سے بڑا عہدہ اور وقار حاصل ہوجاتا۔ خسرو کاٹھیاواڑ کا ایک ادنیٰ ذات کا نکالا ہوا غلام تھا۔ لیکن مسلمان ہوکر نصیرالدین کے لقب سے تخت پر بیٹھا، ہندوؤن کے لئے اقتدار اور قوت حاصل کرنے کے لئے جب اتنی آسانیان تھین تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اتر پردیش چھ سو سال تک مسلمانون کے زیر نگین رہا، لیکن یہان مسلمان صرف چودہ فی صدی ہین، اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ ہندو مذہب محفوظ رہا۔ اور جبری اشاعت اسلام نہین ہوئی، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۶) موپلا اور نوایت انھین عرب تاجرون کی یادگار نسل ہین، اور یہی ہندوستان مین اسلام کی اشاعت کے سب سے پہلے داعی اور مبلغ ہین، انھون نے جس ہم آہنگی، سکون اور خاموشی سے اس فرض کو انجام دیا۔ عیسائی مشنری اور انگریز مورخین تک ان کی اس قابلیت کے مداح اور ستایش گر ہین . . . .

ملیبار اور اس کے اطراف مین جو پرانی قوم آباد ہے، اس کو نایر کہتے ہین، یہ عام ہندوون سے بالکل مختلف ہین، اور ان مین قدیم وحشت اور بربریت کے نسبت سے اثرات پائے جاتے ہین، اور ان مین کوئی صحیح مذہب ایسا نہ تھا جو اسلام کا مقابلہ کرسکتا، ان کو عام برہمن نہایت ذلیل سمجھتے ہین، اور ان سے چھوت کرتے ہین، تاریخ تحفۃ المجاہدین مین ہے کہ اگر کوئی اونچی ذات کا ہندو ان سے چھوجائے تو جب تک وہ

ہندوؤن کو زبون حال نہین بنایا گیا . . . .

محمد غوری کے بعد ہندوستان مین جو ترک اور افغان آئے ان کو اسلام کے عظیم الشان کلچر کا نمایندہ نہین کہا جا سکتا، وہ اسلام کے پیرو ضرور تھے، لیکن مسلمانون کا جو تمدن بغداد قاہرہ یا قرطبہ مین تھا۔ اس کا اثر ان پر مطلق نہ تھا۔ لیکن ان ہی کی وساطت سے ہندوستان مین اسلام آیا، جس نے اپنے عقائد کے علاوہ انسانی مساوات کا درس دیا، مذہب پر فخر کرنا سکھایا۔ اور ایک قانونی نظام عطا کیا جو کئی لحاظ سے زمانہ کے قوانین سے ترقی یافتہ تھا، . .

. . . . ان تمام چیزون کا اثر ہندوستان کے باشندون پر پڑا، راجپوتانہ اور دجیا نگر کے ہندو راجا بھی اسلام ہی کے اثر سے اپنے دھرم اور مذہب کے علمبردار بن گئے، قدیم زمانے مین شمال مین بھارشیو اور گپت، اور جنوب مین پلو اور چول خاندانون کے راجاؤن نے کبھی مذہب اور سوسائٹی کی حمایت مین کوئی اقدام نہین کیا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۷) غسل نہ کرے، کھا نہین سکتا، اگر کھائے تو سردار اس کو اپنی برادری سے نکال کر انہین نیچ ذاتون کے ہاتھ بیچ دیتا تھا۔ اور اسکی بقیہ عمر غلامی مین گذرتی تھی یا ڈبھاگ کر دوسری جگہ چلا جاتا تھا ایک کنوئین سے دوسرا پانی نہین پی سکتا تھا پاس بیٹھ نہین سکتا تھا، . . . . . . جب مسلمان تاجر ادھر آئے تو ان مظلوم فرقون کو اچھا خاصہ ایک امن کا سایہ ہاتھ آیا، مسلمان تاجرون نے ان کو نوکر رکھا، ان سے تعلقات بڑھائے، ان کی عورتون سے شادیان کین، نیچ قوم کے لوگ اور نیز ذات سے خارج لوگون نے بھاگ بھاگ کر اسلام کے دامن امن مین پناہ لینی شروع کی، اور یہی . . . جب مسلمان ہو کر دوسرے مسلمانون کے برابر حقوق حاصل کر لیتے تھے تو دوسرے ہندو بھی ان کی عزت مین کمی نہین کرتے تھے، یہ دیکھ کر یہان کی ادنی قومون کو اور بھی اسلام کی طرف رغبت ہوئی . . . .

وہ پکے ہندو ضرور رہے، لیکن مذہب کی حمایت اور مدافعت کا خیال ان کے دلون مین کبھی نہین آیا۔ یہی حال ہمیر سے کمبھ۔ ۔ ۔ اور کرشن دیو سے رام رایہ تک رہا۔ لیکن اسلام سے ان کا واسطہ پڑا تو وہ بھی ہندو مذہب کے حامی بن گئے۔

اسلام نے یہان آکر ہندوستانی معاشرت کو انفرادی اور اجتماعی حصون مین تقسیم کر دیا، حالانکہ تیرہوین صدی سے پہلے ہندو سوسائٹی ذات پات کے طبقات پر تقسیم تھی، جس کو بدلنے مین بودھ اور جین مذہب اثر انداز نہ ہو سکے، بلکہ وہ خود ہی ضم ہو گئے۔ اسلام نے ہندوستانی سوسائٹی کو دو حصون مین تقسیم کر دیا، اور اس طرح دو متوازی قومین وجود مین آگئین، جو ایک ہی سرزمین پر آباد رہین مگر ہر موقع پر وہ ایک دوسرے سے مختلف رہین، اور ان مین کوئی معاشرتی میل جول نہین رہا، لیکن جہان ہندو مذہب کو چھوڑ کر لوگ اسلام قبول کر رہے تھے، وہان ہندوؤن کے معاشرتی نظام مین بھی برابر نئے عقائد اور فرقے پیدا ہوتے جا رہے تھے، اور ان کی سوسائٹی مدافعانہ طور پر مضبوط ہو رہی تھی۔ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۸) اسلام اپنی سادگی، مساوات اور حقانیت سے اپنا راستہ خود صاف کرتا گیا، اور نیچ ذات اور معمولی لوگون کے دلون پر قبضہ کرتا ہوا بادشاہون اور راجاؤن کے قلوب تک قابض ہو گیا، ان عرب تاجرون اور درویشون کے ہاتھ مین محمود اور عالمگیر کی تلوار نہ تھی، ان کے ذریعہ جو اشاعتِ اسلام ان اطراف مین ہوئی اس کے طریقے حسب ذیل تھے (۱) عرب تاجرون نے خود آکر اپنی نوآبادیان قائم کین، یہان کی نومسلم عورتون سے انھون نے شادیان کین (۲) نیچ ذات کے ہندو اور غیر برہمن جو برہمنون کے دباؤ، ظلم اور ترفع اور غرور سے نالان تھے، انھون نے اسلام مین آکر عزت پائی، (۳) تاجرون کی فیاضی اور انسانیت نوازی نے غریبون اور محتاجون کو اپنے دامن مین

اس عہد مین ہندو مذہب کی تجدید کی تحریکین برابر جاری رہین، ویشنو تحریک اسی زمانہ مین شروع ہوئی، جس کی وجہ سے شمال مین جے دیو، میرا بائی، راما نند، کبیر، پھر مہاراشٹر اور گجرات مین گیانیشور وغیرہ جیسے پیشوا پیدا ہوئے، کرناٹک مین لنگائت کا عروج بھی اسی دور مین ہوا، گیت گووند پوری مین لکھی گئی، اور یہ اسقدر مقبول ہوئی کہ اس کی شرح راجپوتانہ کے مہارانا کمبھ نے لکھی، راما نند کی تحریک کا مرکز بنارس مین تھا۔ اور راما نند ہی کی بدولت کبیر نے وحدانیت، نانک نے زاہدانہ تصوف، اور چیتن نے پرہیزگارانہ انبساط کا درس دینا شروع کیا۔ . . . .

اور یہ بات تو واضح ہے کہ اس عہد مین ہندو مذہب پر اسلام کا گہرا اثر پڑا، ہندوؤن مین خدا پرستی کا تصور اسلام ہی کی بدولت پیدا ہوا، اور اس زمانہ کے تمام ہندو پیشواؤن نے اپنے دیوتاؤن کا نام چاہے جو کچھ بھی رکھا ہو خدا پرستی ہی کی تعلیم دی یعنی خدا ایک ہے، وہی عبادت کے لایق ہے، اور اسی کے ذریعہ ہم کو نجات مل سکتی ہے، بھگتی عقائد مین بھی خالص

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۹) پناہ دی (۴) جو لوگ ذرا ذرا سی باتون پر اپنی ذات سے خارج کر دیئے جاتے تھے وہ اسلام کی برادری مین داخل ہوتے گئے۔ (۵) بہت سے لوگ اپنے بچون کو غربت کی وجہ سے عربون کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے، وہ ان کو لے کر، اسلام کی تربیت دیتے اور اپنی اولاد کی طرح پال کر جوان کرتے تھے، (۶) اسلام کی روحانی طاقت کی عجیب وغریب نشانیان ان کی نگاہون سے گذرین جس نے ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا (۷) علماء اور درویشون نے اپنی روحانی کشش کے جلوے بھی دکھائے (معارف اعظم گڈھ، جون، اگست ۱۹۲۴ء)

اپنے ایک مضمون مین پنڈت سندر لال (راڈیٹر بنا ہند . . . . الہ اباد)

توحید پرستی ہے، اس کے پیرو مختلف دیوتاؤن کی پرستش ضرور کرتے ہین، لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ شیو ہون یا کرشن یا دیوی، وہ سب ایک ہین، اور ہمیشہ رہنے والے ہین۔ کبیر کے دوہون مین یہ ساری چیزین بہت ملتی ہین، جن کا اثر عوام پر بہت تھا۔

اسلام نے ہندو مذہب پر اس حیثیت سے بھی اثر ڈالا کہ ان کے سبب سے دیسی زبانون کو فروغ حاصل ہوا، ہندی کو چاند بردائی کی وجہ سے بڑی علمی ترقی ضرور ہوئی تھی، لیکن صحیح جائزہ لینے کے بعد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی ہند کی اہم زبانون کی ترقی اسی دور مین ہوئی، سنسکرت سرکاری زبان باقی نہین رہی تھی، اس لئے دوسری زبانون کی اہمیت بڑھ گئی، امیر خسرو نے ہندی (مراد سنسکرت) کا موازنہ فارسی اور عربی سے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستانی زبان فارسی سے زیادہ متمول اور لچک دار ہے، بنگالی، گجراتی اور مرہٹی زبانین بھی نمایان ہو رہی تھین، میتھلی زبان مین ودیاپتی کے گیت، بنگالی زبان مین چنڈی داس کی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۰) لکھتے ہین "اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے کسی خاص کوشش اور جد و جہد کے بغیر بہت مختصر عرصے مین دنیا کے بیشتر حصہ کا احاطہ کر لیا تھا، یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا کیونکہ دنیا کی تاریخ مین کوئی مذہب بھی بزور شمشیر نہین پھیل سکا ہے، اور ایسی حالت مین جب کہ اسلام کا جنم انتہائی بے سرو سامانی کے عالم مین ہوا ہے، اور اس کا کوئی ساتھی اور مددگار نہ تھا، تو بھلا اس کے فروغ کے لیے اس کے حق مین تلوار چلانے والا کون تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام مین جاذبیت اور کشش ہی کچھ ایسی ہے کہ یہ خود بخود انسان کے دل مین گھر کرتا چلا جاتا ہے، ہندوستان مین صدیون تک مسلمانون کی حکومت قائم رہی ہے، لیکن کسی مسلمان خاندان کے دور حکومت مین اس ملک مین تبلیغ اسلام کی طرف معمولی توجہ بھی صرف نہین کی گئی،

شاعری، اور راجستھانی میں میرا کی نظمیں اور مہاراشٹری میں نامدیو سوامی کے اشعار نہ صرف مقبول تھے، بلکہ یہ سب قابل قدر ادب سمجھے جارہے تھے سنسکرت کے کلاسیکی ادب کے ترجمے بھی اس عہد میں ہو رہے تھے، اور بنگال میں یہ ترجمے مسلمان سلاطین کی سرپرستی میں ہوئے، اسلام نے جو اثرات مرتب کئے، ان میں سے ایک مفید نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ مذہب اور لٹریچر کا اجارہ محدود طبقہ سے نکل گیا، اور یہ دونوں عوام میں بھی پھیلے۔

اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس دور میں سنسکرت کا پڑھنا لکھنا بند ہوگیا، گجرات میں ہیم چندر سوری کی وجہ سے سنسکرت کی بڑی ترقی ہوئی، دیر دھول کے دربار میں سنسکرت کے بڑے بڑے فضلا جمع تھے، اس کا وزیر دست پال سنسکرت کا مشہور شاعر تھا۔ اس دربار میں سنسکرت کی روایات کی تجدید ویسی ہی ہوئی جیسی بھوج کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ راجپوتانہ میں بھی سنسکرت کی کم سرپرستی نہیں کی گئی، جو نا راج کے پرتھوی راج دجے اور پھر علاء الدین کے عہد کو ہمیر تجے بڑے عالم تھے، کمبھ کا دربار تو علم اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۱) اس کے باوجود اس ملک میں کروڑوں مسلمان ہیں، جو لوگ اپنے شجرۂ نسب کو باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ... ملا سکتے ہیں، ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے، مختصر یہ کہ ہندوستان میں تبلیغی کوششوں کی عدم موجودگی کے باوجود اس ملک میں اسلام کے پھیلنے کے بہت سے اسباب بیان کئے جاتے ہیں، لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب میں بڑا سبب خود اسلام کی سادگی اور کشش ہے، ہندوستان میں اسلام کو تین دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اسلام کا پہلا دورہ تھا جب محمد بن قاسم کی سرکردگی میں مسلمانوں نے سندھ کو فتح کیا تھا، اس دور میں اسلام اپنی بنیادی خصوصیات لے کر اس ملک میں آیا تھا، اور مسلمان

کلچر کا بڑا مرکز رہا۔ خود کمبھو نے گیت گووند کی شرح لکھی، سنگیت راج کو مدون کیا جو موسیقی کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اس نے سنسکرت میں بہت سی نظمیں بھی لکھی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مسلمانوں نے گنگا کی وادی کو تسخیر کیا تو شعرا اور فضلا نے دور دراز علاقوں کے راجاؤں کے درباروں میں جاکر پناہ لی، اور یہی وجہ ہے کہ میواڑ، کالنجر اور گجرات میں سنسکرت کی ترقی یکایک نظر آتی ہے۔

اسی دور میں جین مذہب کی بھی خاطر خواہ تجدید ہوئی گو اس مذہب پر اسلام کا کوئی اثر نہیں پڑا، بودھ مذہب کی کامیابی کے بعد وردھامان کے مذہب کو گہن لگ گیا تھا لیکن کھارویل کے ہاتھی گمفا کی کتبات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کلنگ کا راجہ تیرتھنکر کا پیرو ہو گیا تھا، یہ مذہب پہلی چھٹی صدی عیسوی میں جنوب میں بہت پھیل گیا تھا۔ گجرات میں بھی یہ مقبول تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۲) اس ملک کے باشندوں کے ساتھ فراخ دلی سے پیش آتے رہے۔ اس نے ہندوؤں کو بہت زیادہ متاثر کیا، دوسرا دور محمود غزنوی کے حملہ سے شروع ہوا تھا۔ اور اس دور میں اسلام نے ہندوؤں کے ان طبقوں کو متاثر کیا جنھیں ہندوؤں کے سماجی نظام نے صدیوں سے کچل رکھا تھا۔ اور تیسرا دور ہندوستان میں مغل حکومت کے قیام کے بعد شروع ہوا تھا۔ اور یہی وہ دور تھا۔ جس میں اگرچہ اسلام کی تبلیغ کی کوئی معمولی سی بھی کوشش نہیں کی گئی تھی، پھر بھی اسلام کی تعلیمات کی کشش اور ہمہ گیری نے مختلف صورتوں میں اس کو ہر طبقہ کے ہندوؤں اور غیر مسلموں میں پہونچا دیا تھا۔ اس دعوی سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ ہر طبقہ کے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ ہندوؤں کا کوئی طبقہ بھی ایسا نہ تھا۔ جو کسی نہ کسی طرح اسلام سے متاثر نہ ہوا ہو چنانچہ ایک طرف اس دور میں بعض حضرات کی طرف سے اسلامی تعلیمات کو ہندو دیت کا

اور بارہوین صدی مین جب کمارپال برسر اقتدار ہوا تو اس کو اور بھی فروغ ہوا، اسی کے پیروون مین ایک کی غیر معمولی لیاقت اور وسعت نظر سنکر کے برابر ہے اور پھر ہیم چندر سوری کا شمار تو ہندوستان کے جلیل القدر لوگون مین کئے جانے کے لایق ہے، وہ جوگی بھی تھا، لغت نویس بھی، رزمیہ شاعر بھی اور گرو بھی، اس نے آریائی اور جینی کلچر ذہنون کو ملانے کی کوشش کی، اس کی ایک کتاب پرش چوت ہے جو کئی جلدون پر مشتمل ہے، اور اس مین جلیل القدر افراد کے حالات زندگی ہین، اس مین اس نے جینی رنگ مین ہندوؤن کے تمام مذہبی قصون کو قلمبند کرکے مقبول عام بنانا چاہا ہے، مہا بھارت راماین اور دوسرے روایتی قصے سب ہی اس عظیم الشان تصنیف مین موجود ہین، اسی کی وجہ سے اس کو کلی کال ویاس کا خطاب ملا، اس کا شمار ان لوگون مین ہے، جنھون نے ہندوستانی ذہن و دماغ کو نشو و نما دیا ہے۔ اس کی جگہ والمیکی ویاس اور سنکر کی صف مین ہے۔ وہ سنسکرت ہی مین لکھتا۔ اور اسی کی وجہ سے گجرات مین سنسکرت لٹریچر کی بڑی ترقی ہوئی۔ پال چندر (مؤلف وسنت ویلاس ۱۲۹۶ء) یش پال (مصنف مہا موہ وجے) رام چندر سوری (صاحب نل ویلاس) وست پال (نرنار اینیہ) تیرھوین صدی کے اہم صاحب قلم ہین جن کی وجہ سے سنسکرت زبان مالا مال ہوئی، ہیم چندر کے بعد جین مذہب ہی کے ذریعہ سنسکرت کلچر کا بڑا پرچار ہوا،

ہندو صرف لٹریچر اور آرٹ کو ترقی دینے ہی مین نہین لگے رہے، مسلمانون کی آمد سے طرح طرح کے معاشرتی مسائل پیدا ہوئے، اس لئے معاشرت کی از سر نو

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۳) جامہ پہنا کر انھین ہندوؤن مین مقبول بنانے کی کوششین کی جارہی تھین، وہ بھی اسلام ہی کی تعلیمات کے زیر اثر تھین (منقول از ہماری آواز کانپور ۱۳ جولائی ۱۹۵۶ء)

تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی، جو سمرتی کی بنیاد ہی پر ہو سکتی تھی، اس معاشرتی تطابق کے مسائل سے سندھ مین دیول اور میدھا تیتھی کو دو چار ہونا پڑا، دیول ہندوون کی اونچی ذات کا اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھ کر کڑھتا تھا۔ سمرتی کے باب پراشچت کی اہمیت بڑھی، اور سمرتی کو مضبوط اس لئے بنایا گیا کہ ہندوون کا مسلمان ہونا رک جائے، بلکہ مشکل مسئلہ ہو جائے اور جو ہندو مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے ان کو واپس لینے کی بھی کوشش کی گئی، . . .

. . . . . . اور ۱۲۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک سمرتی پر لکھنے والے بہت سے اہل قلم پیدا ہوئے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ معاشرت کا احیا و تجدید ایک اہم مسئلہ بن گیا تھا۔

اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہوگا کہ اس اسلامی عہد مین ہندو ذہن بالکل مغلوب ہو کر نہین رہا، اسلامی اثرات ہندو مذہب پر ضرور پڑے، لیکن بھکتی سے فلسفہ اور صوفیانہ عقائد مین خوشگوار امتزاج پیدا ہوا، راما نند، کبیر، میرا بائی اور صوفیون کے نغمون مین امتیاز پیدا کرنا مشکل ہو گیا نہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ان مین کس نے کس کو متاثر کیا۔

اٹھارہویں جھلک

ہندوستان کے اصلی مبلغین اسلام

(از ڈاکٹر تاراچند ایم اے، ڈی، فل (آکسن)

مسلمانوں کا پہلا بیڑا ہندوستان کے سمندر میں ۶۳۶ء میں نمودار ہوا، یہ زمانہ حضرت عمرؓ کا تھا، جب کہ بحرین اور عمان کا گورنر عثمان ثقفی تھا اس نے ایک بحری ...... فوج تھانہ بھیجی لیکن جب اس کی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی تو آپ نے اس قسم کی کارروائی کو ناپسند کیا، اور سزا دینے کی دھمکی دی، اسی زمانہ میں بھروچ اور دیبل بھی کچھ لشکر بھیجدیئے گئے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کی ممانعت کے بعد اس قسم کی مہم روک دی گئی، لیکن آپ ہی کے عہد میں ہندوستان کے بری راستے معلوم کئے گئے، جس کے بعد یہاں سے

ـــــــــــ

ملہ یہ اقتباسات ڈاکٹر تاراچند ایم۔ اے، ڈی، فل (آکسن) کی مشہور کتاب "ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات" سے لئے گئے ہیں، ڈاکٹر تاراچند الہ آباد یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور حکومت ہند کی طرف سے ایران کے سفیر رہ چکے ہیں، اوپر کے اقتباسات سے بھی اندازہ ہوگا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی لہر تلوار کے سایہ میں نہیں آئی، بلکہ مسلمان فاتحوں کے آنے سے بہت پہلے اسلام مسلمان تاجروں اور صوفیوں کے جلو میں ہندوستان آچکا تھا، اور اس کے بڑے حصہ میں اسلام نے لڑائی بھڑائی کے بغیر یورپ سے امن اور چین کے ساتھ اپنے اثرات بڑھائے، اور قدم جمائے اور جب دونوں قومیں ایک دوسرے سے

متعلق مفید معلومات حاصل ہوئے، اور بالآخر آٹھوین صدی عیسوی مین محمد بن قاسم نے
سندھ کی تسخیر کی، اسی اثنا رمین بحری تجارت جاری رہی، اور مسلمانون کی آبادی، جنوبی ہند
کے ساحل اور لنکا کے تین قصبون مین قائم ہو گئی' رولینڈسن کا بیان ہے کہ مسلمان عرب
سب سے پہلے ملیبار کے ساحلی علاقہ پر ساتوین صدی کے آخر مین آباد ہوئے، فرانسس
ڈے بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اسٹروک "ویلاون" کے ذکر مین لکھتا ہے کہ ساتوین
صدی کے بعد سے ہندوستان کے مغربی ساحل کے علاقون پر ایرانی اور عرب تاجر بڑی
تعداد مین آباد ہوئے، اور یہان کی عورتون سے شادی کی' یہ آبادیان ملیبار مین اہم اور
زیادہ تھین، کیونکہ اس کے بندرگاہون مین تاجرون کی بڑی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی
بلاذری نے محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ کے جو اسباب لکھے ہین ان سے بھی پتہ چلتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۶) ملتی رہین تو ایک دوسرے کے مذہب کو جاننے کی بھی کوشش کی گئی
چنانچہ یعقوب بن اسحاق کندی نے سنہ ۲۴۵ھ مین "ہندوستان کے مذاہب اور اعتقادات"
کے عنوان سے ایک تحریر لکھی جس مین پہلے گجرات کے راجہ دلبھ رائے کے دار السلطنت
جہانگر کے بت خانہ کا حال لکھا ہے کہ اس مین سونے، چاندی، لوہے، پیتل، ہاتھی دانت
اور ہر قسم کے بیش قیمت پتھرون اور جواہرات کے بیس ہزار بت ہین، اور اس مین سونے
کا ایک بت ۱۲ ہاتھ اونچا ہے، اور وہ سونے کے تخت پر بیٹھا ہے، یہ تخت ایک سونے
کے گنبد نما کرے مین ہے، یہ کرہ سپید موتیون اور سرخ، سبز، زرد اور آسمانی رنگ کے
جواہرات سے مرصع ہے، سال مین ایک دفعہ اس کا میلہ ہوتا ہے، راجہ خود پیادہ
وہان جاتا اور آتا ہے، اس کے آگے سال مین ایک دن قربانی کی جاتی ہے، اور
لوگ اپنی جان بھی اس پر قربان کرتے ہین، پھر ملتان اور دوسری جگہون کے بتون کے

کہ ان علاقون مین مسلمان آباد تھے، بلاذری کا بیان ہے کہ لنکا کے راجہ نے حجاج کے پاس
کچھ یتیم لڑکیان بھیجین جو اس کے ملک مین پیدا ہوئی تھین ان کا باپ سوداگر تھا، لیکن وہ
ان لڑکیون کو بلا وارث چھوڑ کر مر گیا تھا، کچ کے بحری ڈاکوؤن نے اس جہاز پر حملہ کیا۔
جس مین یہ لڑکیان سفر کر رہی تھین، اور ان کو اپنے قبضہ مین کر لیا، حجاج نے داہر سے ان
لڑکیون کا مطالبہ کیا، لیکن داہر اس کو پورا نہ کر سکا جس کے بعد حجاج نے قاسم کی رہنمائی
مین ایک فوج بھیجی، اس فوج کی مدد کے لئے جنگی بیڑے بھی تھے، جو دیبل پر حملہ آور ہوئے،
راکس نے ولکس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آٹھوین صدی ہجری مین حجاج بن یوسف
نے بنو ہاشم کے کچھ لوگون کو جلاوطن کر دیا، ان مین کچھ تو ہندوستان کے مغربی ساحل
کوکن مین آکر سکونت پذیر ہو گئے، اور کچھ راس کماری کی مشرقی سمت بڑھ گئے،
اول الذکر کی نسل نوایت اور آخر الذکر لبی (؟) کہلاتے ہین،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۷) احوال لکھے ہین۔ اس کے بعد ہندوستان کے چند فرقون اور انکے
بتون کا حال بیان کیا گیا ہے، سب سے پہلے فرقہ کا نام مہاکالیہ بتایا ہے، جو مہاکالی کو پوجتے ہین
جس کے چار ہاتھ ہوتے ہین، آسمانی رنگ ہوتا ہے، سر پر بہت بال ہوتے ہین،
دانت نکلے ہوتے ہین، پیٹ کھلا ہوتا ہے، پیٹھ پر ہاتھی کی کھال پڑی ہوتی ہے جس سے
خون کے قطرے ٹپکتے ہین، ایک ہاتھ مین اژدہا، دوسرے مین ڈنڈا، تیسرے مین
ایک انسان کا سر جو تھامے ہے اور چوتھا اٹھا ہوا، اس کے دونون کانون مین دو سانپ
اور اس کے بدن مین دو اژدہے لپٹے ہوئے، سر پر کھوپڑی کی ہڈیون کا تاج،
اور انھین ہڈیون کا گلے مین مالا۔
دوسرا فرقہ الدتبکتیہ (ادت بھکتی) یعنی سورج (ادت) کا پوجنے والا ہے

آٹھوین صدی مین عربون کے جہازرون نے بھروچ اور کاٹھیاواڑ کے ساحلی بندرگاہون پہ یلغار کیا، ان کی تجارت اور نوآبادیان ترقی کرتی رہین، ان کی آبادی کا تحریری ثبوت اسی صدی سے ملتا ہے، کولم کے قبرستان مین بہت سے مقبرے ہین، جن مین سے بعض کے کتبے بھی ہین، ایک کتبہ پر علی بن عبدالرحمن (؟) متوفی سنہ ۱۶۶ھ مرقوم ہے۔

اس سے ایک سو سال پہلے ہی مسلمان ملیبار کے ساحل پر آباد ہونے لگے تھے، ان کا خیر مقدم تاجر کی حیثیت سے کیا جاتا ، اور ان کو مذہبی آزادی بھی دی جاتی، ظاہر ہے کہ یہان آباد ہونے کے بعد انھون نے مذہبی تبلیغ بھی شروع کر دی ہو گی، کیونکہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور ہر مسلمان مبلغ ہے، اور بہت سے مسلمان عزت اور وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، وہ ہندوستان آئے تو شامی عیسائی کی طرح نہین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۸) اس کی صورت یہ ہے کہ ایک گاڑی ہے، جس مین چار گھوڑے جتے ہین، اس کے اوپر ایک بت ہے، وہ اس کو سجدہ کرتے ہین، اس کے گرد گھومتے ہین، بخور جلاتے ہین، باجہ بجاتے ہین، اس پر بہت سی جائداد وقف ہین بہت سے پجاری ہین جو اس بت خانہ اور اسکی جائداد کا انتظام کرتے ہین، بیمار ہر طرف سے یہان آتے ہین اور اپنے خیال مین اچھے ہو کر جاتے ہین۔

تیسرا فرقہ بھگتیہ (چندر بھگتی) ہے، یہ چاند کے پوجاری ہین، اس کے بت کی گاڑی چار بطون پر چلتی ہے، بت کے ہاتھ مین ایک بہت بڑا لال ہوتا ہے، جس کو چندرگیت کہتے ہین، چودھوین رات کو جو چاند کے پورے کمال پر پہونچنے کا وقت ہے، یہ برت رکھتے ہین، اور اس رات کو اس کی پوجا کرتے ہین۔ اور کھانا، شراب اور دودھ اس دیوتا کے پاس لاتے ہین، چاند کی پہلی اور چودھوین کو چھتون پر چڑھ کر اس کو دیکھتے ہین

جو اپنے وطن سے نکال دیئے گئے تھے، بلکہ وہ اپنے نئے مذہب کے پورے جوش و خروش کے ساتھ یہاں آئے، اور ان میں فاتحانہ وقار بھی تھا۔ اور نویں صدی میں وہ ہندوستان کے پورے مغربی ساحل پر پھیل گئے، اور انھوں نے اپنے عقائد و عبادات کی وجہ سے اور پھر ان کے عملی نمونے پیش کر کے ہندوؤں کی آبادی میں ایک ہلچل پیدا کر دی،

اس زمانہ میں جنوبی ہند میں بڑا مذہبی خلفشار تھا، پرانک ہندومت کا تصادم بودھ اور جین مت سے تھا۔ سیاسی انتشار بھی جاری تھا، چیر خاندان کا اقتدار ختم ہو رہا تھا، اور نئے خاندان ابھر رہے تھے، لوگوں میں بڑی ذہنی پراگندگی تھی، اس لئے وہ نئے خیالات کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار تھے، خواہ یہ کسی سمت سے آتے، ایسے ہی موقع پر اسلام اپنی سادگی اور مربوط عقائد و مراسم اور جمہوری و معاشرتی مساوات کے ساتھ نمودار ہوا، اس نے اپنا بڑا اثر دکھایا۔ اور نویں صدی کے پہلے ہی ربع میں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۹) اور منتر اور دعا پڑھتے ہیں۔

چوتھا فرقہ نکرنجیہ نام ہے، جو اپنے کو زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں، سر اور داڑھی کے بال منڈاتے ہیں، ایک لنگوٹی کے سوا تمام بدن ننگا رکھتے ہیں، جو ان کے فرقہ میں آتا ہے، اس سے یہ کہتے ہیں کہ پہلے سب کچھ دان کر دو۔

پانچواں فرقہ گنگایاترہ (گنگا جاتری؟) ہے، اس کے عقیدہ کے لوگ تمام ہندوستان میں پھیلے ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو گناہ بھی انسان کرے گنگا میں اشنان کرنے سے وہ سب دھل جاتا ہے،

چھٹے راجپوتیہ ہیں، جن کا دھرم راجاؤں کی مدد ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ راجہ کیلئے کام آجانا نیکی کا سبب ہے۔

ملیبار کے چیرامن پیرومل کا آخری راجہ مشرف بہ اسلام بھی ہوگیا۔ اس کی راجدھانی کوڈنگیلور تھی
کہا جاتا ہے کہ اس نے خواب مین شق القمر ہوتے دیکھا، اور اسی کے بعد مسلمان ہوگیا، . . . .
ظاہر ہے کہ مسلمانون کی پھر اہمیت کتنی بڑھ گئی ہوگی، . . . .

مسلمانون کی اہمیت روز افزون ہوتی گئی، اور وہ مپیلا کے نام سے یاد کیے جانے لگے
جس کے معنے "دولہا" یا طفل عظیم" کے ہین، یہ ایک معزز خطاب تھا یہ خطاب عیسائیون
کو بھی دیا جاتا، لیکن دونون قومون مین امتیاز پیدا کرنے کی خاطر عیسائی نصرانی مپیلا کہلاتے مسلمانون
کے ساتھ اور بھی رعایتین تھین مثلاً ایک مسلمان نمبو تری برہمن کے پہلو مین بیٹھ سکتا تھا۔ لیکن
نائر کو اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ مپیلا کے مذہبی پیشوا کو زیمورن کے ساتھ ساتھ
پالکی پر بھی سوار ہونے کی اجازت تھی،

زیمورن نے عرب تاجرون کی بڑی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی، وہ اس کے حدود سلطنت مین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۰) ایک اور فرقہ ہے جو اپنے بال بڑھاتا ہے اور ان کو بٹ کر چہرون پر جٹا بناکر
ڈالتا ہے، ہر طرف بال بکھرے ہوتے ہین، شراب نہین پیتے، ایک پہاڑ پر جا تر ے کو جاتے
ہین، عورتون کو دیکھ کر بھاگتے ہین، آبادی مین نہین آتے۔
۳۵۵ھ مین ایک عرب متکلم مطہر نے اپنی کتاب البدء والتاریخ مین لکھا ہے کہ ہندوستان
مین نوسو فرقے ہین، لیکن ان مین صرف ننانوے کا حال معلوم ہے، اور یہ سب ۹۹
مذاہب کے اندر ہین، اور یہ بھی چار اصول کے اندر محدود ہین، اور ان کی اصل موٹی تقسیم
مین دو ہے، سمنی (بودھ) اور برہمنی سمنی . . . . یا تو خدا کے قائل نہین یا ایسے خدا کے جو بے
اختیار ہے، برہمنی مذہب والون مین تین فرقے ہین، ایک توحید اور سزا اور جزا کا
قائل ہے، مگر رسالت کا نہین۔ دوسرا تناسخ کے اصول پر سزا و جزا کو . . . .

بڑی تعداد مین آباد ہوے اور انھون نے نہ صرف کافی دولت اور قوت حاصل کی بلکہ زیمورن کو جنگی مہمات مین امداد بھی دیتے رہے، زیمورن نے اپنے ہمسایہ پردلتری راجہ کے علاقہ پال ناڈ پر حملہ کیا۔ اور اس کو فتح کرکے دیلاپرم کے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا، اسی زمانہ مین ایک عرب تاجر نے اس علاقہ مین ایک بازار قائم کیا جو بعد مین کالی کٹ کی ایک خوشحال بندرگاہ بن گئی، یہ تاجر یہان کا قاضی بھی مامور ہوا، اس کے جانشین زیمورن کی حمایت مین ناڈ کے راجا کے خلاف برابر لڑتے رہے، جس کے بعد زیمورن کا اقتدار جنوبی ملابار مین قائم ہوگیا، ایک روایت کے مطابق کولتری راجاؤن کی حکومت مین مسلمان امیرالبحر اور وزرا رکے عہدون پر مامور تھے، یہ عربی النسل تھے، چیرامن پرومل نے ان کے ایک عرب مورث اعلیٰ کو اپنے یہان مدعو کرکے کنانور کا راجہ بنا دیا تھا۔ اور ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ کولتری راجہ کا ایک وزیر ایک نایر تھا، جو مسلمان ہوگیا۔ لیکن اپنی ہوشمندی و لیاقت کی وجہ سے اس عہدہ پر برقرار رہا، یہی کنانور کا پہلا مسلمان راجہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۱) مانتا ہے لیکن نہ توحید کا قائل ہے اور نہ رسالت کا، مطہر نے دوسئے فرقون کا بھی ذکر کیا ہے جن مین سے ایک کا نام جل بھگتیہ (جل بھگت) ہے جو پانی کی پوجا کرتے ہین، اور دوسرے کا نام اگنی ہوطریہ (اگنی ہوتری) بتایا ہے جو آگ کی پوجا کرتے ہین، رشیون کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ لوگ ہین جو مراقبہ اور دھیان کرکے اپنے ظاہری حواس کو بے کار کر لیتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ جس قدر وہ مادیت سے الگ ہونگے، اتنی ہی روحانیت ان مین پیدا ہوگی، یہ ہمیشہ اپنی آنکھین بند رکھتے ہین۔ برہمنون کے متعلق لکھا ہے کہ یہ گائے پوجتے ہین اور گنگا سے پار جانا حرام سمجھتے ہین، اور کسی دوسرے کو اپنے دھرم مین لینا ان کے یہان جائز نہین۔ آخر مین یہ مصنف لکھتا ہے کہ قیامت اور رسالت کے

زیمورن مسلمانوں کا بڑا خیال رکھتا تھا اور اسلام کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرتا رہا، نو مسلم جہازوں میں بھرتی ہوتے تھے، اور یہ جہاز زیمورن کی جنگی مہموں میں کام آتے تھے، اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کے حدود سلطنت کے ملاحوں کے ہر خاندان سے ایک مرد مسلمان ہو جائے، بعد کی صدیوں میں اسلام کے اثرات بڑھتے گئے، جیسا کہ سیاحوں اور جغرافیہ دانوں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسعودی ہندوستان دسویں صدی عیسوی کے شروع میں آیا تو اس نے سیمور (یعنی چول) میں دس ہزار سے زیادہ سیراف، عمان، بصرہ اور بغداد کے مسلمانوں کو پایا، عرب نژاد بچوں کی تعداد الگ تھی، ان کے سردار ہندو راجاؤں کی طرف سے مقرر ہوتے۔۔۔۔۔۔
ابو دلف مہلہل نے سیمور کی بندرگاہ میں مسجدیں دیکھی تھیں، ابن سعید نے تیرہویں صدی میں ہندوستانی ساحلوں کے باشندوں کے ساتھ مسلمانوں کو بھی آباد دیکھا تھا، مارکو پولو کا بیان ہے کہ لنکا کے لوگوں کو جب ضرورت ہوتی تھی تو عرب فوج کی امداد حاصل کر لیتے تھے، ابو الفداء (۱۲۷۳-۱۳۳۱ء) نے کولم میں ایک بہت ہی اچھی مسجد دیکھی تھی، ابن بطوطہ چودھویں صدی میں کھمبایت سے جنوبی ساحل کی طرف جا رہا تھا تو اس نے ہر بندرگاہ کی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۲) ان میں جس کا یقین نہیں وہ بھی جزا و سزا کو آواگون اور تناسخ کی صورت میں مانتا ہے، اور بت پرستی کا عذر یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ادراک، علم، اور حس، ہر ایک سے اوپر ہے، اور جو اس کی گرفت سے باہر ہے، اس لئے ایک درمیانی واسطہ کی ضرورت ہے"۔

ابوریحان بیرونی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اس نے بھی کتاب الہند کے گیارہویں باب میں ہندوؤں کے تمام مذاہب بیان کئے ہیں، اور اس میں سب دیوتاؤں کی

سیر کی، اور ہر جگہ اپنے ہم مذہبون کو خوشحال پایا، کندھار مین تو ہندو راجہ کے مسلمان درباریون نے آکر اس سے ملاقات بھی کی، گھوگہ (موجودہ بھاؤ نگر کے پاس ہے) مین اس نے ایک قدیم مسجد دیکھی جو حضرت خضر اور حضرت الیاسؑ کی طرف منسوب تھی، یہان اس نے حیدری فقیرون کا ایک گروہ بھی دیکھا، اور ان کے شیخ سے ملاقات بھی کی، صندپور (چنداپور، گوا کے پاس) مین ایک مسجد تھی جو ابن بطوطہ کی نگاہ مین بغداد کی مسجدون کا مقابلہ کرتی تھی، اس کو سلطان جمال الدین کے باپ حسن نے بنایا جو ایک جہازران تھا، جمال الدین ہنور کا حکمران تھا، (جو بیجانگر کے راجہ کے ماتحت تھا) ہنور مین مسلمان فقیہ، قاضی اور امام بھی تھے، ملیبار کے علاقے مین صنداپور سے کولم تک ہر جگہ مسلمان تھے جن کے ساتھ ان کے ہم مذہب قیام کر سکتے تھے، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ان علاقون مین مسلمان بڑی توقیر سے دیکھے جاتے تھے، یاسرور اور پاکنور (موجودہ برکور) مین بھی ابن بطوطہ نے مسلمانون کو دیکھا جن کے اپنے قاضی اور مفتی تھے (ان کا سب سے بڑا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۳) صورتین اور کیفیتین لکھی ہین اور خود بت پرستی یا مورتی پوجا کے فلسفہ پر بحث کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ مورتی پوجا صرف ہندوستان کے عوام کا دھرم ہے، ورنہ پڑھے لکھے ہندو ایسا نہین سمجھتے" پھر گیتا کے چند فقرے نقل کئے ہین جن مین سے ایک یہ ہے کہ "بہت سے لوگ مجھکو چھوڑ کر دوسرے کو پوجتے ہین تو مین ان سے بے نیاز ہون "۔

بعض عرب مصنفون کو لفظ برہمن کی مشابہت سے اتنا حسن ظن پیدا ہوا کہ انھون نے یہ فرض کر لیا کہ برہمن درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کے پیرو ہین، اسی لئے ان کو برہمن کہتے ہین، لیکن شہرستانی نے اس غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا کہ یہ برہم کی طرف

آدمی شیخ جمعہ تھا جو ابی ستہ کے نام سے مشہور تھا، بڑا مخیر تھا۔ اس نے اپنی دولت فقیرون اور محتاجون کو بانٹ دی تھی) منگلو رمین تین چار ہزار مسلمان تھے، جن مین فارس اور یمن کے تاجر بھی تھے انکی ایک مسجد مین بڑا خزانہ تھا۔ اور یہان طلبہ بھی تعلیم پاتے تھے، جر پٹن (جو جو سری کندا پورم) دہ پٹن، اور بدھ پٹن مین بھی مسجدین تھین، قندرینہ مین (جو کالی کٹ سے سو میل اتر تھا) مسلمانون کے تین محلے تھے، ہر محلہ مین ایک مسجد تھی، سمندر کے کنارے ایک پر فضا جامع مسجد تھی، جس کا امام عمان کا رہنے والا تھا، کالی کٹ کا ملک التجار ایک مسلمان ابراہیم شاہ بندر تھا جو بحرین کا رہنے والا تھا۔ (ابن بطوطہ کا یہ بھی بیان ہے کہ کالی کٹ کا راجہ بڑا عادل تھا۔ ایک دفعہ راجہ کے نائب کے بھتیجے نے ایک مسلمان تاجر کی تلوار چھین لی، تاجر نے اس کے چچا سے جاکر شکایت کی، اس نے تحقیق کے بعد حکم دیا کہ اسی تلوار سے اس کے بھتیجے کے دو ٹکڑے کر دئے جائین) کولم مین بڑے بڑے مسلمان سوداگر تھے، یہان بھی مسجدین تھین، جامع مسجد تو بہت ہی اچھی اور خوبصورت تھی، یہان کا راجہ مسلمانون کی بڑی عزت کرتا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۴) نسبت ہے، ابراہیم کی طرف نہین بودھ کے متعلق اس کے پیروؤن کا جو عقیدہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً انسانون مین اکثر ظاہر ہوا کئے ہین، اس سبب سے بعض نیک نیت لوگون نے اس مین یہ تطبیق دی کہ یہی بودھ ہین جن کو مسلمان خضر کہتے ہین،

عرب بودھون کو سمنیہ کہتے تھے، یہ نام انھون نے خراسانیون سے سنا تھا، اور وہی ان مین رائج ہوا، چنانچہ ابن ندیم (۳۷۷ھ) مین لکھتا ہے کہ سمنیہ کے پیغمبر کا نام بوداسف تھا، اور پرانے زمانے مین اور اسلام سے پہلے ماوراء النہر کے لوگ اسی مذہب کے پیرو تھے، اور سمینہ کا لفظ سمنہ کی طرف نسبت ہے، یہ لوگ تمام زمین والون اور تمام دوسرے مذاہب

عبدالرزاق (۱۴۴۲ء) اُس وقت ہندوستان آیا جب پرتگالی یہان آچکے تھے، وہ کالی کٹ کے بارہ مین لکھتا ہے کہ یہان مسلمانون کی اچھی خاصی آبادی ہے، اور وہ یہان کے مستقل باشندے ہین۔ انھون نے دو مسجدین بھی بنائی ہین، جہان وہ ہر جمعہ کو جمع ہوکر نماز پڑھتے ہین۔ عبدالرزاق نے اس بندرگاہ کا ذکر بہت اچھے الفاظ مین کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہان دنیا کے تمام حصون سے سوداگر آیا کرتے ہین،

ان بیانات سے پورے طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان ہندوستان کے مغربی ساحلون پر بہت پہلے آباد ہوچکے تھے۔ اور وہ اپنی تعداد، دولت اور قوت مین برابر بڑھ رہے تھے، . . . . کتبات، مقامی روایات، مسلمان مورخون اور سیاحون کے بیانات اور عرب تاجرون کی مسلسل آمد و رفت سے اس نتیجہ پر پہونچنا لازمی ہے کہ ہندوستانی ساحلون پر پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد ہی مسلمان آنا شروع ہوگئے تھے اور انھون نے ملیبار کے ہندو راجاؤن کے درمیان کافی عزت، توقیر اور حیثیت حاصل کرلی تھی۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵) والون سے زیادہ سخی ہوتے ہین، اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے پیغمبر بوذاسف نے ان کو یہ بتایا ہے کہ سب سے بڑا گناہ جو نا جایز ہے، اور جس کا انسان کو کبھی نہ اعتقاد رکھنا چاہیے، اور نہ عمل کرنا چاہیے، یہ ہے کہ کوئی اپنی زبان سے "نہین" نکالے تو ان کا اس نصیحت پر عمل ہے، اور نہین کہنا ان کے نزدیک شیطان کا کام ہے اور ان کا مذہب شیطان کو دور کرنا ہے۔ مسعودی (۳۳۲ھ) بودھون کے متعلق لکھتا ہے کہ ان کا مذہب پہلے لوگون کا مذہب ہے، اور یہ ایک فرقہ ہے، جس کا نام سمینہ ہے، وہ بتون کو پوجتے ہین، اور دعاؤن مین انکی طرف منہ کرتے ہین، ان مین جو سمجھدار ہین وہ یہ سمجھتے ہین، کہ اس مورت کی حیثیت محض قبلہ کی ہے اور اصل نماز خدا کی ہے اور جو نادان ہین وہ ان بتون کی خدا کا درجہ دیتے ہین، اور انکو

عرب مشرقی ساحل پر بھی بہت پہلے آئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان علاقون
مین ان کی خاص آبادی تنی ویلی ضلع مین کیال پٹالم مین تھی جہان لبّی ابھی تک اکثریت
مین ہین، یہان بہت سے ایسے برتن کے ٹکڑے اور کچھ سکے ملے ہین جو سنہ ھ یعنی
یعنی ساتوین صدی عیسوی سے لے کر تیرہوین صدی تک کے ہین ۔
مسلمان آباد ہونے کے ساتھ ہی اپنی مذہبی تبلیغ شروع کر دیتے ۔ جنوبی ہند مین
بہت سے نومسلم خاندان اسی زمانہ کے ہین۔ مدورا اور ترچنا پلی کے راؤتن حضرت ناتھڈ
ولی کی وجہ سے مسلمان ہوئے ۔ ان کا مزار ترچنا پلی مین ہے جس مین ان کی تاریخ وفات
سنہ ۴۱۷ھ یعنی ۱۰۳۹ء مرقوم ہے ، حضرت ناتھڈ ولی سید اور ایک ترکی شہزادے تھے ،
اپنی ریاست چھوڑ کر درویش اور مبلغ اسلام بن گئے حجاز ، ایران اور شمالی ہند کی سیاحت
کرتے ہوئے ترسرا یعنی موجودہ ترچنا پلی پہونچے ، اور یہان آباد ہو گئے ، اور عبادت ،
خیرات و میرات کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے تبلیغ کے ذریعہ سے بہت سے ہندوون
کو مشرف بہ اسلام کیا ، ان کے جانشین سید ابراہیم شہید مدینہ مین ۱۱۶۲ء مین پیدا
ہوئے ، جب ۲۴ سال کے ہوئے ، تو پانڈیون کے خلاف جنگ کی ، اور ان کے راجہ
کو شکست دے کر خود تخت نشین ہوئے ۔ بارہ برس تک حکومت کی لیکن آخر مین
معزول اور قتل کئے گئے ، ان کا مزار اروادی مین ہے ، دودکلا بھی نومسلم ہین ، وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۶) پوجتے ہین ۔ بودھ مذہب کے فقیرون کے متعلق بزرگ بن شہریار
لکھتا ہے ۔ کہ یہ گرمی مین بالکل ننگے رہتے ہین ، اور صرف چار انگل کی لنگوٹی باندھتے
ہین ، اور جاڑون مین چٹائی اوڑھتے ہین ، اور مختلف رنگ کے ٹکڑون کو جوڑ کر ایک
کپڑا سی لیتے ہین ، اسی کو پہنتے ہین ، بدن پر مردون کی جلی ہوئی ہڈی کی راکھ ملتے ہین

پینوکونڈا کے بابا فخرالدین کے ہاتھوں پر اسلام لائے، بابا فخرالدین حضرت ناتھڈ ولی کے مرید تھے۔ انھوں نے پینوکونڈا کے راجہ کو مسلمان کیا۔ اور اس کی راجدھانی مین ایک مسجد بنوائی، ان کی تاریخ وفات ۵۶۴ھ ہے۔

مدورا مین مسلمان ۱۳۱۰ء مین ملک الملوک کی قیادت مین آئے، جن کے ساتھ حضرت علی یار شاہ صاحب تھے۔ ان کا مزار مدورا مین حضور کچہری کے پاس ہے، اگوری پالیان گاؤن مین ایک مسجد ہے جس کے لئے چھ گاؤن وقف تھے یہ گاؤن گیارہوین یا بارہوین صدی مین ایک ہندو راجہ کن پانڈیہ نے دیے تھے . . . .

مشرقی ساحل پر جو تاجر آتے، ان سے اس علاقہ کے راجا بڑی فراخدلی سے پیش آتے، مغربی ساحل پر کوئی جہاز طوفان سے بھٹک کر لگ جاتا تو وہان کے راجہ کا ہو جاتا، لیکن مشرقی ساحل کے حکمران اس روایت کے پابند نہ تھے، انھون نے غلط قسم کے محصولون کی بھی معافی دے رکھی تھی، اور صرف جایز چنگی لیتے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انکے ساحل پر تجارت بڑھ گئی تھی۔ اور تاجرون کی ایک خوشحال آبادی انکی نگرانی و محافظت مین قائم ہو گئی تھی، کارومنڈل کے ساحلی علاقے مسلمان تاجرون کے معبر (گذرگاہ) بن گئے تھے، وصاف کے بیان کے مطابق یہ گذرگاہ کولم سے نیلور تک تین سو فرسنگ تک ساحل پر پھیلی ہوئی تھی، راجہ کو یہان کے لوگ دیوار کہتے تھے، جس کے معنی "سلطنت کے آقا" کے ہین، چین کے بڑے جہاز جن کو جنک کہتے تھے، یہان چین، ماچین اور سندھ اور ہند کے ملکون سے بیش قیمت سامان اور کپڑے لاتے، خلیج فارس کے جزیرون کی دولت خصوصاً اور دوسرے ممالک مثلاً عراق، خراسان، روم اور یورپ کی زینت

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۷) اور گلے مین انسان کی کھوپڑی لٹکاتے ہین، اور عبرت اور خاکساری

وآرائش کی چیزین معبر ہی سے جاتی تھین، معبر ہندوستان کی کنجی تھی، . . . .

بارہوین صدی مین مسلمانون کی آبادی بندرگاہون پر باضابطہ ہوگئی، اور ان کی کافی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ وہ لنکا کے اس سپہ سالار کو تحایف بھی دیا کرتے تھے جس نے ۱۱۸۲ء مین پانڈیہ پر حملہ کیا، تیرہوین صدی مین تجارت خصوصاً گھوڑون کی اتنی بڑھ گئی تھی، کہ کس کے حکمران ملک الاسلام جمال الدین کو کیال مین ایک مرکز قائم کرنا پڑا، وصاف کا بیان ہے کہ دس ہزار گھوڑے فرس سے معبر اور دوسری ہندوستانی بندرگاہون مین بھیجے جاتے تھے، جن کی قیمت تقریباً بائیس لاکھ دینار ہوتی تھی، جمال الدین کا بھائی تقی الدین عبدالرحمٰن ابن محمد الطیبی ایجنٹ تھا۔ اور کیال کے علاوہ فتن اور مالی فتن کی بندرگاہین بھی اس کی نگرانی مین تھین . . . . مارکوپولو کا بیان ہے کہ راجہ سندر پانڈیہ کا ایک نائب وزیر ایک مسلمان تقی الدین نامی تھا، اس عہدہ پر اس کا لڑکا سراج الدین اور اس کا پوتا نظام الدین بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۸) خاکساری کے لئے اسی مین کھاتے ہین۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا اس سے اندازہ ہوگا کہ مسلمانون نے ہندوستان کے مذاہب کا گہرا مطالعہ کیا، اسی طرح ہندوون نے بھی اسلام سے پوری واقفیت حاصل کی، ۲۷۰ھ مین الور واقع سندھ کے راجہ مہروگ نے جس کا راج کشمیر بالا اور کشمیر زیرین پنجاب کے بیچ مین تھا، ایک مسلمان سے کلام پاک کا ترجمہ کرایا، یہ مسلمان عراقی تھا لیکن منصورہ مین رہتا تھا۔ ہندوستان کی مختلف زبانین جانتا تھا۔ اس نے راجہ کے دربار مین تین برس تک رہ کر کلام مجید کا ترجمہ ہندی مین کیا۔ راجہ روزانہ ترجمہ سنتا اور اس سے متاثر ہوتا تھا۔

ہندو، بودھ اور مسلمان جب ایک دوسرے کے مذاہب سے واقف ہوگئے، تو ان مین دوستانہ مذہبی مناظرے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ہارون رشید کے زمانے مین ایک

مامور ہوا، پانڈیہ راجہ کی طرف سے ۱۲۸۶-۸۷ء میں چین کبلائی خان کے یہان ایک مسلمان فخر الدین احمد بن جمال الدین سفیر بن کر گیا تھا۔ وہ وہان چار سال رہا۔ اور جب واپس ہو رہا تھا تو بحری سفر ہی کے دوران مین مر گیا۔

تامل کے علاقے مین بھی مسلمانون کی آبادی تھی؛ . . . . ابن بطوطہ علاء الدین خلجی کے حملہ کے بعد وہان پہونچا تھا۔ اس وقت ...ور اکا حکمران غیاث الدین دامغانی تھا، راجہ بیر بلالہ کے یہان بیس ہزار مسلمان لشکری تھے، ہنور کا مسلمان حکمران ہریایا اوڈیار کے ماتحت تھا۔ جو راجہ بیر بلالہ کا نائب تھا۔ علائی عہد مین ملک کافور کی فوج پہونچنے سے بہت پہلے جنوب مین مسلمان آباد ہو چکے تھے، اور ان کی تجارتی منڈیان قائم تھین اور ان کا میل جول وہان کے باشندون سے ہو چکا تھا۔ چنانچہ ہندیون اور عربون سے مل کر کئی مخلوط نسلین مثلاً راوتن اور لبی پیدا ہوئین،

مسلمان مغربی ساحل پر تو آٹھوین صدی مین پہونچ چکے تھے، اور دسوین صدی مین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۹) ہندراجہ نے بغداد سے ایک عالم کو بلوا کر اپنے یہان کے پنڈت سے مناظرے کرائے مسعودی ۳۰۳ھ مین ہندوستان آیا تو کھمبائیت کے حال مین لکھتا ہے کہ مین جب ۳۰۳ھ مین یہان آیا تو یہان کا حاکم ایک بنیا تھا۔ جو برہمنی مذہب رکھتا تھا، اور وہ جہانگر کے راجہ ولبھ رائے کا ماتحت تھا۔ اس کو مناظرہ کا بہت شوق تھا، اس کے شہر مین باہر سے جو نئے مسلمان یا اور مذہب کے لوگ آتے تھے، وہ ان سے بحث و مناظرہ کرتا تھا۔

بودھ مت کے پیرو حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعۂ علم کے قائل نہ تھے، چنانچہ بصرہ جو اس زمانہ (دوسری صدی کا وسط) مین مختلف مذہب و ملت کے لوگون کا

مشرقی ساحل پر پہونچے اور پہونچنے کے ساتھ ہی بہت جلد پورے ساحل پر چھا گئے، اور قلیل مدت میں سیاست اور معاشرت میں اہم حیثیت حاصل کر لی، کیونکہ ایک طرف تو وہ وزراء، امیر البحر، سفراء کے عہدوں پر مامور ہوئے، دوسری طرف وہاں کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام بھی کرتے رہے، اپنے مذہب کی تبلیغ کی، مسجدیں بنوائیں، مقبرے تعمیر کئے، جو ان کے مبلغوں اور صوفیوں کے لئے تبلیغی مرکز بن گئے، اور پھر ساتویں صدی کے بعد سے جنوبی ہند میں ہندومت میں جو کچھ نئے انقلابات نظر آتے ہیں تو یہ اسلام ہی کے اثرات کے نتائج ہیں۔ . . . .

شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد حضرت عمر فاروقؓ ہی کی خلافت کے عہد سے شروع ہو گئی تھی۔ وہ ہندوستان کے شمالی ساحل پر برابر آتے جاتے رہے، اور جب ایران اور مکران عربوں کی سلطنت کے حصے بن گئے تو سندھ پر بھی حملہ ہوا . . . . لیکن محمد بن قاسم . . . . کے بعد تین صدیوں تک مسلمان ایک محدود

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۰) مرکز تھا، وہاں واصل بن عطاء، جہم بن صفوان اور بودھوں سے اس مسئلہ میں مناظرہ ہوا، آخر واصل نے اپنی دلیلوں سے ان کو قائل کر دیا، اور یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ ان مناظروں سے اسلام کی تبلیغ میں کسقدر مدد ملتی رہی ہو گی! (اس حاشیہ میں اقتباسات استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندوی کے "عرب و ہند کے تعلقات" کے چوتھے باب سے مستعار ہیں)

گذشتہ باب میں ذکر آیا ہے کہ مسلمانوں نے جس خاموشی، آہستگی، اور سکون سے اشاعت اسلام کا کام انجام دیا ہے، اس کی تعریف انگریز اہل قلم نے بھی کی ہے، مثلاً ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ اپنی پریچنگ آف اسلام میں کہتے ہیں کہ "جنوبی ہند میں اسلامی

گوشہ ہی مین رہے، سندھ اور ملتان مین توانکی حکومت تھی۔ لیکن سندھ کے ساحلی شہرون کاٹھیاواڑ، گجرات اور کوکن مین ان کی حیثیت محض تاجرون کی تھی۔ اور گیارہوین صدی تک ان علاقون سے آگے نہ بڑھ سکے تھے، لیکن ان حصون مین ان کے قدم اچھی طرح جم گئے تھے، اور ان کے بعض جری اور جانباز سپاہی مالوہ اور قنوج پر حملے کر بیٹھتے تھے، مگر دیبل سومنات بھروچ، کھمبائت، سندان اور چول مین مسلمانون کی اچھی خاصی آبادی ہو گئی تھی، اور ہر جگہ انکی ایک ایک مسجد تھی، ہندو راجے ان مسلمانون سے فراخدلی اور لطف کے ساتھ پیش آتے، سلیمان مسعودی، ابن حوقل اور ابوزید گجرات کے ولبھی راجہ بلہرا کی مسلمان دوستی کی تعریف کرتے ہین، سلیمان لکھتا ہے کہ بلہرا جیسا کوئی راجہ نہین جو عربون کو دوست رکھتا ہے، بلہرا کی تقلید اس کی رعایا بھی کرتی ہے، مسعودی نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ اس کے ہم مذہب ہر جگہ اپنی عبادت مین آزاد ہین، گجرات کے راجہ کے بارہ مین وہ لکھتا ہے کہ اس کی سلطنت مین اسلام کی عزت اور محافظت کی جاتی ہے۔ ہر جگہ مسجدین ہین جہان مسلمان پانچون وقت نماز ادا کرتے ہین . . . . . . ابن حوقل نے سندان، سیمور، کھمبائت مین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۱) تحریک کا آغاز آٹھوین صدی عیسوی سے پتہ چلتا ہے کہ چند مسلمان جن کو موپلا قوم اپنا بزرگ مانتی ہے، ملک عراق سے آئے اور اس ملک کے جنوبی حصہ مین آباد ہو گئے، گرم مسالون، ہاتھی دانت اور جواہرات وغیرہ کی تجارت سینکڑون برس سے ہندوستان اور یورپ کے درمیان عربون اور ایرانیون کے توسل سے جاری تھی، اس لئے اسلام کا اثر جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر برابر پہونچتا رہا، باہر کے مسلمانون کی کثرت آمدورفت سے مغربی ساحل ہند کے تجارتی شہرون کی آبادی خلط ملط ہو گئی اور اکثر لوگ آدھے ہندو، آدھے عرب اور آدھے ایرانی ہو گئے، یہ تحقیق ہے کہ

جامع مسجدیں دیکھی تھیں، اور تیسی نے گیارہویں صدی میں لکھا ہے کہ انہلواڑہ میں بہت سے مسلمان تاجر برابر آتے جاتے ہیں، راجہ اور اس کے وزراء ان کے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آتے ہیں اور ان کی سلامتی اور حفاظت کے ذمہ دار ہیں، اس طرح اندازہ ہوگا کہ محمود غزنوی کے حملوں سے بہت پہلے مسلمانوں نے مغربی ہند میں اچھی خاصی حیثیت حاصل کرلی تھی، اور اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذہب کی بھی تبلیغ کرتے رہے، بلکہ اس تبلیغ میں ہندو راجاؤں کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی، محمد عوفی نے سدھو راج (۱۰۹۴ء تا ۱۱۴۳ء) کا جو قصہ لکھا ہے (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو راجاؤں کے تعلقات مسلمان تاجروں سے بہت خوشگوار تھے۔ کھمبایت کے ہندوؤں نے مسلمان تاجروں پر حملہ کیا تو سدھو راج نے خود تحقیقات کی، اور حملہ آوروں کو سزا دی، اور مسلمانوں کو مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دیئے، بعض ہندو راجاؤں کے یہاں مسلمان لشکری بھی تھے، سومناتھ کے راجا کے یہاں مسلمان افسر تھے، احمد آباد کے قصباتی اپنے کو ان خراسانی سپاہیوں کی نسل بتاتے ہیں جو واگھیل راجاؤں کے یہاں ملازم تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۳) مسلمان تاجروں اور ہندو راجاؤں میں آشتی پیدا ہوگئی تھی، والیان ملک نے تجارت کا بازار گرم رکھنے کے خیال سے اور ملک کی ترقی کو جو مسلمان سوداگروں کی بود و باش کا نتیجہ تھی مدنظر رکھ کر مسلمانوں کو اپنی حفاظت اور سرپرستی میں لیا، اور یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی طرح کی مزاحمت ان کاموں میں نہ کی جو مسلمان دعوت اسلام کے لئے بڑی سرگرمی سے اختیار کرتے تھے، ۔ ۔ ۔ ۔
مغربی ساحل ہند کے اضلاع میں ذاتوں کا امتیاز بہت سخت تھا۔ اس کی صرف ایک مثال بیان کی جاتی ہے، ٹراونکور میں بعض نیچ قوم کے آدمیوں کے لئے ضروری تھا

جہان مسلمانون کا لشکر یا مسلمان تاجرون کا قافلہ گیا۔ وہان صوفیہ اور مشائخ بھی پہونچے آٹھوین صدی عیسوی مین حضرت ابو حفص ربی بصری سندھ آئے، اور یہین ۱۶۰ھ مین وفات پائی، وہ محدث اور درویش تھے، دسوین صدی مین منصور حلاج نے ہندوستان کا بحری سفر کیا۔ اور واپسی مین بری راستے سے شمالی ہند اور ترکستان ہو کر مراجعت کی، گیارہوین صدی مین بغداد سے بابا ریحان درویشون کی ایک جماعت کے ساتھ بھروچ آئے، انھون نے ایک راجہ کے لڑکے کو مسلمان کیا جس نے اپنے باپ کو قتل کرنا چاہا تھا لیکن خود قتل ہو گیا، ۱۰۶۰ء مین بوہرون کے مذہبی پیشوا نے یمن سے آکر گجرات مین سکونت اختیار کی، اور نور الدین ستاگر (۱۰۹۴-۱۱۴۳ء) نے گجرات کے کمبیون، کوریون اور کھارواؤن کو مسلمان کیا، محمود غزنوی کے یلغار کے بعد تو بہت سے علماء و صلحاء ہندوستان آئے، جن کے نام کی فہرست دینا یہان ممکن نہین، انہین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۳) کہ برہمن سے چوہتر قدم دور رہین، اس سے زیادہ قریب آنے کی جراٗت نہ کرین۔ اور جب راستے مین ہون تو پکارتے چلین تاکہ اور لوگ ان کے پاس نہ آئین، پس کیا تعجب ہے کہ ان ادنی قومون کے مسلمان ہونے سے مسلمانون کی تعداد مین جلد ترقی ہو گئی ہو، یہ لوگ مسلمان ہو کر ذلت و خواری کی حالت سے نجات پاتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔

واعظین عرب مین سے ایک شخص جن کا نام پیر مہا پیر کھندایت مشہور رہا، ۱۳۰۴ء عیسوی مین اسلام کی اشاعت کے لئے دکن آئے، بیجاپور کے کاشتکار مسلمانون مین ان جین مت کے لوگون کی اولاد موجود ہے، جن کو پیر مہا پیر نے مسلمان کیا چودھوین صدی عیسوی کے آخر مین سید حسین گیسو دراز جن کو سید مخدوم گیسو دراز بھی کہا جاتا ہے

سے صرف دو چار کا ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، علی بن عثمان ہجویری مصنف کشف المحجوب اسلامی
ممالک کی سیاحت کر کے لاہور ہی مین سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کی وفات ۴۶۵ھ یا ۴۶۹ھ
مین ہوئی، شیخ اسمٰعیل بخاری گیارہوین صدی مین ہندوستان آئے اور منطق الطیر اور
تذکرۃ الاولیاء کے مشہور مصنف فریدالدین عطار بھی بارہوین صدی مین ہندوستان وارد
ہوئے، خواجہ معین الدین چشتی کا ورود اجمیر مین ۱۱۹۷ء مین ہوا، اور یہین ۱۲۳۴ء مین رحلت
فرمائی، تیرہوین صدی مین شہاب الدین سہروردی کے مرید شیخ جلال الدین تبریزی بنگال گئے،
سید جلال الدین بخاری ۱۲۴۴ء مین اچہ مین مقیم ہوئے، اور بابا فرید نے پاک پٹن مین
سکونت اختیار کی، اور اس کے بعد کی صدی مین ابن العربی کے شارح اور انسان کامل کے
مصنف عبدالکریم جلی نے ۱۳۹۸ء مین ہندوستان کی سیاحت کی، اور سید محمد گیسو دراز
نے پونا اور بلگام مین اسلام کی اشاعت کرکے بہت سے لوگون کو مسلمان بنایا، خوجہ فرقے کے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۴) گلبرگہ مین بڑے پیر ہوئے، انھون نے پونہ کے ہندوؤن کو مسلمان کیا
اور بیس برس کے بعد بلگام کے ہندوؤنکو مسلمان کرنے مین ان کو بہت کامیابی ہوئی،
دہانون مین شیخ بابا احب کی اولاد اب تک موجود ہے، یہ بزرگ سید عبدالقادر
جیلانی سے قرابت رکھتے تھے، اور تقریباً چار سو برس گزرے کہ مغربی ہند مین آئے اور
کوکن مین ہزارہا بت پرستون کو مسلمان کرکے دہانون مین انتقال کیا اور وہین دفن ہوئے،
دہوار کے اضلاع مین کثرت سے مسلمان کپڑا بننے والے آباد ہین جن کے بزرگون نے
ہاشم پیر گجراتی کی ہدایت سے اسلام قبول کیا تھا، .... (اعیان اسلام
نے تعداد کے لحاظ سے جیسی کامیابی بنگال مین حاصل کی، اس کی نظیر کسی اور صوبہ مین
نہین ملتی، .... بختیار خلجی کے بعد، .... یہان مدت تک

بانی پیر صدر الدین اور مومنہ فرقہ کے امام سید یوسف الدین اور پیرانہ کے امام شاہ پندرہوین
صدی مین ہندوستان مین آکر سکونت پذیر ہوئے، اور دوسرے اکابر صوفیہ اور مشائخ
جنھون نے ہندوستان کی سیاحت کی یا یہان آکر آباد ہو گئے ان کے اسماے گرامی یہ ہین (۱)
سید شاہ میر خلف عبدالقادر جیلانی جو سلسلۂ قادریہ کے بانی ہین (۲) قطب الدین بختیار
کاکی جن کا مزار دہلی مین ہے، اور قطب مینار کا نام ان ہی کے اسم گرامی پر رکھا گیا ہے (۳)
بہاء الدین زکریا ملتانی جنھون نے سنہ ۱۲۶۶ھ مین وفات پائی (۴) جلال الدین سرخ پوش
ملتان اور اچہ مین مقیم تھے، ان کی رحلت سنہ ۱۲۹۱ء مین ہوئی (۵) محمد غوث (وفات سنہ ۱۵۶۲ء)
ہمایون کے استاد اور شطاری سلسلہ کے بانی تھے، ان کے علاوہ قلندری فرقہ کے
درویش شاہ مدار (گیارہوین صدی) اور سکھی سرور (بارہوین صدی) کے اسماء بھی قابل ذکر ہین

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۵) مسلمانون کی حکومت سے اسلام کو قدرۃً زیادہ ترقی ہوئی، وقتی
کے لئے راجہ کنس کے زمانے مین ہندوؤن کا راج پھر بنگال مین قائم ہو گیا، اس راجہ کے
عہد مین مذہبی آزادی سب کو حاصل تھی، اور مسلمان رعایا بھی راجہ کو بہت پسند کرتی تھی!
لیکن اس کے بیٹے جیٹ مل نے ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا، سنہ ۱۴۰۴ء مین
جب جیٹ مل کا باپ راجہ کنس مر گیا تو اس نے راج کے تمام سردارون کو جمع کیا اور
ان کے سامنے مسلمان ہونے کا قصد ظاہر کیا، اور کہا کہ اگر سردار اس کو گدی پر نہ بیٹھنے
دین گے تو وہ خوشی سے اپنے بھائی کو راج کا مالک بنا دیگا، سردارون نے یہ گفتگو سن کر
کہا کہ راجہ جو مذہب چاہے اختیار کرے، ہم ہر حال مین اس کو اپنا بادشاہ مانین گے، اسکے
بعد جیٹ مل نے اکثر علماے اسلام کو مدعو کیا تاکہ جس وقت سردربار ہندو مذہب چھوڑ
کر وہ مسلمان ہو تو وہ بھی اس واقعہ کے شاہد ہون، جیٹ مل مسلمان ہوتے ہی اپنا نام

یہ تمام بزرگانِ دین مسلمانون کے تذکرہ ن مین بہت اہم سمجھے جاتے ہین، ان کے ساتھ اور بھی اولیاء تھے، جو زیادہ مشہور نہ ہوئے، لیکن ان لوگون نے ہندستان مین آکر سکونت اختیار کی، اور کاوش و محنت سے ذاتی اثرات کے ذریعہ اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۶) جلال الدین محمد شاہ رکھا، مشہور ہے کہ اس کے زمانۂ حکومت مین کثرت سے ہندو مسلمان ہوئے۔ . . . . افغانون کے جو گروہ بنگال مین آباد ہوئے، انھون نے بھی یہان کے ہندوؤن کو مسلمان کرنے مین بڑی کوشش کی . . . . قحط کے زمانے مین وہ مفلس ہندوؤن کے بچون کو بھی کثرت سے خرید کر ان کی تعلیم و تربیت اسلامی طریقہ پر کرتے تھے، بنگالی نومسلمون کی کثرت ایسے شہرون مین نہین ہے جو کسی زمانہ مین اسلامی سلطنت کے پایۂ تخت رہے تھے۔ بلکہ انکی جس قدر کثرت ہے وہ دیہات مین ایسے اضلاع مین ہے جہان مغربی صوبون کے نوآباد مسلمانون کا نشان تک نہین . . . .

پنجاب کے مغربی صوبون کے باشندون نے خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا جواہر فریدیہ کے مصنف نے لکھا ہے: کہ سولہ قومون کو بابا فرید نے تعلیم و تلقین سے مشرف بہ اسلام کیا، . . . . حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے . . . . . اجمیر . . . . . پہونچتے ہی پہلے جس ہندو کو انھون نے مسلمان کیا، وہ ایک جوگی تھا۔ جو راجہ کا گرو تھا۔ رفتہ رفتہ بہت سے لوگ خواجہ صاحب کے معتقد ہو گئے اور انھون اسلام قبول کیا، خواجہ صاحب کی شہرت سب طرف ہو گئی اور اخیر مین ہندوون کے گروہ ان کی خدمت مین حاضر ہو کر مسلمان ہوتے تھے، مشہور ہے کہ جس وقت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جاتے تھے، فوراً

باہمی لگاؤ پیدا کر کے اسلامی فلسفہ اور اسلامی تصوف کی ترویج ہندوستان کے ہر گوشہ مین کی،

(بقیہ حاشیہ ص ٣٧٧) مین سات سو ہندؤن کو انھون نے مسلمان کیا۔ . . . . بوعلی قلندر پانی پتی نے پانی پت مین تین سو راجپوتون کو مسلمان کیا۔ . . . . . شیخ جلال الدین ایرانی نے آسام کے علاقہ سلہٹ مین جاکر تبلیغ کی اور انکی کوششین کامیاب ہوئین۔ . . . . کشمیر کے سب سے پہلے مسلمان بادشاہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ اس نے چودہوین صدی عیسوی کے شروع مین کسی درویش بلبل شاہ نامی کی ہدایت اور تلقین سے اسلام قبول کیا۔ ١٣٨٩ع کے قریب سید علی ہمدانی کشمیر آئے، اور ان کی وجہ سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی، پندرہوین صدی عیسوی کے ختم ہونے کے قریب ایک شیعہ بزرگ میر شمس الدین عراق سے کشمیر آئے اور اپنے مریدون کی مدد سے کشمیر کے بہت سے لوگون کو مسلمان کیا (ماخوذ از ترجمہ پریچنگ آف اسلام موسوم بہ دعوت اسلام باب نہم)

اٹھارہویں جھلک

سلاطین دہلی کے عہد میں اقتصادی، تجارتی اور صنعتی حالات

از رام سوامی آئینگر، ایشوری پرشاد، کنور محمد اشرف

ایس۔ ایم۔ رام سوامی آئینگر سلاطین دہلی کی مطلق العنانی سے یہ فائدہ پہونچا کہ جب ایک مرکزی حکومت قائم ہوئی تو ملک منگولوں کے حملوں کی عام بدامنی اور کاشتکار امراء کی انارکی کے برے نتائج سے محفوظ رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلاطین دہلی کے دور میں گاؤں کے حالات ویسے ہی رہے، جیسے آج کل ہیں، گاؤں بہت زیادہ نہ تھے، اور جو تھے وہ چاروں طرف سے گھرے رہتے تھے، سفر کی آمد و رفت میں بڑی مشکلیں درپیش ہوتی تھیں، لیکن مارکوپولو، ابن بطوطہ اور وصاف کے بیانات کے مطابق تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں بنگال اور گجرات خصوصًا ان کے ساحلی علاقوں میں تجارت کو بڑا فروغ حاصل تھا ابن بطوطہ نے بنگال کی تعریف یہ لکھ کر کی ہے کہ یہ زرخیز اور متمول حصہ ہے، دوآب کے علاقہ میں بھی زرخیزی تھی، علاءالدین نے اپنے ضوابط و قوانین کے ذریعہ اجناس کی قیمت بہت کم کردی تھی، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ فیروز شاہی عہد میں چیزیں بہت سستی تھیں، قحط اور وبا بھی عام تھی لیکن غریبوں کی امداد اور قحط کے سدباب کے لئے سلاطین نے انتظام کر رکھا تھا۔ چودہویں صدی کے آخر میں

جب ملک مین انتشار واختلال پھیلا تھا تو اقتصادی حالت خراب ہوگئی تھی، اور تیمور کے حملہ نے اور بھی حالات کو بدتر بنا دیا، لیکن اس وقت بھی بنگال کی حالت زیادہ خراب نہین ہوئی تھی، پندرہوین صدی کے آخر مین تجارتی حالات پھر سے سدھرنے لگے تھے،

پروفیسر ایشوری پرشاد | پروفیسر ایشوری پرشاد (الہ اباد یونیورسٹی) اپنی کتاب ہسٹری آف مڈیول انڈیا مین لکھتے ہین :-

اقتصادی خوشحالی | ہندوستان کے اسلامی عہد کے شروع دور مین تو مسلمان سلاطین علاقون کی تسخیر مین بے حد مشغول رہے، لیکن بلبن پہلا حکمران ہے جس نے اندرونی امن وامان قائم کرنے کی طرف توجہ کی، اس نے کمپیلا اور پٹیالی کے نواح کو لٹیرون اور قزاقون سے بالکل پاک کر دیا، جس سے ان علاقون مین زراعت کی ترقی ہونے لگی، اور سوداگر آزادی کے ساتھ اپنا مال واسباب لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے لگے اور خلجیون کے زمانہ مین اقتصادی حالات مین ایک غیر معمولی انقلاب پیدا ہو گیا، ملک مین دولت کی کمی نہ تھی، علاؤالدین اپنی تخت نشینی کے بعد جب دہلی مین داخل ہوا تو لوگون مین قیمتی تحفے تقسیم کئے، منجنیق مین پانچ من سونا بھر کر ان تماشائیون مین لٹایا گیا، جو شاہانہ جلوس دیکھنے کے لئے آئے تھے، اسی بادشاہ نے ایسے قوانین جاری کئے جن سے تمام چیزون کی قیمتین گر گئین، اس زمانہ مین ایک لشکری اپنے گھوڑے کے مصارف کے ساتھ ۲۳۴ ٹنکے مین سال بھر فارغ البالی سے زندگی بسر کر سکتا تھا، یعنی مہینہ مین بیس ٹنکے سے بھی کم خرچ کرتا تھا۔ اتنی قلیل رقم مین آج کل کوئی شخص ایک گھوڑا بھی نہین رکھ سکتا۔ شاہی گودامون مین غلہ بھرا رہتا، جو ضرورت کے وقت کم قیمت مین لوگون کو دیا جاتا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنی آنکھون سے علاؤالدین کے

اس گودام کو دیکھا تھا۔ جس مین غلہ جمع کیا گیا تھا، علاءالدین کے بعد اس کے قوانین کی پابندی نہ کی جا سکی، برنی نے اسکا رونا رویا ہے کہ علاءالدین کے بعد سستی چیزین مفقود ہو گئین لیکن کبھی غلے کی کمی محسوس نہین کی گئی، اور نہ حکومت کو کبھی مالی دقت پیش آئی، ناصرالدین خسرو نے لوگون کو اپنا حامی بنانے مین بے شمار دولت برباد کی، پھر بھی محمد تغلق کو اتنی دولت ملی کہ وہ طرح طرح کے بیش قیمت تجربے کرتا رہا۔ محمد تغلق اپنے نقطۂ نظر سے ہندوستان کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے مین ناکام رہا، لیکن اس کی مالی حالت کبھی خراب نہین ہوئی، اس کے زمانے مین دس سال تک قحط رہا، لیکن حکومت نے اس پر قابو پانے کی پوری کوشش کی، برنی کا بیان ہے کہ دو سال مین کسانون کو ستر لاکھ ٹنکے بطور تقاوی دیئے گئے، شاہی گودام سے عام لوگون کو غلہ دیا گیا، قاضی ہر گاؤن کے ضرورتمندون کی ایک فہرست تیار کرتے، جو بادشاہ کی خدمت مین پیش کی جاتی جب غلہ کی بہت زیادہ کمی ہو گئی تو امرا، قضاۃ اور دوسرے عہدے دارون نے گاؤن جا جا کر فی کس ڈیڑھ رطل یومیہ غلہ تقسیم کیا۔ بڑی بڑی خانقاہون نے بھی ان امدادی کامون مین حصہ لیا، حضرت قطب الدین کی خانقاہ مین جس کا متولی ابن بطوطہ تھا، سینکڑون آدمیون کو کھانا ملا کرتا تھا۔ اس خانقاہ مین ۴۶۰ کارکن تھے۔

صنعتی و تجارتی ترقی: حکومت نے صنعت و حرفت کو فروغ دینے مین بھی فیاضانہ مدد کی، ریاست کی طرف سے ایک ایسا کارخانہ تھا جس مین چار سو ریشم بننے والے کام کرتے تھے، اس مین ہر قسم کے کپڑے تیار کیئے جاتے تھے، خاص سلطان کے یہان پانچ سو زردوز تھے، جو شاہی خاندان اور امراء کے لئے کپڑے تیار کرتے تھے، بیرونی

ملکون سے تجارت برابر جاری رہی، مارکوپولو اور ابن بطوطہ ایسی بہت سی بندرگاہون کا ذکر کرتے
ہین، جہان بیرونی تاجر ہمیشہ آتے رہتے تھے، بھروچ اور کالی کٹ تجارت کے بہت بڑے
مرکز تھے، ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ کالی کٹ مین دنیا کے ہر حصہ کے تاجر مال خریدنے کیلئے
آیا کرتے تھے، مسالک الابصار کے مؤلف کا بیان ہے کہ ہر ملک کے تاجر ہندوستان مین
خالص سونا لاتے، اور اس کے تبادلہ مین گوند اور دواؤن کی جڑی بوٹیان لے جاتے تھے،
حکومت ان بیرونی تاجرون کی سرپرستی اور ہمت افزائی کرتی تھی، ابن بطوطہ کا بیان
ہے کہ ایک تاجر سید ابوالحسن عابدی کو تجارت کرنے کے لئے شاہی خزانہ سے سرمایہ
دیا جاتا تھا۔ اور وہ بادشاہ کے لئے عراق اور خراسان سے ضروری چیزین لایا کرتا تھا۔
تیرہوین اور چودہوین صدی مین ہندوستان کی تجارتی حالت خاطر خواہ رہی، وصاف
گجرات کے بارہ مین لکھتا ہے کہ یہ بہت ہی متمول اور آباد خطہ ہے، جہان سات ہزار
گاؤن اور قصبے ہین، اور یہان کے لوگ دولت سے کھیلتے ہین، یہان کی کھیتی بڑی
ہری بھری ہوتی ہے، انگور کے باغ مین نیلے نیلے انگور سال مین دو مرتبہ ہوتے ہین،
زمین اتنی زرخیز ہے کہ روئی کے پودے بید اور چنار کے درختون کی شاخون کی طرح
پھیلے نظر آتے ہین، مارکوپولو بھی روئی کی کھیتی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ پودے
چھ فٹ لمبے ہوتے ہین، اور بیس بیس برس تک قائم رہتے ہین۔ کالی مرچ، ادرک
اور نیل بکثرت ہوتی ہے، مقامی صناع سرخ اور نیلے چمڑے کے فرش تیار کرتے ہین جن پر
پرندون اور جانورون کی شکلون کے علاوہ طلائی و نقرئی نقش ونگار بھی ہوتے ہین،
کھنبائیت تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہان نیل کی کاشت بکثرت کی جاتی تھی،
بیرونی ممالک کے تاجر بکثرت مال یہان لاتے تھے، اس مین سونا، چاندی اور

تانبا خصوصیت کے ساتھ زیادہ ہوتا، مبیر مین بھی دولت کی بڑی فراوانی تھی، لیکن اس علاقہ مین گھوڑون کی بڑی کمی تھی، اس لیئے یہان کے لوگ گھوڑون کی خریداری مین اپنی دولت زیادہ صرف کرتے تھے، کیس، ہرمز، دوفار، سوئر کے تاجر یہان گھوڑے لاتے تھے اور کثیر منافع حاصل کرتے تھے، ابن بطوطہ اپنے زمانہ کے بنگال کے بارہ مین لکھتا ہے کہ یہ بہت ہی زرخیز اور متمول صوبہ ہے، یہان چیزین سستی ملتی ہین اور یہان کے باشندے تھوڑی سے آمدنی مین آرام وآسایش سے زندگی بسر کرتے ہین۔

۱۳۵۱ سے ۱۳۸۸ء تک ہندوستان مین غیر معمولی خوشحالی رہی آب پاشی کی سہولتون کی وجہ سے زراعت مین بڑی ترقی ہوئی، اور آمدنی بڑھ گئی، دہلی اور اس کے علاقہ کی آمدنی چھ کرور پچاسی لاکھ ٹنکے تھی، صرف دوآب کی آمدنی پچاسی لاکھ ٹنکے تھی، امرا اور سرکاری عہدیدارون کے پاس کثیر دولت جمع ہوگئی تھی، عفیف کا بیان ہے کہ جب ملک شاہین شحنہ کا انتقال ہوا تو اس کے گھر سے جواہرات اور دوسری قیمتی چیزون کے علاوہ پچاس لاکھ ٹنکے نقد نکلے ارزانی اتنی تھی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے مین زیادہ صرف نہ ہوتا تھا، دہلی سے فیروز آباد جانے مین چھکڑے کا کرایہ چار جتیل، خچر کا چھ جتیل، گھوڑے کا بارہ جتیل اور پالکی کا نصف ٹنکہ ہوتا تھا۔ ہر جگہ قلی موجود رہتے تھے، جن کو کافی آمدنی ہوا کرتی تھی، معاصر مورخین لکھتے ہین کہ ہر شخص کے پاس چاندی اور سونا کافی ہوتا تھا۔ کوئی عورت بغیر زیور کے نہ ہوتی تھی، گھرون مین اچھے سے اچھے پلنگ ہوتے تھے، عفیف نے جو قیمتین لکھی ہین، اس سے ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ چودہوین صدی کے وسط مین شمالی ہند کی اقتصادی حالت بہت ہی خاطر خواہ تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کسی زمانہ مین بھی اقتصادی بدحالی نہین رہی، بعض حکمران عیاش اور فضول خرچ بھی ضرور ہوے، لیکن انھون نے ریاست کی دولت ملک کے اندر ہی برباد کی، بلاشبہ ہندوؤں کی بہت بڑی دولت مسلمانون کے ہاتھون مین چلی گئی تھی لیکن مسلمانون نے ہندوستان ہی کو اپنا وطن بنا رکھا تھا۔ اس لیے یہان کی اقتصادی حالت ویسی ہی قائم رہی بعض اوقات سیاسی حالات حوصلہ فرسا رہے، اور قحط کے زمانے مین مشکلون کا اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن عام حالات مین کھانے کی چیزون کی کمی نہ تھی۔۔۔۔۔۔

کنور محمد اشرف | اوپر کی اجمال کی تفصیل کنور محمد اشرف کی حسب ذیل تحریر سے معلوم ہوگی، جس کے اقتباسات ان کی انگریزی کتاب "ہندوستان (سنہ ۱۲۰۰ - ۱۵۵۰) کے لوگون کی زندگی اور حالات" سے لیے گئے ہین، یہ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی طرف سے ۱۹۳۵ء مین شایع ہوئی تھی

دیہی زندگی | زیر نظر عہد مین گاؤن کی آبادی پوری محنت سے اپنا کام انجام دیتی رہی، اور دیہی علاقہ کی سرگرمیون ہی پر ملک کی اقتصادی ترقی کا انحصار رہا، گاؤن مین زرعی پیداوار مقامی ضروریات کے لحاظ سے ہوتی رہتی، دیہی صنعت وسیع پیمانہ پر تو نہ تھی۔ لیکن دریائی ناکون پر صنعتی کاروبار ہوتا، خصوصاً جب دریائی راستے سے آسانی سے خام مال حاصل ہو جاتا بنگال اور گجرات مین جہاز رانی کی بڑی سہولت تھی۔ اس لئے یہان صنعت کو فروغ تھا۔ ملک کے اندرونی حصون سے فاضل صنعتی پیداوار حاصل کر کے باہر برآمد کی جاتی تھی لیکن زیادہ تر لوگ زراعت پیشہ ہی تھے، صنعت و تجارت مین ایک قلیل آبادی مشغول رہی، اور صرف متمول تجار ہی بیرونی تجارت کرتے، شہرون مین زیادہ تر تاجر ہی ہوتے، ان تاجرون کے علاوہ حکومت کے عمال بھی یہان رہتے۔ شہر حصار سے گھرا ہوتا، اور خطرہ کے

موقع پر آس پاس کی آبادی یہین آکر پناہ لیتی، اس کے زمانہ مین شہر ہی زرعی اور صنعتی پیداوار کی تقسیم کے مرکز بنے رہتے، جو معاشرتی اور ذہنی ترقی کے لحاظ سے گاؤن پر فوقیت رکھتے لیکن ملک کے اقتصادی فروغ مین شہرون کی آبادی کی اہمیت زیادہ نہ تھی۔

حکومت کسانون کی محنت سے فائدہ اٹھاتی اور اس کے بدلے وہ امن قائم رکھتی تاکہ کسان پر امن طریقے سے اپنے زرعی کامون کو جاری رکھین، ڈھندون کو چھوٹے پیمانہ پر بھی مشغول رکھنے کی کوشش کرتی، اور ان کے مال کے ایک جگہ سے دوسری جگہ برآمد کرنے مین مدد دیتی، لیکن بڑے پیمانہ پر پیداوار مین ترقی دینا، دولت کی مساویانہ تقسیم پر زور دینا، اور تمام طبقون کی اقتصادی حالت کو درست کرنا اس زمانہ کی حکومت کا کام نہین تھا، . . . .

زمین کی پیداوار زیادہ تر لوگون کی غذا یا مویشیون کے لیے چارہ پر مشتمل تھی، یہ بتانا تو مشکل ہے کہ ہر شخص کے پاس کتنے کھیت ہوتے، اور آبادی کا کتنا حصہ کھیتی مین مشغول تھا، لیکن اندازاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ گھریلو مزدورون اور تاجرون کے علاوہ اور تمام لوگ کھیتی ہی کرتے۔ اور کھیتی کی نوعیت تقریباً وہی رہی ہوگی جو آج کل ہے، اور کھیتی کی پیداوار کے اقسام بھی وہی تھے جو آج کل ہین البتہ تمباکو، چائے، قہوہ وغیرہ کی کاشت اس زمانہ مین نہ تھی، اور پٹ سن بھی اتنی بڑی مقدار مین نہ ہوتا تھا۔ دواؤن کی جڑی بوٹیان مسالے اور خوشبودار چیزین زیادہ پیدا ہوتی تھین کیونکہ یہ ہندوستان کے بازار کے علاوہ بیرونی منڈیون مین بھی فروخت کی جاتی تھین، دال، گیہون، جو، باجرہ، مٹر، دھان، تل، سرسون، اوکھ اور روئی وغیرہ خاص پیداوار تھی، کڑہ اور مانکپور (نزد الہ آباد) کے علاقے بڑے زرخیز تھے۔ یہان دھان، اوکھ اور گیہون عمدہ قسم کے ہوتے تھے، اور بڑی مقدار مین دہلی بھیجے جاتے تھے، اور جب فیروز شاہ تغلق نے نہرین کھدوائین،

تو حصار اور فیروز آباد کے علاقے مین تل، دال، گیہون، اود کھ کی پید اوار بڑھ گئی، سرستی کا چاول مشہور تھا، اور دہلی کے بازار مین اس کی بڑی مانگ تھی،

گنگا کی وادیون مین آم بڑا مقبول پھل تھا، اور یہ تمام پھلون مین بہتر سمجھا جاتا، امیر خسرو اسلامی ممالک کے خربزون پر آم ہی کو ترجیح دیتے تھے، اگو بابر اپنے وطن کے تربوزون کو نہین بھولا، اس نے آگرہ مین کابل کے سر دبے لگانے کی کوشش کی، لیکن ہندوستان مین اس کی پیداوار زیادہ نہ ہو سکی، اور دوسرے پھلون مین، انگور، کھجور، انار کیلے، خربزے، شفتالو، سیب، سنترے، انجیر، لیمو، کرنا، جھنگ، کھرنی، جامن، اور کٹھل وغیرہ بھی ہوتے، ناریل ساحلی علاقون مین بکثرت ہوا کرتے تھے،

سلاطین دہلی اور دوسرے حکمرانون نے ہندوستان کے پھلون کو ترقی اور باغبانی کو فروغ دینے مین پوری دلچسپی لی، فیروز تغلق نے وسیع پیمانہ پر باغات لگائے، جن سے ہندوستانی پھلون مین بڑی ترقی ہوئی، اس نے دہلی کے ارد گرد بارہ سو سلورہ مین اسّی اور چتوڑ مین چوالیس باغات لگائے، راجپوتانہ مین باغ لگانے کی روایت کو نہ صرف برقرار رکھا گیا بلکہ اس کی برابر توسیع ہوتی رہی۔ چتوڑ کے علاوہ ڈھول پور، گوالیار اور جودھپور مین پھلون کی کاشت اور باغبانی مین خاطر خواہ ترقی ہوئی، دھول پور مین چوڑ میں تک باغات کے درختون کا سایہ رہتا۔ جودھپور کے انار خاص طور پر مشہور تھے، سکندر لودی کہا کرتا تاکہ فارس کے انار جودھپور کے انارون کے مزے اور خوشبو کا مقابلہ نہین کر سکتے۔

ہندوستان مین پھلون کی پیداوار قدیم زمانہ سے ہوتی رہی، یہ اپنی دلآویزی، خوشبو اور رنگا رنگی کے لیے مشہور ہین، تلسی اور گیندا تو ہندوؤن کے پوجا پاٹ

مین استعمال ہونے کی وجہ سے مقدس ہو گئے ہین، ہندو اپنے اخلاق کا ثبوت پھول پیش کر کے ہی دیتے، پھر معاشرتی رسوم مین پھول اور انکے ہار ضرور استعمال ہوتے، شادی مین دولہا دلہن کو پھولون کا ہار ضرور پہنایا جاتا۔ امیر خسرو اور ملک محمد جائسی نے پھولون کا ذکر اپنی شاعری مین بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے........

خوشبودار لکڑیون مین صندل اور عود بہت مقبول تھے، آسام کے عود مشہور، مندرون مین نذرانے کے طور پر بھیجے جاتے، بغرا خان جب اپنے لڑکے معز الدین کیقباد کے لئے بہت سی قیمتی تحائف لایا تو ان مین عود بھی تھا۔ زہریلے اثرات کو دور کرنے اور سانپ کے کاٹے کے علاج کی جڑی بوٹیان بھی ملک کی پیداوار مین تھین، مسالے مین سیاہ مرچ، اور دوسری چیزین گجرات کے بعض علاقون مین بکثرت پیدا ہوتی تھین...... عطریات وہان تیار ہوتے جہان اس صنعت کی ترقی کے لئے سہولتین میسر ہوتین، بنگال مین عطریات کے تاجرون کی ایک جماعت ہی تھی جو گندھا بانک کہلاتی، کیوڑا اور عرق گلاب کا استعمال زیادہ تھا۔ معاشرتی تقریبون مین انہی کا چھڑکاؤ ہوتا۔ ملک محمد جائسی نے دو تین قسم کی خوشبودار میڈوا اور چوائی کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کی نوعیت کا اندازہ نہ ہو سکا.......

گھر کی صنعتون مین پارچہ بافی اور روئی کی کتائی خاص طور پر تھی، اور اس کی نوعیت تقریباً وہی تھی جو آج کل کے گاؤن مین ہے، کپڑے یا تو گز کے حساب سے یا وزن کر کے فروخت ہوتے، اور کبھی نقد قیمت کے علاوہ جنس بھی بدلے مین لے لی جاتی، چھوٹی صنعتون مین ٹوپی، جوتے معمولی ہتھیار مثلاً تیر اور کمان کا بنانا عام تھا۔ کمان کے اچھے صناع کمان کی ڈوری کے لئے ریشم، تیر کے لئے بید اور نوک تیر کے لئے لوہا استعمال کرتے، لوہا لوہے کے پگھلانے کے فن سے اچھی طرح واقف تھے، یہ ہل، تالے، کنجی، استرے اور

گھریلو کامون مین استعمال ہونے والی چیزون کو آسانی سے بنا لیتے، سنار کو زیور بنانے مین بڑی مشاقی تھی، جڑاؤ زیور کا عام رواج تھا۔ بنگال کے سنار زیورات مین سیپ کے ریزے بڑی ہوشیاری سے جڑا کرتے تھے، پیتل کے کامون مین جگ، پلیٹ، تھالی، برتن، گھنٹے، شمع دان، بت، پان کے ڈبے عام طور سے بنائے جاتے، ڈھول اور موسیقی کے دوسرے اوزار بھی بنتے رہتے۔ ڈوری، ٹوکری، مٹی کے برتن، چمڑے کے ڈول وغیرہ کا تیار کرنا معمولی صنعتون مین داخل تھا۔ . . . .

شہری صنعت | شہرون مین اہم صنعتون مثلاً پارچہ بافی، دھات سازی، سنگتراشی، شکر سازی، کاغذ سازی، اور تیل وغیرہ کی خاطر خواہ ترقی ہوئی، اس زمانہ مین آج کل کی طرح فیکٹریان نہ تھین، عام طور سے چھوٹے شہرون کے صناع بڑے شہرون کے تاجرون سے اپنے مال کے فروخت یا درآمد و برآمد کے لئے ضروری باتین طے کر لیتے، یا کبھی وہ خود میلون مین جا کر اپنا مال بیچ لیتے، یا ساحلی علاقون مین بڑے پیمانہ پر درآمد و برآمد کا کاروبار کرنے والے تاجر اپنے ایجنٹ بھیجکر مال منگوا لیتے، بعض مقامات پر بڑے بڑے تاجر کاریگرون اور صناعون کو جمع کر کے اپنی نگرانی مین خاص خاص چیزین تیار کرلیتے تھے، ان کو اگر فیکٹری کہا جائے تو اس قسم کی مرتب اور منظم فیکٹریان خود سلاطین دہلی اور صوبون کے حکمرانون کے یہان موجود تھین جن کو اصطلاحاً کارخانہ کہا جاتا تھا۔ دہلی کے شاہی کارخانے مین چار ہزار پارچہ باف ریشم اور دوسرے قسم کے کپڑے تیار کرتے تھے، محمد تغلق سال مین دو بار موسم بہار اور خزان مین دو لاکھ خلعت تقسیم کیا کرتا تھا۔ موسم بہار مین خلعت کے کپڑے اسکندریہ سے آتے تھے، خزان کے موسم مین دہلی کے تیار کردہ کپڑون کے علاوہ چین اور عراق سے بھی منگوائے جاتے تھے، محمد تغلق کے کارخانہ مین

چار ہزار صناع صرف زری کا کام کرتے، وہ شاہی حرم کی بیگمات اور امراء کے خلعت کے لئے کپڑے تیار کرتے، شاہی ضروریات کی جتنی چیزین ہوتین مثلاً کلاہ، جوتے، پردے، غلاف، کمربند، پٹکے، زین وغیرہ وہ کارخانے ہی مین تیار ہوتے، تحفے کے لئے عمدہ ململ اور دوسرے چیزین بھی یہین تیار ہوتین، ان صناعون کی کیا مزدوری ہوتی، اس کی تفصیل تو نہین ملتی لیکن حکومت کی طرف سے صنعت پر کوئی پابندی نہ تھی، تمام صناع اپنی صنعتون کو فروغ دینے اور ان کو فروخت کرنے مین بالکل آزاد تھے، علاؤالدین خلجی نے پابندی ضرور عائد کر رکھی تھی، لیکن اس کو یہ انتظامی اور سیاسی وجوہ کی بنا پر کرنا پڑا تھا

پارچہ بافی۔ اس زمانے مین پارچہ بافی ہندوستان کی سب سے بڑی صنعت تھی، روئی، ریشم اور اونی کپڑے کافی مقدار مین تیار ہوتے، روئی اس ملک مین بکثرت پیدا ہوتی، اون پہاڑی علاقہ سے حاصل کیا جاتا، اگرچہ میدانی علاقون مین بھی بھیڑ کے گلے پائے جاتے، لیکن عمدہ قسم کے اون باہر ہی سے آتے جنکو امراء استعمال کرتے، ریشم کے کپڑے بنگال مین پائے جاتے، لیکن ریشمی کپڑے زیادہ تر باہر ہی سے درآمد ہوتے، زردوزی، رنگ سازی اور کشیدہ کاری کی بھی صنعتین ہندوستان کے بہت سے بڑے شہرون مین رائج تھین، ہندوستانی کپڑے عموماً بہت عمدہ قسم کے ہوتے اور اتنی کافی مقدار مین تیار ہوتے کہ ملک کی ضروریات پوری ہو جاتین، بنگال اور گجرات سے بڑی مقدار مین کپڑے بیرونی ممالک کو بھی بھیجے جاتے، اعلیٰ قسم کے کپڑے متمول طبقہ مین استعمال ہوتے، غرباء زیادہ تر گھریلو کرگھون کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے، البتہ شادی، تہوار اور دوسری تقریبات کے موقع کے لئے وہ عمدہ قسم کے کپڑے خریدتے، امراء کے عمدہ کپڑون کے بہت سے اقسام تھے، مثلاً ململ، سوتی کپڑے، کمخواب،

ساٹن اور پشمینے، جن میں سنجاب، سمور اور سابل وغیرہ شامل تھے، جاڑون مین دولتمند لوگ پشمینے اور عمدہ اونی کپڑے استعمال کرتے۔ غربا کے لئے روئی دار کپڑے اور کمبل ہوتے۔ عمدہ کپڑون کی نفاست بہت اعلیٰ قسم کی ہوتی، امیر خسرو نے جہان کہین ان کا ذکر کیا ہے۔ اس مین بڑا شاعرانہ انداز ہے، لیکن پھر بھی اس سے اس زمانہ کے کاریگرون اور صناعون کی مہارت اور نفاست کا اندازہ ہوتا ہے۔ دکن مین دیوگیر اور جھادیو ناگری پارچہ بافی کی صنعت کے لئے مشہور تھے، یہان کے کپڑون مین بڑی نفاست اور لطافت ہوتی، بعض عمدہ کپڑون کے نام یہ تھے، بیرامیہ، سلاحیہ، شیرین، کتان، رومی، سراج، قباب، نام سے کپڑون کی نوعیت کا اندازہ نہین ہوتا، شاید جس جگہ تیار ہوئے ہون، اسی مناسبت سے یہ نام رکھے گئے ہون، شمال مین دہلی کپڑون کا بہت بڑا مرکز تھا، لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی شہرت اس لئے تھی کہ اس شہر مین کپڑون کی بہت بڑی منڈی تھی یا یہان کپڑے بھی تیار ہوتے تھے، بہت ہی اعلیٰ قسم کے ململ کے تھان کی قیمت سو ٹنکے ہوتی، دہلی مین عمدہ قسم کی ململ، ریشمی اور کمخواب کی بھی آڑہت تھی، اور غالباً دوسرے شہرون مین بھی رہی ہوگی،

پارچہ بافی مین بنگال اور گجرات کی شہرت سب سے زیادہ تھی، یہان بندرگاہون کی وجہ سے کپڑے باہر کے ممالک مین بھی جایا کرتے تھے، امیر خسرو، ماہوان، وارتھما اور بباربوسہ نے بنگال کے کپڑون کی بڑی تعریف کی ہے، بنگال سے بغرا خان جو کپڑے اپنے لڑکے معزالدین کیقباد کے لئے لے گیا تھا۔ اس کی تعریف مین امیر خسرو رطب اللسان ہین، ماہوان نے بنگال کی پانچ چھ قسم کی عمدہ ململون، زری کی ٹوپیون اور ریشمی رومالون کا ذکر کیا ہے۔ وارتھما اور باربوسہ کے بیانات مین بڑی مماثلت ہے

بلکہ وار تھا تو یہان تک بیان کر گیا ہے کہ بنگال مین جتنے سوتی کپڑے ہوتے ہین اتنے کسی اور ملک مین نہین پائے جاتے۔ اس نے کپڑون کے جو اقسام لکھے ہین ان کے بعض نام یہ ہین: بیرام، ٹموٹنی، لذاتی، کینتار، دوزار، سینہ باف ان کی نوعیت کا اندازہ نہین ہو سکا، باربوسہ لکھتا ہے کہ شاش (یعنی ٹیکے) کی ایک قسم سربند بنگال مین تیار ہوتی ہے جسکو یورپ کی عورتین اپنے سر مین باندھنے کے لیے بہت پسند کرتی ہین، ایرانی اور عرب اس کی پگڑی بناتے ہین، عرب تاجر اپنے یہان سینہ باف بکثرت لے جاتے ہین جن سے وہان کے لوگ کرتے بناتے ہین، ملک کی ضروریات کے لیے سوتی اور ریشمی دھوتیان اور ساریان بکثرت تیار ہوتی رہتی تھین۔

گجرات کے ریشمی کپڑے بہت قیمتی ہوتے۔ اسی لیے سلطان علاؤ الدین خلجی نے ان کی قیمت پر پابندی عائد کی، ان کو زیادہ تر امرا استعمال کرتے، باربوسہ کا بیان ہے کہ کھمبائت مین عمدہ اور موٹے کپڑون کے علاوہ چھینٹ، کمخواب، ساٹن، ریشم، کتان، اور قالین وغیرہ سب کچھ تیار ہوتے،

کپڑون کے ساتھ قالین، گدے، پلنگ پوش، دریان، جانمازین وغیرہ بھی ملک مین تیار ہوتی رہتی تھین، رنگ سازی کی صنعت کو بھی بڑا فروغ تھا، نیل کی پیداوار بکثرت ہوتی، لوگ تیز قسم کے رنگ کو پسند کرتے، اس لیے ساریون کا کنارا رنگین ہوتا، ریشمی اور سوتی کپڑون پر بھی رنگین تحریرین ہوتین، طرح طرح کی چھینٹ بھی تیار ہوتی رہتی، باربوسہ اور وار تھا نے رنگین کپڑون کا بہت حوالہ دیا ہے، باربوسہ نے تورشائی کی فردین اور مسہری کے پردون کا بھی ذکر کیا ہے۔

دھات کے کام .... ہندوستان مین قدیم زمانے سے بہت اچھی تلوارین

بنتی رہی ہین، عربی اور فارسی کتابون مین ہندی تلوار کی تعریف ہمیشہ کی گئی ہے، سلاطین دہلی کے عہد مین اس صنعت کو اور ترقی ہوئی، فخر الدین مبارک شاہ نے لکھا ہے کہ ہندی تلوار دنیا کی تمام تلوارون سے بہتر ہوتی ہے، سب سے اچھی تلوار کرج (سندھ) مین تیار ہوتی، تلوارون کے علاوہ برتن، پیالے، آہنی بندوقین، چاقو اور قینچی بھی اچھے قسم کی بنتی رہتی، چینی سیاح مہوآن نے بنگال مین یہ ساری چیزین دیکھی تھین، سلاطین دہلی کے زمانے مین چاندی اور سونے کی صنعتون کو اور زیادہ فروغ ہوا، تیمور جب ہندوستان آیا تو یہان چاندی اور سونے کے ظروف جڑاؤ زیورات، بیدر کے آفتابے، مرصع کمر بند، برتن، پلیٹ، پلیٹ کے ڈھکن ہر شہر مین عام طور سے دکھائی دیتے تھے، باربوسہ گجرات کے سنارون کی اعلیٰ قسم کی کاریگری کا ذکر کرتا ہے، تیمور ہندوستانی کاریگرون کی صنعت دیکھ کر ان کو تہ تیغ کرنے سے باز رہا، اور ان کو اپنے ساتھ سمرقند لے گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پتھر اور اینٹ کے کام | تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لئے اینٹ اور پتھر کے کام کرنے والے بھی برابر مشغول رہے، اور ان کاریگرون کی صنعت نہ صرف ہندوستان بلکہ کابل، غزنی اور سمرقند کی عمارتون مین بھی نظر آتی ہے، امیر خسرو کا بیان ہے کہ ہندوستانی معمار اور سنگ تراش تمام اسلامی ممالک کے معمارون اور سنگ تراشون سے بہتر ہین، اسکی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے ان کی بڑی سرپرستی کی، علاء الدین خلجی کے عہد مین ستر ہزار کاریگر سرکاری عمارتین بنانے مین مشغول رہے، ماہر معمارون کی کمی نہ تھی لیکن پھر بھی فیروز شاہ تغلق نے اپنے چار ہزار غلامون کو اس فن کی تربیت دلائی، بابر ہندوستانی کاریگرون کی مہارت پر بڑا متعجب ہوا تھا۔ اس نے ۶۸۰ سنگ تراش آگرہ کی عمارت بنوانے مین لگا رکھے تھے، اور ایک ہزار چار سو اکانوے[۱۴۹] کاریگرون کو دوسرے مقامات

پر بھیجے ہندو راجاؤن نے ان معمارون کی سرپرستی مسلمانون سے زیادہ کی، کوہ آبو پر دلواڑا مندرون کی تعمیر، اور پھر گوالیار، اور چتوڑ کی عمارتین اس بات کی دلیل ہین کہ پرانی روایات کو نہ صرف برقرار رکھا گیا بلکہ ان مین ترقی بھی ہوتی رہی، اسی زمانہ مین مرصع ٹائل اور اینٹون کا بھی رواج ہوا، جو خوبصورتی کے ساتھ ہر جگہ حتی کہ بنگال مین لگائی گئین،

دوسری چھوٹی صنعتین | چھوٹی صنعتون مین مونگے، مرجان، ہاتھی کے دانت اور نقلی جواہرات کے کام قابل ذکر ہین، مونگے اور مرجان کے کام گجرات اور بنگال مین ہوا کرتے تھے، گجرات کے عقیق بہت عمدہ قسم کے ہوتے تھے، اور ہندوستان سے باہر بھی بھیجے جاتے، ہاتھی دانت کے کام کرنے والے بھی بڑی مہارت کا ثبوت دیتے تھے، اور وہ گلے کا ہار، کنگن، قبضۂ شمشیر، شطرنج، بساط شطرنج، اور دوسری چیزون پر سیاہ، زرد، سرخ، نیلے اور طرح طرح کے رنگ کے ساتھ کام بنانے مین مشاق تھے، ان کے کام بیرونی ممالک مین بھی پسند کیے جاتے تھے، نقلی موتی کے کام بھی عام تھے، باربوسہ گجرات گیا تو یہ نقلی موتی دیکھ کر بڑا حیران ہوا، بنگالی لٹریچر مین مصنوعی پرندون، پودون اور پھولون کا حوالہ بہت ملتا ہے، لکڑی کے کام بھی تمام ملک مین ہوا کرتے تھے، گھرون مین استعمال کے لئے دروازے، کھونٹے، تخت، کھلونے، اور چوکیان اور دوسرے اوزار اور ظروف بھی ان لکڑیون سے بنا کرتے تھے،

کاغذ سازی | عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ چینیون نے کاغذ کی ایجاد کی اور مسلمانون نے ان ہی سے سیکھا، لیکن موجودہ تحقیقات کی بنا پر یہ تو صحیح ہے کہ چینی کاغذ سازی سے واقف تھے، وہ شہتوت کے درخت کی چھال یا گھاس اور ایک خاص قسم کے پودے سے کاغذ بناتے تھے، مگر چیتھڑون سے کاغذ سازی کی

ایجاد عربون یا سمرقند کے کاغذ بنانے والون کی ہے، بنگال مین چینی کاغذ کا ذکر ماہوان نے کیا ہے جو
سفید ہوتا تھا اور درخت کی چھال سے تیار کیا جاتا تھا۔ یہ ہرن کے چمڑے کی طرح نرم اور
چکنا ہوتا۔ نکولی کونٹی نے گجرات مین کاغذ کے استعمال کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کی نوعیت
اور کیفیت نہین بتائی ہے، مگر اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاغذ کی کوئی ترقی یافتہ
شکل تھی، امیر خسرو نے شامی کاغذ کا ذکر کیا ہے، اور اس کی دو قسمین بتائی ہین، سادہ اور
ریشمین، اگرچہ مؤخرالذکر کی نوعیت نہین لکھی ہے، اور اس زمانے کے سادہ اور مطلا
مخطوطات کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ملک مین اچھے قسم کا کاغذ تیار ہوا کرتا تھا۔ دہلی مین
کتابون کی بھی تجارت تھی، لیکن کاغذ کی جتنی مانگ تھی اتنی مقدار مین تیار نہ
ہوتا تھا۔ اسی لئے کاغذ کے استعمال مین بڑی کفایت شعاری کی جاتی تھی۔

شکر سازی | شکر کافی مقدار مین تیار ہوتی تھی، اور اوکھ سے بنائی جاتی تھی۔ اس کا
طریقہ یہ تھا کہ اوکھ کے ٹکڑے کاٹ کر مل مین پیل دیتے۔ اس کے رس کو لوہے کے
بڑے کڑاہ مین گرم کر کے گڑ، پھر کھانڈ اور پھر قند بناتے، بنگال مین شکر اتنی بنتی کہ
لوگون کے استعمال کے بعد فاضل بچ رہتی اور باہر بھیجدی جاتی۔ بنگال مین دانہ دار
شکر بھی تیار ہوتی، شکر تمام ملک مین آسانی سے مل جاتی، کیونکہ مٹھائیون اور میٹھی
چیزون اور مشروبات کے ذکر سے اس زمانے کا لٹریچر بھرا ہے، شہد بھی مل جایا کرتا تھا
لیکن عام طور سے استعمال نہین ہوتا تھا اور نہ یہ باہر بھیجا جاتا تھا۔

چمڑے کا کام | چمڑے کا کام عموماً چمار کیا کرتے تھے، چمڑے کی بنی ہوئی چیزون
کی بڑی مانگ تھی، سلطان محمد تغلق دس ہزار گھوڑے سالانہ تحفے مین تقسیم کیا کرتا
تھا، اور ان گھوڑون کے ساتھ زین اور لگام بھی ہوتی تھی۔ امراء کی تلوارون کی نیام،

اور کتابون کی جلدین اور جوتے تو عام طور سے چمڑے ہی کے ہوتے، شکر چمڑے کے تھیلون ہی مین باہر بھیجی جاتی، کسان پانی بھرنے کیلئے چمڑے کی موٹ بناتے، اور زراعت مین بعض خاص خاص چیزین بھی چمڑے ہی کی ہوتین۔ گجرات مین چمڑے کی سرخ اور نیلی چٹائیان بنائی جاتیں، ان پر پرندون اور چوپایون کی شکلین بھی ہوتین، اور سونے اور چاندی کے کام بھی ہوتے، اہل گجرات کو بکری، بیل، بھینس اور گینڈے کے چمڑون کی صنعت مین خاص مہارت تھی، اور ان کے چمڑے کی بنی ہوئی چیزین جہازون مین لد کر عرب اور دوسرے ممالک کو جایا کرتی تھین۔

...... اس مین شک نہین کہ بعض صنعتین بہت وسیع پیمانہ پر نہین ہوتی تھین بلکہ محدود ضروریات کا لحاظ رکھ کر چیزین تیار کیجاتین لیکن اسکے کہنے مین تامل نہین کہ کاریگر او صناع ان چیزون کے بنانے مین جو مہارت دکھاتے تھے، وہ غیر معمولی قسم کی ہوتی تھی، اور جن کی قدر کی جاتی تھی، بعض صنعت کسی خاص فرقہ اور جماعت ہی تک محدود رہتی تھی، اور وہ دوسرون کو بتانا پسند نہین کرتے تھے، اس لئے جب ماہر کاریگر مرجاتے تو ان کی موت سے فن کو نقصان پہونچتا اور آیندہ نسلیں ان سے ناواقف رہتین۔

تجارت | زرعی فصل متواتر اچھی ہوتی رہتی تو گاؤن سے فاضل غلہ شہر مین لاکر فروخت کیا جاتا، اور شہر کی منڈیون سے ملک مین تقسیم ہو جاتا۔ صنعتی چیزین مناسب قیمتون پر بازارون مین فروخت کرنے کے لئے تیار کی جاتی تھین، امرا، اچھی چیزون کی تلاش مین برابر رہتے، اور باہر سے آئی ہوئی جو چیزین ان کو مل جاتین، وہ خرید لیتے، سلطان کو اپنے لشکر کے گھوڑون کی کمی پوری کرنے کی برابر فکر لگی رہتی، اس لئے بیرونی ممالک سے گھوڑے برابر آتے رہتے تھے، ان وجوہ سے ملک کے اندر اور باہر چیزون کا لین دین

برابر جاری رہی، اسی لیے ہندوستان مین ملکی اور بیرونی تجارت کی روایات شروع سے قائم ہین، تاجرون کی آمد ورفت اور نقل وحرکت کی مشکلات دور کرنے کی خاطر ملک کے تمام بری راستون مین سڑکین اور شاہراہین بنائی گئی تھین، اور ملکی نظم ونسق کی خاطر بھی شاہراہین اچھے حال مین رکھی جاتی تھین تاکہ فوجون کے نقل وحمل مین آسانی ہو، ان راستون کے استعمال مین تاجرون کو ہر قسم کی سہولتین میسر تھین، اس زمانہ مین دخانی جہاز کے نہ ہونے کی وجہ سے بحری راستون مین بڑے خطرات ہوا کرتے تھے، لیکن ان خطرات کے باوجود ہندوستانیون کو ساحلی تجارت بہت پسند تھی، اور عرب اور دوسرے تاجر بیرونی ممالک سے سمندری راستے سے برابر تجارت کیا کرتے، ایک بحری سفر مین اتنا منافع ہو جاتا کہ پھر تاجرون کو بحری راستے کے خطرات یا مال کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ رہتا، اور اگر ضائع بھی ہو جاتا تو منافع سے نقصان کو پورا کرلیتے، بعض بیرونی تاجرون نے دوسرے ممالک مین اپنا پورا باضابطہ انتظام اور ٹھکانہ قائم کر رکھا تھا، ملک کی اندرونی تجارت بھی بہت منظم طریقہ سے جاری تھی، اس طرح بیرونی اور اندرونی تجارت خاطر خواہ طریقہ سے بڑے وسیع پیمانہ پر تھی۔

ملکی تجارت تجارت ویش کے ہاتھون مین تھی، شمال مین گجراتی، مارواڑی اور جنوب مین چیٹی تجارت مین آگے آگے تھے، راجپوتانہ کے بنجارے اپنے کاروبار مین ہزارون بیل استعمال کرتے تھے، ان کے بعض کاروان مین چالیس ہزار تک بیل رہتے تھے، گاؤن مین تجارت تو چھوٹی چھوٹی دوکانون کے ذریعہ ہوتی تھی یا چھوٹے چھوٹے تاجر گھوم گھوم کر یا متحرک دوکانون مین چیزین فروخت کرتے پھرتے، لیکن بڑی تجارت خاص خاص بازارون اور منڈیون مین ہوتی تھی، جہان تجارتی اشیا کا تبادلہ بھی ہوا کرتا تھا، دارالسلطنت

یا صوبون کے پایہ تخت مثلاً دہلی، لاہور اور ملتان کے بازارون سے چیزین تمام ملک مین پھیل جاتی تھین، جب کوئی سالانہ میلا یا تہوار ہوتا تو آس پاس کے لوگ شہرون مین آکر نیا ذخیرہ خرید کرنے جاتے، خاص خاص جگہون پر مویشیون کا بھی ہاٹ لگتا جہان آکر لوگ گھوڑے بیل، اونٹ، گائے بھینس خرید و فروخت کرتے،

بڑی بڑی تجارت مخصوص جماعت ہی مین محدود رہتی، . . . . ہندوستان کے بڑے تاجر شمال مین ملتانی اور مغربی ساحل پر گجراتی بنیے تھے، مو خرالذکر تو ہندوستانی اور بیرونی دونون اشیا کی تجارت کرتے، اور ملا بار اور کوچین تک پھیلے ہوئے تھے جہان پہونچکر مختلف ممالک سے حاصل کی ہوئی چیزون کو فروخت کرتے تھے، بیرونی ملک کے مسلم تاجر خراسانی کہلاتے، وہ ملک کے تمام حصون مین جایا کرتے، مسلمان تاجر ساحلی شہرون مین بھی لین دین جاری رکھتے، ساحلی علاقون کے حکمران بیرونی تاجرون کے خاص حقوق اور مراعات دیتے کیونکہ وہ بھاری ٹیکس ادا کرتے رہتے، شمالی ہند کے تاجر جنوبی ہند جاتے تو انکو بھی یہ مراعات دی جاتین، بنجارے وسیع پیمانہ پر تجارت کرتے تھے، ان کے پاس زرعی پیداوار کا بڑا ذخیرہ رہتا، اور بیل گاڑیون کی بھی کثرت ہوتی، اور پھر وہ تمام راستون اور شاہراہون سے اچھی طرح واقف رہتے، اس لئے اس متحرک تجارت کے لئے وہ بہت موزون ہوتے، راجپوتانہ کے بھٹ راجپوتانہ اور گجرات کے پرخطر اور پر پیچ راستون پر تجارتی قافلون کی رہنمائی کیا کرتے تھے،

ساحل اور ملک کے اندرونی علاقون مین تجارتی لین دین دلالون کے ذریعہ ہوا کرتا تھا، جو فریقین سے اپنا کمیشن لیکر اشیا کا نرخ بلند کر دیتے تھے، علاءالدین خلجی نے نرخ پر پابندی عائد کر دی تو دلالون کا کاروبار رک گیا، لیکن علائی عہد کے بعد

جب یہ کنٹرول ختم کر دیا گیا تو دلالون کو پھر فروغ ہوا، سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے تک تو ان دلالون کی قانونی حیثیت بھی تسلیم کر لی گئی تھی، ایجنسی کا بھی طریقہ رائج تھا، بڑے بڑے تاجرون کی طرف سے وکیل یعنی ایجنٹ بھی ہوا کرتے تھے، مہاجنون کے ذریعہ اسیطرح کاروبار ہوتا جسطرح آج بینکون کے ذریعہ ہوتا ہے وہ قرض دینے اور ہنڈی جمع کر لیتے، تمسک کے ذریعہ عہدنامے بھی ہوا کرتے تھے، اس سلسلہ مین شہادت اور سود کے لین دین کے واضح قوانین بھی موجود تھے، جن کا باضابطہ نفاذ قاضی کی عدالت کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ . . . . . . سود کی شرح بڑی رقمون پر دس فی صدی اور چھوٹی رقمون پر بیس فی صدی تھی۔ . . . . مجموعی حیثیت سے ملکی تجارت خاطرخواہ پیمانہ پر ہوتی رہتی، البتہ جب حکومت کی طرف سے احتکار یا کنٹرول ہو جاتا تو تجارت کی آزادی اور پھیلاؤ مین فرق پڑ جاتا۔ اس زمانہ مین ایسی مثالین بہت ملتی ہین کہ افراد نے تجارتی منافع حاصل کر کے بڑی دولت جمع کر لی تھی . . . . . .

بیرونی تجارت بیرونی ممالک سے تجارت برابر جاری رہی . . . . . . عرب ہندستان مال بحر احمر ہو کر دمشق اور اسکندریہ لے جاتے، وہان سے بحر قلزم کے ممالک مین لے جاتے مسلمان تاجر ہندوستانی اشیاء ملایا، چین، مشرق بعید اور بحر منجمد کے ممالک تک پہونچاتے رہتے تھے، ہندوستان بحری راستے سے . . . ملتان، خیبر اور کشمیر کے ذریعہ وسط ایشا، افغانستان اور ایران سے منسلک تھا۔ اور عہد قدیم سے ہندوستانی کاروان تجارا، عراق اور حتی کہ دمشق آتے جاتے رہے، . . . . بحری راستون پر مسلمانون ہی کا قبضہ تھا، اس لیے ہندوستان کی تجارت ان ہی کے ہاتھو مین رہی تعیش کے سامان کے علاوہ گھوڑے اور خچر بھی درآمد ہوتے رہے تعیش کے سامان مین ریشمی کپڑے مخمل زربفت کے پردے اور

دوسری آرائشی چیزیں ہوتیں، سلطان محمد تغلق کے عہد میں کمخواب اور ریشمی کپڑے اسکندریہ، عراق اور چین سے منگوائے جاتے تھے، گجرات کے شاہی مال خانہ میں یورپ کے بنے ہوئے سامان تعیش برابر موجود رہتے، ہمایوں کے عہد تک تو بیرونی ممالک کی چیزیں امراء کے طبقہ اور شاہی خاندان میں بہت پسند کی جانے لگیں، بندوق، بارود اور دوسرے میکانکی اسلحہ کی صنعت سے ہندوستان کی درآمدی تجارت اور بڑھ گئی۔

بیرونی ممالک سے ہندوستان میں گھوڑے بکثرت آتے تو فوج میں ان کی بڑی ضرورت ہوتی، فوجی ضروریات کے علاوہ عام سواری، رتھ سواری اور گھوڑ دوڑ کے لئے بھی اُن کی مانگ برابر رہتی، اس لئے اچھے گھوڑے ہندوستان کے بازاروں میں ہاتھوں ہاتھ لے لئے جاتے، صرف مسلمان ہی گھوڑے پسند نہ کرتے، بلکہ ہندوؤں نے جنگ کے موقعوں پر ہاتھیوں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیا تو وہ ہاتھی کے بدلے زیادہ تر گھوڑے ہی استعمال کرنے لگے، اس لئے راجپوتانہ اور دکن کی ہندو ریاستوں میں گھوڑوں کی مانگ بڑھ گئی، دکن میں گھوڑوں کی نسل آب و ہوا کی وجہ سے تیار نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے وہاں کے راجہ باہر سے برابر گھوڑے منگوا کر اپنی کمی پوری کرتے رہتے، سلاطین سالانہ تحفوں کے لئے گھوڑے خاص طور پر باہر سے منگواتے اور ان کی بڑی بڑی قیمت ادا کرتے، شاہی اصطبل کے لئے گھوڑے برابر خریدے جاتے۔ اچھے گھوڑے یمن کے آخری علاقے، کس، ہرمز اور عدن سے منگوائے جاتے، ایران سے گھوڑوں کے علاوہ خچر بھی آتے۔

ہندوستانی برآمدی اشیاء میں غلہ اور سوتی کپڑے خاص طور پر قابل ذکر ہیں، خلیج فارس کے علاقے میں تو تمام تر غلہ ہندوستان ہی سے جاتا، بحر مجمع الجزائر ملایا کے جزیروں، افریقہ کے مشرقی ساحل میں ہندوستانی اشیاء کی بڑی مانگ تھی، برآمدی تجارت دیگر

بجرات اور بنگال کی بندرگاہون کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ گجرات سے جواہرات، تیل، روئی،
سوتی کپڑے وغیرہ برآمد ہوتے تھے، اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزون مین عقیق، خوشبودار
تیل، زنک، افیون، نیل کے قرص اور ایسی ادویہ شامل تھین جن سے یورپ والے تو
ناواقف تھے، لیکن ملکا اور چین مین بہت پسند کی جاتی تھین، زراعتی پیداوارون مین
گیہون، باجرا، چاول، دال، سرسون، عطریات وغیرہ باہر بھیجے جاتے، اس کے علاوہ اور
بھی چیزین تھین، وارتھما کا بیان ہے کہ دنیا مین اس وقت سب سے زیادہ روئی، ادرک،
شکر، غلہ اور ہر قسم کے گوشت بنگال مین ہوتے تھے، باربوسہ لکھتا ہے، کہ سب سے
زیادہ جو چیز بنگال سے برآمد کی جاتی وہ شکر تھی، وارتھما کے بیان کی تصدیق باربوسہ
سے بھی ہوتی ہے، باربوسہ یہ بھی لکھتا ہے کہ گجرات اور وجیانگر مین جتنی دولت تھی
اتنی ہی شیر شاہ کے عروج سے پہلے بنگال مین تھی، . . . . گجرات مین
کھمبایت اور بنگال مین بنگالہ دو بندرگاہیں تھین جہان سے بیرونی ممالک سے تجارت
ہوا کرتی تھی، وارتھما کا بیان ہے کہ ان دونون بندرگاہون سے ریشمی اور سوتی کپڑے
ہندوستان کے علاوہ ایران، تاتار تاری، ترکی، شام، افریقہ، عرب، حبش اور دوسرے
دوسرے جزیرون مین جایا کرتے تھے، اسی کا یہ بھی کہنا ہے کہ کھمبایت مین ہر سال مختلف
ممالک سے تین سو جہاز سالانہ آیا کرتے تھے، بنگال سے پچاس جہاز سوتی اور ریشمی کپڑے
برآمد ہوتے، . . . . بحری تجارت مین ہندوستانیون کے ہاتھ مین کم
اور عربون کے ہاتھ مین زیادہ رہی، گجرات کے بنیے اور جنوبی ہند کے چیٹی، یا وہ عرب جو
ہندوستان مین بس گئے تھے، ان مین سے کچھ تو بحری تجارت کرتے رہے، ورنہ بڑے
پیمانہ پر ہندوستانیون نے بحری تجارت نہین کی . . . .

سرحدی تجارت | جنگوں کے خطرات کے باوجود سرحد کے پار تجارتی قافلے برابر آتے جاتے رہے، خراسان سے تاجر ترکی اور چینی غلام، اور ایک قسم کا کپڑا جو شوستری کہلاتا اپنے ساتھ لاتے، شوستری غالباً شوستر میں بنتا، پشمینے، اسلحہ کے علاوہ گھوڑے بھی سرحد پار سے آتے، ترکستان میں آذق کے تاجر خاص طور پر گھوڑے کی نسل تیار کرتے اور ان کو ہندوستان میں منتقل کرنے کا باضابطہ انتظام رکھتے، جب یہ ہندوستان آجاتے تو ان کی جتنی قیمت ہوتی اس کا چوتھائی ٹیکس ان پر لگایا جاتا، سلطان محمد تغلق نے ان ٹیکسوں میں کمی کردی تھی، اس کے زمانے میں ، . . . . . . گھوڑے کے تاجروں کو صرف سات ٹنکے فی راس ادا کرنا پڑتا، اور ملتان پہونچکر کچھ مزید محصول دیتے، جو زیادہ نہ تھا۔ اس طرح گھوڑوں کی قیمت بھی بہت کم ہوگئی تھی . . . . . . ہندوستان کے ساحلی شہر اور اندرون ملک میں ملتان، لاہور، دہلی اور گوڑ جہاں بیرونی تاجر برابر آیا کرتے تھے اور کئی لحاظ سے اور دوسرے شہروں کے مقابلہ میں ترقی یافتہ سمجھے جاتے تھے،

نرخ اشیاء | ابن بطوطہ بنگال سے دہلی گیا تو اس نے حسب ذیل نرخ لکھا ہے، چوزہ ایک جتیل، پندرہ کبوتر آٹھ جتیل، ایک بھیڑ سولہ جتیل، عمدہ کپڑا ۳۰ گز دو ٹنکے، ایک من چاول آٹھ جتیل میں، بکرا تین ٹنکے میں، ایک من شکر ۳۲ جتیل، عمدہ شکر ایک من ایک ٹنکے میں، غلام آٹھ ٹنکے میں ملا کرتے ہیں۔

مسلمان تاجر بنگال کے متعلق کہتے کہ یہ جہنم پر از نعمت ہے، یعنی یہاں چیزیں تو بہت سستی ملتیں، لیکن یہاں کی آب و ہوا خراب ہوتی ہو گلبدن بیگم نے بھی لکھا ہے کہ امرکوٹ (راجپوتانہ) میں چیزیں بہت سستی تھیں، ایک روپیہ میں چار بکرے ملتے تھے۔

معیار زندگی | اس کی وضاحت تو کہیں نہیں ہے کہ ضروریاتِ زندگی پوری کرنے میں

کیا خرچ ہوتا، ایک کا معیار زندگی دوسرے سے اتنا مختلف تھا کہ اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے اکسانون اور اعلیٰ طبقہ والون کی زندگی مین بڑا تفاوت تھا۔ لیکن مسالک الابصار کے مصنف کے بیان سے تھوڑا سا اندازہ ہوتا ہے، وہ ایک شخص خجندی کے ذکر مین لکھتا ہے کہ اس کے ساتھ تین دوست تھے، ان کے کھانے مین گوشت، روٹی اور مکھن تھا، اور اس کی کل قیمت ان کو صرف ایک جتیل ادا کرنی پڑی، اس طرح ایک آدمی کے کھانے مین پندرہ جتیل ماہانہ خرچ ہوتا ہوگا، صبح کے ناشتہ مین پانچ جتیل کا اور خرچ ہوگا، اس طرح بیس جتیل ماہانہ مین کھانے پینے کا خرچ پورا ہو جاتا ہوگا، اسی طرح لباس مین ایک ٹنکہ ماہانہ سے زیادہ خرچ نہ رہا ہوگا۔ ایک آدمی اپنی بیوی، ملازم، اور دو بچون کے ساتھ پانچ ٹنکے ماہانہ مین زندگی بسر کر لیتا ہوگا، . . . .

بیسویں جھلک

سلاطین دہلی کے عہد میں معاشرتی حالات

از

ان ۔سی مہتا، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر تارا چند، ڈاکٹر کنور محمد اشرف۔

ان ۔سی ۔ مہتا | جناب ان ۔سی ۔ مہتا آئی ۔سی ۔ایس، اپنے مضمون "ہندوستانی تہذیب اور اسلام" میں لکھتے ہیں :-

ہندوستان مین . . . . اہل اسلام اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے بھی ہندو تمدن سے قریب تر رشتہ قائم کرتے رہے کیونکہ اسلام نہ کسی وطن کا قائل ہے اور نہ حدود فاصل اور خطوط تقسیم کا پابند، اگر مسلمان ایسا نہ کرتے تو اسلام ہندی تہذیب مین ایک جدید اضافہ ہو کر رہ جاتا، جیسا کہ مشرقی جزایر اور خصوصاً جاوا مین واقع ہوا ہے ۔

یہ خیال غلط ہے کہ اسلام نے اس ملک کو پردے سے روشناس کیا، عورتون کی خانہ نشینی کا دستور تمام قدیم ملکون مین پایا جاتا ہے، اور ہندو تہذیب کے عروج کے زمانے مین بھی امراء کا طبقہ سختی سے اس پر عامل تھا ۔ بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ مسلمانون نے اس ملک کے رسم کی پیروی کی اور شرافت کا مروجہ معیار اختیار کر لیا ۔

یہان پر ہندو مسلمانون کے ازدواج باہمی کا ذکر بھی بیجا نہ ہوگا، بادشاہون کی بین الملی شادیان اتحاد کا باعث نہ ہوئین، اگر اد اسلام کھانے پینے اور عبادت کی بے معنی پابندیون سے

متنفر تھا۔ ہندو تمدن رسمی احتیاط اور پاسداری کو سب سے مقدم سمجھتا تھا۔ چنانچہ اسلام اور ہندو مذہب مین اتحاد ہونا مشکل تھا۔ . . . . مسلمان بادشاہون کی مخلوط شادیون کی اولادین بت پرست ہندؤن سے نفرت کرنے مین خاندانی مسلمانون سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوئین، مثال کے طور فیروز تغلق (اور سکندر لودی) اور شاہجہان کے نام کافی ہین،

مسلم تاجدارون کے اختراع اور تخیل کو تعمیر کے میدان مین پوری بلند پردازی کا موقع ملا، اسلامی مذہب کی ضروریات مخصوص تھین، چنانچہ ان ضروریات کے مطابق تعمیر کے انداز بدل گئے، مساجد اور مقبرے عام ہوگئے، اس عہد کے تعمیری آثار تمام ملک مین کثرت سے موجود ہین، جو فرمانروایان سابق کی قوت، دولت اور ذوق سلیم کے شاہد ہین، عالی شان عمارات صرف دارالسلطنت ہی مین نہ تھین بلکہ مختلف صوبون مین بھی جدید اور حسین طرز کی عمارتین تعمیر ہوئین، گجرات کے علاقہ خصوصاً احمد آباد مین چودھوین اور پندرہوین صدی کی خوشنما مساجد موجود ہین، ان سے زیادہ نظر فریب عمارتین میری نظر مین دو ایک ہی اور ہونگی، باغات کا تو کہنا ہی کیا ہے . . . .

خوراک، لباس اور خانہ داری کے سامان بھی بدل گئے، چینی کے برتن اور قالین استعمال ہونے لگے، اسلام کا نقطۂ نظر عملی تھا، وہ ان ہی حالات سے سروکار رکھتا تھا، جو خارج مین موجود ملتے تھے، اور اپنے معتقدین کو ان سے بوجہ احسن مستفید ہونے کا حکم دیتا تھا، وہ جہان پہونچتا تھا، شوکت اور شائستگی کے اسباب مہیا کرتا تھا۔ کیونکہ مسلمان بالطبع مدنیت پسند ہوتے ہین۔

ایشیا کے ہر گوشہ سے مغنی آتے تھے، اور ہندوستان مین شاہی نوازشات سے فیضیاب ہوتے تھے، ہندوستان کی پیچیدہ "بین" کو دیکھ کر ایک اور خوبصورت ساز

ستار" ایجاد کیا گیا، "سرود" اور "دلربا" مسلمانوں ہی کے زمانے مین رائج ہوئے، ہندوؤن کے استغراق اور محویت مین مسلمانون کی طبعی خرمی اور لذائذ حیات سے لطف اندوزی کا اضافہ ہوا جس کا نتیجہ یہ بے مثل امتزاج تھا۔ نئے نغمات ترتیب دینے مین رسوم اور مذہبی عقائد کے اختلافات فراموش ہو گئے، . . . . گرد و پیش کے موجودہ حالات مین دلچسپی لینا اور ان کو اپنی مخصوص نوعیت کے مطابق نئی صورت دے دینا اسلام کا کمال ہے، . . . . . . وہ روحانی قوت جس نے معمولی ہاتھ پاؤن کے انسانون کو ہیبت آفرین اور جانباز بنا دیا تھا، عصر حاضر مین کارہائے عظیم ظہور مین لا سکتی ہے، اسلام کی تعلیم کسی مخصوص جماعت کی ملکیت نہین ساری دنیا اس کی مشترکہ وارث ہے، چنانچہ ہندوستان مین اسلام کی کامیابیون سے صرف مسلمانون کو ہی تعلق نہین، بلکہ ساری ہندوستانی قوم کو اس پر فخر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی | ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب "دی ایڈمنسٹریشن آف دی سلطنیت آف ڈلہی" مین تحریر کرتے ہین :-

اس عہد مین دلی ہون یا رشتی یا کاشتکار سب ہی کو توقع رہتی تھی کہ جو بھی حکمران ہوگا وہ اپنی رعایا کو پدرانہ شفقت سے نوازتا رہیگا، اور اگر ان کے اقوال کو تسلیم کیا جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ سلاطین دہلی اچھے حکمران بننے کی کوشش کرتے رہے، ان مین کیقباد جیسے عیش پسند بادشاہ کی بھی مثال ہے اور بعض کے وحشیانہ مظالم سے بھی تاریخ داغدار رہی، لیکن ازمنۂ وسطیٰ کی تین صدیون کی حکومت مین کچھ ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو آخر یہ لوگ بھی انسانی کمزوریون سے بالاتر نہ تھے، لیکن مجموعی حیثیت سے سلاطین دہلی نے بلند حوصلگی اور فیاضی کا ثبوت دیا، اور ان کی ہمیشہ خواہش رہی کہ

خدا کے جو بندے ان کے سپرد کئے گئے ہیں، ان کی اچھی طرح نگہبانی کریں، اس بات کا ثبوت ان کے اور ان کے امراء کے رفاہ عام کے کاموں سے بھی ملیگا، شفا خانے کھولے گئے، خانقاہیں، مسافر خانے کاروان سرائیں بنائی گئیں غریبوں کے لئے لنگر خانے آباد کئے گئے، قحط کے انسداد کے لئے انتہائی تدبیریں اختیار کی گئیں، شاہی حکام کو تاکید کی جاتی تھی کہ وہ رعایا سے بہتر سے بہتر سلوک کریں، ادنی سے ادنی لوگوں کو سلطان تک پہونچنے کی عام اجازت تھی، خبر رسان اس کو برابر مطلع کرتے رہتے تھے کہ رعایا کے ساتھ حکام اور دوسرے سرکاری ملازمین کا کیا برتاؤ ہے، عدل و انصاف کا دربار مظلوموں کی حمایت کے لئے برابر کھلا ہوا تھا، ہر سلطان کی کوشش رہتی کہ بھیڑیا اور بھیڑ کا بچہ دونوں اس کے سرچشمۂ عدل سے سیراب ہوتے رہیں اگر وہ ناکام رہتا تو اس کی ناکامی کا سبب اس کے نااہل اور غیر وفادار حکام ہوتے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا یہ فیاضی یا مذہب و فرقہ کے امتیاز و تفریق کے بغیر تمام رعایا کے لئے تھی؟ کیا ان میں ہندو بھی شامل تھے؟ . . . . . . شفا خانے اور سرائیں تو سب ہی کے لئے تھیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ان میں ہندوؤں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ اس کی تصریح ہے کہ ہندوؤں کے لئے سرایوں میں علیحدہ انتظامات ہوا کرتے تھے، . . . . . . ہندوؤں کو اپنے مذہبی مراسم کی ادائگی میں پوری آزادی حاصل تھی، اور وہ پوری نمود و نمایش سے اپنے مراسم ادا کرتے تھے، سلطان کو رواداری میں اپنے جذبات کو نظر انداز کرنا پڑتا تھا، دور دراز گاؤں اور قصبوں میں تو لوگ جو چاہتے کرتے، دار السلطنت اور صوبوں کے صدر مقامات میں بھی بتوں کی پرستش جاری تھی، ہندوانہ مراسم میں کمی نہ تھی، مندر سجائے جاتے تھے،

تہواروں مین جلوس نکالے جاتے، ان کے رقص و سرود کی مجلسین برپا ہوتی تھین، بڑے سے بڑے
زاہد سلاطین کو بھی محلون کے اندر بیٹھ کر سنکھ اور مندرون کے پوجا کے گھنٹے کی آواز سننی پڑتی،
ہندوؤن کو اپنے عقائد کی تبلیغ کی پوری اجازت تھی، صرف ایک مثال ایسی ضرور ملتی
ہے کہ فیروز شاہ نے ایک برہمن کو ایک مسلمان عورت کو ہندو بنانے کے سلسلہ مین
سزا دی، لیکن کبیر نے مسلمانون ہی کے یہان پرورش اور تربیت پائی مگر انھون نے
ایک ہندو کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا، جنھون نے تو اپنے حلقے مین بہت سے مسلمانون
کو اپنا ہم عقیدہ بنایا، اور سلاطین دہلی کی رواداری کا یہ بین ثبوت ہے کہ ہندوؤن
کی بھکتی اس زمانہ مین ایک بڑی روحانی قوت بنی۔

ہندوؤن کے اس زمانے مین تین طبقاتی گروہ تھے، پہلے تو کاشتکار، اور کسان
تھے، جن پر ملک کی اقتصادیات کا دارومدار تھا، ان کی فلاح، بہبود اور حفاظت کا
پورا لحاظ رکھا جاتا، اور ان سے اعتدال کے ساتھ لگان وصول کیا جاتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔
دوسرا گروہ لگان وصول کرنے والے حکام اور محررون کا تھا۔ ان پر حکمران طبقہ کا
دارومدار ہوتا۔ ان کی معلومات اتنی وسیع ہوتی کہ ان کی بڑی قدر کی جاتی، تیسرا گروہ
ہندو سردارون کا تھا، جو بڑا اہم تھا، وہ اگر خراج ادا کرتے رہتے، اور سلطان کا اقتدار
اعلیٰ تسلیم کر لیتے تو وہ عملی طور سے خود مختار رہتے۔ چھوٹے چھوٹے راجہ کا اقتدار تو زیادہ
نہ ہوتا۔ لیکن وہ بھی آزاد ہی ہوتے، وہ بہت ہی تعیش کے ساتھ زندگی بسر کرتے، اور
ان کی ایک قوت ہوتی، اسی لیے حکومت ان کو عہدے بھی دیا کرتی تھی، غزنوین
کی حمایت میں ہندو سپہ سالار اور لشکری لڑا کرتے تھے، اور ان کو انعامات ملتے تھے۔
قطب الدین ایبک کی فوج مین بھی ہندو افسر اور سپاہی تھے، بلبن ہندو سردارون کو

بڑا اعتراض بخشا کرتا تھا، ہندو سرداروں کا اقتدار علاءالدین کے عہد مین اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس کو کم کرنا پڑا، گو اسنے مسلمان امراء کو بھی نہین چھوڑا، علاءالدین کے بعد ہندو سرداروں کی حیثیت اور بھی نمایان ہوتی گئی، محمد بن تغلق کے عہد مین وہ اور بھی زیادہ طاقتور ہو گئے، اور وہ نہ صرف صوبون کے گورنر اور محکمۂ مال کے اعلیٰ عہدیدار مقرر کئے جانے لگے، بلکہ ان کے اثرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مسلمان مورخین ان کا ذکر رشک وحسد سے کرنے لگے تھے، فیروز شاہ کے محبوب ہم جلیسون مین ہندو سردار بھی شامل تھے، اور اس کے بعد جب حکومت مین انتشار پھیلا تو ہندو راجاؤن نے سیاسی ریشہ دوانیون مین بھی حصہ لیا، اور پھر مشرقی ہندوستان مین ان کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی، کہ یہ مشکوک نظر آنے لگا تھا کہ مسلمانون کی حکومت پھر اس حصہ مین قائم ہو سکیگی کہ نہین . . . . . لودیون اور سوریون کے زمانے مین ہندوؤن کو اہم عہدے دیئے گئے، اکبر نے ہندوون کے ساتھ جو پالیسی اختیار کی وہ اس کا ثبوت ہے کہ انھون نے اپنی قوت کسی زمانے مین کھوئی نہین تھی،

حکومت اپنا کلچر ایسے لوگون پر لادنا پسند نہین کرتی تھی جو اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے، مسلمانون کے مدارس اور تعلیمی اداروں کے دروازے سب کے لئے کھولے تھے، لیکن کسی کو ان مین داخل ہونے کے لئے مجبور نہین کیا جاتا تھا، سلاطین اور مسلمان فضلاء ہندوؤن کے علوم اور ثقافت کی قدر کرتے، البیرونی نے ان کے علوم کو جس طرح قلمبند کیا ہے اس کی اہمیت کم نہین کی جا سکتی ہے، سلاطین نے مسلمان ارباب علم سے سنسکرت کی کتابین فارسی مین ترجمہ کرائین، اور مسلمان اصحاب قلم اس کے لیے تیار بھی ہو جاتے، ان کتابون کی مطالعہ کے بعد اندازہ ہو گا کہ مسلمان

نے ہندوؤن کے علوم وفنون کی تعریف کرنے مین فراخدلی سے کام لیا اور تعمیرات مین ہندوؤن کی بعض روایاتی چیزون کو مسلمانون نے اپنے فن تعمیرات مین شامل کیا۔ اور ان سے مسجدون کے محرابون اور منبرون کو مزین کیا، جہان تمام مسلمان جمع ہو کر اپنے معبود حقیقی کے سامنے سربسجود ہوتے ہین، ہندوؤن کے خیال آفرین اور منغوم نغمون نے بھی جانباز ترک لشکریون کے دلون کو متاثر کیا، اور خسرو جیسے جلیل القدر انسان کو بھی ہندوؤن کے نغمون کے ساتھ اپنے اشعار گانے مین فخر محسوس ہوتا تھا، . . . .

ہندوؤن کی آبادی مسلمان سلاطین کی حکومت مین معاصر راجاؤن کی حکومت سے نسبتاً زیادہ خوشحال اور مطمئن رہی، گذشتہ صدیون مین ان پر جتنا مالی بار تھا، اس سے کم ہی بار ان پر رہا، معاصر تاریخون مین خوشحالی کا ذکر برابر کیا جاتا ہے، ملک وسیع تھا آبادی کم تھی، کاشتکارون کے پاس زمینین زیادہ ہوا کرتی تھین، جنگلات سے بھی بہت سی ضروریات پوری ہو جاتی تھین، صنعتی لحاظ سے بھی ہندوستان مضبوط تھا۔ ضروریات کی چیزین بنائی جاتی تھین، اور عمدہ چیزون مین کپڑے اور اسلحے باہر بھی بھیجے جاتے تھے، . . . . . . علاء الدین کے عہد مین خوط اور مقدم عمدہ عمدہ گھوڑون پر عمدہ لباس مین اڑے پھرا کرتے تھے، اور وہ ایرانی کمان استعمال کرتے، ایک دوسرے سے لڑتے رہتے، شکار کھیلتے، عیش ونشاط کی مجلسون مین جمع ہوتے اور شراب پیتے، علاء الدین نے ہندو سردارون کی ان تمام باتون کو روکا، لیکن محمد تغلق کے عہد مین ان کو پھر یہ ساری چیزین حاصل ہو گئین، فتاویٰ جہانداری مین ہے، . . . . کہ خراجیون اور ذمیون نے بڑی حیثیت حاصل کر لی ہے، ان کا بڑا اعزاز کیا جاتا ہے، ان کو نقار اور علم دیئے جاتے ہین، جن مین جواہرات لگے ہوتے ہین، کمخواب کا خلعت اور

مرصع زین کیے ہوئے گھوڑے پیش کئیے جاتے ہین، اور ان کو صوبون کے حاکم اعلیٰ، اور دوسرے بڑے ممتاز عہدون پر مامور کیا جاتا ہے، فتاویٰ جہانداری کا مصنف ہی لکھتا ہے کہ ہندو، دار السلطنت مین بھی بڑے بڑے مکانات محلون ہی کی طرح بناتے ہین، وہ کمخواب کے لباس پہنتے ہین، عربی گھوڑون کی سواری کرتے ہین جن پر چاندی اور سونے کا ساز ہوتا ہے، اور ان کی عظمت طرح طرح سے ظاہر ہوتی ہے، اور وہ عیش و تنعم کی زندگی گزارتے ہین، ان کے یہان مسلمان بھی نوکر ہین جو ان کی سواری کے آگے دوڑتے ہوے چلتے ہین، مسلمان غربا اور مساکین ان کے دروازون پر ان سے بھیک مانگتے ہین، دار السلطنت مین جس کی شوکت پر اسلام کی شوکت کا انحصار ہے وہ رائے، رانا، ٹھاکر، ساہ، مہتا، اور پنڈت جیسے معزز القاب سے یاد کئے جاتے ہین؛ سیاسی عظمت یا معاشی ثروت غیر مسلمون کے کسی ایک طبقہ مین محدود نہین رہی تھی،

معاشرتی حیثیت سے ہندو بری نظر سے نہین دیکھے جاتے مسلمانون مین نسلی تعصب کم تھا، مسلمان امرا ہندوؤن کی لڑکیون سے شادی کرنے مین تامل نہ کرتے، مسلمان صوفیون اور ہندو جوگیون مین آزادانہ ملاقاتین ہوتی رہتین، صوفیون کے بہت سے معتقد ہندو رہے، اسی طرح جوگیون کے معتقد مسلمان بھی رہے، دونون قومون مین معاشرتی میل ملاپ کی تو بہت سی مثالین ملتی ہین، معاشرتی حیثیت سے ہندوؤن کو مسلمان کسی رسوا کن لفظ سے یاد نہین کرتے لیکن ہندو مت اپنی حفاظت اور مدافعت اپنی علٰحدگی ہی مین تصور کرتا، اسی لئے مسلمان ناپاک (ملیچھ) سمجھے جاتے، وہ برہمنون یا اونچی ذات کے کھانے پینے کی چیز کو چھو دیتے تو وہ پلید سمجھی جاتی، نو وارد مسلمانون کو وہ ہمیشہ اپنے دائرہ سے باہر سمجھتے رہے ، ہندو مت کا

یہ سلوک صرف مسلمانون ہی کے ساتھ نہ تھا۔ مگر فاتح مسلمانون کی یہ رواداری تعریف کئے جانے کے لایق ہے کہ وہ اس اہانت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے، پھر بھی ہندوؤن کے خیالات محفوظ نہ رہ سکے، اسلام نے ہندوؤن کے دلون مین خود بخود ایسے سوالات پیدا کر دیئے جن کے حل کرنے مین کچھ ایسے ہندو مذہبی پیشوا پیدا ہوئے جو یقیناً اسلامی عقائد سے متاثر تھے،

مسلمان سلاطین کے ساتھ ہندوؤن کا جو رویہ رہا اس کا اندازہ ان کی علمی تصانیف اور لوک کہانیون سے ہوتا ہے، جن مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت ہندوؤن نے سلاطین کی مدد کی، اور وہ اپنی خدمات کے صلہ مین انعام واکرام سے نوازے گئے، یہان پر پالم کا وہ کتبہ قابل ذکر ہو جو دہلی مین آثار قدیمہ کی عجائب گاہ مین موجود ہے، اسکی زبان سنسکرت ہے، اور اس کا کچھ حصہ مقامی بولی ہریانہ مین بھی ہے (اس کتبہ کا ذکر اس کتاب کی پانچوین جلد مین آچکا ہے دیکھو ص ۱۱۱-۱۰۹ حاشیہ) یہ ایک مدح ہے لیکن اس سے سلاطین کی طرف ہندوؤن کے لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے، ۔ ۔ ۔ ۔

ایک اور کتبہ مین محمد بن تغلق کو دنیا کے تمام حکمرانون مین انمول موتی بتایا گیا ہے،

ڈاکٹر تاراچند | ڈاکٹر تاراچند ایم۔ اے۔ ڈی۔ فل (آکسن) اپنی کتاب "ہندوستانی کلچر پر اسلام کے اثرات" مین رقمطراز ہین :-

تجب مسلمانون کی حکومت ہندوستان مین قائم ہوئی تو انھون نے ہندوؤن کو مختلف عہدون پر مقرر کرنا ضروری سمجھا، محمود غزنوی کی فوج مین بھی بکثرت ہندو سپاہی تھے، جو اس کی حمایت مین وسط ایشیا تک جا کر لڑے، اور اس کے ہندو فوجی کمانڈر تلک نے اس کے ایک مسلمان فوجی عہدہ دار نیالتگین کی بغاوت کو فرو کیا

اور جب قطب الدین ایبک نے ہندوستان میں رہ کر حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تو اس نے
ملکی نظام کو چلانے کے لئے ہندوؤں ہی کو مقرر کیا، کیونکہ ان کے بغیر سارا انتظام درہم برہم
ہو جاتا، مسلمان ہنرمندوں، محاسبوں اور محرروں کو اپنے ساتھ نہیں لائے تھے، ہندوؤں
ہی نے ان کے لئے عمارتیں بنائیں جن میں پرانی چیزیں نئے حالات کے مطابق شامل کی گئیں،
ہندو دستاروں ہی نے مسلمان حکمرانوں کے سکے ڈھالے، اور ہندو محاسبوں نے ان کے
حساب کتاب درست کئے، پنڈتوں نے ہندو قوانین پر عملدرآمد کرانے میں ان سلاطین
کو مشورے دیئے، اور برہمن نجومیوں کی رائے سے حکومت اور دربار کے مختلف کام
انجام پاتے تھے۔

مسلمان ہندوستان آئے تو اس کو انھوں نے اپنا وطن بنایا، اور ہندوؤں کے
اردگرد رہتے تھے، اس لئے دائمی مخاصمت وعناد کے ساتھ ان کے لئے زندگی بسر کرنا ممکن
نہ تھا۔ اس باہمی میل جول سے ایک نے دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی، بہت سے ہندوؤں
نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن مذہب کی تبدیلی سے ان میں زیادہ فرق پیدا نہیں ہوا،
اور جب مسلمانوں سے مغلوب ہو جانے کا صدمہ جاتا رہا تو ہندو مسلمان دونوں نے ایک
ایسا طرز زندگی اختیار کرنے کی کوشش کی جس سے دونوں اچھے ہمسایہ کی طرح زندگی
بسر کر سکیں، اس نئے طرز زندگی سے ایک ایسا تمدن پیدا ہوا جو نہ تو بالکل ہندوؤں
ہی کا تھا، نہ خالصۃً مسلمانوں کا، بلکہ ایک مخلوط ہندو مسلم تمدن تھا، اس طرح ہندو مذہب، ہندو
آرٹ، ہندو ادب اور ہندو سائنس نے اسلامی اثرات قبول کرنے شروع کئے، اور ہندو کلچر اور ہندو ذہنیت
میں بھی تبدیلی پیدا ہونے لگی، مہاراشٹر، گجرات، پنجاب، ہندوستان اور بنگال کے
مذہبی پیشواؤں نے پرانے اعتقادات کی بہت سی باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار

کردیا،..........

مسلمانون کے اثر سے نہ صرف ہندوستان کی اقتصادی زندگی بلکہ یہاں کی معاشرت اور سیاست مین بھی کافی انقلابات پیدا ہوئے، اسلام کی معاشرتی زندگی جمہوریت پر مبنی ہے اور مسلمانون مین خاندان ونسل کو بہت زیادہ اہمیت نہین دی گئی ہے، اس سے ہندو بھی متاثر ہوئے، اور انھون نے بھی معاشرتی بندشون کو توڑ کر معاشرتی مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی..............

ہندوستانی زندگی کے ہر شعبہ مین مسلمانون کے اثرات پڑے، لیکن یہ اثرات رسم ورواج، گھریلو زندگی، موسیقی، پوشاک ولباس، کھانے پکانے کے طریقون، شادی بیاہ کے مراسم، تہوارون، میلون اور مرہٹہ، راجپوت اور سکھ والیان ریاست کے دربارون کے آداب مین زیادہ نمایان نظر آتے ہین، بابر کے زمانہ مین ہندو مسلمان دونون اس طرح سے جلے رہتے تھے کہ بابر مسلمانون کے ہندوستانی طرز زندگی کو دیکھ کر متعجب ہوگیا تھا، اس کے جانشینون نے اس طرز زندگی کو اس شاندار طریقہ پر آراستہ و پیراستہ کیا کہ انھون نے اپنے بعد جو کچھ چھوڑا اس پر ہندوستان بجا طور پر فخر وناز کرسکتا ہے۔

ڈاکٹر کنور محمد اشرف اوپر کے اجمالی بیانات کی وضاحت کے ساتھ مزید معلومات ڈاکٹر کنور محمد اشرف کی حسب ذیل تحریرون سے حاصل ہونگی، جو ان کی کتاب "ہندوستان کے لوگون کی زندگی اور حالات" (۱۲۰۰ء تا ۱۵۵۰ء) سے ملخصاً مستعار لی گئی ہین،

قصبہ کی آبادکاری ہندوون کے جتنے پرانے شہر کے کھنڈرات باقی رہ گئے ہین، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا فن تعمیرات ترقی یافتہ تھا، ان کے شہر اچھے مقامات پر آباد ہوتے، اندر دو سڑکین ضرور ہوتین جو کسی زاویہ قائمہ پر آکر جدا ہوتین، ہندوون کی بنائی ہوئی

عمارتین منظم طور پائدار ہوا کرتی تھین، راجاؤن کے محلون مین سونے کا کام بہت دکھائی دیتا تھا۔ عمارتون مین کئی کئی منزلین ہوتین اوپر کی دو منزل کی اونچائی کبھی کبھی پچاس گز تک ہوتی تھی، سبز ٹائل اندرونی چھت مین لگائے جاتے، قلعہ کے چارون طرف حصار ہوتا اور حصار مین مینارے، بڑے بڑے پھاٹک اور داخلہ کے دروازون پر ہاتھیون یا شیرون کی مورتین ہوتین، اگر پتھر آسانی سے مل جاتا تو عمارتون مین پتھر ہی استعمال کیا جاتا، ان عمارتون مین نہرین ہوتین، دروازون پر نقش ونگار بھی ہوتا، کھڑکیان بھی دی جاتین، اور مندرون اور بتون مین عمدہ قسم کی کاریگری کا نمونہ دکھائی دیتا۔

مسلمان ہندوستان آئے، تو انھون نے عمارتون کے بنانے اور شہرون کے آباد کرنے مین ہندوؤن کے فن تعمیرات سے پورا فائدہ اٹھایا، اور ان کو ترقی دے کر اضافہ بھی کیا، انھون نے جہان شہر آباد کئے وہان حسین اور وسیع مسجدین بھی بنوائین، بڑے بڑے پھاٹکون کی تعمیر کرائی، فوارے، گنبد، نئے طرز کی محرابین اور حصار کی ترقی یافتہ شکلین، حصار کی دیوارون مین پہرہ دارون کی برجین، اور جنگ کے موقع کے لئے فصیلین بنا کر شہرون مین امتیازی شان پیدا کی، ان کی بنائی ہوئی عمارتون، مقبرون، مسقف تالابون، حمامون اور باغون سے ہندوستانی شہرون مین ایک خاص رعنائی پیدا ہو گئی، اس زمانہ کے شہر کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ عام طور سے کسی دریا کے ساحل پر آباد ہوتا، جہان اہم تجارتی شاہراہین آکر ملتین، یا بلند مقام پر آباد کیا جاتا تاکہ فوجی مدافعت مین آسانی ہو، شہر کے ارد گرد دیوارین ہوتین جن کے پھاٹکون پر کوتوال کی نگرانی مین دن رات سخت پہرہ رہتا، شہر مین داخل ہوتے ہی کسی اونچی مسجد یا مندر پر نظر پڑتی، شہر کی سب سے بڑی مسجد اندرون شہر مین ایسی جگہ بنائی جاتی جہان آسانی سے لوگ ہر طرف

پہونچ سکیں، اور جمعہ یا عیدین میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں نماز کے لیے جمع ہوں، شہر کے اندر یا اس کے بالکل ہی قریب پانی کا تالاب بھی ہوتا تاکہ محاصرہ یا قحط کے موقع پر پانی کی کوئی دقت نہ ہو، اس قسم کے پانی کا ذخیرہ پہاڑی قلعوں کے لیے خاص طور سے ضروری ہوتا۔ شہر کے اندر دو سڑکیں ہوتیں جو شہر کے بیچ میں آکر ملتیں، اور شہر کے بیرونی دروازہ تک چلی جاتیں، ان سڑکوں کے دونوں کنارے چار بازو دُکھ بازار ہوتا، جہاں دو طرفہ دوکانیں ہوتیں، ان بازوؤں میں تاجر اور اہل فرقہ آباد ہوتے، سلاطین بھی اپنی تفریح کیلئے محلوں کے اندر یا باہر بازار لگواتے، پلوں کی تعمیر سے شہر کے حسن میں اضافہ ہو جاتا۔

شہر محلّوں میں تقسیم ہوتا، جاروب کش، موچی، غربا، مساکین علیحدہ علیحدہ محلّوں میں شہر کے کنارہ آباد ہوتے، ہندو اور مسلمانوں کی آبادی علیحدہ علیحدہ ہوتی، امرا و عوام سے دور آباد ہوتے، تاجروں اور پیشہ وروں کی آبادی الگ ہوتی، لیکن تمام محلّوں کی آبادی میں کسی قسم کی کمی محسوس نہ کی جاتی، وہاں شہر کی راحت و آسائش کے تمام سامان موجود ہوتے۔

شہر کا وہ حصہ بہت ہی شاندار ہوتا جہاں سلطان کے محلات ہوتے، یہاں شاہی محلات کے علاوہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے اصطبل، فوجیوں کی رہائش گاہ، ان کی ورزش کے لئے میدان، بڑے بڑے خوبصورت باغوں، حماموں، مدرسوں اور مقبروں سے اس حصہ کی شان میں اور اضافہ ہو جاتا۔

جب کسی شاہی عمارت کی بنیاد ڈالی جاتی تو اس کے لئے مبارک ساعت مقرر ہوتی، سادات، علما اور صلحا مدعو کئے جاتے، جو سلطان کے ساتھ بنیاد ڈالنے میں اینٹ اور گارے سے ہاتھ بٹاتے، محل کے اندر چور دروازے اور پوشیدہ راہیں بھی ہوتیں تاکہ سلطان

خطرہ کے وقت آسانی سے وہاں سے نکل جائے، محل کی تعمیر کسی ایک مخصوص انداز مین نہ ہوتی، سلاطین اپنی خواہش سے اس کو بناتے، اور اس مین ترمیم و اضافہ کرتے رہتے، . . . .
عام طور سے محل مین گھڑیال ضرور ہوتا، جس سے لوگون کو ٹھیک وقت معلوم ہوتا رہتا، اور ہر سرکاری عمارت مین وقت بتانے کا اہتمام ہوتا، یا تو نوبت بجائی جاتی، یا کوئی صور پھونکا جاتا، رات کے وقت محل کے اردگرد سخت پہرہ ہوتا، رات کی پہلی گھڑی کے بعد کسی کو محل کے احاطہ مین داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، جب تک کہ سلطان کی طرف سے اجازت نہ ہوتی، ایک خاص عہدیدار رات کے سانحے قلمبند کرتا رہتا، جو وہ صبح کو سلطان کی خدمت مین پیش کرتا . . . . . . محل عموماً کسی اونچے مقام پر دریا کے کنارے بنایا جاتا، اس کا عکس دن کو روشنی مین اور رات کو چاندنی مین دریا کے بہتے ہوئے پانی مین پڑتا رہتا، آگرہ، لاہور، دہلی اور مانڈو کے محلات کو دیکھ کر جو اثرات مترتب ہوتے ہین، ان کو الفاظ مین بیان کرنا مشکل ہے، محل کے چارون طرف وسیع احاطے یا باغ ہوتے، لال پتھرون کا استعمال کثرت سے ہوتا، اس کو اتنا چکنا، صاف اور شفاف کر دیا جاتا کہ امیر خسرو کا بیان ہے کہ دہلی کے شاہی محل کی دیوارون کے پتھرون پر آدمی اپنا عکس دیکھ سکتا تھا،
. . . . . محل کے اندر مختلف حصے ہوتے، مثلاً جامہ خانہ (ڈرائنگ روم)، پوشاک خانہ، غسل خانہ، خوابگاہ، اور زنانخانہ وغیرہ، دیوارون پر ریشمی پردے، اور جواہرات سے ٹکے ہوئے مخملین مسہری ہوتے، اندر اسلحہ، زرین ہتیار، آبنوس، نقرئی اور طلائی پچی کاری کے کام، قندیل، شمع دان، قالین، آفتابے، قلمدان، بساط شطرنج، کتابون کی الماریون سے زینت و آرائش کی جاتی، قندیلین رات کو روشن کی جاتین، تو تمام ایوان روشن ہو جاتے شمع دان . . . . . اور ہلکے پھلکے فتیلے کا بھی استعمال تھا، بارنے

آگرا ان چیزون مین کچھ اور اضافہ کیا جن مین چوکنڈی نقش، سنگ مرمر کے حمام، باؤلی اور فوارے وغیرہ قابل ذکر ہین . . . . سلطان محمد تغلق کے عہد تک دہلی ہی مین چار شہر آباد ہوئے پرانا شہر سیری تغلق آباد اور جہان آباد، محمد تغلق نے ان چارون کو ایک حصار کے اندر کر دینا چاہا تھا لیکن کثیر اخراجات کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا،

امراء کی حویلیان غالباً شاہی محلات ہی کی طرز پر بنائی جاتین، لیکن ان کو سلاطین کے مقابلہ مین خطرات کم رہتے، اس لیئے ان کی رہائشگاہ کے بعض حصے نسبتاً بہتر ہوتے، ان کی حویلیون مین بھی وسیع احاطے، حام خانے، حمام، اور کبھی تالاب اور کتب خانے ہوتے، حرم کی بیگمات کے لیئے علیحدہ محل سرا ہوتا، جام خانہ یعنی ڈرائنگ روم مین بڑے خوبصورت اور قیمتی پردے آویزان رہتے، ہندو امراء کے مکانات کی دیوارین منقش ہوتین، اور ان کے لکڑی کے دروازے مرصع اور مزین ہوتے، بنگال مین گھرون مین ایک طرف تالاب، دوسری طرف خانہ باغ، تیسری طرف بانسون کا کنج، اور چوتھی طرف ایک وسیع احاطہ ہوتا، اسی مین گھر طویل اور عریض بنائے جاتے، جن مین خانہ باغ اور کھیتی کے لیئے کچھ زمین بھی ہوتی گجرات کے رہائشی مکانات سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھے کھمبائت بہت ہی اعلیٰ قسم کا شہر تھا۔ یہان ہر گھر مین سبزی، ترکاری اور پھل کے لیئے خانہ باغ تھا، چمپا نیر اور احمد آباد مین بڑے اچھے اچھے مکانات تھے۔ جہان وسیع صحن، تالاب اور شیرین پانی کے کنوئین تھے، یہ سب پتھرون سے تعمیر کیئے جاتے، مارواڑی تاجر غسل کرنے مین بڑا اہتمام کرتے تھے، اس لیئے اپنے گھرون مین باغ کے علاوہ تالاب بھی بناتے۔

فرنیچر | فرنیچر مین پلنگ اور کرسیون کا عام استعمال تھا۔ پلنگ بعض اوقات سوتی اور ریشمی نواڑ سے بنا جاتا تھا۔ بعض پلنگ بہت ہی ہلکے ہوتے جو آسانی سے ادھر ادھر منتقل ہو سکتے تھے، بستر مین دو گدے تکیے، اور چادرین ہوتین، امراء کے یہان ریشمی

چاوین ہوکرتین، دری، دو تکیہ کے لئے سوتی یا کتان کے کپڑے استعمال ہوتے، اور برابر بدلے جاتے، ان تمام چیزون کے لئے چھپر کھٹ کی اصطلاح تھی۔ بعض اوقات پلنگ مین چاندی اور سونے کی میناکاری بھی کر دی جاتی بشمول ہندؤن کے یہان کبھی کبھی گدے کے بجائے ستیل پائی استعمال کی جاتی اور ان کے تکیون مین رائی کا بیج بھرا ہوتا، بنگال کے بعض میرپائی علاقون مین مچھروانی بھی استعمال ہوتی۔

امرا لمبی کرسیان استعمال کرتے، جن کے گدے ریشم کے ہوتے، عام لوگون کے یہان کٹھل کی پیڑھی ڈوریون سے بنی ہوئی ہوتی۔ نرکٹ کے مونڈھون کا بھی رواج تھا۔ غربا تو آہنی تپائی پر اکتفا کر لیتے، لیکن امرا کے یہان گدے ہوتے، عوام طرح طرح کے پنکھے استعمال کرتے، امرا کے یہان مورچھل ہوتا، چاندی اور سونے کے ظروف قبضۂ شمشیر، ترکش، ساتگو مینا وغیرہ کا بھی رواج تھا۔ لیکن فیروزشاہ نے اس کا استعمال شریعت کی رو سے ممنوع قرار دیدیا تھا، پردون، خیمون، اور کرسیون پر آدمیون گھوڑون اور مختلف مناظر کی تصویرین بھی منقش ہوتی تھین، فیروزشاہ نے ان کی بھی ممانعت کر دی تھی، لیکن اس سے اتنا تو ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ امرا کے یہان بستر اور دوسرے قسم کے فرنیچر بہت عمدہ ہوتے تھے، . . . . امرا کی گھریلو راحت و آسایش کے ساز و سامان کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب جونپور کے سلطان حسین کے امرا سلطان سکندر لودی کے ہاتھون گرفتار ہوئے تو ان مین سے ہر ایک کے لئے دو منزلہ خرگاہ، سائبان، ایک معمولی خیمہ، ایک غسل خانہ، دو گھوڑے، دس اونٹ، دس ملازم، ایک پلنگ اور بستر کا سامان کیا گیا تھا، زینت و آرایش مین جنوبی ساحلون کے تاجرون کا ذوق بہت ہی عمدہ

لباس | عام طور سے لباس مین یکرنگی نہ تھی، کاشتکارون اور نیچے طبقہ کے لوگون کے

لباس مین بہت کچھ یکسانیت تھی، وہ کم سے کم کپڑے پہنتے تھے، بادشاہ اور امرا کی پوشاک مین صرف نفاست اور عمدگی کا فرق ہوتا، شروع مین سلاطین دہلی کلاہ یا تاتاری ٹوپی پہنتے، جلال الدین خلجی سر پر پگڑی بھی باندھتا جسم پر موسم کے لحاظ سے ململ یا عمدہ اون کی قبا ہوتی پیشواز یا انگا قبا ہی کی ایک مختلف طرز تھی، موسم سرما مین سلطان قبا کے اوپر دگلہ پہن لیتا جس کے اندر روئی یا کوئی اور چیز بھری ہوتی، پھر فرغل کا بھی رواج ہوگیا . . . . . . کرتہ اور شلوار کا بھی استعمال تھا۔ جوتے خوبصورت اور ہلکے ہوتے شب خوابی کے علیحدہ کپڑے استعمال کئے جاتے، امرا کو جو ارکان سلطنت مین ہوتے، خاص خاص مواقع پر خلعت دیا جاتا، جو کلاہ، کمخواب اور مخمل کی قبا، اور سفید کمربند پر مشتمل ہوتا، وہ عام طور سے تاتاری گھوڑے پر سوار ہوتے، اور ان کے جلو مین آگے، پیچھے کچھ غلام رہتے، گھر مین وہ ہندوانہ وضع کی پگڑی (پاگ) عمدہ سوتی قبا، قمیص اور شلوار پہنتے، ململ یا عمدہ قسم کے تہبند کا بھی استعمال تھا، شب خوابی کا لباس ہر ہفتہ بدل دیا جاتا۔ کم درجہ کے امرا اور دوسرے لوگون کے لباس کا اندازہ اسی قسم کے لباس سے کیا جاسکتا ہے۔

بعض طبقے کا لباس امتیازی ہوتا۔ لشکریون کے لئے کوئی خاص پوشاک نہ تھی، وہ اپنے اسلحہ کی وجہ سے لشکری سمجھے جاتے، شاہی غلام اپنے کمربند، جیب مین رومال، سرخ جوتے اور معمولی کلاہ کی وجہ سے پہچان لئے جاتے، سرکاری عہدیدار ان کی انگلیون مین عموماً چاندی اور سونے کی انگوٹھی ہوتی۔ علمار رنگین یا ریشم مخمل، کمخواب اور پشمینے کے کپڑے نہ پہنتے، وہ عموماً کرتہ اور شلوار استعمال کرتے، ان کا عمامہ سات گز کا ہوتا، جس کا آخری حصہ پیٹھ پر لٹکا رہتا، وہ جوتے اور جرابین ضرور استعمال کرتے، صوفیہ لمبی ٹوپی جو مین کھڑا دن پہنتے، اور جسم پر چادر ڈالے رہتے، وہ علمار کی طرح کبھی اونی قبا بھی پہن لیتے۔

بنگال اور گجرات کے لباس مین تھوڑا بہت فرق تھا۔ مثلاً بنگال کے امرا سفید عمامہ، لمبی قبا، چمڑے کے نوکیلے جوتے، رنگین اور چوڑے نیکے قمیص اور شلوار پہنتے، اور کبھی کبھی انکے سر پر وہ پہل ٹوپی بھی ہوتی۔ گجرات مین امرا عربون کے اثرات کی وجہ سے بھاری عمامے، ڈھیلے شلوار، گھٹنے تک لمبے چمڑے کے جوتے، اور انگوٹھیان استعمال کرتے، امرا کے ملازم ان کے پیچھے خنجر یا دوسرے اسلحہ لئے رہتے۔

ہندوؤن کی پاگ (پگڑی) مسلمانون کے اونچے طبقہ مین قبول کر لی گئی تھی، ہندو امرا مسلمان امرا ہی کی پوشاک زیادہ تر پہنتے وہ خاص خاص زیور بھی پہن لیتے، ان کے کان مین بالے ہوتے، اگر یہ امتیازی چیز نہ ہوتی تو ہندو اور مسلمان امرا مین تمیز کرنا مشکل ہو جاتا۔ البتہ برہمنون اور جوگیون کی پوشاک خاص ہوتی، وہ اپنی پیشانی پر تلک لگائے رہتے، اور ان کی دھوتی کا کنارہ زرین ہوتا۔ وہ ہاتھ مین بیساکھی رکھتے، اور جڑاؤ کھڑاون پہنکر شہر مین گھومتے اور سب کو دعائین دیتے پھرتے، . . . . عام ہندو ننگے سر اور ننگے پاؤن رہتے، دھوتی معزز پوشاک تھی، گجرات مین کچھ لوگ سر پر سرخ رومال بھی باندھتے، گجرات کے بنیئے لمبے ریشمی یا سوتی کرتے، اس کے اوپر ریشم یا کمخواب کی صدری اور نوکیلے جوتے پہنتے، یہان کے برہمن دھوتی صرف کمر تک باندھتے، کمر کے اوپر ان کا جسم برہنہ ہوتا جس مین وہ جنیو ڈالے رہتے، ہندو عورتون کا لباس دو قسم کا ہوتا، ایک مین عمدہ ململ کی چادر ہوتی (جو موجودہ ساری سے مختلف ہوتی) اس کے ساتھ چھوٹی آستین کا چولہ پیٹھ کی طرف سے کمر تک پھیلا ہوتا، جوان اور شادی شدہ عورتین انگیا بھی استعمال کرتین، اس لباس سے بازو کھلا اور سر بہت تھوڑا ڈھکا رہتا، دوسرے قسم کے لباس مین لہنگا، چولہ، انگیا اور دوپٹہ ہوتا۔ جس سے سر ڈھکا رہتا، گجرات کی عورتون کی جوتیان

زری کی ہوتین۔ دوسرے صوبون کے لباس کے متعلق معلومات حاصل نہ ہوسکے لیکن خیال ہے کہ عورتین مردون سے زیادہ جوتیان استعمال کرتین اونچے طبقہ کی مسلمان عورتون کی پوشاک مین شلوار کرتہ، دوپٹہ، برقعہ یا چادر ہوتی، . . . .

سنگار | ہندو غسل کے وقت جسم مین تیل ملتے، اور سر کو مٹی سے دھوتے، وہ بہتے ہوئے پانی مین نہانا زیادہ پسند کرتے، نہانے کے بعد بدن اور بال مین خوشبو لگاتے، صابن کے بجائے زنگی ہڑ استعمال کرتے، عورت اور مرد دونون مشک اور صندل پسند کرتے، عورتون کو زیادہ ترکمکم اگر اور مختلف قسم کے خوشبو دار تیل مرغوب تھے گجرات مین سفید صندل، زعفران اور دوسری خوشبوؤن کا استعمال تھا، جنوب مین سفید صندل، عود، کافور، مشک اور زعفران کو ملاکر عجیب وغریب خوشبودار مسالے تیار کئے جاتے، عود تو گھرون مین ہر اجتماع کے موقع پر جلایا جاتا۔ کوئی شخص کسی سے ملنے جاتا تو اس کی پیشانی پر تلک اور اس کے بالون مین پھول یا عطر لگایا جاتا اور پھر پان پیش ہوتا، . . . . عورتین بال کو سنوارنے مین کافی وقت صرف کرتین، وہ آنکھون مین کاجل یا سرمہ لگاتین، بال گوندھنے مین سیندور سینگ کے لئے مشک، لبون کی سرخی کے لئے پان، دانتون کے لئے مسی، ابروؤن کے لئے سیاہ مسالے استعمال کرتین، ہندی کا استعمال بھی عام تھا، جنوب کی عورتین لمبے نقلی بال بھی لگاتین، شمال مین عورت اور مرد دونون لمبے لمبے بال رکھتے،

. . . . . . راجپوت لشکری اپنی کڑی کڑی مونچھون اور کان کے بالے کی وجہ سے پہچانا جاتا۔ گجرات کے بنیے بھی جڑاؤ بالے پہنتے، ان کی انگلیون مین انگوٹھیان بھی ہوتین، اور پوشاک کے اوپر سنہرا پٹکا بھی ہوتا۔ لیکن اور مردون کے زیورات انکی تلوارین، خنجر اور اسلحے ہوتے، عورتین جسم کے ہر حصہ اور ہر عضو کے مین زیور استعمال

کرتین، زیور پہننا ان کی اب بھی سب سے بڑی کمزوری ہے،........ ابوالفضل نے عورتون اور مردون کی سنگار، اور زیورات کی جو تفصیل لکھی ہے، اس سے اس عہد کی زینت و آرایش کا بھی اندازہ ہو گا، عام طور سے ایک معزز عورت کی زینت کے لئے حسب ذیل چیزین ضروری تھین غسل کرنا، تیل ملنا، چوٹی گوندھنا، پیشانی پر کوئی زیور لٹکانا، چندن کا لیپ، کرنا، لباس پہننا، قشقہ لگانا، سرمہ استعمال کرنا، بندے پہننا، ناک مین سونے کی کیل ڈالنا، گلے مین زیور، پھول یا موتی کا مالا پہننا، ہاتھون مین مہندی ملنا، گھنگرو دار کمر زیب پہننا، پاؤن مین سونے کا کوئی زیور استعمال کرنا، پان کھانا وغیرہ اور پھر ناز و ادا کا اظہار کرنا، مرد اپنے سنگار کے لئے داڑھی کو درست کرتا، بدن دھوتا، تلک لگاتا، خوشبودار تیل ملتا، کان مین سنہرا بالا پہنتا، جامہ پہنتا، مکٹ یعنی زرین دستار باندھتا، تلوار ہاتھ مین رکھتا، جمدھر کمر سے باندھتا، انگشتری پہنتا، گلوری چباتا، موزہ اور جوتے پہنتا۔

غذا | طرح طرح کے کھانے پکانے مین بڑی احتیاط کی جاتی........ امرا خصوصاً اور عام لوگ عموماً بڑی مہمان نوازی کا ثبوت دیتے، سلطان بلبن کا میر عرض عماد الملک اپنے ماتحتون اور ملازمون کو روزانہ دوپہر کو کھانا کھلاتا۔ اور پچاس طشت پر بہترین کھانے آتے، شاہی باورچی خانہ مین بہت بڑی مقدار مین لوگون کے لئے کھانے پکتے، جو دو قسم کے ہوتے خاص اور عام، خاص قسم کا کھانا سلطان اور اس کے ساتھ کھانے والون کے لئے اور عام قسم کا کھانا علماء، فضلا شاہی خاندان کے افراد اور امرا کے لئے ہوتا، خوشبودار کھانے زیادہ پسند کئے جاتے، مسالے اور گھی کا استعمال بہت زیادہ تھا، اچار اور چٹخارے دار چیزین بھی مرغوب تھین، میٹھی چیزون مین حلوے اور میٹھے سنبوسے ہوتے، شربت اور خشک میوون کا بھی استعمال تھا۔ تازہ پانی کٹورہ مین

پیا جاتا، برف کا ٹھنڈا پانی سلطان کو بھی مشکل سے ملتا، کھانے کے بعد پان اور چھالیا تقسیم کی جاتی تھین اجو بعض اوقات معطر ہوتین، دولتمندون کے یہان تین بار کھانا پینا ہوتا۔ صبح کو ناشتہ، اور پھر شام کو کھانا ہوتا، شام کا کھانا شام کے بعد ہی کھالیا جاتا۔ ہندو صبح کو ناشتہ مین کھچڑی اور دال، مسلمان روٹی اور کباب کھاتے، عام طور سے مسلمانون کی غذا مین گیہون کی روٹی اور چوپائے کا گوشت ہوتا۔ ہندو سبزی اور ترکاری ہی کو پسند کرتے۔

امرا کے یہان دعوتون مین انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ایک ایک مہمان کے سامنے بیس تیس قسم کے کھانے رکھے جاتے، اس کو بے جا اسراف کہا جاسکتا ہے، لیکن اسی طرح امرا اپنی مہمان نوازی کا ثبوت دیتے تھے، اور پھر جو کھانے بچ جاتے وہ ملازمون مسکینون اور فقیرون مین تقسیم کر دئے جاتے، اس طرح اسراف نہ ہوتا۔ اس زمانے مین باورچیون کی دوکانین بہت ہوا کرتی تھین جن مین پکے پکائے کھانے اور کھانے پکانے کی اشیا مناسب قیمتون پر ملا کرتی تھین، ایسی دوکانون سے صرف مسلمان چیزین خریدتے، ہندو ان دکانون مین کھانا پسند نہ کرتے، ان کے کھانے پینے کا معیار بالکل علیحدہ تھا مسلمان سور کا گوشت یا خام گوشت، یا غیر ذبیحہ کا گوشت نہ کھاتے ان کے علاوہ ان کو ہر جگہ کھانے پینے مین کوئی پرہیز نہ تھا۔ لیکن ہندو کھانے پینے مین اپنے اصولون کے پابند تھے، ان کے لئے کھانے سے پہلے کھانا پکانے کے لئے چوکا لگانا ضروری تھا۔ ان کا تصور تھا کہ کھاتے وقت کسی کی نظر نہ پڑے، ورنہ خیالات سے پاکیزگی جاتی رہتی ہے، وہ اپنے چوکے گوبر اور مٹی سے ضرور لیپتے کپڑے اتار کر صرف دھوتی پہن کر کھانا کھاتے، برہمن اپنا کھانا خود پکاتا یا اس کی بیوی پکاتی، اور وہ کھانا لوگون کی نگاہون سے بچ کر کھاتا۔ راجپوتون کے یہان دونا بھیجنے کی رسم تھی، یعنی کوئی راجہ یا سردار کسی سے خوش ہوتا یا اس کی عزت بڑھانا چاہتا تو وہ اسکے

پاس طرح طرح کے کھانے بھیجتا، اسی کو دونا کہا جاتا۔ میواڑ مین کسی کے پاس دونا پہونچتا تو سمجھا جاتا کہ وہ راجہ کی نسل اور خون سے ہے۔ . . . . . .

جشن | معاشرتی اجتماع اور تقریبات کے موقع پر جشن بہت دھوم سے منایا جاتا۔ جس مین موسیقی، باجے، مینا، ساغر، میوزن، اور گھریلو تفریحی کھیلون کا مظاہرہ ہوا کرتا تھا۔ کمرے قالین بچھا کر آراستہ کئے جاتے، عود اور دوسری خوشبودار چیزین جلائی جاتین، اور عرق گلاب کا چھڑکاؤ برابر ہوتا رہتا، سونے اور چاندی کے طشت پر پھل تقسیم کئے جاتے ضیافت کی انتہا یہ تھی کہ شیشہ و ساغر کا دور بھی چلتا، خوبرو ساقی شیشہ و ساغر لے کر شراب و کباب کا دور چلاتے . . . . . . غروب آفتاب کے بعد رقص و سرود کی مجلس بھی گرم ہوتی، ارباب نشاط جب کیف و سرور کو انتہا تک پہونچا دیتے، تو ان پر سونے چاندی کی بارش ہونے لگتی، مجلس فجر تک جاری رہتی، اسی قسم کا جشن سرکاری طور پر بھی منایا جاتا۔ خاص خاص تہوارون مین بھی یہ جشن ہوتا۔ یا جب سفرا یا معزز مہمان باہر سے آتے تو ان کی ضیافت کے لئے جشن کا انعقاد کیا جاتا، شاہی جشن کے موقع پر حسین رقاصون، مشک آگین شراب، بلورین ساغر، اور مرصع قالینون اور دوسرے قسم کی زینت و آرائش کا ذکر بکثرت آتا ہے ایسے موقع پر شعرا اپنی قصیدہ خوانی اور اہل دربار اپنی بذلہ سنجی سے مجلس کو پُر کیف بناتے، نجی تفریحی مجلسون مین سلطان شریک ہوتا تو اس کی یہ شرکت دربار کے روایتی مراسم سے علیحدہ ہوتی، یعنی وہ اپنی شاہانہ تمکنت اور وقار کا زیادہ خیال نہ رکھتا، اہل دربار اور مہمان بھی اپنے اپنے بھاری لبادے اُتار کر بے تکلف ہو جاتے، اور ہر قسم کی گفتگو کرنے کی آزادی ہوتی، خاص خاص تقریبات کے سلسلہ مین سلطان بڑے وسیع پیمانے پر جشن مناتا مثلاً تاجپوشی کے موقع پر ضیافت، نذرانون اور تحفون کی تقسیم کی کوئی حد نہ ہوتی تمام ارکان

سلطنت اور اکابر مدعو کئے جاتے، اور عام لوگون کو بھی سلطان کی مسرتون مین شرکت کرنے کا موقع دیا جاتا۔ . . . .

ہندوؤن کے تہوار، ہندوؤن کے خاص اور پسندیدہ تہوارون مین بسنت پنچمی ہولی، دیوالی اور شیوراتری وغیرہ تھے۔ بہار کی آمد پر بسنت ماگھ کے مہینہ مین منائی جاتی، اس طرح کہ لوگ گیت راگ گاتے، طرح طرح کے مقامی ناچ ناچتے۔ اور بسنتی رنگ چھڑکتے، ہولی کا تہوار شدرون مین زیادہ مقبول تھا، اس موقع پر بھی گیت گائے جاتے، لکڑی کے تودے مین آگ لگائی جاتی، اور گلال چھڑکا جاتا۔ یہ تہوار پھاگن کے مہینہ مین ہوتا۔ ماگھ کی انتیسوین تاریخ کی راتکو شیوراتری منائی جاتی جب کہ ہندوون کا مذہبی طبقہ رات بھر جاگتا، اور عبادت کرتا۔ کاتک کی پچیسوین تاریخ کو دیوالی ہوتی، بسنت پنچمی مین مہادیو کی پوجا کی جاتی، اس موقع پر عبیر اور سرخ رنگ کا اتنا استعمال ہوتا کہ بقول محمد جائسی زمین سے آسمان تک فضا سرخ ہوجاتی نوجوان عورتین پھل اور پھول لے جاکر شیوجی کو بھینٹ چڑھاتین اور شیوجی کی مورتی کو صندل اور عود سے دھوکر دل کی مرادون کے برآنے کی دعائین مانگتین، شیوراتری مین عوام آتشبازی چھوڑتے، اور مذہبی لوگ شب بیداری کرتے، اگنی کی پوجا کرکے روشنی اور اگنی کے ارد گرد گھومتے، ہولی مین تین دن تک لوگ زعفران اور سرخ رنگ مین رنگے ہوتے تیسرے دن آگ جلاتے، اور آیندہ فصل کے لیے شگون حاصل کرتے۔

سب سے خوشگوار اور مسرت آمیز تہوار دیوالی تھا۔ جب کہ ہر طرف روشنی دکھائی دیتی، اس تہوار مین خیال کیا جاتا کہ اس روز پاک روحین اپنے دنیاوی گھرون کو لوٹتی ہین اور زمین پر رہنے والے فانی لوگون سے ملتی ہین، اسی لئے گھر والے روشنی جلاکر ان کا خیر مقدم کرتے ہین، روشنی گھر کے اندر باہر مندر اور عام عمارتون مین اس طرح جلائی جاتی ہے کہ

ہر طرف روشنی کی جگمگاہٹ ہی نظر آتی ہے ، ویشیون ، مہاجنون اور تاجرون مین یہ تہوار بہت مقبول ہے ، ہر شخص اپنی خوش قسمتی کی دعا مین مانگتا رہتا ہے ، اس لئے قسمت آزمائی کی خاطر عام طور سے جوا کھیلا جاتا ہے ۔

دسہرہ ، چھتریون اور کاشتکارون مین مقبول تھا ، اس مین درگا کے ساتھ تجارت اور پیشہ کے اوزار کی بھی پوجا ہوتی ، راجپوت اپنے گھوڑون کو جو کے خوشون سے سجاتے ، کاشتکار اور اہل حرفت اپنے اپنے اوزار کی پوجا کرتے ۔

ساون مین پورن ماشی منائی جاتی ، جب کہ چاند پورا ہوتا ۔ یہ برہمنون کا خاص تہوار تھا ، راکھی مین نوجوان عورتین نوجوان مردون کی کلائیون پر ریشمی ڈورے محبت اور خوش قسمتی کے اظہار کے لئے باندھتین ، رام کرشن ، پارس رام اور نرسنگھ کے جنم کے موقع پر بھی تہوار ہوتے اس عہد مین تمام دیوتاؤن مین سب سے زیادہ مقبول کرشن تھے ۔ پوری مین سال مین کئی بار جگناتھ کا رتھ بڑے دھوم دھام اور تزک واحتشام سے نکالا جاتا تھا ، کرشن کی مورتی کی پوجا اسی طرح ہوتی تھی ، جیسے کسی زندہ دیوتا کی ہوتی ہو ، عام طور سے لوگ اپنے پاکیزہ جذبات کی تصویر کرشن کی زندگی ہی مین دیکھتے ، برج مین کرشن پیدا ہوئے ، وہان گوپیون کے ساتھ کھیلے ، اس لئے اس جگہ کی زندگی کے ہر واقعہ پر تہوار بڑی عقیدت و محبت سے منایا جاتا تھا ۔

مذہبی جاترے بھی عام تھے ، رشیون کی سمادھیون اور مقدس شہرون مین جاترون کی آمد و رفت برابر جاری رہی ، دریاؤن مین سب سے مقبول عام جاترہ گنگا کا تھا ، جو قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو ہوتا ۔ جاتری ایک جماعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ، تاکہ راستے کے خطرات سے محفوظ رہین اور اپنے ساتھ کھانے پینے کا زیادہ سے

زیادہ سے سامان لے جاتے تاکہ لمبے سفر مین کمی نہ ہو، اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گو اس وقت راستے دشوار گذار تھے، سفر کی آسانیان نہ تھین لیکن یہ جاترے خوشگوار ہوتے تھے،

مسلمانون کے تہوار، مسلمانون کے یہان کوئی تہوار نہ تھا، ان کے یہان اجتماع یا تو حج کے موقع پر یا عیدین مین ہوتا، لیکن ان مذہبی اجتماعات مین معاشرتی فضا نہ پیدا ہوتی، ہندوستان کے ماحول مین عیدین کے اجتماع کے موقع پر معاشرتی تہوار کا رنگ بھی پیدا ہوتا گیا، اور پھر خاص خاص تہوار بھی منائے جاتے لگے۔ مثلاً موسم بہار مین نوروز کا جشن باغون دریاؤن کے کنارے، یا پارکون مین منایا جاتا جب کہ موسیقی اور پھولون کی فراوانی ہوتی، یہ تہوار اوپر کے طبقہ اور سلاطین کے مقربین مین زیادہ محدود رہا، اب یہ نہین منایا جاتا ہے۔ چودہوین شعبان کو شب برات تہوار کی صورت مین غالباً شیورات کی نقل مین تبدیل ہو گئی تھی۔ اس رات کو مذہبی مسلمان نمازین پڑھتے۔ اور کلام پاک کی تلاوت کرتے، عام مسلمان آتشبازی چھوڑتے، اور گھرون اور مسجدون کو روشنی سے روشن رکھتے۔ یہ تہوار مقبول ہوتا گیا تو اس کو سلاطین بھی دھوم دھام سے منانے لگے، فیروز شاہ تغلق یہ تہوار چار روز تک مناتا۔ اس کے لئے آتشبازی اور پٹاخون کے چار بڑے بڑے ڈھیر لگائے جاتے۔ جن مین سے وہ ایک اپنے بھائی باربک کو دوسرا ملک علی کو اور تیسرا ملک یعقوب کو دیتا تیس گدھون پر صرف پٹاخے لدے رہتے۔ تیرہوین چودہوین اور پندرہوین شعبان کو آتشبازی چھوڑی جاتی اور جب ہندو مسلم عوام اس کو دیکھنے کے لیے جمع ہوتے، تو چار بڑے بڑے طشت مین آتشبازیان عام لوگون مین تقسیم کی جاتین۔ تقسیم کرتے وقت باجے ڈھول بھی بجائے جاتے، پندرہوین شعبان کو تحفے بھی تمام گھرون مین بھیجے جاتے۔

محرم سادہ طریقہ پر منایا جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور نے تعزیہ داری شروع کی، لیکن

یہ بتانا مشکل ہے کہ محرم جس دھوم دھام سے اب منایا جاتا ہے، وہ کب سے شروع ہوا، سلاطین دہلی کے زمانے مین تو محرم صرف اس حد تک منایا جاتا کہ مجلسون مین شہدا ے کربلا کے واقعات بیان کیے جاتے اور پھر ان کے لیے فاتحہ خوانی ہوتی۔

صوفیہ[1] کے مزارون پر میلے بھی لگتے، بہرائچ کے مسعود سالار غازی کے مزار کا میلہ بہت مقبول تھا۔ بعض مشایخ کے عرس کے موقع پر بھی اجتماع ہوتا، لیکن اس مین زیادہ تر صوفیہ ہی جمع ہوتے، زیادہ بھیڑ نہ ہوتی، مزارون کی زیارت لوگ برابر کرتے رہتے، سلطان فیروز شاہ تغلق کو قانوناً مزارون پر عورتون کا جانا بند کرنا پڑا، سندھ مین مکلی پہاڑ پر ایک مشہور بزرگ کا مزار تھا۔ وہان قمری مہینہ کے پہلے جمعہ مین عورت مرد بڑی تعداد مین جمع ہوتے، سندھ ہی مین ایک اور مزار تھا جہان قمری مہینہ کے پہلے دوشنبہ مین لوگ جمع ہوا کرتے تھے، اسی طرح کی تقریباً ایک درجن زیارت گاہین تھین، جہان اس کثرت سے لوگ جمع ہوتے کہ تل رکھنے کی جگہ نہ ہوتی، عام طور سے لوگ دن بھر تفریح کرتے اور شام کو لوٹتے،

---

[1] مسلمانون مین بسنت کا میلہ بھی منایا جاتا۔ اور اس کی ابتدا امیر خسرو کی طرف منسوب کی جاتی ہے، لیکن تاریخون اور تذکرون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ اس کی ابتدا کس طرح سے ہوئی، اس کی نسبت خواجہ حسن نظامی نے غالباً زبانی خاندانی روایت کی بنیاد پر سب سے پہلے پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۰۴ء مین ایک مضمون لکھا تھا۔ اس کا اقتباس ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔

ساتوین صدی کے اختتام پر حضرت سلطان المشایخ یعنی خواجہ نظام الدین اولیا کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین نوح نے عین عنفوان جوانی مین اس دار ناپائدار سے انتقال فرمایا، حضرت سلطان المشایخ کو اپنے اس لائق ہونہار اور سعید بھانجے سے

جب کوئی سرکاری یا شاہانہ تقریب منائی جاتی تو اس کو دیکھنے کے لیئے ہر طبقہ کے لوگ جمع ہوتے، مثلاً سلطان کوئی اہم کارنامہ انجام دے کر دارالسلطنت واپس ہوتا، یا فتح و کامرانی کا جشن منایا جاتا۔ یا شہزادہ یا شہزادی کی شادی یا سلطان کے ولی عہد کی پیدایش کی تقریب ہوتی تو کسی بڑے میدان مین محراب دار خیمہ و خرگاہ لگایا جاتا، اسکو سنہرے کپڑون اور زرین پردون سے مرصع کیا جاتا۔ زمین پر قالین بچھایا جاتا، محرابون مین شہنائی بجتی رہتی، روشنی کی خاطر قندیلین آویزان رہتین ارباب نشاط رقص و سرود مین مشغول ہوتے شربت اور پانی ہر کس و ناکس کو دیا جاتا، ہندوؤن کے یہان اس قسم کی تقریبین ہوتین تو محرابون کی زینت و آرایش مین گلدستے درخت کی خوبصورت شاخین اور آم کے پتے بھی ہوتے اور جب کوئی معزز مہمان داخل ہوتا تو شہنائی اور باجے کی آواز سے اس کا خیر مقدم کیا جاتا، اس قسم کی تقریبون مین پہلوان، نٹ اور دوسرے بازیگر جمع ہوکر لوگون کی تفریح اور اپنی روزی کا بھی سامان کرتے۔ . . . .

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۸) بہت الفت تھی، ان کو ایسا صدمہ ہوا کہ عالم سکوت طاری ہوگیا، یہان تک کہ چھ ماہ تک تبسم نہین فرمایا، حضرت کے یاران اور مریدان جان نثار کے علاوہ تمام دہلی مین ان صاجزادے کے انتقال سے کہرام تھا، خصوصاً حضرت امیر خسرو کو علاوہ اپنے رنج و صدمے کے حضرت سلطان المشایخ کے اس صدمے اور سکوت کی وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی فکر مین رہتے تھے کہ کوئی سامان حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا کیا جاوے ایک دن وہ اپنے دوستون کے ساتھ جنگل کی سیر کرتے پھرتے تھے، بہار کے خوش نما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے ہرے کھیتون مین سرسون کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے، سامنے پہاڑی پر کالکا جی کا مندر تھا بسنت پنچمی کا

کارِ خیر! خیرات و میرات کی انفرادی مثالین بہت ملتی ہین مثلاً ایک امیر خواص خان روزانہ صبح کو نکل جاتا، اس کے ساتھ مٹھائیان اور چاول ہوتے، راستے مین جو فقیر بھی سویا رہتا اس کو وہ اٹھاتا، مٹھائی اور چاول دے کر اس کو ایک نقرئی سکہ بھی دیتا، اسی طرح اسد خان ایک دوسرا امیر تھا، جو نہ صرف مساکین اور فقرا مین مٹھائی اور چاول تقسیم کرتا بلکہ اس کے ساتھ اچارون اور مربون کی مختلف قسمون اور دوسری لذیذ چیزون کے علاوہ پان بھی ہوتا، اور نقرئی سکہ کے بجائے طلائی سکہ دیتا، بلبن کے عہد کا ایک قوال ہر سال، ایک ہزار کنواری لڑکیون کے لئے جہیز کا سامان کرتا، وہ پلنگ کی دری اور چادر پر ایک روز سے زیادہ نہ سوتا۔ اور جو ایک پوشاک ایک بار پہن لیتا، دوسری بار استعمال نہ کرتا۔ اور یہ سب چیزین غریبون مین تقسیم کر دی جاتین، ہندو بھی بکثرت دان کرتے، مہمان نوازی ہندو اور مسلمان امرا کے یہان یکسان طور پر ہوتی، سرکاری

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۹) دن تھا، مندر پر میلہ لگا ہوا تھا۔ اور مورت پر سرسون کے پھولون کا مینہ برس رہا تھا۔ اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے جب امیر خسرو نے یہ حال دیکھا اس خوشنما سین کا ان کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا، اسی وقت فارسی اور ہندی کے چند شعر موزون کئے، جنگل سے سرسون کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا کج کر کے اس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی، اس ہیئت سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت مین حاضر ہوتے، حضرت سلطان المشائخ اس دن حسب دستور مرحوم خواہرزادہ کے مزار پر تشریف لائے تھے، اور قریب ہی ایک برج مین رونق افروز تھے، آپ امیر خسرو کی یہ مستانہ ادا دیکھ کر اور فارسی اور ہندی کے اشعار اس رنگ مین سن کر بہت محظوظ ہوئے اور کامل چھ مہینے کے بعد تبسم فرمایا۔ اس دن سے

مہمانون کے لئے حکومت کی طرف سے ضیافت ہوتی، ابن بطوطہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ جب کوئی سرکاری مہمان سلطنت کے دائرہ مین داخل ہوتا تو کوئی معزز عہدیدار اس کی پذیرائی کے لئے جاتا۔ اور جب وہ دہلی کی طرف روانہ ہوتا، تو اس کے ساتھ باورچی اور ملازم کر دیئے جاتے، تاکہ اس کو راستے مین کوئی تکلیف نہ ہو، ہر منزل پر اس کو بہترین کھانے، پھل اور مشروبات دیئے جاتے، مہمان نوازی مین کوئی کوتاہی نہ کی جاتی، اور جب وہ دارالسلطنت پہونچ جاتا تو اس کو ایک تھیلی پیش کی جاتی اور اس کے ملازم اور ہمراہیون کی فہرست اس سے لے لینے کے بعد ان کو حسب مراتب جگہ دی جاتی اور انعامات سے سرفراز کیا جاتا۔ اور پھر اس معزز مہمان کے لئے روزانہ مصرف کے لئے بکرے کا گوشت، شکر، گھی، پان اور دوسری ضروری اشیاء باضابطہ مقرر کر دی جاتین،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۰) آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکاجی کے مندر پر جاتے ہین تو دہلی اور قرب وجوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالون کو لے کر سرسون کے پھول ہاتھ مین لئے اشعار پڑھواتے ہوئے اول اس مقام پر جاتے ہین جہان حضرت سلطان المشائخ اس دن تشریف رکھتے تھے، ...... اس کے بعد خواہرزادہ مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوے حضرت کے روضہ اقدس پر آتے ہین، کسی قدیم کتاب مین اشعار درج نہین ہین، صرف ایک شعر فارسی اور چند ٹھمریان ہندی کی قوالون کی زبان پر باقی رہ گئی ہین، وہ شعر یہ ہے،

اشک ریز آمدست ابر بہار   ساقیا گل بریز و بادہ بیار

قوال ہندی کی ٹھمریون کو پڑھ پڑھ کر اسی شعر کو بار بار دہراتے ہین، ہندی مین

عرب یار توری بسنت منائی۔

اور اس کے ساتھ بہت ہی فیاضانہ سلوک ہوتا رہتا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۱) بہت موثر ہے، اصل واقعہ یہ ہے لیکن دہلی مین پندرہ دن مختلف دَرگاہون پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم دھام اور ناچ رنگ کے جلسون سے ہوتے ہین جن مین ہزارون روپیے صرف ہو جاتے ہین، آگرہ مین بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان سلیبن لے لے کر جنگلون مین بسنت مناتے اور حلوا پوری اڑاتے ہین، اور گھرون مین عورتین بھی بسنتی کپڑے پہن کر کڑاہیان چڑھا کر پکوان کرتی ہین اور مل مل کر بسنت کے گیت گاتی ہین اور شمالی ہند کے اکثر شہرون اور قصبون کے مسلمانون مین کم وبیش بسنت کی رسمین جاری ہین۔

اکیسوین جھلک

تعمیرات

از پروفیسر اس کے بنرجی لکھنؤ یونیورسٹی[1]

ہندوستان مین جو پٹھان فن تعمیرات کہلاتا ہے۔ وہ بڑا ہی دل آویز ہے، محمد غوری نے ۱۱۹۱ء مین دہلی مین پہلا قدم رکھا۔ اس وقت سے برابر مسلمانون نے ہندوستانی فن تعمیرات کو فروغ دینے مین نمایان حصہ لیا۔ محمد غوری اور اس کے جانشینون مین قطب الدین ایبک، اور شمس الدین التمش نے ہندی تعمیرات مین کیا کیا تبدیلیان کین، ان کو واضح کرنے کے لئے پہلے ہم محمود غزنوی کے حملون کے زمانے کے فن تعمیرات کی خصوصیات کا جایزہ لیتے ہین۔

. . . . محمود کے حملون کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بیرونی حملہ آورُن کی نظرون مین ہندوستانی فن تعمیرات کی عظمت قائم ہوئی، البیرونی جو محمود کے ساتھ ہندوستان آیا متھرا کی عمارتون کا ذکر بڑی مدح وستایش کے ساتھ کرتا ہے، وہ لکھتا ہے، کہ جب ہمارے ہم قوم ان عمارتون کو دیکھتے ہین تو حیرت کرتے ہین، اور انکو بیان کرنے سے قاصر رہتے ہین، فرشتہ نے بھی اسی قسم کی تعریف کی ہے، ان مین سے بعض عمارتین ایک لاکھ دینار مین دو سو برس کی مدت مین تعمیر ہوئی مین اب وہ باقی نہین رہ گئی ہین اسلئے انکی خوبی کا صحیح اندازہ نہین لگایا جا سکتا،

---

[1] یہ اقتباسات پروفیسر اس۔ کے۔ بنرجی لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک مقالہ سے لے گئے ہین جو جولائی ۱۹۴۶ء کے اسلامک کلچر حیدرآباد (دکن) مین شایع ہوا تھا۔

قدیم مندر اور محلات جو ملک میں ادھر ادھر یا تو اصلی صورت میں یا کھنڈرات کی شکل میں باقی رہ گئے ہیں ان کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ کی تعمیرات کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ دیوارون کو بہت مزین اور مرصع کیا جاتا تھا۔ بعض عمارتیں بڑی لمبی چوڑی ہوا کرتی تھیں جیسا کہ جنوب میں رامیشورم، تنجور، ترچناپلی، مدورا اور چھید برم میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی زینت و آرائش اتنی زیادہ ہے کہ بیرونی دیوارون پر بھی نقش و نگار، جانور، چکر، گلاب کے پھول کی تصویرین، لہردار پیچ و خم، اور دوسری دوسری شکلیں ہیں۔ ان ہی باتون سے مورخین اندازہ لگاتے ہیں کہ اس زمانہ کے لوگ متمول تھے، اور ان کا تمدنی معیار اونچا تھا۔

محمد غوری نے دہلی پر قبضہ کیا۔ اور اس کا میل جول ایسے لوگون سے بڑھا جن کا فن تعمیرات کا تخیل بلند تھا۔ تو اس نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس کو اس ملک کے لوگون کی نظرون میں بھی اپنے کو بلند کرنا ہے تو اس کی تعمیرات میں یہان کی پرانی شان ہونی چاہیئے۔ بلکہ اس سے کچھ بڑھ چڑھ کر ہو تو اور زیادہ بہتر ہے۔ اسی لیئے اس نے اور اس کے فوجی سردار قطب الدین ایبک نے مسجد قوت[1] الاسلام اور قطب مینار کا نقشہ تیار کیا، اور جب یہ تعمیر ختم ہوئی تو بلا شبہہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونون عمارتیں بلند تخیل کے ساتھ بہت عمدہ طریقہ پر پایہ تکمیل کو پہونچیں، مسلمان علماء تو عمارتون میں سادگی کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ لیکن ان دونون عمارتون میں

---

[1] یہ مسجد وہ ہے جس کا ایک مینار قطب صاحب کی لاٹھ مشہور ہے، اس کے ایک ایک پتھر پر وہ نبت کاری، اور گل کاری ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اس کی بنا ۵۸۷ھ میں سلطان معزالدین محمد بن سام نے رکھی تھی۔ کئی بادشاہون کے وقت میں یہ مسجد بنتی رہی۔ پھر بھی ناتمام رہی، قطب صاحب کی لاٹھ حقیقت میں مسجد قوت الاسلام (یا قبۃ الاسلام) کا مینار ہے، اس کو سلطان شمس الدین التتمش نے بنایا

ظاہری نمائش کی بہت سی چیزین ہین، اور نمائش کی اتنی فراوانی محمد غوری اور قطب الدین ایبک کی عمارتون کے علاوہ دُنیا کے اور ملکون کی تعمیرات مین نہین پائی جاتی۔

محمد غوری اور قطب الدین ایبک نے عمارتون مین سادگی ترک کردی تو اس مین ان کی دور اندیشی اور تدبر کو بھی دخل تھا، ہندوون کے بڑے بڑے ٹھاکر دوارون مین بیس بیس مندر ہوا کرتے تھے، جن کی تعمیر مین چار چار لاکھ روپیے خرچ ہوتے تھے، .... مسلمان سلاطین کو ہندوون کے جذبات کو سامنے رکھ کر عمارتین ایسی بنانی پڑین جو اگر بہتر نہ ہون تو کمتر بھی نہ ہون، اسی لئے جامع مسجد اتنی بلند بنائی جانے لگی کہ اس کی اونچائی ۵۵ فٹ رکھی گئی، اور اس کا مینارہ قطب مینار کی شکل مین اب بھی نظر آتا ہے، دونون دنیا کی عجیب وغریب عمارتین ہین، مسجد کی دیوارون کی منبت کاری اور قطب مینار کا خوبصورت نشیب دونون کی تعریف کیجاتی ہے، ان عمارتون کا اثر ہندوون پر خاطر خواہ پڑا، اور انھون نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۴) پہلے اس لاٹھ کے ہر ہر درجہ پر کٹہرہ کی جگہ کنگورے بنے ہوتے تھے، جو اس طرح کی عمارت کے لئے بہت ہی موزون تھے، یہ منارہ ہفت منظری تھا یعنی سات کھنڈ کا تھا، لیکن اب پانچ باقی ہین انگریزون کی عملداری سے پہلے دو کھنڈ اس کے تو بالکل ٹوٹ گئے تھے، اور تیسرے مین بھی جواب سب کے اوپر ہے قلم کی تراش کے طور پر شکست اگئی تھی، انگریزون نے اس کی مرمت کی، اور جس قدر اس لاٹھ کا چھٹا کھنڈ تھا اتنی بلند سنگین آٹھ دری برجی بنا کر لگائی کہ وہ چھٹا کھنڈ ہوا اور اس کے اوپر ایک اور کاٹ کی برجی لگائی تھی کہ وہ ساتوین کھنڈ کی جگہ تھی، اور اس طرح اس لاٹھ کی اونچائی پوری کردی تھی۔ لیکن بجلی اور ہوا کے صدمے سے چھٹا اور ساتوان کھنڈ ٹھہر نہ سکا، لاٹھ کا پانچوان کھنڈ بھی اسی گزہ کے قریب اونچا ہے، اور سنگین برجی کی انچائی جو بعد مین نیچے اتار کر رکھدی گئی

اپنے نئے حکمرانون کو اپنے اسلاف سے کم درجہ کا ماہر فن اور متمدن نہین تصور کیا، یہ مسلمانون کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ قطب الدین نے مسلمانون کی عمارتون کی روایت اور سادگی سے ہٹ کر ایک نیا اسٹایل پیدا کیا، جو ہندوون کے تسخیر قلوب کا ایک مؤثر ذریعہ تھا، اور یہ جو عام طور سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانون نے اپنی فتوحات کو اپنی تلوارون کے ذریعہ برقرار رکھا تو کم از کم ہندوستان مین اس کا اطلاق نہین ہوتا۔ قطب مینار کی پہلی منزل مین قرآنی آیت لا اکراہ فی الدین لکھی ہے، یعنی مذہب کے معاملہ مین کوئی زبردستی نہین، اس سے صاف ظاہر ہے کہ تیرھوین صدی کے مسلمانون مین مذہبی رواداری تھی، اور ان کو اپنی رعایا کے مذہبی جذبات کا خیال تھا۔

مسلمانون کی عمارتون مین ہندوون کی زینت و آرایش کا طریقہ ایک صدی تک جاری رہا۔ اور شاہی عمارتین علاء الدین خلجی کے عہد تک مزین ہوتی رہین۔ شمس الدین التمش

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۵) ستر فٹ کئی انچ کی ہے جو چھ گز کے قریب ہوتی، اور کہتے ہین کہ پانچ گز اونچی اس پر چوبی برجی تھی، جس پر پھریرا لگا کرتا تھا۔ جڑ کی طرف سے یہ لاٹھ ڈیڑھ سو فٹ یعنی پچاس گز مدور، اور پانچوین درجہ سے جہان برجی لگی تھی تیس فٹ یعنی دس گز مدور ہے، اور پر چڑھنے کے لئے کل سیڑھیان ۳۸۰ مین، پانچوین درجہ مین کچھ منحرف سیڑھیان کٹہرہ کی طرف آنے کو بنی ہوئی ہین، اگرچہ ان کو بلندی سے کچھ علاقہ نہین، اس تمام لاٹ پر آیات قرآنی کندہ ہین، جنوب کی طرف لاٹھ کے سامنے جو تین در ہین یہ اس مسجد کا پہلا درجہ ہے، اس درجہ مین قبلہ کی طرف تین در ہین، بیچ کا در بڑا، اور ادھر ادھر کے بغلی در چھوٹے اور یہ تینون در سنگ سرخ کے بنے ہوئے ہین، اور اس پر نسخ اور

نے اپنے آقا قطب الدین ایبک کی روایت کو برقرار رکھا، اس نے قوت الاسلام اور قطب مینار کی توسیع کرائی، اور اجمیر میں "ڈھائی دن کا جھونپڑا" اور دوسری عمارتیں بنوائیں، اس نے یہ محسوس کیا کہ قوت الاسلام کی تعمیر کا خاطر خواہ اثر پڑا ہے، اس لئے اس نے اس نامکمل مسجد کو شمالی، مشرق اور جنوب کی طرف اور بڑھایا، اس طرح یہ سائز میں پہلے سے تین گنی ہو گئی، اس نے قطب مینار کی اونچائی ۲۳۸ فٹ کر دی، اور اس میں کئی منزلوں کا اضافہ کیا، مسلمانوں کے روایتی صناعانہ امتیازات کی تجدید کی بھی کوشش کی، اس لئے زینت و آرائش تو قطب الدین ایبک ہی کے زمانہ کی رہی، لیکن ان میں عربوں کا رنگ نظر آنے لگا، اسکے سکے بھی قطب الدین ایبک کے سکوں سے بہتر بنے اور عربی طرز کے ہونے لگے، اور یہ تبدیلی اس لئے بھی پیدا ہو گئی کہ خلیفہ بغداد نے اس کی حکومت کو تسلیم کر کے دینی حیثیت بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۶) کوفی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں، اور بدستور بیل بوٹے، پھول پتے بنے ہوئے ہیں، اس درجہ کے جنوبی چھوٹے در کے بازو پر ۶۲۷ھ کندہ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ درجہ سلطان التتمش کے عہد میں بنا، اس درجہ کا عرض مع بغلی ضلعوں کے ایک سو بارہ فٹ ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ یہ کتنی بڑی مسجد تھی، مسجد کا درجہ دوم بہت بڑا ہے، اس کے برابر کوئی درجہ نہیں، اس مسجد کے کل تین درجے تیار ہوئے تھے، دو درجے نامکمل رہ گئے تھے، یہ درجہ گویا بیچ کا درجہ ہو گیا تھا، جو پہلے اور تیسرے درجہ سے بھی بڑا تھا یہ اس لئے کہ اس کے مقابل چوتھا درجہ بنتا، اس درجہ کے قبلہ کی طرف پانچ در ہیں جن پر نہایت پرتکلف منبت کاری اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں، اور بدستور آیات قرآنی کندہ ہیں، اس درجہ کو سلطان معز الدین سام نے ۶۲۹ھ میں بنوایا، یہ درجہ سب درجوں سے پہلے کا بنا ہوا ہے، سلطان قطب الدین نے مسجد کا ضلع شرقی درجہ

مان لی تھی، اسی لئے وہ اپنے آقا سے زیادہ راسخ العقیدہ اور علماء کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہے، اس کی بنائی ہوئی عمارتون مین بدایون کی عیدگاہ اور مسجد بھی ہے، پھر اس نے بدایون اور دہلی مین بڑے بڑے تالاب بھی کھدوائے، . . . .

بلبن نے غیاث پور اور قلعۂ مرزگان (؟) کی بنا ضرور ڈالی . . . . لیکن اس کا وقت زیادہ تر امراء کی سازشون اور منگولون کے حملون کو فرو کرنے مین گزرا، اس لئے وہ تعمیرات کی طرف زیادہ مائل نہین ہوا، علاؤالدین خلجی کے عہد سے مسلم فن تعمیرات کے فروغ کا دوسرا کامیاب دور شروع ہوتا ہے . . . . . . اس نے بھی قوت اسلام کی توسیع اور قطب مینار کی مرمت کرائی، اور علائی دروازہ کا اضافہ کرایا، جس مین بڑی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۷) دوم بنوایا، درجہ دوم کا شرقی دروازہ سلطان معزالدین کے عہد سلطنت کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اسی درجہ کا شمالی دروازہ بھی اسی نے بنوایا، مسجد کا درجہ سوم شمس الدین التمش کا بنوایا ہوا ہے، اس درجہ کے بھی تین در ہین، ایک بڑا اور دو چھوٹے، یہ درجہ قبلہ کی طرف ایک سو آٹھ فٹ چوڑا ہے، التمش نے اس مسجد کو بہت وسیع کرنا چاہا تھا، اسکے بعد علاؤالدین نے اس کو اور بھی بڑھانا چاہا۔ اور دو درجے یعنی درجہ چہارم اور درجہ پنجم کے اضافے کی کوشش کی لیکن دونون کی تعمیر نامکمل رہی، اور ان دونون درجون کی چوڑائی قبلہ کی طرف دو سو اٹھاون فٹ ہے، اس مسجد کی کل چوڑائی ۷۴۲ فٹ یعنی دو سو سواپنڈ گز ہے (ماخوذ از آثار الصنادید مصنفہ سر سید احمد خان)

سلہ دھرم پال صاحب اسلامک کلچر (جولائی ۱۹۴۵ء) کے ایک مضمون مین لکھتے ہین کہ علاؤالدین کے عہد مین فن تعمیرات کو بڑا فروغ ہوا، ضیاءالدین برنی علائی عہد کے عجائب مین اس کو بھی شمار کرتا ہے کہ اس عہد مین بہت سی مشہور مسجدین تعمیر ہوئین، اور مینارے

ترصیع اور آرایش ہے، گرچہ اس کی تعمیرات مین نقایص موجود ہین، اور کتبات مین وہ اپنے کو دارا سکندر اور سلیمان کہتا ہے، لیکن وہ آخری سلطان ہے، جس نے غلام سلاطین کے فن تعمیرات کو برقرار رکھا، . . . .

علاء الدین کی وفات ہوئی تو اس وقت تک مسلمان ہندوستان پر ایک صدی تک حکومت کر چکے تھے، ہندوان کے خلاف کبھی کبھی بغاوت کرتے، لیکن وہ اپنے آقاؤن کی اطاعت گذاری اور وفاداری کرنے کے عادی ہو چلے تھے، مسلمان حکمرانون کو بھی موقع مل رہا تھا کہ وہ ہندوؤن کو مطمئن کرنے کی خاطر ان کے بعض بعض تخیلات کو خود بھی اختیار کر لین[1]، لیکن قطب الدین خلجی کے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۸) قلعے، اور تالاب بھی بنائے گئے، سر جان مارشل کا بیان ہے کہ "علاء الدین نے ایسی عمارتین بنائین جن مین بے مثل حسن ہے اور امارت کی پوری شان ہے" اس عہد کی جو عمارت مکمل ہوئی ہے اور اب تک باقی ہے وہ علائی دروازہ ہے، تعمیرات کے آرٹ کے نقادون کا بیان ہے کہ یہ مسلمانون کی ابتدائی تعمیرات کا بہت ہی حسین اور مکمل نمونہ ہے، سر جان مارشل کا تو خیال ہے کہ علائی دروازہ اسلامی تعمیرات کے سب سے زیادہ قابل نمونون مین ایک ہے، فرگسن، کا بیان ہے کہ اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ پٹھان اسٹائل منتہائے کمال کو پہونچ گیا تھا، اور ہندو معمار اپنی تعمیراتی زینت و آرایش کو اپنے بیرونی آقاؤن کے طرز اور ذوق کے مطابق کرنا سیکھ گئے تھے، کنگھم نے لکھا ہے کہ مین نے پٹھان تعمیرات مین جتنی چیزین دیکھین ان مین سب سے زیادہ خوبصورت علائی دروازہ کو پایا، فرگسن رقمطراز ہے کہ مین نے ہندوستان مین جتنے تعمیرات کے طرز دیکھے، ان مین سب سے زیادہ سادہ، نفیس اور متناسب اس دروازہ کے طرز کو پایا جس مین عمارت کی ایک مربع شکل ایک ہشت پہل مین تبدیل ہو گئی ہے، جس پر گنبد کا انحصار ہے؟ دروازے کی اندرونی دیوارین بہت ہی مرصع نقش و نگار سے

[1] دیکھو ص ۱۴۴ حاشیہ نمبر ۱)

قتل کے بعد خسرو شاہ نے اپنی حکومت بنائی تو اس نے امراء کے پہلو بہ پہلو ادنی درجہ کے مسلم اور ہندو پرواری کو بہت بڑھایا۔ غیاث الدین تغلق نے جب اس کو معزول کیا تو ایسے تمام اجزاء کو ختم کر دیا۔ اور اسلامی حکومت کو اس کی گذشتہ عظمت کی طرف واپس لایا، اور اسی جذبہ سے اس نے فن تعمیرات مین بھی ترمیم کی، اور پہلے کی ساری زینت و آرایش کو ختم کر کے عمارتون مین سادگی پیدا کی، اور گو وہ کبرسنی مین تخت پر بیٹھا تھا۔ اور صرف پانچ سال تک

بقیہ حاشیہ ص ۴۳۹) مزین ہین، اور اس کی بوقلمونی کے اعلی نمونہ مین ایسی عمدہ نفاست ہے کہ اس کی مثال نہین مل سکتی، بگلر نے لکھا ہے کہ دہلی کی پٹھان تعمیرات مین علائی دروازہ کے حسن کا مقابلہ کوئی اور عمارت نہین کر سکتی ہے، دہلی مین جتنی عمارتین ہین ان مین نمود ونمایش کے لحاظ سب سے عمدہ یہی عمارت ہے اس کا حسن اس کے حصون کی ہمواری یا تناسب یا زینت وارئش مین نہین، بلکہ اس کے بے مثل نقش ونگارگی وجہ سے ہے جس سے یہ عمارت مرصع ہو گئی ہے، . . . . سر جان مارشل نے اس عمارت کا ذکر بہت ہی شاعرانہ اور دلآویز انداز مین کیا ہے، ہلکے سرخ رنگ کے ریتیلے پتھرون کے پھاٹکون کی شان وشوکت، گنبد کی سادگی اور وسعت، گھوڑے کے نعل کی طرح کی محرابون، دیوارون کی اقلیدسی زینت اور کھڑکیون کی جالی سے پوری عمارت مین رعنائی اور متانت پیدا ہو گئی ہے، اور ساری عمارت کی جان اس کا مکمل تناسب اور توازن ہے،

علاء الدین کا دوسرا تعمیری کارنامہ قطب الدین کی جامع مسجد کی توسیع ہے۔ اس کے کھنڈرات سے پتہ چلتا ہے کہ علاء الدین مسجد کی لمبائی کو دو گنی کرنا چاہتا تھا حالانکہ ایلتتمش بھی اس کی توسیع کرا چکا تھا۔ وہ اس کے شمال مین ایک پھاٹک اور بنانا چاہتا تھا تاکہ جنوب مین ایلتتمش کے تعمیر کردہ پھاٹک اور پھر شمال اور جنوب کے

حکمران رہا، لیکن انتہا درجہ کی سادہ تعمیرات کا ایک نیا اسٹایل پیدا کیا، تغلق آباد اسی اسٹائل کا نمونہ ہے، اس قلعہ کی بنیاد ایک پچیس فٹ کی بلند پہاڑی پر ہے، لیکن اس کی دیوار چالیس پچاس فٹ تک اونچی گئی ہے اور پھر منڈیر کی دیوار کی بلندی سات فٹ ہے، یہ بہت بڑی عمارت ہے، اس کی شکل نیم مخمسی (نیم پنج گوشیہ) ہے، اس کے چاروں طرف خندق ہے اسکے مختلف برجوں، فصیلوں، میناروں اور دروازوں سے اس کی شان میں اضافہ ہوتا ہے، اس کا جو نقص ہے وہ یہ ہے کہ دونوں مربع پتھروں اور گرانیٹ کی دیواروں کے اندرونی حصوں میں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۰) دوسرے دروازوں کے ساتھ مل کر اس کا بنایا ہوا پھاٹک بھی مسجد کے ساتھ منسلک ہو جائے پھر جنوب میں علائی دروازہ کے مقابل میں شمال میں بھی اسی قسم کا دروازہ بنانا چاہتا تھا، لیکن اس وقت صرف اس کے کھنڈرات نظر آتے ہیں۔ اس کے مجوزہ ستونوں کی قطار کی نامکمل شکلیں ابھی تک موجود ہیں، اگر یہ ساری چیزیں بن جاتیں تو اسکے حسن اور سائز کے مقابلہ میں دہلی کی کوئی اور عمارت نہ ہوتی، اس کی عمارتوں میں سری کا قلعہ بھی ہے، اور پھر حوض علائی بھی ہے جس کے گرد پتھر اور گچ کی دیواریں ہیں۔

(حاشیہ ص ۴۴۹) لہ ڈاکٹر سید عابد حسین اپنی گراں قدر کتاب "قومی تہذیب کا مسئلہ" میں لکھتے ہیں۔

"دراصل مسلمانوں کے ذوق جمال کے اظہار کا خاص ذریعہ فن تعمیر تھا۔ اور اس میں اس کے مواقع زیادہ تھے کہ ہندو ذہن اور مسلمان ذہن کا اثر ایک دوسرے پر پڑے، ہندوستان کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ قوت اور دولت کے مالک اس زمانے میں مسلمان بادشاہ تھے، اور وہی شاندار عمارتیں بنوا سکتے تھے، لیکن بنانے والے ہندو معمار اور کاریگر تھے، عمارت کا جو تصور کسی مسلمان بادشاہ کے ذہن میں آتا وہ بجائے خود ہندوستانی ماحول کے اثر سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اور پھر یہ تصور حقیقت کی شکل

ریت، روڑے اور کنکر بھرے ہیں، اس سے ضخامت تو بڑھ گئی ہے، لیکن اندر صرف روڑے ہی روڑے ہیں۔ غیاث الدین تغلق کی نئی طرز تعمیرات میں نشیب پر زیادہ زور دیا گیا ہے، جو دیواروں، ان کے زاویوں کے پشتوں، برجوں اور میناروں میں بھی نظر آتا ہے، اس نئی طرز کی مثال ملتان میں غیاث الدین تغلق کا مقبرہ ہے، یہ ہشت پہل ہے۔ اور اس کے آٹھوں طرف نشیب ہے جس کی وجہ سے پوری عمارت مخروطی یا اہرام نما نظر آتی ہے، اس کے مختلف زاویوں میں برج ہیں جہاں سے گولہ اندازی کی جا سکتی تھی، غیاث الدین تغلق کی وفات اچانک افغان پور میں ہوئی، اسی لئے اس کی لاش ملتان نہ جا سکی، اور اس کا بنایا ہوا مقبرہ اس زمانہ کے مشہور ولی اللہ شیخ رکن الدین ملتانی کے حوالہ کر دیا گیا، جو سلطان کی وفات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۱) اختیار کرتے وقت ہندو معمار کے ذہنی سانچے میں ڈھل جاتا تھا چنانچہ ہندو مسلم ذہن کا جو امتزاج مذہب میں باوجود چند بزرگوں کی شعوری کوشش کے پوری طرح نہیں ہو سکا، وہ فن تعمیر میں خود بخود ہو گیا، سلاطین دہلی کی حکومت کی پہلی ہی صدی یعنی تیرہویں صدی عیسوی میں ایک ہندو مسلم طرز تعمیر پیدا ہو گیا، جسے چودہویں صدی میں تھوڑے بہت تغیر کے ساتھ جونپور، بنگال، گجرات اور دکن کے خود مختار بادشاہوں اور بندیل کھنڈ اور راجپوتانہ کے ہندو راجاؤں نے بھی اختیار کر لیا۔

سب سے پہلی اسلامی عمارتیں یعنی اجمیر کی جامع مسجد اور دہلی کی مسجد قوت الاسلام کے بقیہ آثار اس بات کا ثبوت ہیں کہ ابتدائے تعمیر کے اسلامی تصورات کو عملی وسائل سے مطابقت دینے کی ضرورت پیش آئی، فرگوسن نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اجمیر کی جامع مسجد کا نقشہ کوہ آبو کے جین مندر سے لیا گیا ہے، اور دہلی کی مسجد قوت الاسلام تو جین مندر کی جگہ پر اور اسی کے مسالے سے تعمیر ہوئی ہے، عالی شان قطب منار

کے موقع پر اس کے ساتھ تھے۔

تغلق شاہ کے بعد اس کا لڑکا محمد تغلق تخت پر بیٹھا جس کو مورخین ہر زمانہ مین ایک جلیل القدر شخص تسلیم کرتے رہینگے، اس کی تعمیرات مین غیاث الدین تغلق کا مقبرہ، شہر جہان پناہ، دہلی کا لال گنبد، دولت آباد کا قلعہ اور بیر مین اس کے ایک دانت کا مقبرہ وغیرہ ہین، اسکے باپ کا مقبرہ تغلق آباد کے جنوب مین واقع ہے، اور یہ تغلق آباد کے قلعہ سے ایک پل کے ذریعہ ملا دیا گیا ہے، اسی لئے یہ قلعہ کا ایک حصہ ہی معلوم ہوتا ہے، یہ تغلق شاہ کی طرز تعمیرات ہی کے سلسلہ کی چیز ہے، لیکن اس کے سرخ اور سنگ مرمر کے گنبد کی بلندی مین جو سفید اور سیاہ پتھر لگے ہوئے ہین، اس کی دل آویزی اور پھر چارون طرف کی عظیم الشان دیوارون سے دیکھنے والون پر ایک بڑا اچھا اثر پڑتا ہے، پھر یہ ایک کھڑی ہوئی جھیل کے درمیان

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۲) جو آخر الذکر مسجد کا ایک جز تھا۔ مجموعی تصور کے لحاظ سے اسلامی چیز ہے، مگر اس کی ساخت مین گیت عہد کے ستونون اور عہد وسطیٰ کے شنگھار کی جھلک آگئی ہے، رہا آرایشی کام تو وہ براہ راست شمالی ہند وخصوصاً جین طرز سے متاثر ہے، انسانون اور جانورون کی مورتین چھوڑ دی گئی ہین، باقی بکھرے پھول، پھولون کے ہار اور ٹوکریان ہو بہو ویسی ہی ہین، ان کے ساتھ خط کوفی کی تحریر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ کھپایا ہے۔

ان مسلمان ریاستون نے جو سلطنت دہلی سے ٹوٹ کر خود مختار ہو گئی تھین، مجموعی طور پر اس طرز کو اختیار کیا، مگر اسے مقامی رنگ دے کر اپنے الگ الگ طرز نکال لئے، اس کے طرز تعمیر مین عموماً ہندو عناصر زیادہ نمایان ہین، خصوصاً گجرات کی عمارتون مین تو گنبد اور نکیلی محراب کو چھوڑ کر سب ہی چیزین ہندو طرز کی ہین، محافظ خان کی مسجد جو پندرھوین صدی اور ابو تراب کا مقبرہ جو سولھوین صدی مین تعمیر ہوا اس کی بہت

واقع ہے، جھیل اور مقبرہ کو پل کے ذریعہ ملایا گیا تھا۔ یہ جھیل تو اب باقی نہین ہے، اس لئے پل اب ایک بے معنی سی چیز ہو کر نظر آتا ہے، مسلمانون کے مقبرون مین عام طور سے ایک سوگوارانہ فضا ہا کرتی تھی، جہان اعزہ واقربا جمع ہو کر مردے کی روح کو ایصال ثواب کے لئے دعائین مانگا کرتے تھے، اسی لئے مقبرہ بناتے وقت اس کے ماحول کو سنجیدہ اور غمناک بنایا جاتا تھا لیکن محمد تغلق نے اس روایت کی تقلید نہین کی، اس کے اندر ایک بڑا کمرہ تو ضرور بنایا جس کے آخر مین نماز ادا کرنے کے لئے جگہ بھی مخصوص کر دی گئی لیکن جھیل بنا کر اس کی سوگوارانہ فضا کو دور کر دیا، اس سے پہلے ہندوستان مین اور شاید ہندوستان سے باہر بھی اس خصوصیت کا کوئی مقبرہ نہین تعمیر ہوا، اور اس طرح ہندوستان کے مسلمانون نے تعمیر مین یہ بدعت پیدا کر کے اپنی رواداری کا ثبوت دیا۔

کم و بیش یہی خصوصیت دہلی کے لال گنبد مین نظر آتی ہے۔ سلطان محمد نے اس کو اپنے مقبرہ کے لئے بنایا تھا، لیکن اس مین وہ دفن نہ کیا جاسکا، اور یہ عمارت فیروز شاہ تغلق نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۳) اچھی مثالین ہین۔

ہندو راجاؤن نے جو عمارتین اس عہد مین بنوائین ان مین بھی نئے ہندو مسلم طرز کا اثر صاف نظر آتا ہے، ریاست جودھپور کے مضافات مین رن پور کا مندر جو ۱۴۳۹ء مین تعمیر ہوا ایک چوکور اونچی کرسی پر بنا ہے جس کی دیوارین چند افقی حاشیون کے علاوہ ہر قسم کی آرائش سے خالی ہے اسی طرح اس کے گنبدون کی سطح بھی بالکل خالی ہے، اور ستونون کی ساخت مسجد کے ستونون سے ملتی ہے۔ یہ رنگ کسی قدیم ہندو یا جین عمارت مین نہین پایا جاتا اور اس تبدیلی ذوق کا پتہ دیتا ہے، جو اس زمانہ مین ہو رہی تھی، گوالیار کے راجہ مان سنگھ (۱۴۸۶ء تا ۱۵۱۶ء) کا قلعہ اور محلات بھی نئے طرز سے متاثر ہوئے اور

اس زمانہ کے ولی اللہ کبیر الدین اولیا رکو دیدیا، اور محمد تغلق اپنے باپ کے پہلو مین تغلق آباد مین دفن کیا گیا گنبد کی مرصع کاری قابل مطالعہ ہے اس مین تفصیل نہین ہے، اور اس کا مرکزی گنبد باہر سے مخروطی معلوم ہوتا ہے۔ اور تغلق شاہ کے مقبرہ کی طرح مکمل آرٹ کا نمونہ ظاہر نہین ہوتا ہے اگر تغلق شاہ کا مقبرہ نہ ہوتا تو لال گنبد جاذب توجہ ہوتا لیکن تغلق شاہ کے مقبرہ اور دوسری مغلیہ عمارتون کی وجہ سے عام سیاحون کی توجہ اس کی طرف مائل نہین ہوتی ۔

محمد تغلق کا ایک دوسرا اہم تعمیری کارنامہ دولت آباد کا قلعہ ہے، جس کی بناء پر بعض مورخون نے محمد تغلق کو جنوبی ہند کی حربی تعمیرات کا بانی قرار دیا ہے، شمالی ہند کے قلعون مثلاً تغلق آباد، اور پھر بعد مین اکبر آباد، لال قلعہ وغیرہ کی نمایان خصوصیات یہ ہین کہ ان کی دیوارین اونچی ہین، ان کے چارون طرف خندقین ہین، اور ان مین قلعے کے پشتے، عمودی ڈھلان او ڈھلان کے خلاف ڈھلان ہین، دولت آباد مین محمد تغلق نے اپنی جدتون کے علاوہ خاص خاص چیزین بھی رائج کین، اس کی جدتون مین سے ایک تو یہ ہے کہ اس نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۴) انھون نے آگے چل کر ہندو اور مغل عمارتون کے لئے نمونہ کا کام دیا

(صفحہ ۱۱۸-۱۱۶)

جناب کے۔ ام۔ پانیکر اپنی کتاب اے سروے آف انڈین ہسٹری (صفحہ ۱۴۳) مین لکھتے ہین ۔

مغلون سے پہلے ہندوستان مین مسلمانون نے فن تعمیرات کو جو فروغ دیا، اس کی طرف جتنی توجہ دینی چاہیئے، اتنی نہین دی گئی تاج محل اور مغلون کی اور شاہکار عمارتون نے عہد مغلیہ سے پہلے دور کی تعمیرات کی عظمت اور شوکت کو ماند کر دیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہندی اسلامی طرز کی تعمیرات کی بنیاد اسی دور مین پڑی، اور اس مین بڑی ترقی ہوئی، پندرہوین صدی مین بعض ایسی عمارتین تعمیر ہوئین جن کو

قلعہ کے تعمیر کے لئے ایک پہاڑی کا انتخاب کیا، جہاں فوج کا ایک چھوٹا دستہ بھی ایک بڑی مدت تک دشمنوں کا مقابلہ کرسکتا تھا، اس قلعہ تک راستہ بہت ہی پیچ وخم کے ساتھ لے جایا گیا تھا۔ اسی لئے ہر زاویہ سے غنیم پر گولہ باری کی جاسکتی تھی، اور پھر شمالی ہند کے قلعہ کی فصیلوں میں روزنوں کی جتنی قطاریں بنائی جاتی تھیں ان سے کہیں زیادہ اس قلعہ میں بنائی گئی ہیں پھر قلعہ کے دو حصے تھے، اوپر کی منزل فوجوں کے لئے تھی، جو نیچی منزل سے اس طرح علحدہ بنائی گئی تھی کہ اگر غنیم پورے قلعہ پر بھی قبضہ کرلے تو اوپر کے لشکریوں کو مدافعت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، قلعہ میں غلہ کے انبار خانوں کے علاوہ ہر منزل پر پانی کا انتظام تھا، اوپر کا فوجی اڈہ زمین دوز راستوں کے ذریعہ نیچی منزل سے علیحدہ کردیا گیا تھا اور زمین دوز راستوں کے بالائی حصہ پر ایک آہنی انگیٹھی تھی، جس میں حملہ کے وقت آگ جلادی جاتی تھی، تو اس کے دھوئیں اور شعلوں سے حملہ آور آگے نہیں بڑھ سکتے تھے مسلمانوں کے ہندوستان میں بڑے بڑے قابل قدر کارنامے ہیں، جن میں دولت آباد کا جدت بھرا قلعہ بھی شامل کئے جانے کے لایق ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۵) فن کا شاہکار کہا جاسکتا ہے، اس کی تصدیق جونپور کی جامع مسجد، مانڈو اور احمد آباد کی مسجدوں اور محلوں کو دیکھ کر کیجا سکتی ہے، ہندی مسلم تعمیرات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی روایات کا بڑا خوشگوار امتزاج ہے، سرجان مارشل نے بہت صحیح لکھا ہے کہ مسلمان ماہرین فن تعمیرات نے وراثت میں ساسانیوں، اور بازنطینیوں کے گوناگوں اسٹائل کی دولت پائی تھی، اور جب انھوں نے ہندوستان کی بڑی بڑی عمارتیں دیکھیں تو ان کی نگاہیں اور بھی وسیع ہوگئیں، ان کے سامنے فن کی ترقی کے امکانات اور بھی بڑھ گئے، اور انھوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا عزم کیا"

اسطرح ہندو مسلم اسٹائل میں ہندوازم اور اسلام کے آرٹ کی روح کا بڑا خوشگوار میل نظر آتا ہے، جیسا کہ جونپور اور احمد آباد کی مسجد میں

محمد تغلق کے بعد اس کا چچازاد بھائی فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا، وہ اہل علم بھی تھا۔ اور تغلق نے اسکو وہ تمام باتیں سکھائی تھیں جو ایک بھلے آدمی میں ہونی چاہئیں، محمد کی وفات کے بعد ہی اس نے اپنی بھلمنساہت کا ثبوت دیا جب علمار نے اس کو تخت نشین ہونے کو کہا تو اس نے اپنی کبر سنی اور مذہبی خیالات کا عذر کر کے انکار کیا۔ لیکن علمار کا اصرار زیادہ بڑھا، تو اسکو بالآخر رضامند ہونا پڑا، اس کی خوبیوں کی اور بہت سی مثالیں ہیں، ایسے زاہد اور عابد حکمران میں محمد تغلق کی طباعی اور ذہانت نہ پیدا ہو سکی، اسی لئے اسکی تعمیرات میں فن کی وہ گہرائی نہیں جو اس کے پیشرو کے عہد میں تھی، وہ غیاث الدین تغلق کے ارتن اسٹائل کی طرف مائل ہوا۔ اور عمارتوں میں وہی پرانی سادگی اور نشیب پیدا کیا، لیکن جو خصوصیت قلعہ کے لئے موزون ہو سکتی تھی وہ مسجد اور مقبرہ کے لئے مناسب نہ ہو سکی، اس کی عمارتیں زیادہ تر مٹ چکی ہیں، اس کا مقبرہ کوٹلہ فیروز شاہ کچھ مسجدیں اور گذشتہ عمارتوں کی مرمت شدہ شکلوں اور کچھ خانقاہوں میں ترمیم و اضافے اور اسی قسم کی چیزیں باقی رہ گئی ہیں جن سے اس کے اعلیٰ ذوق کا پتہ نہیں چلتا، ان میں کوئی جدت اور تعمیراتی نفاست نہیں، اس کے مقبرہ کے اردگرد مدرسہ ضرور ہے، لیکن دیکھنے والے اس میں کوئی خاص بات نہیں پاتے البتہ اس نے رفاہ عام کیلئے بہت سے کام کئے، اس نے نہریں کھدوائیں، باغ لگائے، نئے شہر اور شفاخانے قائم کئے، مسجدیں اور خانقاہیں بنوائیں، حمام تیار کرائے، نہروں اور باغوں سے تو

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۶) شہادت دے رہی ہیں، مسلمانوں نے عمارتوں کے نقشے تیار کئے ہندو کاریگروں اور معماروں نے ان کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، ان ہندو کاریگروں کی شہرت اتنی تھی کہ ظفرنامہ کے مصنف کا بیان ہے کہ تیمور نے دہلی میں کئی ہزار ہندو معماروں کو جمع کرایا، اور ان میں جو سب سے اچھے تھے، ان کو اپنے لئے مخصوص رکھا، بقیہ کو اپنے امرا میں تقسیم کر دیا، اس نے سمرقند میں ایک بہت بڑی مسجد کا نقشہ تیار کیا تھا اور اس نے حکم دے رکھا تھا کہ پتھر کے معمار اس مقدس کام کے لئے محفوظ رکھے جائیں،

آمدنی مین بھی اضافہ ہوا، اور ان مفید کامون سے لوگون کی بہت سی صعوبتین دور ہوگئین، فن تعمیرات مین فیروز شاہ کا کوئی اہم کارنامہ نہین، لیکن زمین اور زراعت کو ترقی دینے والون مین سکا مقام بہت ہی اہم ہے، اور وہ رفاہ عام کے کامون کا ابوالاباء کہلایا جا سکتا ہے، کیونکہ اب تک پہلے کے حکمرانون نے ایسے منصوبے نہین پیش کئے جن سے آمدنی مین اضافہ ہو لیکن فیروز شاہ کے منصوبون سے رعایا کی مشکلین دور ہوئین اور خود اس کی دولت مین بھی اضافہ ہوا۔

اس کے وزیر خانجہان ثانی نے کئی عمارتین تعمیر کین، لیکن یہ سب زینت و آرایش سے عاری ہین، مگر اس نے مسجدون کی تعمیر مین بڑی جدت کی، مثلاً جہان پناہ کی کھڑکی مسجد[1] اور نظام الدین اور لیا کے علاقہ کی کالی مسجد مین مسقف حصہ بنواکر اس کے کھلے ہوے حصون کو چار صحنون مین تقسیم کر دیا ہے، اس سے گرمی مین برہنہ پاؤن والے نمازیون کو تپتے ہوے فرش سے کوئی تکلیف نہین ہوتی، اور نہ وہ موسم برسات مین بارش سے بھیگتے، لیکن اسکی تقلید بعد مین کسی نے نہین کی .... اس کا مقبرہ چھوٹا اور ہشت پہل ہے جس کے ہر رخ پر تین کھلی محرابین ہین، ڈھلوان چبوترہ پر ایک بڑا گنبد ہے، جس کے چارون طرف آٹھ چھوٹے چھوٹے گنبد ہین، پورا گنبد سائز اور اونچائی کے لحاظ سے بالکل غیر اہم ہے اور

---

[1] آثار الصنادید مین ہے کہ دہلی کے قریب ست پلہ کے پاس ایک گاؤن تھا، کہ اس کو کھڑکی کہا کرتے تھے، اس مقام پر خانجہان فیروز شاہی نے ایک مسجد بنائی کہ اب وہ مسجد ہی کھڑکی مشہور ہوگئی ہے، یہ مسجد چوکھونٹی ہے، اور چارون طرف مربع کے ضلعون کے بیچ مین ایک مربع بطور تاج کے نکالا ہے، تین طرف تو تین دروازے ہین، اور قبلہ کی طرف دروازہ نہین ہے، اور تمام مسجد مین سینکڑون ستون ہین گنتی مین نہین آسکتے، ایک ایک برج تو چارون تاج کے مربعون پر ہے، اور مسجد مین نو جگہ ملے ہوئے نو نو برج بنائے ہین اور ہر ہر برج کے تلے چار چار ستون ہین، انکے سوا اور بھی ستون لگے ہوئے ہین اور مسجد کے صحن مین چار چوک چھوڑے ہین،

زمین سے اوپر دیکھنے مین تو ستونون چھوٹے چھوٹے گنبد بالکل چھپ جاتے ہین۔ لیکن یہی غیر اہم
گنبد ایک صدی تک شاہی گنبدون کے لئے نمونہ بنے رہے۔ سیدون، لودیون اور حتیٰ کہ سوریون
نے مقبرون کے بنوانے مین اسی کی نقل کی، اور کچھ مؤرخون کا تو یہ بھی بیان ہے کہ ہمایون،
شیرشاہ اور ممتاز بیگم کے مقبرون کی ہشت پہل شکل اسی مقبرہ سے حاصل کی گئی ہے، اس
مقبرہ کی پسندیدگی کی وجہ کچھ نفسیاتی بھی معلوم ہوتی ہے۔ فیروز شاہ اپنے وزیر خانجہان تلنگانی
کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اسی لئے لوگ اس کے مقبرہ کو اچھی نظر سے دیکھتے، فیروز شاہ کی
زندگی کا قابل تعریف پہلو ہے کہ اس نے اپنے لئے مادی راحتین تو حرام کر رکھی تھین لیکن اس کے
معاصرون اور آیندہ نسلون نے اس کو اور اس کے وزیر کو بڑی محبت کی نگاہ سے دیکھا، اور
دونون کی توقیر کی، تیمور ہندوستان آیا، تو اس نے اس شہنشاہ کو خراج عقیدت اس حیثیت
سے پیش کیا کہ اس کی مسجد مین خطبہ پڑھا اور اس کا نقشہ اپنے ساتھ لے گیا تاکہ اسی قسم کی مسجد
اپنے دارالسلطنت سمرقند مین بھی بنائے.......... فیروز شاہ تغلق کی وفات کے بعد فن
تعمیرات مین کوئی خاص ترقی نظر نہین آتی.......... اور تغلق اسٹائل کی سادگی کو
ختم ہونے مین دو صدی کا عرصہ لگا............ سلاطین سادات کے مقبرے بڑے
پیمانے پر تعمیر نہین ہوئے، لیکن ان مین سائز کا اضافہ ہوا، اور پلاسٹر اور رنگ مین زینت
آرائش پیدا کی گئی، اور پھر ان عمارتون مین بہترین قسم کے مینارون، گلدستون، چھتریون
بڑے بڑے گنبدون اور کنگرون کا بھی اضافہ ہوا، پھر فرش کو مزین کیا گیا۔ اور دیوارون
کو رنگون اور رنگین اینٹون سے خوبصورت بنایا گیا اور محمد شاہ کے مقبرہ مین ایک کنگورہ
مین لالٹین بھی دی گئی۔ محمد شاہ اور مبارک شاہ کے مقبرے سادات سلاطین کے فن
تعمیرات کے اچھے نمونے ہین۔

لودیون کی عمارتون مین زینت وآرائش بڑھتی گئی، مرکزی گنبد کو زیادہ مکمل اور نمایان کیا گیا۔ اور اس کی کلسی اور زیادہ ابھری نظر آنے لگی، اور اس مین کھڑکیان زیادہ ابھری نظر آنے لگین اور اس مین کھڑکیان زیادہ دی جانے لگین، رنگون اور رنگین ٹائیل کا استعمال زیادہ ہوگیا۔ لودی عہد کی تعمیرات مین تین خاص باتین نظر آتی ہین (۱) سلاطین اور امراء کے مقبرون کا حجم بڑھ گیا، بہلول لودی کے ماسوا اور سلاطین نے بھی مقبرے خانجہان کے مقبرہ کے طرز پر بنوائے، اور امراء کے مقبرے مربع شکل کے ہوگئے، دوہرا گنبد پہلے تو سکندر کے عہد مین تاج خان کے مقبرہ مین تعمیر ہوا لیکن پھر خود سکندر لودی کے مقبرہ مین بھی یہی دوہرا گنبد بنایا گیا، اس قسم کے گنبد مین اوپر اور نیچے گنبد ہوتے، اوپر کے گنبد کی اونچائی زیادہ ہوتی، اور نیچے کا گنبد اوتھلا بنایا جاتا جو نچلے کھلے ہوئے حصے کو ڈھکے رہتا، اس سے فائدہ یہ ہوتا کہ اوپر کا گنبد حسب خواہش اونچا اور شاندار بنا لیا جاتا۔ اور نیچے کا گنبد محض گملا دان کی حقیقت رکھتا تھا۔ اس طرح پرندون سے بھی محفوظ رہتا (۳) سلطان سکندر لودی کا مقبرہ ایک بڑے کھلے احاطہ کے بیچ مین ہے، اور اس کے چارون طرف روزن دار دیوارین ہین، سادات کے مقبرون مین یہ خصوصیت نظر نہین آتی، مغلون نے بھی اس کو اپنے فن تعمیرات مین رائج کیا، بلکہ احاطہ کو اور وسیع کر دیا۔ اس مین باغ لگائے گئے، چمن کی روشین، پانی کی نہرین، ڈھلوان نالیان اور آبشار بنوائے، لودیون نے ہندوستان مین مسلمانون کے فن تعمیرات کو خاطر خواہ ترقی دی، اور مغلون نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔ ان کو رنگ آمیزی اور رنگین ٹائل ہی سے باریک موزیک کے کامون کا خیال پیدا ہوا، اور لودیون کی عمارتون مین چھتریان دیکھ کر سنگ مرمر کے کامون مین اور حسن پیدا کیا گیا۔

اور آخر مین یہ کہا جا سکتا ہے کہ شروع مین فن تعمیرات مین مذہبی روایات کے بجائے

حکمرانی کے مصالح سامنے رہے، مسلمانوں نے ہندوؤں کے جذبات کا خیال کرکے ان سے
یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن آخر دور میں متوازن اور حقیقت پسندانہ روش اختیار
کی گئی، اور تعمیرات میں مذہبی خیالات کو نظر انداز کرکے ایک صحت مندانہ روایت قائم کی
گئی، جس کو اگر اور زیادہ فروغ دیا جاتا تو اور زیادہ مفید نتائج برآمد ہوتے، تاج محل جیسی
بلند اور دل آویز عمارت کو لودیوں ہی کے ترقی یافتہ فن تعمیرات کا لازمی نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔

بائیسویں جھلک

موسیقی

از پروفیسر دھرم بھانو ایس، ڈی، کالج مظفر نگر یوپی

مسلمانون کی آمد سے پہلے ہندوستان مین موسیقی ایک آرٹ اور سائنس کے لحاظ سے بہت ترقی کر چکی تھی، موریا اور گپت خاندان کے حکمرانون کے عہد مین موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ کی طرح منتہاے کمال کو پہونچ گئی تھی، . . . . جب محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان کو فتح کیا تو اس نے موسیقی اور سرود کے فن کو یہان بہت مقبول پایا، عربون نے بھی دف، طنبورہ، عود اور نے مین کافی ترقی کر لی تھی، لیکن جب شیخ معین الدین چشتی کا ورود ہندمین ہوا، اور چشتیہ سلسلہ کی مقبولیت ہوئی تو موسیقی کے بہت سے سرپرست پیدا ہوتے گئے،

سلہ یہ اقتباسات پروفیسر دھرم بانو، اس۔ڈی۔ کالج، مظفر نگر کے مضمون "ترک اور افغان خاندان کے عہد مین موسیقی کی ترقی" سے لئے گئے ہین جو جنوری ۱۹۵۵ء کے اسلامک کلچر مین شایع ہوا تھا۔ ذیل ہم پروفیسر عبد الحلیم ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایک مضمون سے بھی اقتباسات دیتے ہین جو جرنل آف پاکستان، ایشیاٹک سوسائٹی (جلد اول ۱۹۵۶ء) مین چھپا تھا، اس مضمون کا عنوان "سادات اور لودی خاندان کے عہد مین شمالی ہند مین موسیقی" تھا یہ بتانا مشکل ہے کہ ہندوستان مین مسلمانون کی آمد سے پہلے یہان کس قسم کی موسیقی تھی

شیخ معین الدین چشتی ہندو اور مسلمان دونوں میں یکسان طور پر مقبول تھے۔ اس لیے ان کی محفلوں میں ہندوؤں، مسلمانوں، اور ایرانیوں کی موسیقی کا امتزاج پیدا ہوا۔ چشتیہ سلسلہ میں سماع ایک اہم چیز تھی اس کے پیرو مجلس سماع منعقد کرتے جس میں تعریف کے گیت یعنی قوالی ہوتی، اور اس طرح مسلمانوں میں موسیقی کے ذوق کا فروغ ہوا۔

ہندوؤں کی موسیقی پر پہلی کتاب ۱۱۰۰ء کے بعد لچھا کوی نے راگ ترنگنی کے نام سے لکھی، یہ ۱۱۶۰ء میں ترتیب پائی، یہ معمولی سائز کے تقریباً سو صفحوں پر مشتمل ہے، لیکن اس کے زیادہ تر حصہ میں گیت نقل کیے گئے ہیں اور تھوڑے سے حصہ میں موسیقی کے نظریوں پر بحث ہے

قطب الدین ایبک کے دربار میں علماء کی وجہ سے موسیقی کا فروغ نہ ہو سکا، شمس الدین التتمش بھی اپنے ابتدائی دور میں علماء سے متاثر رہا، اور اس نے قاضی عماد سعد الدین

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۲)

اور گانے کی طرز کیا تھی؟ موجودہ دور میں پنڈت وشنو نراین بھاٹ کھنڈے کی سند موسیقی میں بڑی معتبر سمجھی جاتی ہے، لیکن وہ بھی اس کے متعلق کچھ بتانے سے قاصر رہے ہیں، لیکن اتنا تو ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں سنسکرت کے چھند، من، سوت اور گیت کا رواج ضرور تھا، جیسا کہ مسلمان مصنفوں نے لکھا ہے، اور ہندوستانی موسیقی ہندوستانی ہیئت و ریاضی کی طرح ترقی یافتہ تھی، اور جب مسلمان ہندوستان آئے، تو اپنے ساتھ ایرانی عربی طرز کی موسیقی لائے جو بعض لحاظ سے ہندوستانی موسیقی سے مماثلت رکھتی تھی، پروفیسر فارمر نے اپنی کتاب "عرب موسیقی کی تاریخ" میں کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ عرب موسیقی پر ہندوستانی اثر بھی پڑا، لیکن لین کا بیان ہے کہ عربوں نے موسیقی کی بہت سی اصطلاحات ایرانی اور ہندوستانی زبانوں سے حاصل کیں خود ہندوستانی موسیقی نے ایرانی عربی ... راگ سے بعض چیزیں مثلاً بین، چنگ، زنگلہ (غلط العوام جنگلہ) لیں، عربوں کی موسیقی کا انحصار یونانیوں اور ہندوستانیوں

صادق اور منہاج سراج کے فتاوی کی بنا پر دربار میں گانے بجانے کی اجازت نہیں دی لیکن قاضی حمید الدین ناگوری کے اثر سے دہلی میں سماع کی مجلسیں ہوتی رہیں، اور پھر انھوں نے التمش کو قائل کیا کہ سماع اہل قال کے لئے تو نہیں لیکن اہل حال کے لئے جائز ہے، التمش نے قاضی حمید الدین ناگوری کے دلائل سے متاثر ہوکر دربار سے موسیقی کی پابندی اٹھادی، رکن الدین فیروز ہر قسم کی تفریحوں کو بہت پسند کرتا تھا، اس لئے سرود اور موسیقی کی کی طرف بہت مائل رہا۔ اس کا زیادہ تر وقت رقص و سرود کے جلسوں میں صرف ہوتا، علماء اور راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اس کے ان افعال کو پسند نہیں کیا۔ اس لئے اس کو معزول

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۳) ہی کی طرح ہم آہنگ سروں کے میل کے بجائے شیریں نغموں پر ہے، پھر یہ ہندستانی اور یونانی طرز ہی کی طرح بالکل فطری ہے، اور مختلف قسم کے جذبات مثلاً مسرت، حسرت، اشتعال، غفلت، اور ربودگی کی ترجمانی کر کے غیر معمولی اثرات پیدا کرتی ہے، اسی طرح اس کے راگ بھی دن اور رات کی خاص خاص ساعت کے لئے مقرر ہیں، مسلمان پنجاب آئے تو ایرانی عربی موسیقی میں بھی راگ اور راگنیوں کی طرز قائم ہو چکی تھی۔ مثلاً ایرانی عربی موسیقی کا نوروز ہندی للت پنچم اور قندھاری سے ملی جلی چیز تھی۔ عراق ہندی مالکوس اور پوروا سے مماثل تھا اسی طرح نیشاپوری اور بلاول، زنگلہ چہارگاہ اور اسواری، پیدا اول اور خط چہارگا اور گجری، اشیران اور جیت سری، رہاوی اور دھنسری، زنگلہ چہارگاہ اور جیتی گوری، مبارکہ کرشمہ اور بہاگرا، صغیر اور کلیان بعیت اور کانڑا گوشہ ازل اور شدھ ٹوڑی میں بڑی مماثلت تھی۔

مسلمان اپنے ساتھ بہت سے باجے مثلاً قانون، عود، چنگ، غیچک (یا غیشک) رباب، شاہرود، قطار، قبوز (قبنوس) طنبور، کمانچہ ساتھ لائے، یہ سب تار والے

کر دیا۔

بلبن (۱۲۶۵-۸۷ء) موسیقی کا بڑا سرپرست تھا۔ اس کو ایک سخت علالت سے شفا ہوئی تو تمام سلطنت میں خوشی منائی گئی، اور اس موقع پر جو دعوت وضیافت ہوئی اس میں گانے بجانے کا بھی سامان رہا۔ اس کے دربار میں بعض مشہور گویئے تھے، جن کو شاہی خزانے سے تنخواہیں ملتی تھیں،

بلبن کے زمانے میں موسیقی کے آرٹ کے دو بڑے مرکز دہلی اور ملتان بن گئے تھے، ملتان میں بڑے بڑے قوال جمع ہو گئے تھے ان کا ایک مشہور قوال عبداللہ نامی شیخ بہاءالدین زکریا کے ساتھ رہا کرتا تھا، اور ان کا مرید بھی ہو گیا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۴) ساز تھے۔ اس کے علاوہ بق، نے، سرنا بھی لائے جو منہ سے بجانے والے باجے تھے، نقارہ، سنج، دف، اور طبل، بھی ان ہی کے لائے ہوئے ہیں، عباسیوں کے محل میں نوبت برابر بجا کرتی تھی۔ یہ پہلے تو جنگ کے موقع پر بجائی جاتی، لیکن پھر نماز کے پانچوں وقت بجائی جانے لگی، اور یہ خلفاء کے امتیازی مراتب کی چیز ہو گئی، پھر امراء بھی استعمال کرنے لگے، سلجوقیوں کے دور میں امراء کی نوبت کی نوعیت جداجدا ہوتی، ہندوستان میں مسلمان سلاطین کے یہاں بھی نوبت بجتی، اور یہ ماہانہ امتیاز علاقے کے حکمرانوں اور ہندو راجاؤں کو بھی عطا کیا جاتا تھا

مسلمان سلاطین کو موسیقی سے شوق رہا، اور وہ ایرانی عربی موسیقی کے ساتھ ہندوستانی موسیقی کو بھی پسند کرتے تھے، عربی قاتناس (Dancing Girls.) کی طرح ہندوستانی رقاصائیں بھی ہوتیں، جن کو کلاونت اور بھانڈے خاص طور پر تربیت دیتے تھے، ...... سلطان علاءالدین نے جنوبی ہند کی ریاستیں فتح کیں تو وہاں سے بہت سے ہندو ماہرین موسیقی نے شمال میں آکر سلطان اور امراء کی سرپرستی حاصل کی، ان ہی میں

سلطان کیقباد (۱۲۸۶ء) عیش ونشاط اور رقص وسرود کا بڑا شائق تھا، ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں گانے کا فن اتنا مقبول ہو گیا تھا کہ عوام بھی موسیقی سے دلچسپی لینے لگے تھے، اور پیشہ ور گویوں کی سرپرستی کرتے تھے، اور سلطان وقت کی دلچسپی دیکھ کر بہت سے لوگ اس فن کو سیکھنے لگے تھے، امیر خسرو نے قران السعدین میں سلطان کی موسیقی اور سرود کی مجلسوں کا ذکر کیا ہے:

جلال الدین خلجی (۱۲۹۰-۹۶ء) اپنے مذہبی اعتقادمیں تو سخت تھا، لیکن موسیقی کا شائق تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۵) نایک گوپال تھا، جس کے سنگھاسن کو اس کے دو ہزار شاگرد اپنے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے، وہ سلطان علاء الدین خلجی کے دربار میں آیا تو اس نے امیر خسرو کو چیلنج دیا، جو دربار کے سب سے بڑے گویئے اور ماہر موسیقی تھے، انھوں نے چیلنج قبول کر لیا، لیکن دربار سے علالت کا بہانہ کر کے غائب ہو گئے، اور جب نایک گوپال دربار میں اپنا فن دکھاتا تو وہ تخت کی آڑ میں چھپ کر سنا کرتے تھے، آٹھویں دن وہ اپنے شاگردوں سات اور نیاز کے ساتھ دربار میں آئے، تو عربی، فارسی اور ہندی زبانوں میں قول اور ترانے گا کر نایک گوپال کے سارے طرز کو شاندار طریقہ پر پیش کیا۔ اور پھر خود ساختہ عربی فارسی گیت قول نقش، ہوا، نگار، گل اور بسیط کے راگ میں گا کر تمام درباریوں کو مست کر دیا، نایک گوپال نے یہ کہہ کر اپنی شکست کا اعتراف کر لیا کہ میں سارق کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس سے کم از کم یہ تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہندوستانی موسیقی کا امتزاج عربی فارسی موسیقی سے ہو رہا تھا، امیر خسرو ہندوستانی موسیقی کے اتنے بڑے ماہر ہو گئے کہ ان کو نایک کا خطاب دیا گیا، جو تان سین کو بھی نہیں ملا تھا۔ اس کو گندھروا ہی کے لقب پر اکتفا کرنا پڑا، امیر خسرو نے کئی راگ، مثلاً ستام، غنم، زیلف، سازگری

اس کے دربار مین بہت سے گویے تھے، مثلاً مردون مین محمد شاہ چنگی، اور عورتون مین فتوحہ، نصرت خاتون اور مہرافروز مخنین، متعصب علماء مثلاً ضیاء الدین برنی وغیرہ سلطان کی موسیقی کی سرپرستی پسند نہین کرتے تھے، اور اپنی ناراضگی کا اظہار کھلے بندکرتے تھے لیکن امیر خسرو نے مفتاح الفتوح مین لکھا ہے کہ سلطان موسیقی کے ذوق سے عاری نہ تھا، وہ کبھی میرے ساتھیون کے اشعار سنتا اور کبھی موسیقی کے ماہرون سے نئے نئے نغمے سنتا، کبھی مین اس فیاض سلطان کی مدح الاپتا، اور کبھی محمد شاہ اپنے راگون سے مسحور کرتا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۶) ایمن، عشاق، موافق، غارہ، فرغنہ اور فردوست وغیرہ ایجاد کیا۔

موسیقی کو فروغ حسب ذیل اسباب کی بناء پر ہوتا گیا، (۱) صوفیون نے اس کو اپنی مجلسون مین رائج رکھا (۲) پندرہوین اور سولھوین صدی عیسوی مین شاعرون اور بھگتون کے یہان یہ مقبول رہی (۳) حسین شاہ شرقی نے اس مین نئی طرز پیدا کی (۴) تمام ملک مین سلاطین اور امراء اس کی سرپرستی کرتے رہے، (۵) گوالیار کے راجہ مان سنگھ تونوار نے اس کی ہیئت ہی بدل دی، چشتیہ اور شاید سہروردیہ سلسلہ کے بزرگون مین بھی سماع دف کے ساتھ جائز تھا۔ اس لئے ملتان، پاک پٹن، دہلی اور گوڑ کی خانقاہون مین موسیقی کا ذوق رہا، خواجہ نظام الدین اولیا سماع مین ملتانی راگ کو زیادہ پسند کرتے تھے، امیر خسرو اپنے شاگردون سامت اور بیاز کے ساتھ ان کی سماع کی مجلسون مین برابر شریک رہتے، شیخ علاء الدین لاہوری موسیقی کے بڑے ماہر تھے، مولانا ابوالکلام آزاد نے غبار خاطر مین ان کی موسیقی کا ذکر کیا ہے، سکندر لودی کے درباری شاعر مولانا جمالی صوفی بھی تھے، اور موسیقی مین بڑا درک رکھتے تھے، علائی سلسلہ کے بانی شیخ علائی کو بھی جو لودی اور سوری سلاطین کے معاصر تھے موسیقی سے بڑا شغف تھا، بھگتی تحریک کا اثر ہندوستانی موسیقی پر بہت زیادہ پڑا، بھگت موسیقی کے ذریعہ

تیرھوین صدی کے آخر مین سنگیت رتناکر کے نام سے موسیقی پر ایک بہت ہی اہم کتاب لکھی گئی، اس کا مصنف شارنگ دیو ہے جو کشمیری پنڈت تھا لیکن جنوبی ہند مین جا کر بس گیا تھا۔ اس کتاب سے ہندی موسیقی کا ایک بڑا باب شروع ہوتا ہے' ہندوستان کے ازمنۂ وسطی دور کا ابتدائی عہد کی موسیقی کے لئے، اس کا مطالعہ ناگزیر ہے، اسی لئے یہ اہم سمجھی جاتی ہے، لیکن یہ تحقیقات کے لحاظ سے بہت زیادہ اوریجنل نہین ہو سیقی پر جتنی کتابین اس وقت تک لکھی گئی تھین، شارنگ دیو نے ان ہی کو سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کر دی ہے، لیکن پرانی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۷) پاکیزہ جذبات کو بیدار کرتے ہین، اسی لئے اس تحریک مین نغمہ پر بڑا زور دیا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ روحانی سکون پیدا ہوتا ہے، سکھون کی مقدس کتاب گرانتھ صاحب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر بھگت نے خواہ وہ نام دیو یا رائے داس یا گرونانک ہون خاص خاص راگ مین گانے کے لئے نغمے مرتب کئے، اور ان کے نغمے راگ کے ماتحت ہوا کرتے تھے، بابا رام داس نے رام داسی ملہار ایجاد کیا، نایک ڈھونڈو کے نغمے سنگیت راگ کلپا درمہ جلد سوم مین بکثرت نقل کئے گئے ہین، وہ بندرابن مین رہتا، اور سوری سلاطین اور مغل بادشاہون نے اسکی بڑی سرپرستی کی، بابا رام داس کے لڑکے سورداس نے سورداسی ملہار ایجاد کیا، اور وہ بھگوت گیتا کو شروع سے آخر تک اپنے گرو دلبھاچاریہ کے سامنے گا کر پڑھا کرتے تھے چیتن کے زمانہ مین تمام بنگال مین کرشن بھکتی کے گیت گائے جاتے تھے، چیتن مشہور شاعر ودیاپتی کے گیتون کے شایق تھے، اور سنکرتن (جو مل کر گایا جاتا ہے) کے ذریعہ اپنے سلسلہ کے چیلون کے مذہبی جذبات پیدا کیا کرتے تھے، وشنو بھگتون کا بہت بڑا مرکز بندرابن ہو گیا تھا۔ سورداس کے بعد بھگت برج بھومی ہی سے متعلق گیت گایا کرتے تھے، جس مین کرشن کے بچپن کی گوپیون

کتابین سب ضایع ہوگئین، اور سنگیت رتناکر آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے، اس لئے یہ مقبول ہے،
علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) ایک جلیل القدر حکمران گزرا ہے، وہ پہلا حکمران ہے جس نے
اس موسیقی کی سرپرستی کی جس سے آج کل ہم واقف ہین، اس سے پہلے کے سلاطین صرف ترنم بھرے
اشعار اور سستے قسم کے گیت کو پسند کرتے تھے، علاء الدین کے دربار کے امیر خسرو اپنے عہد
کے سب سے بڑے شاعر اور ماہر موسیقی بھی تھے انھون نے اس دور مین موسیقی کو جو نئی نئی چیزین
عطا کین، وہ آج تک یادگار ہین، انھون نے ہندوؤن اور ایرانی مسلمانون کی موسیقی مین

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۸) سے محبت، رادھا سے عشق کے واقعات کے علاوہ سمیوگ (وصال)
اور ویوگ (فراق) کے بھی جذبات ہوتے تھے، رادھا اور کرشن کی محبت کے پردے مین وشنو
کے پوجاریون کو ہندوون کے اصلی محبت کرنے والون بھگوان کے ساتھ لگاؤ کا درس ہوتا تھا،
بندرابن کے سوامی ہری داس تاتی فرقہ (Jatti order) کے بانی تھے، وہ موسیقی
کے بھی بڑے ماہر تھے، اکبر بھیس بدل کر ان کے یہاں تان سین کے ساتھ جاتا تھا، تان سین
ان ہی کا شاگرد تھا۔ اکبر تان سین کو کچھ گانے کو کہتا، اور وہ اکبر کے اشارہ سے کوئی غلط چیز
گانے لگتا، سوامی ہری داس اس کو ٹوک کر خود صحیح طریقہ سے گانے لگتے، متھرا شمالی ہند مین دھرپت
راگ کے لئے اب سے کچھ پہلے تک بہت مشہور تھا۔ میواڑ کے رانا کمبھ کی بیوہ میرا
بائی بھی بڑی بھگتن تھی، اس کی خاص ایجاد میرا بائی کا ملہار ہے، گرانتھ صاحب کے مطالعہ
سے اندازہ ہوتا ہے کہ موسیقی کے ذریعہ سے اخلاق و کردار کو بلند کرنے کی کوشش کی جاتی
تھی، اس مین ۳۵ راگون کا ذکر ہے، اور ایک راگ سری راگ کے بارہ مین ہے کہ
یہ ایک ایسا راگ ہے جو اپنی طرف ایک سچے گرو ہی کی طرح مائل کرتا ہے، گرانتھ
صاحب کے آخر مین راگ مالا کے عنوان سے ایک خاص بحث ہے، جس مین راگ اور

ایک امتزاج پیدا کیا۔ وہ خود موسیقی کی ایرانی طرز کے ماہر تھے، اور اسی طرح ہندوؤن کی موسیقی سے بھی واقف تھے۔ اور دونون کے مداح رہے، وہ اپنی مثنوی نہ سپہر مین لکھتے ہین کہ ہندوستانی موسیقی ایک آگ ہے، جو قلب اور روح دونون کو جلاتی ہے، اور دوسرے تمام ممالک کی موسیقی سے بہتر ہے، غیر ملکی ہندوستان مین آکر تیس چالیس سال قیام کرنے کے بعد بھی یہان کے ایک راگ تک کو بھی صحیح ادا نہین کر سکتے، ہندوستانی موسیقی صرف آدمیون کو نہین بلکہ جانورون کو بھی مسحور کر دیتی ہے۔ ہرن کو موسیقی کے ذریعہ مسحور کر کے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۹) راگنیون کو چھ حصون مین تقسیم کیا گیا ہے، اور اس مین بہت سے ایسے راگ ہین جو اب بالکل بھلا دیئے گئے ہین، ان مین سے بعض کے نام یہ ہین، آسا، تنجہ، سکھمنی میرداد، پریم اشلکی، سالو، گج دھر، کدار، دھرنت، سندورنند، بھسکر، چندروتود، کھیلی، کنتل، رام، کمال، کوسم، اور چمپک وغیرہ،

مسلمان مفتیون اور فقیہون کے نزدیک موسیقی ناجائز رہی، لیکن، بہت سے مسلمان سلاطین ان کے مذہبی فتووٰن کو نظر انداز کر کے اس کی طرف مائل رہے، مثلاً کشمیر کا سلطان زین العابدین (۱۴۱۶-۶۷) اس کا ایسا شایق تھا کہ وہ اپنے دربار کے گویون کے سازکو مطلا کراتا تھا، اور اپنے ایک درباری گویے لودی بخت سے موسیقی پر ایک مستند کتاب لکھنے کی فرمایش کی، اس نے گوالیار کے راجہ ڈونگر سین اور اس کے لڑکے کیرت سنگھ سے موسیقی پر بہت سا لٹریچر مستعار لیا، اسی کے عہد یا غالباً اسی کی سرپرستی مین کالی ناتھ نے ۱۴۲۵ء مین سنگیت رتناکار کی شرح لکھی اصل کتاب دیوگیر کے یادیو راجاؤن کے دربار کے ماہر موسیقی سارنگ دیو کی لکھی ہوئی ہے، سکندر لودی شریعت کا بڑا پابند تھا، لیکن وہ سونے سے پہلے کچھ نغمے ضرور سن لیتا، نعمت اللہ ہراتی نے مخزن افغانی

شکار کر لیا جاتا ہے۔ خسرو نے اعجاز خسروی مین ہندوستان کے معاصر گویون اور سازندون کی بڑی تفصیل لکھی ہے، انھون نے مردون مین محمد شاہ چنگی، حسینی اخلاق اور کنجشک اور عورتون مین ترمتی خاتون کا ذکر خاص طور پر کیا ہے، انھون نے ان سازون کی تفصیل لکھی ہے، جو یہ سازندے استعمال کرتے تھے، اس طرح چنگ، رباب، دف، طنبور، شہنائی، بھبک بطبیرہ، ڈھول اور عود کا ذکر ان کی تحریرون مین ملتا ہے، ان کے بارہ مین مشہور ہے کہ انھون نے پرانے مردنگ کی صورت کو بدل کر طبلہ کر دیا کچھ لوگون کا یہ کہنا ہے کہ طبلہ اکبر کے عہد مین

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۲) عبداللہ نے تاریخ داؤدی یادگار، احمد نے تاریخ سلاطین افاغنہ مین لکھا ہے کہ سلطان لودی نے شریعت کی خلاف ورزی کر کے اپنے دو امراے سادات سید روح اللہ اور سید ابن رسول کے خیمون مین مجلس سرود کا انعقاد کرایا، جب گانے والون نے اپنے نغمے اور ساز کا فن دکھلایا۔ اس کے پاس چار کمسن غلام تھے، جن مین ایک چنگ، دوسرا قانون، تیسرا دنیا اور چوتھا طنبور خوب بجاتا تھا۔ اس کے نوبت خانہ مین چار سرنائی (شہنائی) بجانے والے تھے، اس کو چار راگ حسینی، کانڑا، کدار، مالی گودا اور کلیان خاص طور پر پسند تھے، ابراہیم لودی کے یہان بھی رقص و سرود کے لئے کنیزین تھین، اس کی شکست کے بعد یہ کنیزین بابر کی بیگمات کے حوالہ کر دی گئین، سکندر لودی کا بھائی محمود لودی بھی جو بہار کا حکمران تھا، موسیقی کا شائق تھا۔

ع جونپور کا حسین شاہ شرقی (۱۴۵۷-۱۴۸۳ء) امیر خسرو کے بعد سب سے بڑا ایجاد و اختراع کرنے والا ماہر موسیقی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا خطاب گندھرو تھا۔ اس کی شہرت تمام ہندوستان مین تھی۔ اس نے ایک درجن سیام کی ایجاد کیے، مثلاً ملہار سیام، گور سیام، بھوپال سیام، وغیرہ، اور چودہ توڑیون مین چار توڑی اسی کی ایجاد کی ہوئی ہے، اساوری،

سدھارنگ خان نے ایجاد کیا، لیکن یہ دعوی بے بنیاد ہے، اور اس کی تو سند ہے کہ امیر خسرو نے مردنگ
مین اصلاح کی، ستار کی ایجاد کے سلسلہ مین بھی ان کا نام لیا جاتا ہے، انھون نے ہندوؤن کے وینا اور
ایرانیون کے طنبورہ کو ملا کر ستار کی ایجاد کی، کہا جاتا ہے کہ ابتدا مین ستار مین صرف تین تار ہوتے
تھے، لیکن اب زیادہ ہوتے ہین، خسرو کا نام کئی راگون کی ایجاد کے سلسلہ مین بھی لیا جاتا ہے،
مثلاً مجیر پردہ، زیلف، ساز گری، مجیر، ایمن، عشاق، زرغنہ، غزان، ... ، باخرہ فرودست،
منم، قول، ترانہ، نگار، شحنہ، اور بسیط وغیرہ ان کے ایجاد کردہ ہین، انھون نے دھرپد کو

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۱) جو عرصہ تک حسینی یا جونپوری اساوری یا صرف جونپوری کے نام سے مشہور تھی
اور پھر جونپوری بسنت اسی کی اختراع ہے، عربی راگ زنگولہ جس کو جنگلہ کہا جاتا ہے اسی نے
رائج کیا، یہ جونپور کے راگون مین بہت مقبول ہوا، اس نے خیال بھی ایجاد کیا، دھرپد
ایک قسم کا ساکن اور روایتی راگ ہے، جس سے زاہدانہ اور عابدانہ رجحان پیدا ہوتا ہے،
لیکن خیال اپنے مختلف نغمون سے مسرت بلکہ نئے قسم کی مسرتون کی لہرین پیدا کرتا ہے،
یہ ایک غیر مذہبی طرز کی موسیقی ہے، آگے چل کر شاہجہانی عہد مین یہ راگ بہت مقبول
ہوا جب کہ رعنائی اور نفاست کا ذوق بہت بلند ہو گیا تھا۔ گو اس زمانہ مین دھرپد راگ
کی مقبولیت بھی اپنی جگہ پر رہی۔

گوالیار کے راجہ مان سنگھ تونوار (۱۴۸۶-۱۵۱ء) کی دلچسپی سے بھی موسیقی کو بڑا فروغ
حاصل ہوا، گوالیار کی سرحد پر ہندوستانی اور کرناٹک موسیقی کا سنگم تھا۔ اس لئے
اس دربار مین موسیقی کی بڑی سرپرستی کی گئی، جب مان سنگھ گاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ
دو آدمی مل کر گا رہے ہین۔ اور پھر اس کے گانے کی طرز بھی عجیب وغریب تھی، فرشتہ نے
اس کے قلب کی پاکیزگی کی بڑی تعریف کی ہے، وہ حسین شاہ شرقی کی ایجادات سے

چھوٹا خیال بھی ایجاد کیا اور ان کو خیالیون کا نائک بھی کہا جاتا ہے، اور ان کے پیرو خیالی کہلاتے ہین، انھون نے قوالی کو بھی ترقی دے کر ساز کے نغمون سے ہم آہنگ کیا، ان کی طرف چارتال، اداتال، چوتال اور سلفک بھی منسوب ہین، جو دھرپد کی جگہ پر مقبول ہوئے،

شیخ نظام الدین اولیا بھی موسیقی کے بڑے دلدادہ تھے، ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ وہ لوگون مین اسقدر محبوب تھے کہ ان ہی کی مجلسون کی طرز پر دہلی کے ہر محلہ مین ماہانہ ایک یا دو مجلسین ہوتین جن مین وعظ کہا جاتا اور صوفیانہ رنگ کی چیزین گائی جاتین۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۲) متاثر تھا، لیکن اس نے خود ہندی مین دھرپد کی ایجاد کی، اس سے پہلے دھرپد پرانی طرز پر سنسکرت مین گایا جاتا تھا، راجہ مان سنگھ کی بیوی مرگا نینا بھی موسیقی مین بڑا درک رکھتی تھی، راجہ نے دھرپد ایجاد کر کے اس کو اپنے دربار کے ماہر موسیقی نائیک محمود کی مدد سے ساز کے ساتھ ہم آہنگ بنایا، پھر اس کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے ہندوستانی راگ اور راگنیون کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کر کے واضح کر دیا، مسلمانون کے آنے سے موسیقی مین نئے نغمے اور نئے ٹکنیک پیدا ہو گئے تھے، بہت سے راگون کی ہئیت ہی بدل گئی تھی، جن کی شناخت مشکل ہو گئی تھی، اس لیئے اس نے ماہرین کا کمیشن مقرر کیا، جس مین نائیک بخشو، نائیک بھنو، نائیک پانڈے، نائیک محمود نائیک لوہنگ، اور نائیک کرن تھے، اس کمیشن نے پوری تحقیقات کے بعد ایک کتاب ترتیب دی، جس مین نئے اور پرانے راگون کے لیئے قواعد، اور قوانین بنائے گئے۔ اس کتاب کا نام مان کوتوہل ہے، اس مین تمام راگنیون کی فہرست ہے، جس مین وہ راگ بھی شامل ہین، جو مسلمانون کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ راگ راگنیون کی یہ تقسیم شمالی ہند کی موسیقی کے ارتقا کا ایک اہم باب ہے، اور اس کی وجہ سے شمالی ہند

سلطان علاءالدین خلجی بھی ماہرین موسیقی کو اپنے سامنے طلب کرکے ان کے فن سے محظوظ ہوتا، کہا جاتا ہے کہ ملک کافور نے جنوبی ہند کی مہم مین کوئی لوہا کے مندر سے وہان کی ایک مورتی لے آیا تھا۔ یہ مقام سری رنگم کے پاس واقع ہے۔ لیکن مندر کے پوجاریون کو کچھ دنون کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مورتی شاہی مال خانہ مین بالکل محفوظ ہے، تو وہ دہلی آئے، اور سلطان کو اپنی موسیقی، رقص اور سرود سے بہت خوش کیا، سلطان نے خوشی مین ان کو انعام واکرام سے مالا مال کر دینے کا حکم دیا۔ پوجاریون نے انعام مین مذکورۂ بالا مورتی مانگی، اور سلطان پوجاریون سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے مورتی عطا کر دی۔

جلال الدین اور علاء الدین کے عہد مین جنوبی ہند موسیقی کے آرٹ کے لئے بہت مشہور تھا۔ ہندوؤن کی کلاسیکی موسیقی وہین پائی جاتی تھی، کیونکہ وہان شمالی ہند کی طرح ایرانی موسیقی کا ابھی اثر نہین پڑا تھا۔ ملک کافور نے جنوبی ہند مین موسیقی کو بہت ترقی یافتہ پایا تھا، سلطان علاء الدین کے حکم سے بہت سے ہندو ماہرین موسیقی اپنے استادون کے ساتھ شمال مین آکر آباد ہو گئے تھے، ان ہی مین گوپال نایک بھی تھا، جو دہلی مین آکر

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۳) اور دکن کی موسیقی کا فرق بالکل واضح ہو گیا، اور پھر پورے ازمنۂ وسطیٰ مین گوالیار موسیقی کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ اور مغلیہ عہد مین جتنے اہم ماہرین موسیقی تھے وہ زیادہ تر گوالیار ہی کے تھے۔

اوپر کی سطرون سے ظاہر ہوگا کہ ایرانی عربی اور ہندی موسیقی کے امتزاج سے شمالی ہند مین ایک خاص قسم کی موسیقی پیدا ہوئی، اور یہ امتزاج مغلون کے عہد مین انتہا کو پہونچ گیا۔ اور یہ ترقی محض مغلون کی فیاضی سے نہین ہوئی، بلکہ ارتقا جاری تھا۔ جس سے زمین ایسی ہموار ہو گئی کہ پندرہوین اور سولہوین صدی کے آغاز مین اس کو بڑا عروج حاصل ہوا، راجہ مان سنگھ

سکونت پذیر ہوا۔ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا ماہر فن تھا۔ اس کا مقابلہ امیر خسرو سے ہوا، کپتان ولارڈ نے لکھا ہے کہ گوپال نے ایک ہندی راگنی گائی تو ایسا معلوم ہوا کہ اس راگنی میں گوپال کا کوئی مدمقابل نہیں، علاءالدین نے امیر خسرو کو اپنے تخت کے پیچھے چھپا کر یہ راگنی سنوائی، خسرو نے اس راگنی کے اسٹائل کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ اور دوسرے دن قوالی اور ترانہ اپنے جنوبی ہند کے حریف کے اسٹائل میں گایا تو گوپال مبہوت ہو کر رہ گیا، اور اس طرح خسرو نے فریب سے گوپال کو اسکے اعزاز سے محروم کر دیا، امیر خسرو نے گوپال نائک سے مقابلہ کا ذکر غرۃ الکمال کے دیباچہ میں کر کے دعوی کیا ہے کہ اس کامیابی نے موسیقی اور شاعری دونوں میں ان کے کمال کو ظاہر کر دیا ہے، اور اس ملک میں وہ گانے کے لحاظ سے بے مثل سمجھے جاتے ہیں۔

قطب الدین مبارک خلجی (۱۳۱۷-۱۳۲۱ء) اپنے باپ ہی کی طرح موسیقی کا شیدا تھا، اور اپنے عہد کے تمام گویوں اور سازندوں کا سرپرست رہا، جب اس کے یہاں ولی عہد پیدا ہوا تو بڑے پیمانہ پر ایک جشن منایا گیا جس میں ایران اور ہندوستان کی رقاصاؤں نے بھی شرکت کی، ماہرین فن نے اپنے سرود اور آرٹ کا کمال دکھایا۔ اس جشن کا حال امیر خسرو کی مثنوی نہ سپہر میں درج ہے۔

غیاث الدین تغلق میں بڑی مذہبیت تھی، علماء کے اثر میں آ کر اس نے دربار میں موسیقی بند کرا دی، لیکن شیخ نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں مجلس سماع ہوتی رہی۔ علماء نے سلطان کو اس کے رکوانے پر بھی زور دیا، وہ موسیقی کو غیر شرعی اور غیر اسلامی چیز

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۴) اصلاح کر دی دھرپد شمالی ہند میں بہت مقبول رہا لیکن اٹھارہویں صدی کے وسط میں خیال کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ دھرپد کی جگہ خیال ہی نے لے لی۔

سمجھتے تھے، سلطان نے علماء کے ایک محضر میں شیخ نظام الدین اولیاء کو طلب کر کے سماع کو جائز ثابت کرنے کو کہا، شیخ نظام الدین نے سماع کی حمایت میں ہر قسم کے دلائل پیش کئے" جس کے بعد سلطان کو تصوف کی ترویج کی اجازت دینی پڑی ....

محمد بن تغلق (۱۳۲۵ - ۵۱ء) نے دربار سے موسیقی پر پابندی اٹھا دی، اور امیر شمس الدین تبریزی کو داروغہ ارباب نشاط مقرر کیا۔ اس کے دربار میں گانے والے اور گانے والیاں دونوں تھیں۔ ان میں بارہ ماہرین کو تو بڑا اعزاز حاصل تھا۔ سلطان سرود کے ساتھ رقص کو بھی دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا۔ ابن بطوطہ نے رقص و سرود کی ایک مجلس کا ذکر بھی کیا ہے جو سلطان کی ہمشیرہ کی شادی کے موقع پر ہوئی تھی۔

سلطان فیروز شاہ بڑا راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ لیکن گانے بجانے سے اس کو نفرت نہ تھی۔ اور کبھی کبھی اس سے محظوظ ہوتا رہتا تھا۔ بلکہ اس کو فن کی حیثیت سے ترقی دینے میں دلچسپی لیتا رہا، کانگڑہ کی مہم میں جوالا مکھی کے مندر میں اس کو سنسکرت کی بہت سی کتابیں ملیں، جن میں بعض موسیقی، سرود اور رقص سے متعلق تھیں، سلطان نے انکا فارسی میں ترجمہ کرایا تھا۔

فیروز شاہ کے بعد تغلق سلاطین اپنی نااہلی کے سبب تخت پر جم کر حکومت نہ کر سکے، اس لئے ان کے عہد میں موسیقی کی ترقی نہ ہو سکی، سادات کی حکومت قائم ہوئی، تو اس خاندان کے سلاطین بھی کمزور ہی رہے، لیکن ان کا ذوق عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ وہ موسیقی کو تفریح کا اچھا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کی سرپرستی کرتے رہے، مبارک شاہ تو اس آرٹ کا بڑا دلدادہ تھا۔

لودی سلاطین نے موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ کو نظر انداز کیا۔ ان کے زمانہ میں

مہادیوی تحریک چل رہی تھی جس کی وجہ سے سلاطین قدامت پرست ہو گئے اور موسیقی اور مصوری جیسے فنون کی اشاعت پسند نہین کی، اس عہد کی تعمیرات مین بھی سنجیدگی اور متانت زیادہ ہے۔

فنون لطیفہ کے فروغ کے لئے ملک مین امن وامان کا اور خوشحالی کا ہونا ضروری ہے، پھر حکمرانون کا جیسا ذوق ہوتا ہے ویسے ہی ان فنون کی ترقی ہوتی ہے۔ خلجیون کے بعد موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ کی طرح اتنی ترقی نہین کر سکی جیسی کہ پہلے کر چکی تھی، لیکن وسط ہند اور جنوبی ہند کے خصوصاً گوالیار اور وجیانگر کے ہندو راجاؤن نے موسیقی کی سرپرستی اس وقت کی جب یہ سرپرستون سے محروم ہو رہی تھی، گوالیار کا راجہ مان سنگھ (سنہ ۱۴۵۸-۱۵۱۶) گوالیار کی موسیقی کی ایک خاص طرز کا بانی ہوا، اور کلاسیکی نغمون کا بہت بڑا سرپرست رہا، وہ خود بڑا گویا اور ماہر فن تھا، اسی نے دھرپد کا نیا اسٹائل جاری کیا، جو امیر خسرو کے بعد سے نظر انداز ہو گیا تھا۔ اس کے عہد مین نایک بخشو بہت بڑا گویا تھا۔ اس کے دربار کی زینت بھی رہا گو بعد مین بہادر شاہ کے یہان گجرات چلا گیا تھا۔ اس دور کے اور ممتاز گویے پنڈاری اور لوہنگ تھے۔

تیئسویں جھلک

سلاطین دہلی کے زمانہ مین علوم وفنون کی ترقی وفروغ

از نریندر ناتھ لا، کلکتہ یونیورسٹی

[1] ہندوستان مین غوریون کے جانشین ان کے غلام ہوئے۔ اس خاندان کے بانی قطب الدین نے ابتدائی تعلیم نیشاپور مین پائی، جہان اس نے فارسی اور عربی مین اچھی استعداد حاصل کی اور جب وہ برسراقتدار ہوا تو وہ اپنے علمی ذوق ولیاقت کی بنا پر مشہور ہو چکا تھا۔ مسلمانون کے علوم وفنون کا فروغ مسجدون کے ذریعہ سے زیادہ ہوا، اور جس طرح ازمنۂ وسطیٰ مین یورپ مین گرجے مذہب اور علوم کا مرکز تھے اسی طرح مسجدین بھی مرکز بنی رہین، قطب الدین نے بھی بہت سی مسجدین بنوائین، گو مندرون کو منہدم کرا کے ان کی تعمیر ہوئی......

---

[1] یہ اقتباسات نریندر ناتھ لا۔ ام۔ اے۔ بی۔ ال۔ (پریم چند رائے اسکالر، کلکتہ یونیورسٹی مصنف "اسٹڈیز ان انشنٹ ہندو پولیٹی" وغیرہ) کی مشہور کتاب "پروموشن اف لرننگ ان انڈیا" سے لیئے گئے ہین۔ اس مین زیادہ تر فارسی زبان اور لٹریچر کے فروغ کا ذکر ہے۔ لیکن ذیل مین ہم بھی سنسکرت اور خصوصاً ہندی ادب کی ترقی، اور مسلمانون کی ہندی نوازی کا ذکر کرتے ہین؛ تا کہ یہ اندازہ ہو کہ حکومت کو سرکاری زبان فارسی کی سرپرستی ضرور حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود ملکی زبانین بھی نظرانداز نہین ہوئین۔

ایلتمش سیاسی کاموں میں زیادہ مشغول رہا۔ لیکن اس کے زمانے میں دہلی علما و فضلا کا مرجع بنی رہی چنگیز خان نے بخارا پر یلغار کیا تو اس عہد کے مشہور شاعر اور فلسفی امیر روحانی نے بخارا سے آکر دہلی ہی میں پناہ لی۔ یہاں اس نے بہت سے قصائد لکھے۔ جامع الحکایات ولوامع الروایات کے مصنف کو بھی ایلتمش کی سرپرستی حاصل تھی، سلطان کا مشہور و معروف وزیر فخر الملک بغداد کے خلیفہ کے دربار میں تیس سال رہ چکا تھا، وہ اپنے علم و دانش کے لئے مشہور تھا۔ ایلتمش نے اس کو اپنا وزیر بنایا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ علمی لیاقت و صلاحیت کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس کی عمارت سو برس کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں بہت خستہ ہو گئی تھی۔ لیکن فیروز شاہ کو تعلیم سے بڑی دلچسپی رہی، اس لئے اس نے فیاضی سے اس عمارت کی درست کرائی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۸) پروفیسر آشیرباد ی لال سری واستو (آگرہ یونیورسٹی) لکھتے ہیں کہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ ترکوں کی فتح سے ہندوؤں کے ذہن و دماغ بالکل بنجر ہو گئے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے فتح و تسخیر کے برے نتائج کا خیال کئے بغیر اپنی علمی اور فنی سرگرمیوں کو جاری رکھا، چنانچہ اس دور میں مذہبی اور فلسفیانہ لٹریچر بکثرت لکھا گیا گو وہ بہت اعلیٰ معیار کا نہیں ہے۔ رامانج نے برہمہ ستر کی تفسیر لکھی، پارتھ سارتھی نے کرم میمانسا پر کئی کتابیں لکھیں، جن میں شاستر دیپیکا اہم ہے جے دیو نے بارہویں صدی میں اپنی مشہور کتاب گیت گووند قلمبند کی، اس نے بہت سے ڈرامے مثلاً ہرکیلی ناٹک للتا وگر۔ راج ناٹک، پرسن راگھو، وغیرہ بھی لکھے، اس دور کے دوسرے ڈرامے یہ ہیں، پردیومن ابھیودیہ از روی ورمن، پرتاب اور کلیان اور بدیا ناتھ، پروتی پرنیہ از وامن بھٹ بان گنگا داس دیلاس از گنگادھر، دداگدہ مادھو اور للت مادھو از روپ گوسوامی، اسی زمانہ میں

اور اس مین صندلی دروازے لگوائے، التمش نے اپنے لڑکے محمود کی خاطر خواہ تعلیم کے لئے لونی مین ایک علیحدہ انتظام کر رکھا تھا۔

سلطانہ رضیہ التمش کی بڑی لایق لڑکی تھی۔ اس کے دوش پر حکومت چلانے کا مشکل بار ڈالا گیا۔ اور ہندوستان کی خواتین حکمرانون مین اس کا ایک بلند مقام ہے، لیکن اس کو جو کچھ کامیابی ہوئی وہ اس تعلیم کی بدولت ہوئی جو اسکو دی گئی تھی، فرشتہ کا بیان ہے کہ وہ قرآن مین پوری دستگاہ رکھتی تھی، اور اس کی تلاوت صحیح قرات کے ساتھ کرتی تھی۔ وہ علما و فضلا کی سرپرست بھی رہی اس کے دور مین دہلی مین معزی مدرسہ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ تھا، جب قرامطہ اور ملاحدہ ...... نے دہلی پر حملہ کیا تو ان دونون گروہون سے ایک نے بازار بزازان سے ہوکر مدرسۂ مذکور کے دروازے کے اندر

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۹) ہندوؤن کی مشہور قانونی کتاب متاکشرا لکھی گئی، جس کا مصنف وگیانیشور ہے، قانون کی ایک دوسری کتاب جموت واہین نے تدوین کی، بھسکرا چاریہ اس عہد کا بڑا مشہور منجم ہے، فلسفہ مین یوگ، واششٹ اور نیایہ کی بہت سی تفسیرین لکھی گئین بودھ اور جین اہل قلم نے منطق پر بہت سی کتابین لکھین بہت سے مذہبی مصلح بھی پیدا ہوئے، اور بھگتی تحریک اس دور کی خاص پیداوار ہے، وجیانگر کے دربار مین سنسکرت علوم کی بڑی سرپرستی ہوتی رہی، سنسکرت کے بہت سے فضلا، جمع ہو گئے تھے، جن مین سایَن بہت مشہور تھا، اس نے وید کی تفسیر لکھی، سنسکرت کے ہر شعبہ علم کو فروغ ہوا لیکن تاریخی لٹریچر مین صرف ایک رسالہ کلہان نے راج ترنگنی کے نام سے بارہوین صدی کے وسط مین لکھا، (لیکن اسی دور مین سنسکرت مین جن پربھاسوری نے وی دیدہ تیرتھ کلپ جینی سنتون نے کتھا کوس، میروتونگ نے پربھاچنتا منی، راج سیکھر نے پربھاندکوس

یہ سمجھ کر گھسنے کی کوشش کی کہ یہ جامع مسجد ہے۔

بہرام اور مسعود دونون کے دور تعلیمی حیثیت سے غیر اہم رہے، البتہ اسی زمانہ مین طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج کو مدرسہ ناصریہ کا صدر مدرس اور اوقاف کا متولی بنایا گیا۔

سلطان ناصر الدین کی جگہ علمی تاریخ مین اہم ہے، وہ خود بھی اہل علم تھا۔ اور اس کو بیس برس تک تعلیم کو فروغ دینے کا موقع ملا، وہ بادشاہ تھا، لیکن برابر طالبعلمانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتا رہا۔ یہ وصف بادشاہون مین کم پایا جاتا ہے، وہ اپنے آذوقہ کا سامان قرآن کی کتابت کی اجرت سے کیا کرتا تھا۔ ابن بطوطہ نے سو برس کے بعد اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دیکھا تھا۔ جو قاضی کمال الدین کے پاس تھا۔ سلطان ناصر الدین خود اہل علم تھا، اس لئے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۰) اور فیرو نے دو دوسرا یادگار نام لکھکر تاریخی لٹریچر مین اضافہ کیا)

اسی دور مین ہندی لٹریچر کو بھی ترقی ہونے لگی، پرتھوی راج کا درباری شاعر چاند بردائی ہندی کے قدیم ترین شعراء مین ہے، اس نے اپنی مشہور نظم پرتھوی راج راسو لکھی، ایک دوسرے شاعر سارنگ دھر نے دو بڑی نظمین رنتھنبور کے راجہ، ہمیر کے بارہ مین قلمبند کین ہمیر راسو، ہمیر کاویہ، جگ نک نے ایک طویل نظم الہا کھنڈا لکھ کر الہا اودل کے واقعات پیش کئے، یہ دونون مہوبا کے چندیل راجہ پرامردی کے بہادر سپاہی تھے، امیر خسرو کو بھی بعض نقاد ہندی شاعر تسلیم کرتے ہین، میتھلی زبان کو بھی فروغ ہوا، اس زبان کا سب سے بڑا اہل قلم ودیاپتی ٹھاکر چودھوین صدی کے آخر مین ہوا، اس نے سنسکرت، ہندی اور میتھلی زبانون مین کتابین لکھین، بنگالی مصنفون نے تو کتابین لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دی تھین سمرتی پر راگھو نندن مصر کی تصنیف اتنی مشہور رہے کہ اس کا

ارباب علم و فضل کی قدر کرتا، اس نے فارسی ادب کی بڑی سرپرستی کی، طبقات ناصری اہم تاریخی ماخذ ہے، اسی کے دربار مین لکھی گئی، اور اسی کے نام سے موسوم ہوئی، اس عہد مین جالندھر مین بھی ایک مدرسہ تھا۔ جہان الغ خان اعظم (بعد کو بلبن) نے ایک مہم کی فتح کے بعد دہلی واپس آتے ہوے عید اضحی کی نماز باجماعت ادا کی تھی۔

بلبن بھی بڑا علم دوست تھا۔ اس کے دربار مین علما و فضلا کا اجتماع رہا، چنگیز خان نے خراسان اور دوسرے علاقون کو تاراج کیا تو دہلی آکر بیندرہ شہزادون نے پناہ لی، بلبن نے ان کو رہنے کے لئے محل دیئے، اور روزینے مقرر کئے، بلبن اس کا ذکر بڑے فخر و پندار سے کبھی کبھی اپنی گفتگو مین کیا کرتا تھا۔ ان شہزادون کی معیت مین بڑے بڑے فضلا بھی تھے، جن کی وجہ سے ہندوستان کے بادشاہ کا دربار پر رونق رہا۔

اس زمانہ مین دہلی مین علمی مجلسون کی بڑی کثرت تھی، سلطان بلبن کا بڑا لڑکا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۱) ذکر کرنا بیکار ہے، راجستھان مین میرا بھائی نے نظمین لکھین، بہت سے مرہٹی شعرا بھی اس دور مین پیدا ہوئے نام دیو کو زیادہ شہرت ہوئی، گرو نانک نے پنجابی مین اشعار کہے، اور بھگتی کو جیسے جیسے فروغ ہوا ہماری جدید ہندوستانی زبانین بھی ترقی کرتی گئین (دی سلطنیٹ آف ڈلہی صفحہ ۲۷۷-۲۷۸)

بھگتی تحریک بقول پنڈت منوہر لال زتشی اس تحریک سے ملتی جلتی ہے، جو سولہوین صدی مین پروٹسٹنزم کے نام سے یورپ مین جاری ہوئی، یورپ مین پاپائے روم کو یہ دعوی تھا کہ مذہب کے معاملہ مین اس کا فیصلہ قطعی اور ناطق اور اس کے حکم کی نافرمانی خدا کے حکم کی نافرمانی ہے، ہمارے ملک مین قریب قریب یہی دعوی برہمنون کا تھا، اور ذات کی تفریق اس پر مزید کریلا اور نیم چڑھا۔ بھگتون نے یہ بتلایا کہ مذہب، خدا اور

شہزادہ محمد علم و ادب کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتا تھا۔ اس نے مشہور شعراء کا ایک انتخاب کیا تھا جس میں بیس ہزار اشعار تھے، یہ انتخاب اپنے ذوق کی پاکیزگی، اور لطافت کے لیے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شہزادہ نے علمی مجالس قائم کرنے کی قیادت کی جن میں امیر خسرو نمایاں رہتے، یہ مجلسیں شہزادہ کے محل میں برابر منعقد ہوتی رہیں، سلطان بلبن کے دوسرے لڑکے بغرا خان کے یہاں دوسرے قسم کی مجلسیں ہوتیں' جہاں ماہرین موسیقی، اربابِ نشاط اور قصہ گویوں کا اجتماع ہوتا۔ امراء کے یہاں بھی ایسی مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ اور پھر ان کی تقلید میں ایسے جلسے ہر محلہ میں ہوتے رہتے، اس طرح شاہی خاندان کے افراد نے عمدہ ذوق پیدا کر کے ملک کو خاطر خواہ فوائد پہونچائے، شہزادہ محمد کی علمی سرپرستی کی شہرت بیرونی ممالک میں بھی پہونچ گئی تھی، اور اس کے دربار میں باہر سے برابر علما و فضلاء آتے رہتے، اس کی مجلسوں میں شاہنامہ، دیوان سنائی، دیوان خاقانی، خمسۂ نظامی برابر پڑھے جاتے، اور ان کے محاسن پر برابر مذاکرے ہوتے رہتے، اس کے ہم جلیسوں میں امیر خسرو کے علاوہ امیر حسن بھی تھے، جو اس عہد کے بہت بڑے شاعر تھے، شہزادہ نے ان دونوں کو جاگیریں اور وظائف دیکر اپنی قدردانی کا ثبوت دیا، شہزادہ باہر سے بھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علما و فضلا کو اپنے یہاں مدعو کرتا رہتا، تاکہ وہ اس کے یہاں آکر اس کی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۰) بندہ کا واسطہ ہے، چاہے وہ کیسی ہی نیچی ذات کا کیوں نہ ہو، بلا کسی اونچی ذات والے کی مدد سے بندہ اپنے خالق تک پہونچنے کا مجاز ہے، ان بھگتوں کے سیکڑوں اقوال ایسے ملیں گے جن میں برہمنوں کی نخوت اور گھمنڈ کا مضحکہ اڑایا گیا ہے، اور ذات کی تفریق کو بے معنی اور لاطائل بنایا گیا ہے" (کبیر صاحب از پنڈت منوہر لال زتشی صفحہ ۲۳)

غیر معمولی فیاضیون سے مستفید ہوتے رہیں، وہ لاہور میں خود شیخ عثمان ترمذی کی خدمت میں حاضر ہوا جو توران کے بہت جید عالم تھے، ان کو شہزادہ نے اپنے یہاں قیام کرنے کے لیے اصرار کیا، لیکن ہر قسم کے تحایف اور آرزو منت کرنے کے باوجود انھون نے توران کو چھوڑنا پسند نہیں کیا، شہزادہ نے دو بار سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں مدعو کیا اور تحایف کے ساتھ اخراجات سفر بھی بھیجے، اس نے ملتان میں ان کے لئے ایک خانقاہ بھی تعمیر کرانے کا ارادہ کیا، اور اس کے لئے جاگیرین وقف کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن شیخ سعدی اپنی ضعیفی کی وجہ سے آنہ سکے۔ اور دونون مرتبہ کچھ اشعار لکھ کر معذرت کی، جن میں امیر خسرو کی تحسین وستایش بھی کی، یہ شہزادہ فضلا کی صحبت کا کچھ ایسا شایق تھا کہ میدان جنگ میں بھی ان کو اپنے جلو میں رکھتا تھا، چنانچہ جس لڑائی میں وہ شہید ہوا، اس میں دشمنون کے ہاتھون امیر خسرو بھی گرفتار ہوئے،

سلطان بلبن نے بھی اہل علم کے ساتھ اسی قسم کا قابل تعریف رویہ اختیار کر رکھا تھا، اس نے شہزادہ محمد کو جو نصیحتین کین ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علما و فضلاء کا کتنا قدردان تھا۔ اور اس کو احساس تھا کہ اگر ان کی دانش وبینش سے فائدہ اٹھایا جائے تو وہ حکومت کے لئے مفید ہو سکتے ہین، اس نے شہزادہ محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ذہانت، علم

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۳) اور یہ تحریک یقیناً مسلمانون کے میل جول اور ان کے مذہبی اور روحانی تصورات کی وجہ سے فروغ پائی، جیسا کہ ام۔ پانیکار نے کہا ہے کہ "ایک راسخ العقیدہ ہندو کو وحدانیت کو یا انسانی مساوات کو سمجھنے کے لئے اسلام کے پاس جانے کی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ اپ نشد میں یہ ساری باتین موجود ہین۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤن کے مذہبی پیشواؤن کو اسلامی تعلیمات سے روحانی التقاضرور حاصل ہوا (اے سروے آف انڈین ہسٹری ص ۱۴۴) پروفیسر آئنگر اور اچاری کا بھی بیان ہے کہ وشنو تحریک

ہمت والون کی تلاش مین کوتاہی نہ کرو، اوران کے ساتھ عنایت اور فیاضی کے ساتھ پیش آؤ تاکہ وہ تمھاری مجلسون کی روح اور تمھارے اقتدار کے آلہ کار بن جائین، علماء وفضلا کی قدر بلبن جس طرح کیا کرتا تھا کہ اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ جب وہ بنگال کی مہم سے کامیاب ہو کر دہلی واپس ہوا تو اس نے پہلے فخرالدین کوتوال کی خدمات کو سراہا جس نے اس کے تین سال کی غیر حاضری مین بڑی ہوشمندی اور کارکردگی کے ساتھ حکومت کے نظم کو سنبھالا تھا۔ پھر اس نے تمام علماء کے گھروں مین جاکر حاضری دی اور ان کی خدمت مین قیمتی تحایف پیش کیے، اس کی بیس سالہ مدت حکومت مین بہت سے علماء وصلحاء جمع ہو گئے تھے، جن مین شیخ فریدالدین گنج شکرؒ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدینؒ، عارف ..... اور سیدی مولا وغیرہ قابل ذکر ہین، ان کے علاوہ بہت سے علوم وفنون کے ماہرین بھی تھے اس زمانہ تک سلاطین کی سرپرستی سے دہلی ایسا علمی مرکز بن گیا تھا کہ امیر خسرو نے بڑے فخر کے ساتھ لکھا ہے کہ دہلی بخارا جیسے علوم وفنون کے مرکز کا مدمقابل بن گیا ہے۔

خاندان خلجی | سلطان جلال الدین خلجی کا علمی ذوق بہت اچھا تھا۔ وہ اہل علم سے بڑے احترام سے پیش آتا۔ اس کے ہم جلیسون مین دانشمندون، بذلہ سنجون، اور جرات وشجاعت والون کے علاوہ ممتاز ارباب علم بھی ہوتے، جو اکثر اس کی نجی مجلسون مین شریک رہتے، ان مین سے خاص خاص کے نام یہ ہین، امیر خسرو، تاج الدین عراقی خواجہ حسن، معید دیوانہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۴) (بھگتی کا دوسرا نام) اسلام اور ہندوازم کے میل جول کے ردعمل کا نتیجہ ہے (ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۱۸۳) اسلامی مساوات کے گوناگون فوائد کو دیکھ کر ان بھگتون نے مساوات کی نظری اور عملی تعلیم دی، چنانچہ اس تحریک کے سب سے بڑے علمبردار راما نند تھا (۱۴۷۰-۱۴۰۰ء) نے اپنے اردگرد جو چیلے جمع کیے، ان مین جہان پیپا گگارون گڈھ کا راجہ

امیر ارسلان تلی، اختیار الدین یاغی اور باقی خطیر ان مین سے بعض نے شاعری تاریخ اور دوسرے علوم مین کتابین لکھین۔

جلال الدین خلجی کی مجلسون مین موسیقی کے ماہرین بھی جمع ہوے۔ امیر خسرو، حمید راجہ اور محمد جنگی، فتوحہ، نصیر خان، اور بہروز کے ساتھ مل کر محفل سرود کو گرماتے رہتے تھے، وہ اُس وقت تک ایسی محفلون مین شریک نہ ہوتے جب تک کہ وہ خود نئی غزل یا نئے گیت قلمبند نہ کر لیتے، جس کے لئے وہ انعام و اکرام سے نوازے جاتے۔ سلطان جلال الدین نے امیر خسرو کو اپنے شاہی کتب خانہ کا کتابدار بھی مقرر کیا، جو بہت ہی موزون انتخاب تھا، سلطان تخت نشین ہونے سے پہلے بھی امیر خسرو کا قدردان رہا، کیقباد کی عہد مین اس نے ان کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا، اور جب عارض ممالک ہوا تو ان کو بارہ سو تنکے انعام مین دیئے، سلطان نے ان کو اپنا مصحف دار بھی بنایا، اور امیر کا خطاب دے کر سفید کمر بند لگانے ... کی اجازت دی جو صرف شاہی خاندان کے لئے مخصوص تھا۔ ....

علاء الدین خلجی بالکل امی تھا، .... لیکن اس کو بہت جلد اپنے جاہل ہونے کے نقصانات کا احساس ہو گیا۔ اس لئے اس نے محنت سے پڑھنا سیکھا، اور جس کے بعد وہ اہم تحریرین پڑھ لیا کرتا تھا۔ اور فارسی زبان کے ممتاز مصنفون سے بھی واقف ہو گیا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۵) وہان دہانا ایک جاٹ، سین ایک حجام، رائے داس ایک موچی اور کبیر بھی تھے ان بھگتون نے ساری تفریق حتی کہ ہندو مسلمان کے فرق کو بھی مٹا دینا چاہا اور دل کی صفائی، من کے پریم، صداقت اور محبت پر زیادہ زور دیا، اور انھون نے سنسکرت کے بجائے عام زبان مین اپنے خیالات کی ترویج کی تاکہ عوام زیادہ سے زیادہ فیضیاب

اور جب وہ علم سے روشناس ہونے لگا تو اس کے ساتھ علمی مذاکرے بھی ہوتے تھے، اور وہ اپنے دور کے مشاہیر سے خصوصاً قاضی مولانا کہرامی اور قاضی مغیث الدین سے لطف و کرم سے پیش آنے لگا، قاضی مغیث الدین سلطان کو شرعی قوانین بتایا کرتے تھے، اور جب انکی تصریح کرنے میں سلطان کی رائے سے اختلاف ہوتا تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا، سلطان کے مزاج میں مطلق العنانی تھی، اس لئے دربار کے لوگ اس کی مزاجداری کر کے اپنے علم کا مظاہرہ کیا کرتے تھے، لیکن جیسے جیسے وہ علم کے نور سے منور ہوتا گیا۔ اس میں تبدیلیاں آتی گئیں، اور اس کا رویہ اہل علم کی طرف سے بھی بدلتا گیا، ایک موقع پر تو اس نے قاضی مغیث الدین کو ان کی توقع کے خلاف ایک ہزار ٹنکے اور خلعت بھی عطا کیا۔ لیکن وہ ارباب علم میں ان ہی کے ساتھ خصوصیت برتا جن کو وہ پسند کرتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ برنی نے لکھا ہے کہ وہ علم سے ناواقف تھا، اس لئے ارباب علم سے نہیں ملتا تھا، لیکن یہ بیان کچھ ضرورت سے زیادہ سخت ہے، مگر مولانا عبد الحق حقی دہلوی نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے اصل حقیقت کا اندازہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان علاء الدین کے عہد میں دہلی علماء و فضلا کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا، سلطان تو اپنے زور اور مزاج کی سختی کی وجہ سے ارباب علم کے ساتھ مہر و عنایت سے پیش نہیں آتا لیکن علمی فضا باقی رہی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فرشتہ نے بھی لکھا ہے کہ اس عہد میں محلات، مسجدیں، مدرسے، حمام، مقبرے، قلعے اور ہر قسم کی عمارتیں اس طرح

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۶) ہوسکیں، پنڈت منوہر لال زتشی لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے سنتوں اور بھگتوں نے سنسکرت کو چھوڑ کر ہندی، مرہٹی، بنگالی اور پنجابی میں اپنے خیالات کی اشاعت کی اور ان کو صرف شاہی محلوں اور عظیم الشان اور مقدس مندروں میں نہیں بلکہ غریب نادار جاہل دیہاتیوں کے جھونپڑوں اور چھپروں میں پھیلایا، کبیر صاحب فرماتے ہیں، ع

تعمیر ہوئین کہ جیسے کسی نے جادو کیا ہے، اور فضلار کا مجمع ایسا ہوا جو کسی زمانے مین نہین ہوا، علوم و فنون کے ۴۵ ماہرین درس و تدریس مین مشغول تھے "

ان فضلا کا ذکر کرنے سے پہلے جو اس دور مین تھے لیکن شاہی سرپرستی مین نہین رہے، ہم ان شعرا کا ذکر کرتے ہین جن کو دربار سے وظایف ملتے تھے، ان کے نام یہ ہین، امیر خسرو، امیر حسن (جو سعدی ہند کہلاتے تھے) صدر الدین علی، فخر الدین خواص، حمید الدین راجہ، مولانا عارف، عبد الحکیم، شہاب الدین صدر نشین، ان کے علاوہ کچھ مورخین اور یادداشت لکھنے والے بھی تھے۔ اس عہد کے اور دوسرے شعراء اور حکماء یہ تھے، سید تاج الدین، سید رکن الدین، سید مغیث الدین اور سید نجیب الدین جو عبادت، زہد و تقویٰ اور کمالات باطنی مین خاص طور پر ممتاز تھے، مشایخ مین حضرت نظام الدین اولیاؒ تھے جن کا دہلی مین مزار اب تک مسلمانون کا مرجع ہے، شیخ عثمان جو مخدوم سراج الدین کے نام سے مشہور ہیں، ان کے شاگرد رشید تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ مین ایک کتب خانہ تھا، شیخ عثمان جب لکھنوتی جانے لگے تو اس مین سے بہت سی اہم کتابین اپنے ساتھ لیتے گئے۔

ان فضلاء اور صلحاء کے یہان دینیات اور فلسفہ کی تعلیم و تدریس برابر جاری رہتی، احیاء العلوم اور اس کے ترجمے، عوارف المعارف، کشف المحجوب، اور رسالہ قشیریہ جیسی کتابین بہت مقبول تھین۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۷) سنسکرت ہے کوپ جل بھاشا بہتا نیر

(سنسکرت بندھا ہوا پانی ہے، اور بھاشا بہتا ہوا پانی ہے)

ہندستان کی ان زبانون کی داغ بیل انہی بھگتون کی ڈالی ہوئی ہے، اور ان کی ساکھیان اور شبد، ان کے بھجن اور گیت اب تک ان زبانون کے تمغائے افتخار ہین" (کبیر صاحب از منوہر لال

اس دور مین امرا بھی بڑی فیاضی سے علوم کے سرپرست بنے رہے، قوایتہ کے امرا کے یہان بہت سے فضلا اور طلبہ رہتے، گردیز کے سادات مثلاً سید مجو، سید علی بھی اپنی علمی سرپرستی کے لئے مشہور تھے، ججر خانہ ان مین معین الدین تاج الدین، جلال، جمال اور علی کو بھی اپنی اپنی فیاضی مین بڑی شہرت حاصل تھی، بیانہ کے سادات بھی علوم کے شایق رہے۔

اس دور مین دہلی مین علما و فضلا کا بہت بڑا اجتماع ہو گیا تھا، جن مین سے بعض برنی کے بیان کے مطابق بخارا، سمرقند، بغداد، قاہرہ، دمشق، اصفہان، اور تبریز کے ارباب علم سے زیادہ لایق و فایق تھے اور ہر فن، مثلاً بدیع، بیان، فقہ، اصول فقہ، اصول دین، نحو، تفسیر وغیرہ کے جید عالم موجود تھے، برنی نے حسب ذیل علما و فضلا کے نام لکھے ہین۔

(۱) قاضی فخر الدین ناقلہ (۲) قاضی شرف الدین سرباہی (۳) مولانا نصیر الدین غنی (۴) مولانا تاج الدین مقدم (۵) مولانا ظہیر الدین لنگ (۶) قاضی مغیث الدین بیانہ (۷) مولانا رکن الدین سنامی (۸) مولانا ظہیر الدین بھکری (۱۰) قاضی محی الدین کاشانی (۱۱) مولانا کمال الدین کولی (۱۲) مولانا وجیہ الدین پایلی (۱۳) مولانا منہاج الدین قاینی (۱۴) مولانا نظام الدین کلاہی (۱۵) مولانا نصیر الدین کرہ (۱۶) مولانا نصیر الدین صابونی (۱۷) مولانا علاء الدین تاجر (۱۸) مولانا کریم الدین جوہری (۱۹) مولانا حجت ملتانی (۲۰) مولانا حمید الدین مخلص (۲۱) مولانا برہان الدین بھکری (۲۲)

بقیہ حاشیہ ص ۴۰۴) زتشی صفحہ ۴۴۷)

اس بھگتی کال کے نغمے فضا مین زیادہ تر ہندی ہی مین گونجتے رہے، اس زمانہ مین دو قسم کی نظمین لکھی گئین، ’نرگنڑ‘ اور ’سگنڑ‘، نرگنڑ لکھنے والے شعرا خدا کے مادی وجود کے قائل نہ تھے، بلکہ اسکو اسکے صفات سے متصف کرتے اور سگنڑ لکھنے والے وہ شعرا تھے جو خدا کو مادی شکل مین پوجا کرتے تھے، اس گروہ مین وہ لوگ بھی شریک تھے، جو بت پرستی کے خلاف

(۲۲) مولانا افتخار الدین برنی (۲۳) مولانا حسام الدین سرخ (۲۴) مولانا وحید الدین ملہو (۲۵) مولانا علاء الدین کرک (۲۶) مولانا حسام الدین ابن شادی (۲۷) مولانا حمید الدین بنیانی (۲۸) مولانا شہاب الدین ملتانی (۲۹) مولانا فخر الدین ہانسوی (۳۰) مولانا فخر الدین سفاقل (۳۱) مولانا صلاح الدین سترکی (۳۲) قاضی زین الدین ناقلہ (۳۳) مولانا وجیہ الدین رازی (۳۴) مولانا علاء الدین صدر الشریعۃ (۳۵) مولانا میران ماریکلہ (۳۶) مولانا نجیب الدین ساوی (۳۷) مولانا شمس الدین تم (۳۸) مولانا صدر الدین گندھک (۳۹) مولانا علاء الدین لوہوری (۴۰) مولانا شمس الدین یحیی (۴۱) قاضی گازرونی (۴۲) مولانا صدر الدین تادی (۴۳) مولانا معین الدین لونی، (۴۴) مولانا افتخار الدین رازی (۴۵) مولانا معز الدین اندپتی (۴۶) مولانا نجم الدین انتشار۔

اسی عہد میں مولانا علیم الدین، مولانا جمال ابن شاطبی، مولانا علاء الدین مقری اور خواجہ ذکی بھی تھے، مؤخر الذکر تینوں بزرگ علوم قرآن کے بڑے ماہر تھے، مولانا امام الدین حسن اس دور کے بھی بڑے مشہور ذاکر تھے، مولانا حمید، اور مولانا لطیف اور ان کے صاحبزادوں میں مولانا ضیاء الدین سنامی اور مولانا شہاب الدین خلیلی بھی تذکیر کی محفلیں سجایا کرتے تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۹) خدا کو کرشن اور رام کے نام سے پوجا کرتے تھے، مثلاً کرشن مسلک کے بھگتوں کا مقصود کرشن ہے جو وشنو کا اوتار ہے، اور ساری کائنات کا مالک ہے، کرشن کے کنول جیسے پاؤں کی پوجا میں نجات مضمر ہے، اسی لئے اس مسلک کے شعراء نے کرشن اور رادھا کی معصوم محبت کو نمایاں کیا، اسی طرح رامائی مسلک کے شعراء نے رام چندر اور سیتا جی کو وشنو بھگوان کے اوتار کی حیثیت سے بھکتی کا مقصود بنایا۔

لیکن اس دور میں کچھ ہندی شعراء ایسے بھی تھے جو مذہب کے اختلافات کو مٹا کر

اس دور مین امیر ارسلان بہت بڑا مورخ گذرا ہے اور کبیر الدین اپنی فصاحت و بلاغت کے لئے مشہور تھا۔ اس کی فتح نامہ کی تعریف برنی نے بہت کی ہے، گو اس مین علاء الدین کے کردار کا تاریک پہلو ظاہر نہین کیا گیا ہے،

اطبا مین مولانا بدر الدین دمشقی، مولانا صدر الدین جوینی طبیب، اور علیم الدین بہت ممتاز تھے، برنی نے بہت سے منجمون، گویون اور سازندون کے نام بھی لکھے ہین، اس دور مین جب اتنے لایق فضلا و علما تھے، تو برنی کا بیان ہے کہ سلطان علاء الدین نے انکی قدر نہین کی اور یہ ستم ظریفی ہے کہ ایسے حکمران کا دور مسلمانون کی تاریخ مین علمی حیثیت سے ممتاز رہا، لیکن قومون اور افراد کی زندگی مین ایسا تضاد بہت رہا ہے۔

اور پھر ایک اہم چیز یہان پر قابل ذکر ہے، محمد غوری کی آمد سے علاء الدین کے عہد تک ایک صدی گزر چکی تھی، ہندو مسلمان دونون کا خلط ملط شروع ہو گیا تھا۔ گرچہ یہ وسیع پیمانہ پر نہ ہونے پایا تھا۔ اور قدرتی قوانین کے مطابق لسانی میل ملاپ کا بھی آغاز ہونے لگا تھا، اہل دار کے راجہ کی لڑکی دیول دیوی کی شادی خضر خان سے ہوئی، تو اس پر امیر خسرو نے پوری ایک مثنوی لکھ دی، اس شادی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو مسلمان کے معاشرتی اختلاف مین

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۰) سب انسانون کی ایک برادری قائم کرنے کی کوشش کی، رام، رحیم، دیر و حرم، کفر و اسلام، نماز اور پوجا کی تفریق مٹا کر سب کو ایک کرنا چاہا۔ ان کا کہنا تھا کہ مختلف مذہب کے لوگ الگ الگ راستون پر گامزن ہین، لیکن سب کی منزل مقصود ایک ہے، ایسے مذہبی پیشواؤن اور ہندی شاعرون مین ہندو اور مسلمان دونون شریک تھے، اس کے پہلے علمبردار نامدیو تھے، جو مہاراشٹر کے ایک کم ذات گھرانے مین تیرہوین صدی کے آخر مین پیدا ہوئے وہ مرہٹی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے، لیکن اپنے پیغام کو عام

کمی پیدا ہونے لگی تھی، اور پھر یہ لکھنا تو بیکار ہے کہ اس طرح زبانون کا بھی خلا رطاہر رہا تھا،

خاندان تغلق | اس خاندان کے پہلے فرمانروا غیاث الدین تغلق کی حکومت مختصر رہی، لیکن اس کے عہد مین امن وامان رہا جس سے اہم تعلیمی ترقی کی راہین کھلین، یہ سلطان ارباب علم وفضل کا گرویدہ رہا، اس لئے ان کو برابر اپنے دربار مین مدعو کرتا، اس نے بہت سی عمارتین بنوائین، اور علماء، مشائخ اور سادات کو وظایف دیئے، اس نے ملک کی حکمرانی کے سلسلہ مین، ایسے قوانین کی تدوین کرائی جس کی بناء کلام پاک اور سلاطین دہلی کی روایات پر تھی، اس عہد مین جو رنگ پیدا ہوا، وہ نصف صدی تک قائم رہا، اور فیروز شاہ کے دور مین انتہائی طور پر نکھرا، گو علمی فضا تاریک ہو گئی تھی۔ اور علائی عہد کی طرح علماء و فضلا کا اجتماع باقی نہین رہا تھا چنانچہ مولانا عبدالحق حقی اپنے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ "علائی عہد کے بعد علم ودانش کا معیار کم ہوتا گیا، اور ادب کا ایک نیا رنگ پیدا ہوگیا۔ اور گو سلطان محمد تغلق علم وفضل کا قدردان رہا، لیکن اس کے عہد مین لایق ارباب علم اتنے نہ تھے جتنے عہد علائی مین تھے"۔ اور اس کے دو خاص وجوہ تھے، ایک تو یہ کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۱) کرنے کے لئے ہندی مین بھی شاعری کی، انھون نے توحید اور عشق الٰہی کا سبق دیا۔ اور بت پرستی سے منع کیا، اور شمالی ہند مین کبیر صاحب نے ہندی دوہون کے ذریعہ بھکتی کی ترویج کی، وہ عشق الٰہی کو کرم کانڈ یوگ دریاضت وغیرہ پر ترجیح .... دیتے ہین، اور انھون نے بتایا کہ بھگت ہر شخص ہو سکتا ہے، امیر ہو یا مفلس برہمن ہو یا شودر، اس وجہ سے وہ ذات کی تفریق کو نہین مانتے، اور اس کی مذمت کرتے ہین، یہان تک کہ بارگاہ ایزدی مین ہندو مسلمان کے فرق کو بھی تسلیم نہین کرتے، ان کا پیام تھا کہ جس طرح ہندو اور مسلمان خدا کی نگاہ مین ایک ہین اسی طرح ہو یارہ مین بھی ایک ہو جائین!

مبارک خلجی کا دور بڑا ہی بنجر اور مصیبت خیز تھا۔ دوسرے یہ کہ محمد تغلق کے طرح طرح کے منصوبوں کی وجہ سے انتشار رہا۔

محمد تغلق محمد تغلق اپنے ابتدائی دور میں علما و فضلا کا بڑا سرپرست تھا، اس کا شمار ذی استعداد سلاطین دہلی مین کیا جا سکتا ہے، وہ خود بڑا اچھا اہل قلم اور کسی حد تک شاعر بھی تھا، وہ عبارت آرائی مین اپنی خیال انگیزی اور بلندی انشا سے بڑے بڑے اختراع پسند استادون کو حیرت مین ڈال دیتا تھا۔ وہ اپنے استعارات سے عجیب و غریب معانی پیدا کرتا تھا، اس کو فارسی نظمین بہت یاد تھین، اور عربی اور فارسی دونون کے مکاتبات و مراسلات مین اپنی فصاحت کے لیے داد حاصل کرتا، استعارات کے استعمال مین بڑی مہارت دکھاتا، اور بکثرت فارسی اشعار نقل کرتا، اس کا حافظہ بھی عجیب و غریب تھا، اسکو تاریخ سے بڑی دلچسپی تھی، اور جو کچھ پڑھتا اس کو مع سنین کے یاد رکھتا، سکندر نامہ، بوستان، سلم نامہ اور تاریخ داؤدی وغیرہ اس کو مستحضر تھین، تقریر کرنے مین بھی سحر البیان تھا اور

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۳) کہے کبیر اک رام جپو رے ہندو ترک نہ کوئی

(کبیر کہتا ہے، ایک خدا کو جپو، نہ کوئی ہندو ہے، نہ مسلمان)

پھر ایک دوسری جگہ کہتے ہین۔

دوئی جگدیش کہان تے آئے کہو کون بھرمایا — اللہ رام کریم کیشو ہری حضرت نام دھرایا
گہنا ایک کنک تے گہنا تا مین بھاؤ نہ دُجا — کہن سنن کو دوئی کو تھاتے ایک نماز ایک پوجا

(دنیا کے دو مالک کہان سے آئے، کہو کس نے دھوکا دیا، اللہ، رام، کریم، کیشو، ہری، حضرت، مختلف نام رکھے، گہنا ایک ہی سونے سے بنتا ہے، اس مین شبہ نہین، کہنے سننے کے لئے دو باتین قائم کین، ایک نماز، ایک پوجا)

اربابِ علم و دانش کو دلائل سے قائل کرتا رہتا۔ خطاطی مین بڑے بڑے استادون کو اپنے فن کے اعتبار سے شرمندہ کر دیتا تھا۔ وہ طب، منطق، ہیئت اور ریاضی مین بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ جب کوئی مریض غیر معمولی مرض مین مبتلا ہوتا تو وہ اس کے یہان پہونچکر اس کے مرض کی نوعیت جاننے کی کوشش کرتا، اس نے یونانی فلسفہ کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اور سعد منطقی، عبید شاعر، نجم الدین انتشار، اور مولانا زین الدین شیرازی اور دوسرے فضلاء سے مذاکرے کیا کرتا تھا۔ ابو العباس مسالک الابصار مین بیان کرتا ہے کہ سلطان کو کلام پاک اور ہدایہ حفظ ہے، . . . . وہ اشعار پڑھنے، کہنے اور سننے کا شایق ہے، اور انکے گہرے سے گہرے معانی و مطالب کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہے، وہ علماء و فضلاء سے مذاکرے کیا کرتا ہے، وہ فارسی کے شعراء سے فن شاعری پر بحثین کیا کرتا ہے، کیونکہ وہ اس زبان کا بڑا ماہر ہے" اس کو داستانون، قصون اور کہانیون کی کتابون سے کوئی دلچسپی نہ تھی،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۳) اور جس طرح کبیر ہندو مسلمان کو ایک روحانی رشتہ مین منسلک کرنا چاہتے تھے، اسی طرح ہندی زبان مین فارسی اور عربی الفاظ استعمال کرکے ہندو اور مسلمان دونون کی زبانون کو ایک دوسرے سے قریب تر کر رہے تھے، ان کے ہندی دوہون مین اکھلاس (اخلاص)، اپھترا (افترا)، ترکیت (طریقت) دروگ (دروغ) کھلک (خلق)، پلیتہ (پلید) بنگامبر (پیغمبر) وغیرہ جیسے الفاظ بہت ملتے ہین، اور کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی زبانون مین فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش کا رجحان کبیر کے زمانے مین اپنے شباب کو پہونچ چکا تھا۔

کبیر نے ہندو مسلمان اور ہندوستان کے مختلف فرقون اور ذاتون کو ایک دوسرے سے قریب تر کرنے کے لئے جو مسلک اور عقیدہ اختیار کیا، اس کے مخالف راسخ العقیدہ

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کو بچپن میں کس نے تعلیم دی، البتہ یہ ضرور معلوم ہے کہ قتلغ خان اس کا اتالیق تھا۔ جس کو اس نے دولت آباد کا گورنر مقرر کیا۔

وہ جس طرح علمی اوصاف سے متصف تھا اسی طرح وہ شجاعت، جرات اور غربا پروری کے لئے بھی مشہور رہا۔ اس نے بیماروں کے لئے شفا خانے، بیواؤں اور یتیموں کے لئے خیرات خانے قائم کئے۔ اور اپنے ابتدائی دور میں تو وہ ارباب علم کے لئے بھی بہت فیاض تھا۔ اس کی زرپاشی کی شہرت سن کر ایشیا کے بکثرت اصحاب فضل وکمال دہلی آتے اور انعامات واعزازات سے سرفراز ہو کر اپنے ملکوں کو واپس جاتے۔

لیکن سلطان کی سیرت میں دو نقائص بھی تھے ایک تو یہ کہ وہ بڑا تند خو تھا جس سے خفا ہوتا اس کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتا۔ . . . . پھر اس کا مزاج بڑا ہی وہمی تھا۔ جس سے علمی ماحول پر بڑا بار دار اثر پڑا، اس کے تھل منصوبوں میں ایک منصوبہ دولت آباد میں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۴) مسلمان اور ہندو دونوں رہے۔ اور اس مخالفت کی وجہ سے ان کو جلاوطنی بھی اختیار کرنی پڑی، لیکن خالص مذہبی نقطۂ نظر سے خواہ کتنا ہی اختلاف کیا جائے، ان کے ہندی دوہوں کی یہ اسپرٹ ضرور قابل قدر ہے کہ جب ہندو راجاؤں اور مسلمان حکمرانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں سے فضا گرد آلود ہو رہی تھی اور میدان جنگ میں ہندو اور مسلمان اپنے ذاتی قومی اور مذہبی جذبات سے متاثر ہو کر دست بگریبان ہو رہے تھے، اس وقت کبیر نے اپنے دوہوں کے ذریعہ سے باہمی محبت، یگانگت، موانست اور انسان دوستی کا راگ الاپا، اور پھر ان دوہوں کی وجہ سے ہندی شاعری کے لئے جو شاہراہیں کھلیں، وہ نظر انداز نہیں کی جاسکتی ہیں۔ بابو شیام سندر داس نے کبیر گرنتھاولی میں لکھا ہے کہ ہندی ادب کی تاریخ میں زمانۂ قدیم کے

دار السلطنت کی منتقلی تھی، .... اس طرح دہلی جو مسلمانون کا سب سے بڑا
علمی مرکز تھا۔ یکایک غیر آباد ہوگئی اور یہان کے مدارس اور تعلیمی ادارے ہزارون طلبہ سے
بالکل خالی ہوگئے، .... لیکن سلطان کا ذوق علمی تھا، اس لئے وہ برابر علماء
کو ساتھ رکھنا پسند کرتا، اور جو علما، دولت آباد اس کی معیت مین یا اپنی مرضی سے گئے، وہ
دہلی کی علمی فضا کے نعم البدل تو نہین ہو سکے، لیکن اس کے دربار مین شروع سے آخر تک
علمی معیار اونچا رہا، اس نے نئے شہر مین تعلیم کے فروغ کے لئے کیا کیا تدبیرین کین، اس کی
تفصیل تو نہین معلوم ہو سکی، لیکن خیال ہے کہ جس طرح فیروز شاہ نے فیروز آباد مین اچھے مدارس
قائم کئے، اسی طرح اس نے بھی اپنے نئے دار السلطنت دولت آباد مین مدرسے قائم کئے ہونگے،
لیکن بہر حال اس کا ابتدائی دور اس لحاظ سے برابر یاد کیا جائیگا کہ اس کی فیاضی اور علمی
سرپرستی کی شہرت سے دہلی علمار کا مرجع بن گیا، چنانچہ ابو العباس احمد نے بڑی بلند آہنگی کے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۵) اختتام پر زمانہ وسطی کبیر داس جی سے شروع ہوتا ہے، اس زمانہ کے وہ
پہلے شاعر ہین، اس وقت بھاشا زبان منضبط نہین ہوئی تھی، .... ان کی شاعری
دل مین اثر کرنے والی ہے"۔ پروفیسر محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ بلحاظ شاعری کبیر کا پایہ بہت
بلند ہے، ہندی زبان کا درحقیقت پہلا بڑا شاعر ہے، اس کا کلام سادگی، تاثیر، صفائی، جدت،
معنی آفرینی، سوز و گداز اور شیرینی ادا کے اوصاف سے آراستہ ہے، کبیر کا سب سے بڑا کمال
یہ ہے کہ دقیق سے دقیق خیال کو چند معمولی الفاظ مین ادا کر سکتا ہے، جس کو خواندہ و جاہل
اور عالی و عامی سب سمجھ سکتے ہین، اور اسی کمال کی بدولت اس کو دائمی شہرت کا تاج
مل گیا ہے، تلسی داس اور سور داس اگرچہ کبیر سے بہت بعد گذرے ہین، لیکن ان کا کلام
اس قدر دقیق اور عالمانہ ہے کہ ہم اس کا اکثر حصہ سمجھنے سے قاصر ہین، لیکن کبیر کے ہان یہ دقت

ساتھ لکھا ہے کہ "اس کے دربار مین عربی، فارسی اور ہندوستانی زبانون کے ایک ہزار لایق شعرا تھے، اس کے دسترخوان پر دو دو سو علما ہوتے، اور وہ ان سے علمی مذاکرے کرتا"۔ ابوالعباس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ارباب علم صدر جہان اور اس کے دبیرون کی نگرانی مین رہتے" بہرحال اس کی تعریف کرنی پڑیگی کہ سلطان نے اپنے ابتدائی دور مین علما و فضلا کی جو سرپرستی کی، وہ بے مثل تھی، اس کے دربار مین جو ارباب علم آئے ان مین سے بعض کے نام یہ ہین، نصیرالدین، عبدالعزیز۔ شمس الدین، عزالدین، مجدالدین (مصنف قاموس) برہان الدین۔

فیروز تغلق | فیروز تغلق ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کی صف اول مین رکھے جانے کے لایق ہے، اس نے اکبر کی طرح بہت سے شاندار کارنامے انجام دیئے، وہ جس طرح سخی اور فیاض تھا، اسی طرح عادل اور ایک اچھا ناظم سلطنت بھی تھا۔ اور جس طرح اس نے سلطنت کی مادی خوشحالی کے لئے کوشش کی، اسی طرح تعلیم اور ثقافت کو بھی فروغ دیا......اس کی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۶) محسوس نہین ہوتی" (پنجاب مین اردو ص ۱۵۲)

کبیر کا نام تو اسلامی ہے، لیکن ان کے حسب و نسب کی صحیح تحقیق نہین ہو سکی ہے، اس لئے ہم ان کو اگر ہندی کا ایک مسلمان محسن اعظم کہین تو اس کو بہت سے حلقے مین تسلیم کرنے مین عذر ہوگا۔ لیکن ان سے بہت پہلے مسلمان اپنی ہندی نوازی کا ثبوت دے چکے تھے، پشپانجلی کے مصنف نے لکھا ہے کہ مسلمانون نے آریہ ورت سے رشتہ ہوتے ہی ہندی شاعری کی طرف دھیان دینا شروع کر دیا تھا، چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی نے راجہ کالنجر پر حملہ کیا تو کالنجر راج کے سوامی راجا نند نے ایک چھند محمود کی شان مین بنا کر اسکے پاس روانہ کیا۔ جب سلطان نے اپنے یہان کے ہندی جاننے والے درباریون سے چھند کا مطلب سنا تو وہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے نہ صرف کالنجر پر حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا،

اس کی تعلیم بھی خاطر خواہ طریقہ پر ہوئی تھی، اور وہ خود ایک عمدہ رسالہ فتوحات فیروز شاہی کا مؤلف تھا، وہ فن تاریخ کا بڑا دلدادہ رہا، اس کے دربار مین ضیاء الدین برنی اور شمس سراج عفیف جیسے مشہور مورخین موجود تھے، برنی کی وفات کے بعد اس کو ایک ایسے لایق اہل قلم کی تلاش ہوئی جو اس کے عہد کے واقعات کو قلمبند کرے لیکن اس کا معیار اعلیٰ تھا، اس لئے کوئی مورخ مل نہ سکا تو نا امید ہوکر اس نے خود ہی اپنے دور کے اہم واقعات لکھکر فیروز آباد کے کوشک نزول اور کوشک شکار کی دیوارون، گنبدون اور منارون پر سونے اور چاندی کے حروف مین نقش کرا دیئے، اس نے علماء و فضلا کی پذیرائی کے لئے اپنے دربار مین خاص اہتمام کر رکھا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اہل علم کا کسقدر احترام کرتا تھا۔ اس نے تین محل بنوائے تھے (۱) محل انگوری (۲) محل چھجہ چوبین (۳) محل بار عام، پہلے مین وہ علماء فضلا اور امراء سے ملتا، دوسرے مین اس کے خاص خاص مجلیس ہوتے، تیسرے مین ہر شخص کو آنے کی اجازت تھی۔ وہ ۳۶ لاکھ ٹنکے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۷) بلکہ راجہ کو جو وہ قلعے اپنی طرف سے انعام مین دیئے" ہندی کے قدیم شعراء مین پنڈا، کدار، انیاد اس کے ساتھ مسعود، قطب علی، اور اکرم فیض کے بھی نام لئے جاتے ہین، مسعود سعد سلمان بہرام شاہ غزنوی کے دربار کا شاعر تھا۔ فارسی شاعری کا استاد کامل ہونے کے علاوہ اس نے بھاشا مین بھی ایسی مہارت پیدا کر لی تھی کہ اس زبان مین بھی ایک دیوان چھوڑا، مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ تمام تذکرے متفق ہین کہ ہندی زبان مین مسعود سعد سلمان نے ایک دیوان مرتب کیا افسوس کہ اس دیوان کا کہین پتہ نہین چلتا۔ جناب ترلوک ناتھ کوہلی بی۔ اے مئی ۱۹۳۲ء کے رسالہ زمانہ کانپور مین اپنے ایک مضمون "ہندی ادب مین مسلم مصنفین کا حصہ" مین لکھتے ہین "جس وقت مسلمانون نے ہندوستان مین قدم رکھا تو یہان برج بھاشا رائج تھی، مسلمانون کی ترقی کے ساتھ برج بھاشا نے بھی نئی پوشاک پہنی

وظایف اور تحایف مین خرچ کرتا جن مین ۳۶ لاکھ فضلا اور علما وکو دیئے جاتے۔ . . . . .

سلطان کے یہان غلامون کی بڑی کثرت تھی۔ وہ ان کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام رکھتا، . . . . ان مین سے بعض غلام کلام پاک پڑھنے اور حفظ کرنے کیلئے ہوتے بعض مذہبی کتابون کا مطالعہ کرتے بعض کتابون کی نقلین کرتے اور بعض کو تاجرون کی نگرانی مین مختلف قسم کے آرٹ سکھائے جاتے اسطرح بارہ ہزار غلام ہو گئے تھے شہر اور دوسرے علاقون مین ۱۸ ہزار غلام تھے جن کی دیکھ بھال کے لئے علٰحدہ حکام تھے اور ان کے اخراجات کیلئے خزانے میں علٰحدہ مد تھی، . . .

فیروز شاہ نے رعایا مین جس طرح تعلیم کی ترویج کی کسی اور سلطان نے نہین کی، اس نے بہت سے اچھے قسم کے آئین اور قوانین وضع کئے، جن مین سے ایک قانون علم کے فروغ کے لئے بھی تھا۔ اس نے اسی . . . . . کے ذریعہ سلطنت کے مختلف علاقون مین علماء و فضلا کو آباد کیا تاکہ وہ لوگون مین تعلیم کی اشاعت کرتے رہین، وہ خود لکھتا ہے کہ "مین نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۸) فصل گذری، رت بدلی اور زبان کے درخت نے بھی نئی کونپلین نکالین، فارسی اور برج بھاشا مین اختلاط شروع ہوا، لیکن جب تک غیر ملکی حملون کا سلسلہ موقوف نہ ہوا ہندو مسلم ارتباط اور فارسی ہندی اختلاط کو ترقی نہ ہوئی اور فارسی ہندی کا ریختہ پختہ نہ ہو سکا، یہان تک کہ سلطان بلبن کا مبارک زمانہ آپہونچا اور امیر خسرو کا طوطی بولنے لگا، یہ ٹھیک ہے کہ محمد قاسم، محمود غزنوی اور محمد غوری نے اپنے دفاتر ہندو نژاد حاکمون کے سپرد کر دیئے تھے، ان مین ہندی زبان ہی رائج تھی اور یہین سے ہندی فارسی کا اختلاط شروع ہوا تھا۔ لیکن کسی مصنف نے اس زبان مین قلم اٹھانے کی سعی نہین کی تھی، اکرم، فیض، قطب علی، اور مسعود کے اسمائے گرامی اس عالی شان عمارت کے معماران اولین مین شمار کیئے جا سکتے ہین، جنھون نے فارسی و ہندی آمیز اشعار لکھے

پرانے فرمانرواؤن کے تمام صدقات جاریہ یعنی کاروان سرائین مسجدین، کنوئین، تالاب، نہرین، پل، شفاخانے، خیرات خانے اور مدارس کی از سر نو مرمت کرائی اور ان کے لیے اوقاف مقرر کئے۔ اس نے رفاہ عام کی جو عمارتین بنوائین ان کی تفصیل حسب ذیل ہے، ان مین تعلیمی اور دینی اہمیت کم نظر نہین آتی۔

(۱) بند جو ۵۰ (۲) مسجدین ۴۰ (۳) مدرسے جن مین مسجدین بھی تھین ۳۰ (۴) محل اور قصر ۱۰۰ (۵) سرائین ۱۰۰ (۶) شہر ۲۰۰ (۷) تالاب سچائی کے لئے ۳۰ (۸) دارالشفا ۵ (۹) مقبرے ۱۰۰ (۱۰) حمام ۱۰ (۱۱) یادگار ستون ۱۰ (۱۲) کنوئین ۱۵۰ (۱۳) پل ۱۰
ان کے علاوہ رعایا اور ملک کے فائدے کیلئے بے شمار باغات اور آسایش خانے بنوائے، ہر عمارت کو تعمیر کر کے اس کے اخراجات کے لئے آمدنی وقف کی۔

سلطان فیروز نے جو مدارس بنوائے، ان مین ایک فتح خان کے مقبرہ کے پاس تھا جو قدم

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۹) لیکن ان کی کوئی مستقل تصنیف دستیاب نہین ہو سکی، سب سے اول جس شخص کا کلام ملتا ہے وہ امیر خسرو ہین" ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے جو کتاب "ہندی شاعری" شائع ہوئی ہے، اسکے مصنف لکھتے ہین کہ "ہندی مسلمانون مین سب سے پہلے طوطی ہند حضرت امیر خسرو دہلوی نے ہندی شاعری مین رنگ جمایا، ان کے گیتون، پہیلیون اور دوہون نے مسلمانون کو ہندوؤن مین ہر دلعزیز بنا دیا، ترکون کا نام ان کے دل مین گھر کر بیٹھا، یہان تک کہ رفتہ رفتہ ہر مسلمان کا نام ترک پڑ گیا، اور پیار محبت کے موقعون پر مسلمانون کے بجائے ترک کا لفظ زبان پر آنے لگا جیسے۔

توکو لے چھوٹی لیئے گا گریا۔ کیسے کرون میری سا سریا۔

ہر گاؤن کی گیت گانے والیان، ہر قریہ کی زمینداربیان خسرو کے نام سے واقف

شریف کہلاتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک مسجد اور تالاب بھی تھا۔ جو سلطان نے اپنے ولی عہد
فتح خان کی موت کے بعد اس کی یاد کو باقی رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔ شہزادہ فتح نے ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء
مین وفات پائی، ایک دوسرا مدرسہ فیروز آباد مین تھا، جو فیروز شاہی مدرسہ کے نام سے مشہور
تھا۔ برنی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اپنی علمی شہرت اور تعمیری دلآویزی مین
ہندوستان کے تمام مدارس مین سب سے ممتاز ہے۔ فیروز شاہ کو اپنے نئے دار السلطنت سے
بڑی محبت تھی۔ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہین کہ یہان تعلیم کے فروغ کے لیے اس نے
اپنے تمام ذرایع استعمال کرکے پورے حوصلے کی تکمیل کی کوشش کی ہو۔ اور ظاہری شان
وشوکت اور اندرونی محاسن کی خاطر کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو، یہ مدرسہ ایک بہت ہی وسیع
عمارت مین واقع تھا۔ اس کے اوپر بڑے بڑے گنبد تھے اندر باغ تھا، جس مین انسانی
آرٹ کے ذریعہ چمن بندیاں اور روشین اس طرح بنائی گئی تھین کہ پورا ماحول فطری طور سے علمی غور و فکر

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۰) ہوگئین (ہندی شاعری ص ۷)

ڈاکٹر رام اودھ دیویدی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، بنارس ہندو یونیورسٹی نے اپنی
انگریزی کتاب "ہندی لٹریچر" مین لکھا ہے کہ خسرو نے فارسی اور ہندی دونون مین اشعار
کہے ہین، وہ گوناگون تجربات رکھتے تھے، اور مزاج بھی بڑا شگفتہ پایا تھا۔ جیسا کہ ان دوہون،
گیتون اور معمون سے پتہ چلتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے سادہ اور
عام فہم زبان لکھی جو آج کل کی ہندوستانی سے ملتی جلتی ہے۔ انھون نے ہندی کو پراکرت
اور اپ بھرنش سے آزاد کرکے صحیح معنون مین دیش بھاشا بنانے کی کوشش کی، انکے
گیتون مین برج بھاشا کے جو اجزا ہین، ان سے پتہ چلتا ہے کہ شورسینی اپ بھرنش کی
یہی ہندی شکل اس زمانہ مین شمالی ہند کی علمی زبان تھی (ہندی لٹریچر صفحہ ۲۱)

کے لئے موزون ہوگیا تھا۔ اس سے ملا ہوا ایک تالاب تھا، جس مین مدرسہ کی بلند اور مضبوط عمارت کا عکس پڑتا رہتا تھا، کیسا دلکش منظر اس وقت نظر آتا ہوگا جب سینکڑون طلبہ اس مدرسہ کی عمارت کے صاف ستھرے فرش پر چلتے پھرتے ہونگے، وہ کبھی تالاب کے پاس تفریح کے لئے آجاتے ہونگے، اور اس کے بعد اپنے اساتذہ کے درس و تدریس مین شریک ہو جاتے ہونگے، اس مدرسہ کے دو ہی معلمونکے بارہ مین کچھ معلوم ہو سکا، ایک تو مولانا جلال الدین رومی تھے، جو دینیات، فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے، واضح رہے کہ یہ مولانا مشہور و معروف مثنوی کے مصنف نہ تھے، دوسرے معلم ایک بڑے مذہبی پیشوا ابجی تھے جو سمرقند سے آئے تھے، طلبہ اور اساتذہ مدرسہ ہی مین رہتے تھے، اس طرح دونون ایک دوسرے سے برابر ملتے جلتے رہتے، اس مین غیر مذہبی تعلیم ہی نہین دی جاتی، بلکہ طلبہ کی روحانی تربیت بھی ہوتی رہتی، مدرسہ کے ساتھ مسجد بھی تھی، جہان طلبہ اور اساتذہ پانچون وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۱) امیر خسرو کو اپنے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہوگیا تھا کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے، جب حضرت خواجہ کا وصال ہوا تو وہ سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ مین تھے، لیکن وہین ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور سلطان محمد تغلق سے اجازت لے کر دہلی چل کھڑے ہوئے، یہان پہونچکر معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے، یہ سن کر وہ بے تاب ہو گئے، اپنی ساری ملکیت مرشد کے ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین مین لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر پہونچ گئے، اس سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

"سبحان اللہ! آفتاب زیر زمین و خسرو زندہ"

جمع ہو کر نماز با جماعت ادا کرتے، اور ایک امام ان کی امامت کرتا ... اس مسجد میں صوفیہ اور حفاظ تسبیح اور کلام پاک برابر پڑھتے اور سلطان اور تمام مسلمانون کے لئے دعائین کرتے رہتے، مدرسہ مین مہمان خانہ بھی تھا، جہان آکر بیرونی سیاح قیام پذیر ہوتے یہ سیاح دور دراز ممالک سے اس مدرسہ کی شہرت سنکر اس کو دیکھنے کے لئے آتے، اچھے طلبہ کو وظائف دیئے جاتے اور مدرسہ کے تمام افراد کیلئے خواہ طلبہ ہون یا اساتذہ یا مہمان روزینے مقرر تھے، اور یہ تمام اخراجات حکومت کی طرف سے ہوتے جس کے لئے جاگیرین وقف تھین، افسوس کہ یہ مدرسہ اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ اب طاق نسیان بن کر رہ گیا ہے!

فیروز شاہ کے مدرسون مین ہندوؤن کی تعلیم کا تو اہتمام نہ تھا، لیکن ہندو اہم عہدون پر مامور کئے جاتے، خانجہان اور اس کے لڑکے کے سپرد فیروز شاہ نے تمام اختیارات کر دیئے تھے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۲) اور یہ کہکر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو کہا۔

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس   چل خسرو گھر اپنے رین بھئی سب دیس

ان کا یہ ہندی شعر کس قدر پر درد اور حسرت ناک ہے!! اور جب صوفیہ کرام اپنے اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پاکیزگی سے یہان کے ملکی باشندون کو اپنی طرف مائل کرنے لگے اور اپنی محبت اور اخلاص سے لوگون کے دلون مین گھر کر لیا تو انھون نے یہان کے عوام کی مقامی بولیان بھی سیکھین، اور ان کے ساتھ آزادی سے بات چیت بھی کرنے لگے، اور جو لوگ فاتحون کی تلوار سے سہم گئے تھے، ان کو ان بزرگون کے کردار اور اخلاق مین ذہنی اور روحانی سکون ملنے لگا، ان بزرگون نے بھی اپنے کو ان سے قریب تر کرنے کی خاطر انکی زبان مین اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا۔ چنانچہ کچھ دوہے ان صوفیہ و مشائخ کی طرف بھی منسوب ہین مثلاً۔ شیخ احمد عبد الحق رودولوی کا ایک مشہور دوہا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ان دونون نومسلم ہندو ناظم سلطنت کو اپنے فرایض انجام دینے مین عربی اور فارسی جیسی غیر ملکی زبانون کو سیکھنا پڑا ہو گا، اسی طرح مسلمان بھی ہندوستانی زبانون مین مہارت پیدا کرتے چلے جا رہے تھے، سلطان فیروز شاہ نے نگر کوٹ فتح کیا، تو راجہ کو بحال رکھا یہان سلطان کو لوگون نے بتایا کہ اس جگہ جو مندر ہے، اس مین نوشابہ (سکندر اعظم کی بیوی) کا بت ہے، اس بت کا نام جوالا مکھی تھا۔ اس مندر مین تیرہ سو ہندوؤن کی کتابین بھی تھین، فیروز شاہ نے پنڈتون کو بلا کر ان مین سے بعض کتابون کے ترجمے کی فرمایش کی، اور اس عہد کے مشہور شاعر عز الدین خالد خانی کی بھی ایک نظم کے ترجمہ کا حکم ملا، اور جب یہ ترجمہ پورا ہوا تو سلطان نے اس کا نام دلائل فیروز شاہی رکھا، اس طرح ہندو اور مسلمان دونون ایک دوسرے کی زبانین سیکھنے لگے تھے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۳) کنوا ہو تو پاٹون سمندر کہ پاٹن جائے ۔۔۔ بارا ہو تو برجون جھیل کہ برجن جائے

حضرت بو علی قلندر پانی پتی کا ذکر آگے آئیگا، شیخ عبد القدوس گنگوہی (ولادت ۸۶۱ھ) ہندی کے شاعر تھے، اور الکھ داس تخلص کرتے تھے، ان کے ہندی اشعار کے نمونے یہ ہین،

دھن کارن پی آپ سنوارا ۔۔۔ بن دھن سکھی کنت کٹھارا

شہ کھیلے دھن ماہنین ایوان ۔۔۔ باس پھول مین اچھے جیوان

کیون نہ کھیلون تج سنگ میتا ۔۔۔ مجہ کارن تین ایتا کیتا،

الکھ داس اکھے سن سوئی ۔۔۔ سوئی پاک ارتہ پہن سوئی

فیروز شاہ کے عہد مین مولانا داؤد نے نورک اور چندا کی پریم کتھا لکھی، جو اتنی مقبول ہوئی کہ اس زمانہ کے ایک مشہور واعظ مخدوم شیخ تقی الدین جامع مسجد دہلی مین جب وعظ کہا کرتے تھے تو نورک اور چندا کے اکثر اشعار خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔

اس عہد مین بڑے بڑے فضلا فلسفی اور فقیہ تھے، جن مین سے بعض کے نام یہ ہین۔

(۱) مولانا علیم اندپتی، مذہب اور فقہ پر ایک ضخیم کتاب لکھی (۲) مولانا خواجگی جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد تھے، (۳) مولانا احمد تھانیسوری (۴) قاضی عبدالمقتدر شریحی، جو مختلف علوم جاننے کے علاوہ عربی اور فارسی کے شاعر بھی تھے، ان کا عربی کلام ان کی فارسی شاعری سے بہتر ہوتا تھا۔ (۵) عین الملک جو مشہور و معروف عین الملکی کا مصنف ہے،

سلطان کی فیاضی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ اصحاب علم کی احتیاج کو رفع کرنے مین برابر فکرمند رہا۔ ہر زمانہ مین کچھ ارباب علم و دانش ایسے ہوتے ہین جو بے سر روزگار نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف مین رہا کرتے ہین لیکن ان کی خودداری ان کو اپنی تکلیفون کا اظہار کرنے نہین دیتی، سلطان نے کوتوال اور ضلع کے تمام حکام کو حکم دیا کہ ایسے تمام لوگون کی تلاش

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۴) مسلمانون نے ہندوستان کی اور زبانون کی ترقی مین جو حصہ لیا اس کا جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ذیل مین ہم جو تحریر پیش کرینگے اس مین بعض ایسے ہندی شعرا کا بھی ذکر آگیا ہے، جو زیر نظر عہد کے بعد گزرے ہین،

حافظ محمود شیرانی "مسلمان اور ہندی زبانین" کے عنوان سے لکھتے ہین۔

امیر خسرو اپنی مثنوی نہ سپہر مین ہندوستان کی مفصلۂ ذیل زبانون کا شمار کرتے ہین:

(۱) سندھی (۲) لاہوری (۳) کشمیری (۴) ڈوگری (۵) دھور سمندری (۶) تلنگی (۷) گجراتی (۸) معبری (۹) گوڑی منسوب بہ گوڑ (قدما گوڑ کو لکھنوتی کہتے تھے، پٹھان گوڑ کو مغلون نے جنت آباد نام دیا) (۱۰) بنگالی (۱۱) اودھی (۱۲) دہلوی

(۱۳) سنسکرت جو عربی کے سوا تمام زبانون سے افضل ہے۔

کسی قدر ترمیم کے ساتھ یہ تقسیم آج بھی صحیح مانی جا سکتی ہے، ان زبانون کو ہندوستان

مین رہین۔ اور ان کی ضروریات سے مطلع رکھین اطلاع پانے کے بعد حکومت کی طرف سے انکی ضروریات پوری کردی جائین۔

اس مشہور و معروف سلطان کا مقبرہ ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء مین نصیر الدین تغلق شاہ نے حوض خاص کے گاؤن کے پاس تعمیر کرایا۔ اس کے شمال کی طرف ایک مختصر سی محراب ہے جسکا رُخ ایک مدرسہ کی جانب ہے، اس سے متصل شمالی سمت مین فیروز شاہ کے مدرسہ کے کھنڈرات ہین، جو حوض خاص یا حوض علائی کے جنوب مین واقع ہے، اس کا ذکر سی اسٹیفن نے کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۵) کی قدیم پراکرتون کی یادگار مانا جاتا ہے جو عوام کی زبان زد تھے، اور یہ مسلمان ہین جنھون نے سب سے پیشتر ان زبانون کی طرف توجہ دی، اور شاعری کا ان مین رواج دیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانون کی آمد عظیم الشان تغیرات کا پیش خیمہ ہے جس کے دنبال مین اقتصادی، معاشی، تمدنی، اور لسانی انقلاب رونما ہوئے، مسلمان فاتحانہ حیثیت سے آئے اور بہت جلد اس سرزمین کو اپنا وطن تصور کرنے لگے، انھون نے ممالک خارجہ کی تجارت کا دروازہ اس ملک پر کھول دیا، بیسیون نئی صنعتین مثلاً کاغذ سازی، پشمینہ سازی، زین سازی، نقلبندی، باغبانی، فن حلوائی، قالین سازی، پارچہ بافی، طب یونانی، فن تعمیر، کاشی کاری، آئینہ سازی، بیطاری، دارو سازی، کشتی گیری، شال بافی وغیرہ وغیرہ کی ترویج دی، زندگی کے ہر شعبہ اور فن کو نمایان ترقی دی، فنون لطیفہ کی سرپرستی کی، مختلف کھانون اور اچارون کا رواج دیا۔ قسم قسم کے عطریات کی ایجاد کی، شعر دوستی اور ادب پرستی مسلمانون کی قومی خصوصیت ہے، چنانچہ جب وہ ہندوستان مین آباد ہوگئے اور ملکی زبان سمجھنے اور بولنے لگے، ان کی یہ قومی خصوصیت بروے کار آئی اور وہ اس ملک کی

فیروز شاہ کے شاندار عہد کے بعد جو دور آیا وہ علمی حیثیت سے تاریک رہا، غیاث الدین ثانی، ابوبکر اور نصیر الدین کی مدت حکومت بھی مختصر رہی، ان کے بعد محمود تغلق کی حکومت کا زمانہ تیمور کے طوفانی حملہ کی وجہ سے تو اور بھی ہولناک رہا، بہت سے قصبے غیر آباد ہو گئے

خاندان سادات | .... اس خاندان کی حکومت مین دہلی سے سو میل کے فاصلے پر بدایون بہت بڑا تعلیمی مرکز ہو گیا تھا۔ یہان بہت سے مدارس تھے، جو گویا دہلی اور فیروز آباد کی تعلیمی سرگرمیون کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، اس خاندان کا آخری بادشاہ سید علاء الدین بدایون مین تقریباً تیس سال رہا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۶) زبانین جن مین پشتو، کشمیری، سندھی اور پنجابی شامل ہین، اکثر مسلمان شعراء کی مرہون منت ہین، برج، اودھی، گجراتی اور بنگالی زبانون مین ہندوؤن کے ساتھ ساتھ مسلمانون نے بھی ایک معقول حصہ لیا ہے، .... یہان مین اپنے دعوی کی تائید مین جناب رمیش چندر سین بی۔ اے کی تاریخ ادبیات بنگال سے ایک اقتباس جو زیادہ خلاصہ کی شکل مین ہے، ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہون ' "بنگالی زبان کے ادبی پایہ تک ارتقا حاصل کرنے کے متعدد اسباب ہین، ان مین سب سے پیش پیش بلاشائبہ اشتباہ مسلمانون کی فتح بنگال ہے۔ اگر ہندو راجا بدستور سابق مختار اور حکمران رہتے تو بنگالی زبان کے لئے دربار تک رسائی حاصل کرنا ایک دشوار امر تھا۔ ان پٹھانون نے تیرھوین صدی مین بنگال کو تسخیر کر لیا۔ ان کے سلاطین نے بنگالی زبان سیکھی اور اپنی کثیر التعداد ہندو رعایا کے ساتھ جن پر حکمرانی کرنے کے لئے وہ آبسے تھے، قریبی تعلقات قائم کر لیئے، جب ان سلاطین نے سنسکرت کے مشہور رزمیون رامائن اور مہابھارت کا ذکر سنا جو ہندوؤن کی مذہبی اور گھریلو زندگی کی

لودی خاندان | اس خاندان کا بانی سلطان بہلول بلند قسم کا علمی ذوق تو نہین رکھتا تھا، لیکن فضلاء کی صحبت کا شایق رہا اور ان کے علم و فن کو انعامات دے کر نوازتا رہا، اس کے زمانے مین بڑا امن تھا جس سے علم و ادب کو ترقی ہوتی رہی، مآثر رحیمی مین ہے کہ اس نے کچھ مدارس بھی قائم کئے تھے، اس نے اسلامی فقہ کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کیا تھا اور حکومت کو اچھی طرح چلانے کے ضوابط بھی پڑھے تھے اس طرح عملی طور سے شاہانہ فرائض کو انجام دینے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۷) تشکیل مین عجیب و غریب اثر رکھتے تھے، تو قدرتاً ان کو شوق پیدا ہوا کہ ان نظمون کے موضوع سے آگاہی حاصل کرین، انھون نے چند عالمون کو بنگالی زبان مین ان کے ترجمہ کرنے کا حکم دیا، جس زبان کو وہ اب بولتے اور جانتے تھے، مہابھارت کا بنگالی ترجمہ ناصر شاہ والی گوڑ کے حکم سے ہوا، جس نے ۱۳۲۵ء تک پورے چالیس سال سلطنت کی تھی" (صفحہ ۱۰۰۱۱)

جب بنگالی زبان کے ادبیات کا سنگ بنیاد مسلمانون کے ہاتھون سے رکھا جاتا ہے جس کا ہم کو اب تک کوئی علم نہین تھا تو یقین کر لینا چاہئیے کہ دوسرے علاقون مین جو اہل اسلام کے زیر نگین تھے انھون نے دیسی زبانون کی ترویج مین ضرور حصہ لیا ہے، اس کا ثبوت پیش کرنا کوئی دشوار نہین ہے، ہمین یاد رکھنا چاہیے کہ بھاشا کے میدان مین مسلمانون کے نام ہندو شعراء سے اقدم ہین، ہندی کا پہلا بڑا شاعر کبیر ہے، جو نوین صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے، ہندو شعراء زیادہ تر دسوین صدی ہجری مین پیدا ہوئے۔ جیسے تلسی داس، اور سور داس کبیر سے پیشتر بھی مسلمان شعراء موجود تھے۔

مسلمانون مین ہندی شعراء کے سرتاج خواجہ مسعود سعد سلمان المتوفی ۵۱۵ھ

اور عدل گستری مین اس کو ان چیزون سے بڑی مدد ملی۔ لیکن انصاف پروری مین اس کے
علمی مطالعہ سے زیادہ اس کے ذاتی محاسن کو دخل ہے۔

سلطان بہلول کے بعد سکندر تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنا دار السلطنت آگرہ
منتقل کر دیا۔ جہان علما و فضلا کھنچ کر آنے لگے، خود سلطان سکندر بھی ایک اچھا شاعر تھا
اس نے علم و ادب کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کو بڑا فروغ دیا، اس کا تخلص گلرخ تھا
اور وہ شیخ جمالی مصنف سیر العارفین کو اپنا کلام دکھایا کرتا تھا اس کے دیوان مین آٹھ نو
ہزار . . . اشعار تھے، اس نے حکم دے رکھا تھا کہ تمام فوجی عہدیدار بھی تعلیم یافتہ ہون

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۸) مین۔ ان کا ہندی کلام اگرچہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہین رہا
لیکن بارہ ماسہ سب سے پیشتر ان ہی نے لکھا ہے، چنانچہ فارسی مین ان کا مشہور یہ
یادوازدہ ماہہ اب تک محفوظ ہے، چونکہ پنجاب سے مسلمانون کے تعلقات دہلی
کے مقابلہ مین زیادہ قدیم ہین۔ اس لئے مسلمانون نے اسی ملک کی زبان مین سب سے
پہلے شعر گوئی کی بنا رکھی، مشائخ و صوفیہ نے سب سے پیشتر دہلی و پنجاب مین ہندی
کی سرپرستی کی ہے، ان کا تعلق عوام الناس سے براہ راست تھا۔ اسی لئے دیسی زبانون
کی تربیت ان ہی سے شروع ہوتی ہے۔ ان اہل اللہ مین ہم بعض مشہور بزرگون کے
نام دیکھتے ہین، مثلاً شیخ فرید الدین مسعود متوفی ۶۶۴ھ، شیخ نظام الدین اولیا متوفی
۷۲۵ھ۔ امیر خسرو متوفی ۷۲۶ھ، شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی متوفی
۷۲۴ھ، موخر الذکر نے شیخ نظام الدین اولیا سے ہندی دوہرون مین مشاعرات
کئے ہین۔ اور مبارز خان کے ارادۂ سفر کے وقت ذیل کا ہندی دوہا مع اس کے ترجمہ
فارسی کے خان کے پاس بھیجا تھا۔

اس طرح فوجیون کو فن سپہگری کے علاوہ علمی استعداد بھی رکھنی پڑتی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سلطان مذہبی مناظرے کو پسند کرتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ایک بار ایک ہندو برہمن سے مناظرے کے لئے حسب ذیل علماء مدعو کئے گئے (۱) میان قادر بن شیخ راجو (۲) تو لمبہ سے الیاس اور میان الہ آبادی (۳) دہلی سے سید محمد بن سید خان (۴) سرہند سے ملا قطب الدین اور ملا الہ داد صالح (۵) قنوج سے سید برہان اور سید احسن ان کے علاوہ سلطان کی معیت مین رہنے والے علماء سید صدر الدین قنوجی میان عبد الرحمٰن سکری اور میان عزیز اللہ سنبھلی بھی اس مناظرہ مین شریک تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۹) بجن سکارے جانین کے اوزہین مرین گے ڑے بد ضنا سکارین کر بہور کدہی نا ہوے

شعر فارسی۔

من شنیدم یار من فردا ز درہ شتاب   یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلاطین و امراء و عمال نے بھی ہندی زبانون کی سرپرستی مین کچھ کم حصہ نہین لیا، ناصر الدین والی لکھنوتی متوفی ۷۳۶ھ بنگالی مین مہابھارت کا ترجمہ کراتا ہے۔ اس صدی مین فیروز شاہ خلجی ۷۹۰ھ سنسکرت سے بعض کتابین ترجمہ کرواتا ہے، سلطان زین العابدین والی کشمیر متوفی ۸۷۷ھ کئی زبانون مین ماہر تھا، وہ تبتی زبان بھی بے تکلف بولتا تھا۔ ایک طرف جہان اس نے مہابھارت اور راج ترنگنی کا ترجمہ کرایا۔ دوسری طرف فارسی اور عربی کتابون کا بھی کشمیری زبان مین ترجمہ کرایا، ودیاپتی شاہ غیاث الدین والی بنگالہ کا مداح ہے، ہندی زبانون کی سرپرستی مین علاء الدین حسین شاہ والی بنگال متوفی ۹۲۵ھ کا نام آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، اس کا دربار ہندی اور بنگالی شعراء سے آباد تھا، قطبن نے اپنی تصنیف مرگاوتی ۹۰۹ھ مین اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی ہے، اور ملا دہروا سوساکن کلنگرام

سکندر لودی کا عہد اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ ہندوؤن نے اسی زمانہ سے فارسی پڑھنا اور لکھنا شروع کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندوؤن اور مسلمانون مین باہمی میل جول شروع ہو گیا تھا ۔ اور ایسی مثالین ملینگی کہ ہندوؤن نے مسلمانون کے علوم و فنون کا مطالعہ کرنا ان ہی کی زبانون مین شروع کر دیا تھا ۔ زیر نظر عہد مین اس ذوق کو اور بھی فروغ ہوا ۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ ہندو پہلے فارسی لکھنا پڑھنا نہین جانتے تھے ، لیکن اس عہد سے انھون نے مسلمانون کے ادب کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۰) اس بادشاہ کے حکم سے بھاگوت کا بنگالی زبان مین ترجمہ کرتا ہے ، ابھی اسکے دو باب ہی ترجمہ کئے تھے کہ بادشاہ کے شاعر کو ۱۴۸۰ء مین گن راج خان کا خطاب دے دیا ، اس حسین شاہ کے سپہ سالار پراگل کے حکم سے جو ناظم چٹگانگ بھی تھا ، گوندپریشور نے مہابھارت کا دوسرا ترجمہ بنگالی زبان مین شروع کیا ۔ ترجمہ ختم ہونے نہین پایا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا اس کے فرزند چھوٹے خان نے جو باپ کا قائم مقام ہوتا ہے ، سری کرنانندی کو اسی کام پر مقرر کیا اور ترجمہ ختم ہو گیا ۔

قاضی محمود گجراتی متوفی ۹۲۰ھ ہندی کے زبردست شاعر تھے ۔ ان کے اشعار مجالس حال و قال کو ایک عرصہ دراز تک گرماتے رہے ، ملک محمد جائسی نے شیر شاہ سور کے نام پر پدماوت لکھی اور دوسری متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑین ، شیخ دانیال چشتی نوین صدی ہجری مین پیدا ہوئے ہین ، اور ایک سو گیارہ سال عمر پا کر ۹۹۳ھ مین رحلت کرتے ہین ، ہندی کے اعلیٰ شاعر تھے ، قطبن ، ملک محمد جائسی اور شیخ عثمان غازی پوری نے عام مذاق کی تصنیفین لکھ کر ہندی شاعری کو عالمگیر مقبولیت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا تھا ، لیکن افسوس ہے کہ بعد کے آنے والے ہندو شعراء نے اس کو مذہبی رنگ مین رنگ دیا ، تلسی داس

عبداللہ نے تاریخ داؤدی میں سکندر کے عادات وخصائل کے سلسلہ میں حسب ذیل باتیں لکھی ہیں۔

سکندر کی نجی صحبتوں میں سترہ جید علماء و فضلاء برابر ساتھ رہتے تھے، آدھی رات کے بعد وہ کھانا کھاتا۔ تو یہ سترہ افراد بھی اس کے ساتھ بیٹھے رہتے، اس کی مسہری کے پاس ہی دسترخوان لگتا اور انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے، ان سترہ آدمیوں کے سامنے بھی کھانے لگائے جاتے۔ لیکن وہ دسترخوان پر نہ کھاتے، بلکہ جب سلطان کھا لیتا تو ان کی ساری پلیٹیں ان کے گھروں پر بھیجدی جاتیں، اور وہ وہیں کھاتے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۱) اور سورداس نے زبان کو مذہبی تنگنائے میں محصور کر کے مناقب سری رام چندرجی اور سری کرشن کے لئے وقف کر دیا۔ . . . . اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہندی شاعری مذہب کی جکڑ بندیوں سے کبھی آزاد نہ ہو سکی" (پنجاب میں اردو ص ۱۱۷ - ۱۱۰)

ہندوستان کی مختلف زبانوں سے مسلمانوں کا لگاؤ ان کی وطن دوستی کا ثبوت ہے اور یہ وطن پرستی کا جذبہ فارسی شعراء بھی اپنے اشعار کے ذریعہ ابھارتے رہے، مثلاً محمد تغلق کے عہد میں عصامی ایک بڑا شاعر گزرا ہے جس نے ہند کے سلاطین کا ایک شاہنامہ لکھ کر ہندوستان کا فردوسی بننا چاہا تھا۔ اس شاہنامہ کا نام فتوح السلاطین ہے، جس میں اس نے ہندوستان کی جابجا بے حد تعریف کی ہے، ذیل میں پہلے اشعار اور اس کے بعد ان کے ترجمے درج کئے جاتے ہیں۔

کسے کاندریں بوستانِ طرب ۔۔۔ رسید از عراقین و سند و عرب

چناں بست دل اندریں خوش بلاد ۔۔۔ کہ از مولد خود کم آورد یاد۔

جو کوئی بھی اس "بوستان طرب" میں عراق عرب، عراق عجم، سندھ اور عرب سے آیا،

سلطان کی فرمائش پر بہت سی کتابین ترجمہ کی گئین، سنسکرت مین طب پر ایک اہم کتاب ارگارمہا بیدک ہے، اس کا فارسی مین ترجمہ ہوا تو طب سکندری نام رکھا گیا۔ تاریخ داؤدی کے مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب نے ہندوستان مین طب کا سنگ بنیاد رکھا، اور عام استعمال مین رہی، واقعات مشتاقی مین ہے کہ جب میان بھوہ خواص خان کا جانشین ہوا تو اس نے بہت سے خطاط اور ارباب علم کو جمع کیا، اور ان سے ہر قسم کے فنون پر کتابین لکھوائین وہ خراسان سے کتابین منگواتا اور علماء و فضلا کو دیتا بہت سے اہل قلم کتابین لکھنے مین مشغول رہے اس نے ہند اور خراسان کے بہت سے اطبار کو جمع کیا تھا۔ اور طب کی تمام کتابون کا

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۲) اس کا دل اس اچھے ملک (خوش بلاد) مین ایسے لگتا ہے کہ اس کا مولد اس کو بہت کم یاد آتا ہے۔

جہان دیدگانے کہ گرد جہان — بگردند دایم سیاحت کنان

نپیندند خاطر بہ ہیچ از دیار — نگردند ماہی بہ شہر قرار

ہم آخر چو در ملک ہندوستان — در آیند ناگہ سیاحت کنان

سیاحت گذارند و ساکن شوند — برون زین دیار و وطن کم روند

چنان دل درین کشور خوش نہند — کہ دل برنگیرند اگر جان دہند

دنیا کے بڑے بڑے سیاح کسی جگہ ایک مہینہ سے زیادہ نہین ٹھہرتے، اور اگر وہ یکایک اس دیار (ہندوستان) مین آجاتے ہین تو سیاحت چھوڑ کر یہان سکونت پذیر ہوجاتے ہین اور یہان سے باہر کم جاتے ہین، اور اس ملک سے ان کا ایسا لگاؤ پیدا ہوجاتا ہے کہ ان کی جان بھی چلی جائے تو دلگیر نہین ہوتے۔

خوشا رونقِ ملکِ ہندوستان — کہ جنت برد رشکِ ازین بوستان

ایک انتخاب تیار کرایا، اور اس کا نام طب سکندری رکھا، جس سے زیادہ مستند کوئی اور کتاب ہندوستان میں نہیں "

سکندر کے عہد میں عرب، ایران، بخارا اور ہندوستان کے ارباب علم سلطان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے نئے دار السلطنت آگرہ میں آکر قیام پذیر ہو گئے تھے، اور سلطان کے اشارے اور حکم سے حکومت کے ارباب اقتدار اور امراء ان کو جاگیریں اور دوسرے انعامات دیا کرتے، سلطان کی وجہ سے اس کے زمانہ میں ادبی تصانیف کے مطالعہ کو بڑا فروغ ہوا۔

سلطان نے جو علمی سرپرستی کی اس کے ساتھ ہم اس کے بعض امراء کی فیاضیوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے ان ہی میں مسند علی حسین خان تھا، جو لوگوں کو بڑی فیاضی سے وظایف دیا کرتا تھا۔ اگر ان میں کوئی مرجاتا تو پھر اس کا وظیفہ اس کے رشتہ داروں میں کسی کو دیا جاتا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۳) ملک ہندوستان کی رونق کیسی اچھی ہے اس بوستان پر جنت کو بھی رشک آتا ہے۔

سوادش شدہ زیب روے زمین | چو خالے بہ رخسار ہر نازنین

اس کی سرزمین تمام روے زمین کے لئے زینت ہو، اسی طرح جیسے کسی نازنین کے رخسار پر تل ہو۔

چو کبریت احمر درو خاک کشت | بہ ہر چار فصلش ہوائے بہشت

اسکی خاک سے سرخ گندھک پیدا ہوتی ہے، اور اس کے چاروں موسم کی ہوا بہشت کی ہوا ہے،

سرشتہ ہمہ خاک او با گلاب | درو شبنمے دادہ نفع سحاب

اس کی ساری مٹی میں گلاب ملا ہوا ہے، اور اس کی مٹی پر شبنم بادل ہی کی طرح اثر کرتی ہے۔

اگر اس کو کوئی اولاد نہ ہوتی تو اس کی بیوہ کو متبنی کر لینے کو کہا جاتا۔ جس کو کسی درسگاہ میں بھیجکر تیر اندازی اور شہسواری سکھائی جاتی، اور اس کے سارے اخراجات کا کفیل مسند علی حسین خان ہوتا،

سکندر لودی کا ایک اور امیر کلام پاک کے سترہ پارے کھڑے ہو کر روزآنہ تلاوت کرتا، اور ہر روز غوث الثقلین کا تکملہ اور حصن حصین بھی پڑھا کرتا تھا

ابراہیم لودی اپنے باپ کی طرح نہ تھا۔ اور اس کے عہد میں .... ایک ایسے خاندان کی بنیاد پڑی، جس کے فرمانرواؤں کے عہد میں ہندوستان کو بڑی خوشحالی نصیب ہوئی،

..... اوپر کی سطروں سے یہ خیال جاتا رہیگا کہ دہلی کے پٹھان سلاطین محض لڑائی اور خونریزی میں لگے رہے، اس سے ان کا اقتدار ضرور قائم ہوا، لیکن ان کے زمانہ میں مفتوحہ علاقوں کو مستحکم کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت تھی، ان کو بھی وہ عمل میں لاتے رہتے، ان میں کچھ ایسے سلاطین بھی گزرے ہیں، جنھوں نے تعلیم کی ترقی و اشاعت سے اپنے علاقوں کو مضبوط بنایا، فیروز شاہ نے جن تعلیمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کا اظہار کیا وہ دنیا کی کسی قوم کے بھی بہترین حکمران کے لئے مایۂ ناز ہو سکتی ہیں، علاءالدین خلجی کا عہد بھی علمی اور تعلیمی حیثیت سے بہت اہم ہے، جس سے اس کے پیشرو حکمرانوں اور ان کے عہد کے سرداروں، امیروں اور ممتاز لوگوں کی بھی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، بعض حکمرانوں اور شہزادوں نے ارباب علم کی سرپرستی اپنی زندگی کا ضروری جزو بنالیا تھا جس سے علم و ادب کو بڑا فروغ ہوا، ایسے حکمرانوں اور شہزادوں میں بلبن، اور اس کے لڑکوں محمد اور ناصر الدین اور آگے چل کر محمد تغلق کے نام نمایاں ہیں، ...... دہلی میں بڑے بڑے انقلابات آئے لیکن اس کے باوجود یہ نہ صرف سیاسی بلکہ علمی مرکز بھی رہا، فیروز آباد نے دہلی کی شہرت کو ضرور ماند کر دیا تھا لیکن جب دوسری شہروں مثلاً آگرہ، جونپور، بیدر، حیدرآباد، اور بدایوں کو علمی فروغ ہوا تو فیروز آباد

بھی ان ۔ ۔ ۔ ۔ کے مقابلے مین ماند پڑگیا، ان مین سے بعض ۔ ۔ سمرقند، بخارا، بغداد، قاہرہ اور دمشق جیسے اہم علمی مرکزون سے کسی طرح کمتر نہ تھے، باہر سے ارباب علم یہان بکثرت آتے رہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہان کی علمی شہرت اور مقامات سے زیادہ رہی،

گھر پر جو نجی تعلیم دی جاتی، وہ بھی قابل ذکر ہے بعض فضلا و گھر ہی پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے، تاریخ طاہری کے مصنف نے اپنے استاد مولانا اسحٰق انکے گھر ہی پر تعلیم پائی، اور سعدی، حافظ، خاقانی اور انوری کا مطالعہ کیا، ایسے مدرسے چھوٹے تو ضرور ہوتے لیکن بہت تھے، اور خاص خاص مضامین کی تعلیم کے لئے مفید سمجھے جاتے، مدرسوں اور اعلیٰ تعلیمی ادارون مین بعض مضامین کی تعلیم خاص طریقہ پر نہین ہوتی، اسی لئے موسیقی اور مصوری کی تعلیم منتخب استادون کے گھر ہی پر ہوا کرتی تھی، فیروز شاہ نے اپنے غلامون کی تعلیم کا انتظام کیا تو ان کو ارباب فن کی نگرانی مین رکھا یا ان کو کارخانون یا صنعت خانون مین بھیجکر ان کو مختلف آرٹ کی تعلیم دلائی،

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۵) کشاں یش ہمہ گلبن و میوہ دار زمین سایہ در سایہ از شاخسار

معطر شدہ خاکش از بوے گل معطر شدہ آبش از روے گل

اس کی وسیع سرزمین گلبن اور میوہ دار درختون سے بھری ہے، اور اسکی زمین مین ٹھنڈک اور سایہ اس کے درختون کی وجہ سے ہے، اس کی خاک بوئے گل سے معطر ہے، اور اس کا پانی گلاب سے معطر ہے۔

زخاکش قوی گشتہ اصل بشر زبادش شدہ خوش ہوائے سحر

انسانیت کی اصل اسی کی خاک کی وجہ سے قوی ہوئی ہے، اور اس کی ہوا صبح کی ہوا کی طرح خوشگوار ہوئی ہے۔

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸	۱۱	ان اسباب	جن اسباب	۱۰۱	حاشیہ ۱۲	دطیر	دطیرہ
۴۸	۵	اس کے بعد بعض	اس کے بعض	۱۰۱	حاشیہ ۱۴	رضیہ	رضیہ کے
۶۲	حاشیہ ۴	نوسال	نوسو سال	۱۰۴	حاشیہ ۷	اراشاہ	آرام شاہ
۶۵	حاشیہ ۱۴	دو	دو	۱۰۶	حاشیہ ۷	ترہٹ	ترہت
۶۶	حاشیہ ۵	پرہم گپت	برہم گپت	۱۱۲	۳	۱۲۲۹	۱۲۸۹
۷۲	۴	وزہاہر	دراہاہر	۱۴۳	۲	کی ہے	کی
۷۳	۱۳	ہندون	جو ہندون	۱۴۴	۶	مستخراج	استخراج
۷۸	حاشیہ ۱	کشتر	لشتر	۱۵۰	حاشیہ ۲	منڈیون مین اپنا غلہ لا کر	منڈیون مین لا کر
۷۸	۱۲	جانتا تھا	چاہتا تھا،	۱۵۰	حاشیہ ۵	دفاترین	دفاتر مین
۷۹	۲	غوری کو بھی	غوری کو یسی	۱۵۲	حاشیہ ۹	قیمیت	قیمت
۷۹	۲	گو	کہ	۱۸۰	حاشیہ ۴	یخزبن	بحرین
۹۲	۳	سے	سی	۱۸۹	حاشیہ ۳	کتاب	کرتاب
۹۲	حاشیہ ۲	ہوئین	ہوتین	۱۹۸	حاشیہ ۲	کبری	ڈوگری
۹۶	حاشیہ ۱۳	ان کے پہلے	ان کو پہلے	۲۱۴	۱۵۹	مضوم	معصوم
۹۸	حاشیہ ۸	بلن	بلبن	۲۱۵	۹	مظلوم مین	مظلومین
۱۰۰	۷	حکوبتن	حکومتین	۲۲۷	۱۰	قراجبل	قراجیل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۶	حاشیہ ۵	شتبلج	ستلج
۲۶۸	حاشیہ ۵	یعنی	بعض
۲۷۲	۱۱	مشکل ہے	مشکل ہے کہ
۲۹۰	۱	مسراء	امراء
۲۹۶	۴	صرالدین	ناصرالدین
۲۹۷	۱	انجاو دیے	انجام دیے
۳۰۶	۴	اعلان کردیتا	اعلان کردیاجاتا
۳۰۷	۵	ہم لوگون	اہم لوگون
۳۱۸	۴	پھر	پھر بھی
۳۲۱	۹	تسکین کی	تشکیل کی
۳۳۳	۱	غلطی فہمی	غلط فہمی
۳۴۵	۱۱	جیبیون	جینیون
۳۴۷	۷	نصیرالدین	ناصرالدین
۳۵۲	۱۱	ہمیر جے	ہمیرو جے
۳۵۴	۵	پرش چوت	پرش چرت
۳۸۵	۷	تحدید	تجدید
۳۸۸	۹	سکونت پڑیر	سکونت پذیر
۴۰۳	۴	کے طور	کے طور پر
۴۰۶	۱۱	یا مذہب	مذہب
۴۰۷	۶	جیتن	چیتن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱۴	۱	منظبوط	مضبوط
۴۵۲	حاشیہ ۱	بانو	بھانو
۴۵۵	حاشیہ	باہانہ	شاہانہ
۴۵۸	۳	بناباب	نیاباب
۴۵۸	۴	ازمنہ وسطی دور	ازمنہ وسطی
۴۵۹	حاشیہ ۳	پوچاربون	پوجاریون
۴۵۹	۷ ،،	لگے	لگتے
۴۵۹	حاشیہ ۱۲	گردی	گرد
۴۶۰	۵	کوہی صحیح	کو صحیح
۴۶۰	۶	قنوون	فنوون
۴۶۰	۱۰	سرپرپستی	سرپرستی
۴۶۳	۲	کافورسے	کافور
۴۶۶	۶	سردرد	سرود
۴۶۹	۹	مرمت کرئی	مرمت کرائی
۴۶۹	حاشیہ ۹	اوردویاناتھ	اردویاناتھ
۱۰۴	۱۳	علم	علمٗ اور

ص ۳۷۹ پر اٹھارہویں جھلک کے بجائے .
انیسویں جھلک ہونی چاہیے ۔

مصنّف کی دوسری کتابیں

بزمِ صوفیہ

عہدِ تیموری سے پہلے کے صوفیائے کرام حضرت شیخ ابوالحسن ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ فرید الدین عراقیؒ، حضرت خواجہ گیسو درازؒ وغیرہ کے مستند حالات، ملفوظات اور تعلیمات۔ قیمت [illegible]

....

بزمِ تیموریہ

تیموری بادشاہوں، شاہزادوں اور شہزادیوں گلبدن، گل رخ، ماہم، نور جہان، جہان آرا، زیب النسا، زینت، عالمگیر وغیرہ کے علمی ذوق، اُن کے دربار کے امرا و شعرا اور فضلا کے مختصر تذکرے کے ساتھ اُن کے علمی و ادبی کمالات کی تفصیل، اور بہادر شاہ ظفر کی شاعری، اور اُن کے کلام پر تبصرہ اور غالب، میر تقی میر، ناسخ و آتش سے اُن کے کلام کا موازنہ،

قیمت: [illegible]

بزمِ مملوکیہ

ہندوستان کے غلام سلاطین، اُن کے امرا اور شہزادوں کی علم نوازی، اور اس دور کے علما و فضلا و شعرا، مثلاً بہاء الدین اوشی، مولانا منہاج سراج، شمس دبیر وغیرہ کے علمی و ادبی کارناموں پر نقد و تبصرہ، خصوصاً اس دور کے ممتاز و سرآمد روزگار شعرا ریزہ، شہاب اور عمید کا تعارف اور اُن کے کلام کا انتخاب،

قیمت: [illegible]

منیجر دارالمصنفین

طابع و ناشر صدیق احمد